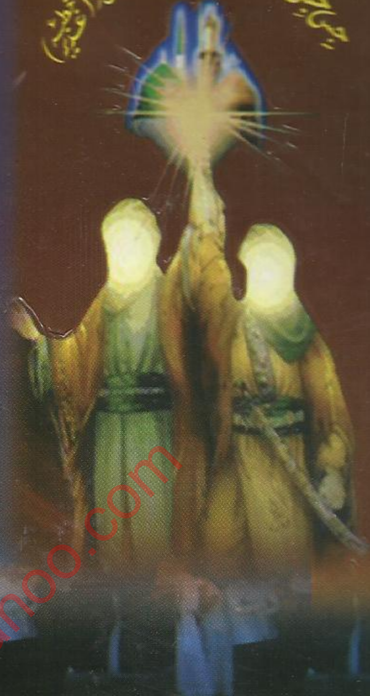
روشن حقائق

(اور اختلافِ امت)



اگر ایک ایک شیعہ کتاب کو دریا برد کر
دیا جائے تب بھی اکابرین اہلسنت کی صحیح و
معتبر کتب سے شیعہ مذہب کے واحد
حق ہونے کو ثابت کر دیا گیا ہے ،
کچھ نہیں تو خاموش عمارتیں ، ویران
قبرستان اپنی زبان میں ان واقعات
کو بیان کر رہے ہیں !!!

شیعت کا انسائکلوپیڈیا

تالیف: سید ابن شہیدؒ

ناشر: مرکز مہدی 14 خورجہ بلند شہر انڈیا 0001412
www.shia-faqt.haq.org

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

منجانب۔



سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان





۷۸۶
۹۲_۱۱۰
یا صاحب الزّماںؑ ادرکنی

DVD Version

NOT FOR COMMERCIAL

لبیک یا حُسینؑ

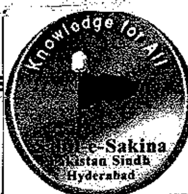
خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

www.ziaraat.com

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com



روشن حقائق

(اوراختلافِ امت)

جلد 2

تالیف: سید ابنِ شہیدؒ

ناشر مرکز مہدی 14 خورجہ بلندشہر انڈیا 0001412
www.shia-faqt.haq.org

تباہ کن تاحال نتائج

سقیفہ کے بڑے بڑے نتائج یہ تھے۔

۱۔حکومت الٰہیہ کا قیام جناب رسالت مآبؐ کے بعد نہ ہوسکا!!

۲۔تحقیر وتوہین رسولؐ وآل رسول علیہم السلام!!

۳۔آلِ رسولؐ پر مظالم کے سلسلہ کی ابتداء ہوا تھا، غصب فدک!!

۴۔جناب رسول خدا کے اسلام کی ترمیم و تنسیخ!!

۵۔اس کے بدلہ حکام سقیفہ کے بنائے ہوئے اسلام کا رواج!!

۶۔اُمت کی اکثریت کی نظروں میں جناب رسُول خداؐ کی جگہ حضرت عمر نے لے لی!!

۷۔دین کو چھوڑ کہ دنیا کی طرف رُجوع کرنا!!

۸۔لوگوں میں دولت وثروت کی ساری خرابیاں پھیلنا!!

۹۔دنیاوی وجاہت کے لئے دین کو فروخت کرنا!!

۱۰۔عصیان ونافرمانی رسُول!!

۱۱۔سانحہ کربلا واقعہ حُرہ وغیرہ وغیرہ!!(تفصیلات واثبات آگے ملاحظہ فرمایئے)

اختلاف امت، انعقاد ثقیفه بنی ساعده

تباہ کن تاحال نتائج

سقیفہ کے بڑے بڑے نتائج یہ تھے۔

۱۔ حکومت الٰہیہ کا قیام جناب رسالت مآبؐ کے بعد نہ ہوسکا!!

۲۔ تحقیر و توہین رسولؐ و آلِ رسول علیہم السلام!!

۳۔ آلِ رسولؐ پر مظالم کے سلسلہ کی ابتداء ہوا تھا، غصب فدک!!

۴۔ جناب رسول خدا کے اسلام کی ترمیم و تنسیخ!!

۵۔ اس کے بدلہ حکام سقیفہ کے بنائے ہوئے اسلام کا رواج!!

۶۔ اُمت کی اکثریت کی نظروں میں جناب رسُول خداؐ کی جگہ حضرت عمر نے لے لی!!

۷۔ دین کو چھوڑ کر دنیا کی طرف رُجوع کرنا!!

۸۔ لوگوں میں دولت و ثروت کی ساری خرابیاں پھیلنا!!

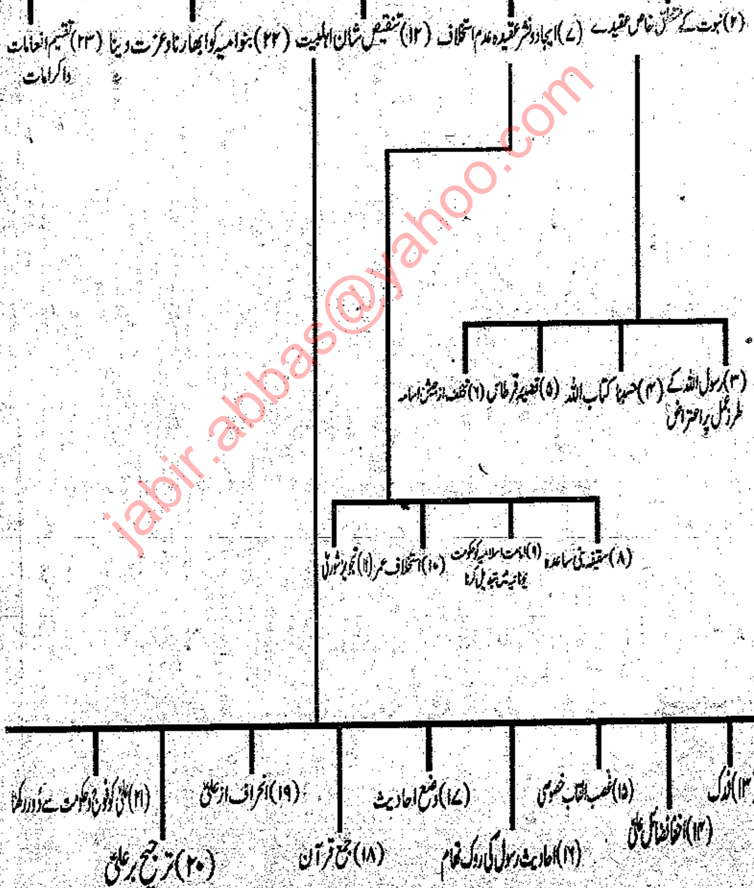
۹۔ دنیاوی وجاہت کے لئے دین کو فروخت کرنا!!

۱۰۔ عصیان و نافرمانی رسُول!!

۱۱۔ سانحہ کربلا واقعہ حرہ وغیرہ وغیرہ!! (تفصیلات و اثبات آگے ملاحظہ فرمائیے)

انعقاد ثقیفہ بنی ساعدہ وجہ اختلاف او عذاب امت

(۱) ہم خیال جماعت کی تجویز و توسیع و تنظیم



(اے پیغمبر ﷺ تم ایسا صبر کرو جیسا صبر عالی ہمت رسولوں نے کیا (القرآن)

ق۔۳۵ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ ط كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ط بَلَاغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ہ (سورۃ احقاف آیت ۳۵)

پس (اے پیغمبر!) تم ایسا صبر کرو جیسا صبر عالی ہمت رسولوں نے کیا اور ان کے لئے (عذاب طلب کرنے میں جلدی نہ کرو) یہ جس دن اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں تو (یہ معلوم ہونے لگے گا کہ دن کی ایک گھڑی ہی دنیا میں) ٹھہرے تھے یہ ہے پیغام پہنچا دینا، پس بدکاروں کے سوا کوئی ہلاک نہ کیا جائے گا۔

پہلے حضرت عمر کا قول سنیئے حضرت ابو بکر کی بیعت بے سوچے سمجھے ناگہانی طور پر واقعہ ہوگئی تھی: اللہ نے اس کے شر سے بچا لیا: اگر آئندہ کوئی اس طرح کرے تو اسے قتل کر دینا (صواعق محرقہ ص ۳۶) اب بتایئے اگر اس قول سے حضرت ابو بکر کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے تو پھر اس میں شائبہ شر

کیوں اس کے اعادہ پر قتل کرنے کا فتویٰ حضرت عمر نے کیوں دے دیا! حضرت عمر کا قتل کرنے کا حکم دینا ثابت کرتا ہے کہ بیعت ابو بکر فتنہ تھا اور اس کا ارتکاب مستوجب سزائے موت ہے! الہذا تنقیص ثابت ہوئی نہ کہ فضیلت۔

اگر حضرت ابو بکر حضورؐ سے پوچھے بغیر خود تخت حکومت پر قابض ہو سکتے تھے تو پھر آخر انصار کے لئے حکم ممانعت کی عدم موجودگی میں کون سی ایسی بات تھی جو وہ امر حکومت سے محروم رہے گئے جب کہ حضورؐ نے نہ ہی کسی مہاجر کو اپنا خلیفہ نامزد فرمایا اور نہ ہی انصار میں سے کسی کو بلکہ ہمیشہ حضرت علیؑ کو اپنا قائم مقام بناتے رہے! دعوت ذوالعشیرہ کے موقعہ پر ہی خلافت علویہؑ کا اعلان فرما دیا اور پھر اکثر ہر دہ لفظ حضرت علیؑ کے لئے ارشاد فرمایا جس سے آپؑ کا خلیفہ بلا فصل ہونا ثابت ہوتا ہے اور کار رسالت ﷺ کا آخری کام حکم خدا سے علیؑ کو نامزد فرمانا ہوا۔ لوگوں نے عہد غدیر کی خلافت ورزی کرتے ہوئے حضرت علیؑ کو حکومت سے محروم کر دیا حضور ﷺ نے اپنا فرض پورا کیا اور امت کو ثقلین کتاب اہلبیت کے سپرد کیا مگر امت نے حضور ﷺ کے اس حکم کو فراموش کر کے ہدایت کو چھوڑ دیا اور ضلالت کے گڑھے میں گر گئی!

اس عبارت سے حضرت ابو بکر کے خلوص کا ثبوت اسی صورت میں مل سکتا ہے جب وہ کوئی ایسا ثبوت پیش کرتے کہ حضورؐ نے مجھے تو اپنا خلیفہ بنایا ہے مگر انصارین کو اس شرف سے محروم رکھا ہے حالاں کہ نہ ہی کوئی حکم حضرت ابو بکر کے لئے تھا اور نہ ہی انصار کے لئے لہذا دونوں کا پلہ خالی اور برابر تھا البتہ انصار کے ساتھ یہ خلوص اس طرح ہوتا کہ انہیں بھی برابر کا شریک کار کیا جاتا جیسا کہ حضور ﷺ نے رشتہ اخوت قائم کر کے مساوات کا درس دیا تھا۔ لیکن یہاں تو انصار و مہاجرین میں سے کسی کو اختیار نہ تھا کہ معصوم نبی ﷺ کا قائم مقام غیر معصوم شخص کو چن لیتے جب کہ یہ کام ہی خدا اور رسول ﷺ کا تھا

امت کو خواہ مخواہ ٹانگ پھنسانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ خلافت و امامت کے لئے نص درکار ہوتی ہے، معصوم منصوص ہوتا ہے اور غیر معصوم غیر منصوص پس محرومی عصمت کی وجہ سے غیر معصوم منصب خلافت الہیہ کے اہل نہیں ہوتا ہے! ایک شبہ کا ازالہ کر دینا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمام بری صفات سے پاک ہے مگر مجازی معنوں میں خود خدا نے اپنے کو مکار، جبار، قہار وغیرہ کہا ہے۔

حالانکہ نہ ہی وہ ذات کسی سے مکر کرتی ہے نہ کسی پر جبر کرتی ہے اور نہ ہی قہر و ظلم جسطرح خدا نے یہ صفات مجازاً ارشاد فرمائی ہیں اسی طرح آئمہؑ برحق نے مجازاً خود کو خاطی و گنہگار کہہ کر بندگی خدا کی تعلیم دی ہے: ہمیں حضرت ابوبکر کے ایسے اقوال پر کوئی بھی اعتراض نہیں ہے جن میں انہوں نے خود کے گنہگار اور غیر معصوم ہونے کا اقرار کیا ہے، کیوں کہ ان باتوں کا ان کی خلافت سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے اس لیئے کہ خلافت حقہ کے لئے عصمت شرط ہے اور حضرت ابوبکر اسی لئے کہا کرتے تھے " کہ میں خلیفہ نہیں ہوں بلکہ خالفہ ہوں " جب حضرت صاحب خود ہی حقیقت کے مقر تھے اور اپنے کو خلیفہ نہیں سمجھتے تھے تو پھر ان کی نام نہاد خلافت کا انکار کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔

چونکہ خلیفہ کے لئے عالم ہونا ضروری ہے جیسا کہ اللہ نے اپنے پہلے ارضی خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام کا تقرر علم ہی کیوجہ و باعث سے کیا اس لئے خلیفہ کا جاہل ہونا براہ راست عجز خدا کا سبب ٹھہرتا ہے! لہذا آپ کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے ہم وہ اثبات پیش کر رہے ہیں جس سے حضرت ابوبکر کی قلت علم واضح ہو جاتی ہے، حضرت ابوبکر نے چوری کی سزا میں چور کا بایاں ہاتھ کٹوایا وہ پہلی مرتبہ کی چوری تھی اور یہی وجہ ہے کہ علماء اہل سنت نے حضرت صاحب کی اجتہادی غلطی مانی ہے: تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمالیں! نہایت العقول علامہ اہل سنتہ امام فخر الدین رازی اور تحفہ اثناعشریہ وغیرہ۔

حضرت علیؑ، حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے طرزِ عمل پر آپکا تبصرہ

"جو لوگ ان حضرات کے طرزِ عمل کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے یا عمداً سمجھنا نہیں چاہتے۔ وہ اکثر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ان تینوں بزرگوں کے طرزِ عمل آپس میں متضاد تھے اور ایک اصول پر مبنی نہ تھے۔ حضرت علیؑ نے بیعت نہ کی اور پھر بیعت پھیر لی۔ حضرت امام حسنؑ نے بیعت نہ کی اور پھر بیعت لی۔ حضرت امام حسینؑ نے بیعت نہ کی یہاں تک کہ جان دے دی۔ وہ اس سے یہ بھی نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں کہ حضرت علیؑ اور امام حسنؑ نے حق بجانب جانتے ہوئے بیعت کی تھی جبکہ یزید واقعی فاسق و فاجر تھا لہٰذا امام حسینؑ نے بیعت نہ کی۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر تقیہ جائز ہوتا تو امام حسینؑ ضرور تقیہ کے طور پر بیعت کر لیتے۔ کیسی کم فہمی کی بحث ہے۔ اگر ذرا غور بھی کرتے تو اس طرح نہ کہتے۔

ان تینوں حضرات کے طرزِ عمل پر غور کرنے میں اصول کو ہمیشہ مدِنظر رکھنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ ان سب کا مقصد حیات اسلام کو فائدہ پہنچانا اور اس کو ضرر سے بچانا تھا۔ یہ ان کو پرواہ نہ تھی کہ ہم تلوار اُٹھائیں تا کہ لوگ ہم کو شجاع سمجھیں یا ہم تلوار نہ اُٹھائیں گے تا کہ ہماری جان بچ جائے جب تلوار اُٹھانا اسلام کے لئے مفید ہوگا، تو تلوار اُٹھائیں جب خاموش رہنا اسلام کے لئے مفید ہوگا تو خاموش رہیں گے۔ چونکہ اسلام کو مفاد ان تینوں بزرگوں کے زمانہ میں مختلف صورت حالات کا متقاضی تھا، لہٰذا آپ ان کے طرزِ عمل میں بہ ظاہر اختلافات پائے جاتے ہیں۔ در اصل یہ بھی اختلاف نہیں ہیں۔ سب سے پہلے دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ حضرت علیؑ و امام حسنؑ نے بھی شروع شروع میں تو بیعت نہ کی تھی۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے کبھی بیعت کی ہی نہیں۔ دکلائے اہل حکومت یعنی مورخین اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ چھ مہینے کے بعد جب جناب فاطمہؑ کا انتقال ہو گیا۔ تو حضرت علیؑ نے یہ دیکھا کہ لوگوں کا رُخ ان کی طرف سے پھر گیا ہے۔ حضرت ابو بکر کی بیعت لی، گویا یہ تو ان کے کہنے سے ثابت ہو گیا کہ حضرت شیخین کو حقدارِ بیعت سمجھ کر بیعت نہیں کی۔ لوگوں کا رُخ اپنی طرف سے پھرتے ہوئے دیکھ کر بیعت کی۔ ہم کہتے

ہیں کہ یہ جو سبب بیعت بنایا ہے یہ ہی غلط ہے لوگوں کے چہرے آپ کی طرف سے پہلے ہی کون سے خوش نہ تھے؟ جواب جناب فاطمہؑ کی وفات کے بعد وہ بدنما ہو گئے۔ جناب فاطمہؑ کے دوران حیات ہی میں ان کی کونسی عزت کی گئی تھی؟ گھر کو ان کے جلانے کی دھمکی دی و دربارِ خلافت میں جا کر فدک مانگنے پر ان کو مجبور کیا۔

اور آخر کار جھوٹا ٹھہرا کر نامُراد واپس کر دیا۔ اب کس حسن سلوک کی ان سے اُمید ہو سکتی تھی۔ کہ جس کے لئے بیعت کر لیتے حضرت علیؑ نے خدا کی قسم کھا کر کہا تھا کہ میں تم سے بیعت نہ کرونگا۔ حضرت عمر کی فقہ میں تو عقل کو بڑا دخل ہے کیا آپ کی عقل کہتی ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ اپنی قسم کو جھوٹا کر دیں گے؟ صرف اس لئے کہ لوگ آپ سے بے رُخی کرنے لگے ہیں؟ ظاہر ہے کہ جب چھ مہینہ تک بیعت نہ کرنے والے حالات چلے آئے اور اب کوئی نئی بات جانبین کے حقوق میں واقع نہیں ہوئی جو بیعت کہ مُتقضی ہو تو وہی بیعت نہ کرنے والی حالت قائم رہی۔

جب علّت ہی نہیں تو معلوم کیونکر پیدا ہو گا۔ کہ حضرت علیؑ سے بیعت طلب کی اور انہوں نے بیعت کر لی۔ حضرت عثمانؓ سے تو بیعت کا نہ ہونا ظاہر ہے۔ جب حضرت عثمانؓ سے بیعت ہونے لگی تو بغیر بیعت کیے ہوئے آپ یہ کہتے ہوئے باہر چلے آئے کہ یہ پہلا ہی دن نہیں ہے کہ تم نے ہمارے اُوپر ناجائز غلبہ کر لیا خدا ہی اس کا فیصلہ کرے گا۔ غرضیکہ حضرت علیؑ کا بیعت کرنا ثابت نہیں۔ اسی طرح امام حسنؑ نے بذریعہ خط و کتابت معاویہ کو حکومت سپرد کی۔ اس وقت وہ دونوں ایک جگہ تھے ہی نہیں جو بیعت کا سوال اُٹھتا۔ جب معاویہ خطبہ میں آیا۔ عمرو بن العاص کی انگیخت سے امام حسنؑ کو خطبہ کے لئے کہا۔ تو اس خطبہ میں آپ نے حق ظاہر کیا کہ معاویہ ڈر گیا اور ان کو منبر سے اُتار لیا۔ بیعت کا ذکر اس وقت آیا ہی نہیں۔

ہیں کہ یہ جو سبب بیعت بنایا ہے یہ ہی غلط ہے لوگوں کے چہرے آپ کی طرف سے پہلے ہی کون سے خوش نہ تھے؟ جواب جناب فاطمہؑ کی وفات کے بعد وہ بدنما ہو گئے۔ جناب فاطمہؑ کے دوران حیات ہی میں ان کی کونسی عزت کی گئی تھی؟ گھر کو ان کے جلانے کی دھمکی دی و دربارِ خلافت میں جا کر فدک مانگنے پر ان کو مجبور کیا۔

اور آخر کار جھوٹا ٹھہرا کر نامراد واپس کر دیا۔ اب کس حسن سلوک کی ان سے اُمید ہو سکتی تھی۔ کہ جس کے لئے بیعت کر لیتے حضرت علیؑ نے خدا کی قسم کھا کر کہا تھا کہ میں تم سے بیعت نہ کروں گا۔ حضرت عمر کی فقہ میں تو عقل کو بڑا دخل ہے کیا آپ کی عقل کہتی ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ اپنی قسم کو جھوٹا کر دیں گے؟ صرف اس لئے کہ لوگ آپ سے بے رُخی کرنے لگے ہیں؟ ظاہر ہے کہ جب چھ مہینہ تک بیعت نہ کرنے والے حالات چلے آئے اور اب کوئی نئی بات جانبین کے حقوق میں واقع نہیں ہوئی جو بیعت کہ مُتقضی ہو تو وہی بیعت نہ کرنے والی حالت قائم رہی۔

جب علّت ہی نہیں تو معلوم کیونکر پیدا ہوگا۔ کہ حضرت علیؑ سے بیعت طلب کی اور انہوں نے بیعت کر لی۔ حضرت عثمانؓ سے تو بیعت کا نہ ہونا ظاہر ہے۔ جب حضرت عثمانؓ سے بیعت ہونے لگی تو بغیر بیعت کئے ہوئے آپ یہ کہتے ہوئے باہر چلے آئے کہ یہ پہلا ہی دن نہیں ہے کہ تم نے ہمارے اُوپر ناجائز غلبہ کر لیا خدا ہی اس کا فیصلہ کرے گا۔ غرضیکہ حضرت علیؑ کا بیعت کرنا ثابت نہیں۔ اسی طرح امام حسنؑ نے بذریعہ خطہ و کتابت معاویہ کو حکومت سپرد کی۔ اس وقت وہ دونوں ایک جگہ تھے ہی نہیں جو بیعت کا سوال اُٹھتا۔ جب معاویہ خطبہ میں آیا۔ عمرو بن العاص کی انگیخت سے امام حسنؑ کو خطبہ کے لئے کہا۔ تو اس خطبہ میں آپ نے حق ظاہر کیا کہ معاویہ ڈر گیا اور ان کو منبر سے اُتار لیا۔ بیعت کا ذکر اس وقت آیا ہی نہیں۔

اگر بلفرض جماعت اہل حکومت کے علماء ومئورخین بھی مانتے ہیں کہ شروع میں حضرت علیؑ وامام حسنؑ نے بیعت نہیں کی بعد میں حالات سے مجبور ہوکر، نہ کہ ان لوگوں کو حقدار بیعت سمجھ کر بیعت کر لی۔ تب بھی بیعت میں جبرواکراہ کا شائبہ آہی گیا تو بیعت ناجائز ہوگئی۔ ایسی بیعت کس کام کی؟ یہ تو نہ بیعت کرنے کے برابر ہے۔ گویا بیعت نہ کرنا تینوں حضرات کے حالات میں جزو مشترک ہے۔ اگر ہم بغرض بحث اس مجبوری کو مان بھی لیں تو کچھ فائدہ نہیں۔ اگر حضرت علیؑ وامام حسنؑ آخر تک لڑتے رہتے تو اس کا نتیجہ تو وہی ہوتا جو کربلا میں ہوا بلکہ اس سے بھی بدتر۔ اس وقت امام زین العابدینؑ تو بچ رہے۔ اب تو ایک بھی نہ بچتا اور ان دونوں بزرگواروں کی بہادری چتوڑ کے ان راجپوتوں سے زیادہ نہ سمجھی جاتی۔ جنہوں نے جب لڑائی کا رُخ بدلتے ہوئے دیکھا تو عورتوں اور بچوں کو مار کر مر گئے۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ حکومت کہ خاطر جان دے دی۔ اسلام کے لئے جو فائدہ امام حسینؑ کی شہادت سے ہوا، وہ نہ ہوتا۔ امام حسینؑ کے حالات کا فرق یہ ہے کہ نہ ان کے پاس حکومت تھی نہ وہ طالب حکومت تھے محض حاکم وقت کی بیعت کا اصرار تھا، امام حسینؑ کی شہادت کا مابہ الامتیاز ہی وطریق کو خلاف اسلام ظاہر کرنے کے لئے جان دے دی۔ حضرت علیؑ وامام حسنؑ کی شہادت میں کسی کا خیال اس طرف نہ جاتا بلکہ یہی کہا جاتا کہ حکومت کی خاطر لڑتے لڑتے جان دے دی۔

اتنی بڑی قربانی فقط اس بات کے لئے دینی جس سے اسلام کو کچھ فائدہ نہ ہوتا صریحاً مضر تھی لہذا نہ دی گئی۔ حضرت علیؑ اگر تلوار اٹھاتے تو بہت ہی شدید خطرہ تھا۔ قلت انصار تو ظاہر ہی ہے، فتح بھی ناممکن تھی علانیہ عداوت کا نتیجہ یہ ہوتا کہ فریق مخالف حضرت علیؑ کے حق میں قطعاً انکاری ہو جاتے اور مشرکین سے مل کر صاف صاف کہنے لگتے کہ جناب رسالت مآبؐ نے تو حکومت حاصل کرنے کے لئے یہ کھیل کھیلا تھا۔ دیکھو بنو ہاشم نے جو اپنے یہاں سے اس چیز کو نکلتے ہوئے دیکھا جو اُن کے محمدؐ کا مقصد حیات تھا اور اس کے لئے اپنی جان تک دے دی کیوں حکومت کے لئے خود بھی جان دی اور

بچوں کو بھی قتل کروایا؟ اب جو تم ان لوگوں کی کتابوں میں فضائلِ علیؑ و آلِ علیؑ پاتے ہو وہ نہ ملتے اور اُمت ان کو بھول گئی ہوتی جو اقوال و پند و نصائح حضرت علیؑ کے ہیں وہ بھی نہ شائع ہوتے غرضکہ جس کا دشمن گردن زنی سمجھا۔ تمام حکومت سقیفہ اور ان کے حلالی موالی سب حضرت علیؑ کو ایسا ہی سمجھتے۔ اور اسلام اس طرح مٹتا کہ کوئی نہیں جانتا بھی نہ کہ کبھی تھا۔ حضرت علیؑ نے اپنے کئی خطبوں میں وجوہات بتائی ہیں کہ آپ نے کیوں اپنا حق لینے کے لئے تلوار نہیں اُٹھائی قلت انصار اور ضرر اسلام یہ دو وجوہات آپ نے بتائی ہیں کیوں آپ نے اپنا حق بزور شمشیر نہیں لیا۔

اب رہا تقیہ، تو تقیہ کا اُصول تو ان لوگوں نے نہ کبھی سمجھا ہے اور نہ سمجھنے کی کوشش کی ہے تقیہ کے لئے دو شرائط ہیں (۱) ایک تو یہ کہ اپنی جان کسی اور ذریعے بچتی نہ ہو اور (۲) دوسرے یہ کہ ہمارے تقیہ سے ہماری جان سے بہتر شے کا نقصان نہ ہوتا ہو۔ اگر امام حسینؑ تقیہ کر لیتے تو اسلام کو ضرر عظیم پہنچتا جو قرآن تقبیر کے برخلاف ہوتا اور تقیہ تو نہ حضرت علیؑ نے کیا اور نہ امام حسنؑ نے کیا دونوں ہمیشہ اپنا حق جتاتے رہے جنہوں نے اُنکا حق لیا تھا اس کو ظاہر کرتے رہے کیا وہ صرف اتنا تھا کہ قلت ناصرین کی وجہ سے اپنا حق بزور شمشیر نہ لیا اور اگر شمشیر اس حالت میں اُٹھاتے تو نہ ملتا اور اسلام کو نقصان پہنچتا۔ اتنی سی بات کو زیادہ بنا لیا ہے

﴿ایک درخواست، ایک نصیحت اور ایک یاد دھانی﴾

۶۴ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۶۵ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ

بَعْدِہٖ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ہ (پارہ نمبر ۳۔سورۃ آل عمران ع ۷)

کہہ دے اے رسول کہ اے اہل کتاب آؤ اور اس امر پر مجتمع ہو جاؤ

جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے اے اہل کتاب

تم کیوں حق پر باطل کا پردہ ڈالتے ہو اور حق چھپاتے ہو۔ در آنحالیکہ تم

جانتے ہو (کہ حق کدھر ہے)

میں لکھ چکا جتنا لکھا گیا۔ اگر چہ دل میں اب بھی بہت کچھ لکھنے کی حسرت باقی ہے، لیکن جتنا میں نے لکھا ہے وہ بھی حق کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے جنہوں نے جو انقلاب کہ جناب رسولؐ خدا کے نظام کو درہم برہم کرنے کے لئے اُٹھا تھا۔ کامیاب تو ہو گیا۔ لیکن اس میں اسلام کیلئے صد ہاں خرابیاں مضمر تھیں اس نے حکومت الٰہی کے قیام کے امکان کو کھو دیا۔ اور جیسا ہم نے اُوپر بیان کیا گیا ہے حکام نے اپنے عقل و قیاس کے ماتحت لا کر اسلام کو بلکل مسخ کر دیا۔ اور ان صریح احکام شرعی کو اپنے عقل و قیاس کے ذریعہ متغیر کیا ہے۔ جن کی صراحت کی وجہ سے رسولؐ خدا کے بعد کسی بشر کے لئے جائز نہ تھا کہ ایسا کرے۔ اور ان لوگوں کا قیاس تو بہت ہی عامیانہ تھا اور ان امور میں ان کی عقل بھی انتہائی محدود تھی جو احکام شرعی کی کہنہ تک نہیں پہنچے تھے۔ اور چونکہ ان احکام کی کہنہ اُن کی سمجھ میں نہیں آتی تھی ان صریح احکام شرعی کو بدل ڈالتے تھے۔

۶۴۔ قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ م سَوَآءٍ م بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ

کیا رسول اللہ نے اپنا جانشین مقرر کیا؟

اے اہل کتاب آؤ اس امر کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔ یعنی

خداوند تعالیٰ اور رسول ان سلف کو تو تم بھی مانتے ہو۔ اور ہم بھی مانتے ہیں اس معیار پر ہی رسول کی صداقت کا امتحان کرلو۔ اسی طرح سے میں اپنے بھائیوں سے کہتا ہوں کہ محمد مصطفےٰ کو تم سچا رسول اور نبی مانتے ہو اور ہم بھی سچا جانتے ہیں، اس کے علاوہ اور بھی کئی ہمارے اور تمہارے درمیان میں امور مشترک ہیں۔ اُن ہی کی بناء پر اس امر متنازعہ کا فیصلہ کرلو، کہ آیا جناب رسولِ خداؐ نے خلیفہ کسی کو مقرر کیا یا نہیں اور اگر کیا تو کس کو کیا۔ اب دیکھتے ہیں کہ ہمارے اور آپ کے درمیان اس سوال زیر بحث کے متعلق کون کون سے امور مشترک ہیں۔ یہ بحث ٹھنڈے دل سے سنیئے، تعجب سے کچھ فائدہ نہیں سب کو مرنا ہے اور اپنے اعتقادات کا حساب خدا کے یہاں دینا ہے وہاں تعصب جو کہ محض ایام جاہلیت کا بقایا ہے کچھ کام نہیں کرے گا۔ **لقد جعلنا علیه اٰباء نا** جاہلیت ہی فقرہ ہے وہ امور جو مشترک ہیں یہ ہیں۔

(۱) جناب محمد مصطفےٰ سچے رسولؐ اور نبی تھے۔ جن کو خداوند تعالیٰ نے مقرر کر کے دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجا تھا۔

(۲) خداوند جناب رسولِ خدا میں رابطہ وحی قائم تھا۔ اور خداوند تعالیٰ اکثر امُور مہمہ میں جناب رسولؐ خدا کو بذریعہ وحی ہدایت بھیجتا تھا۔ چنانچہ جب حضرت عائشہ کے معاملہ میں آنحضرتؐ متردد ہوئے تو اس خاص الزام سے حضرت عائشہ کو بری کرنے کے لئے وحی آئی۔ قیدیان بدر و نماز بر جنازہء منافق پر بھی اسی طرح وحی آئی۔ اور بہت سے امور ہیں جن کا ذکر قرآن شریف میں نہیں ہے اور اس سے بذریعہ وحی جناب رسولِ خداؐ کو مطلع کیا گیا۔ شبِ معراج میں **فاوحی الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ** کے الفاظ اپنے اندر ایک داستان طویل مضمر رکھتے ہیں۔ امام حسینؑ کی شہادت سے بھی بذریعہ وحی آنحضرتؐ کو مطلع کیا گیا جس کا ذکر ایک حدیث کی کتاب میں ہے۔

(۳) خلافت یعنی جانشینیٔ رسولؐ امور مہمہ میں سے ہے جس پر آنے والی نسلوں کی ہدایت کا سلسلہ مبنی ہے۔ یہ ایسا اہم مسئلہ ہے کہ آنحضرتؐ شیخین جسدِ اطہر رسولؐ کو بے غسل وکفن چھوڑ کر اس کے فیصلے کے لئے چلے گئے۔

(۴) ہر ایک خلیفہ نے اپنا جانشین مقرر کرنا اپنا فرض اہم سمجھا جیسا کہ الفاروق میں حضرت عمر کی نسبت لکھا ہے۔

(۵) ہر ایک خلیفہ کو احساس تھا کہ مرنے کے بعد مجھ سے پوچھا جائے گا کہ اُمت محمدؐ کی ہدایت کے لئے انتظام کر کے آئے ہو۔ اور ان پر کس کو والی حاکم مقرر کیا ہے۔

(۶) جناب رسولؐ خدا نے فرمایا، **من مات ولم یعرف امام زمانه فقد مات میتة جاهلیة**۔ یہ حدیث مسلمِ فریقین۔

(۷) محبت آل رسولؐ اُمت پر فرض کی گئی ہے۔ بلکہ اجرِ رسالت یہی مقرر ہوا ہے۔

(۸) نصرانیوں سے آخری حجت ومباہلہ کے لئے اپنی مدد کے لیے اپنی آل ہی کو آنحضرتؐ لے کر نکلے تھے۔

(۹) ہر ایک نبیؑ نے اپنے بعد کے آنے والے ہادی کو مقرر کیا ہے یا اس کی پیشگوئی کی ہے۔

(۱۰) آیہء تطہیر میں حضرت علیؑ و فاطمہ اور حسنین علیہم السلام شامل ہیں اور حضرت ابوبکر و عمر و عثمان شامل نہیں ہیں۔ یہ امر تو مسلمہ ہے۔ ازواج کے متعلق آپ تنازعہ کرتے ہیں۔ اُس امر کی اس بحث میں ضرورت نہیں۔

(۱۱) حضرت علیؑ نے کبھی کفر نہیں کیا۔ اور نہ بتوں کے آگے سجدہ کیا۔ برعکس اس کے حضراتِ شیخین کی قبل از اسلام بت پرستی اور کفر دوستی مسلمہ ہے۔

(۱۲) بچپن سے حضرت علیؑ زیرِ نگرانی رسولؐ رہے۔ اور ان سے براہ راست تعلیم و تربیت حاصل کی۔

(۱۳) عقل سلیم جس کی طرف قرآن میں اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱۴) میں سے امور نمبر ۱ تا غایت ۱۲، پر ہم پہلے بہت لکھ چکے ہیں۔ اب حدیثِ آئمہ اثناء عشر کو بیان کرتے ہیں۔

کلهم ثم لغط القوم و تكموا فلم افهم قوله بعد كلهم فقلت لابی یا ابتاه ما بعد كلهم قال كلهم من قریش

قریش میں سے ہوں گے مقدمی کی روایت میں ہے کہ یہ خطبہ بمقام منیٰ دیا گیا تھا۔

مسند امام احمد جنبل الجزء الخامس صفحه نمبر ۹۹

اپنے آخر ایام جب جناب رسولِ خدا اہل بیت کے متعلق کچھ فرماتے تھے تو یہ لوگ غل غپاڑہ

اور بیہودہ کلامی ہی شروع کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ قصیہ قرطاس کے وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا، اس شورہ شغب سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ " کلھم من عترتی" فرمایا ہو گا کہ غل، غپاڑ شروع کر دیا۔ خود من قریش من قریش کرنے لگے۔ بہر صورت یہاں تو یہ فقط جملہ معترضہ ہی تھا۔ کلھم من عترتی کی بناء پر ہم بحث نہیں کریں گے۔ کہ عبداللہ ابن معسود کہتے ہیں کہ ہم نے جناب رسولؐ خدا سے دریافت کیا کہ اس اُمت میں کتنے خلیفہ ہوں گے تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ نقباء بنی اسرائیل کی تعداد کے موافق بارہ ہوں گے۔ (**دیکھو مسند احمد جنبل الجزء الاوّل صفحہ ۳۹۸، ۴۰۶**) یہ امر توجہ کے قابل ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ دین اسلام قوی و مضبوط رہے گا۔ حکومت اسلام کو نہیں فرمایا۔ یعنی ان بارہ خلفاء کے زمانہ میں دین اسلام قوی و مضبوط ہو گا۔ حکومتیں تو اسلام میں بڑی بڑی ہوئیں لیکن جتنی سلطنت و حکومت زیادہ طاقتور ہوتی تھی اتنا ہی دین زیادہ کمزور ہوتا تھا۔ اس کی شہادت میں سید ابوالحسن ندوی کو پیش کرتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ خلافت امویہ یا عباسیہ کے عروج کا زمانہ اور ولید عبدالملک، ہارون، مامون اور عبدالرحمٰن الناصر کا عہد اصولی حیثیت سے معیارا اور مستند نہیں ہے ان لوگوں کیلئے نئی کوئی جو اسلام کے معنی " اسلامی تمدن " سمجھتے ہیں اور اسلامی تمدن سے ان کی مراد بغداد و قرطبہ، دمشق، و غرناطہ کا تمدن ہوتا ہے۔ وہ اسلام کی ترقی کو میناروں کی بلندی، فن تعمیر کی ترقی اور فنون لطیفہ کی سرپرستی سے ناپتے ہیں۔ لیکن جو سمجھتے ہیں کہ اسلام ایک عملی روحانی، اخلاقی اور معاشرتی مذہب ہے، ان کو اس کی ترقی بغداد و قرطبہ کے عالی شان دور الخلافہ اور سر بفلک مسجدوں نے بجائے مدینہ کے جھونپڑوں میں نظر آئے گی۔

سیرۃ سیّد احمد شہید سیکنڈ اڈیشن صفحہ نمبر ۲۱، ۲۲۔

تاریخ اسلام میں سے لے کر بارہ خلفاء کا نام ہمیں بتا دیں

اب یہ تو معلوم ہوگیا کہ اسلام کی طاقت وعروج کے کیا معنی ہیں اور آنحضرتؐ کی حدیث صحیح کا بھی علم ہوگیا۔ لیجئے ہم آپ ہی پر چھوڑ دیتے ہیں۔ تاریخ اسلام میں سے لے کر ان بارہ خلفاء کا نام ہمیں بتا دیں۔ اگر آپ کے علماء کا اتفاق ان بارہ پر ہوگیا تو ہم سمجھیں گے کہ آپ کا دین صحیح ہے اور اگر نہ ہوسکا تو پھر آپ ہمارے ہاتھ پر دین حقہ کے لئے بیعت کریں۔ شیخ الا اسلام ابن حجر عسقلانی نی فتح الباری شرع صحیح بخاری مندرجہ ذیل بارہ خلفاء اسلام شمار کرتے ہیں، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، معاویہ، یذید، عبدالملک بن مروان بعد قتل ابن الزبیر، ولید، سلیمان، یذید، ہشام عمر بن عبدالعزیز، اور ولید بن یذید بن عبدالمالک انہوں نے سلیمان و یذید کے درمیان میں شک کیا ہے، لہٰذا ان دو کو ایک گنا گیا ہے۔ جلال الدین سیوطی اس طرح گنتے ہیں۔ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، حسنؑ، معاویہ، ابن الزبیر، عمر بن عبدالعزیز، مہتدی عباس مہدی، مہدی عباس، ان کے علاوہ وہ منتظر ہیں یعنی آنے والے ہیں۔ اُن میں سے ایک تو محمد مہدی اہل بیعت رسولؐ میں سے ہوں گے اور ایک کوئی اور۔ **(تاریخ الخلفاء مطبع مجتبائی صفحہ نمبر ۱۱، ۱۲)**۔

جو اُصول انہوں نے ان خلفاء کے شمار کرنے کے اختیار کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جس خلیفہ کو تمام دنیائے اسلام نے خلیفہ مان لیا۔ وہ تو اس فہرست میں آ گیا۔ جس پر تمام دنیائے اسلام کا اتفاق نہ ہوا، وہ اس فہرست میں نہیں آئے گا۔ خواہ کتنا ہی نیک اور عادل اور باحشمت کیوں نہ ہو۔ اسی وجہ سے مامون وہارون عباسیوں میں نہیں آئے ہیں۔ اور یذید جیسے خلیفہ آ گئے۔ محض یہ ہے کہ بات اس تنازعہ کو فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ کہ وکلائے حکومت سقیفہ بارہ خلافہ نہیں گنوا سکتے۔ اور اگر گنوائیں تو یذید ولید جیسے زانی وفاسق وفاجر آ جائیں گے یذید کے کارنامے سب جانتے ہیں ولید وہ صاحب جو شراب

میں مست رہا کرتے تھے اور رایہ کے سامنے اپنی جوان لڑکی سے زنا کر کے فخر کیا کرتے تھے۔ یہ ہیں حکومت الٰہیہ کے خلفاء الٰہیہ جس کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے جناب رسالت مآب مبعوث ہوئے تھے کسی شے یا شخص کا عشق انسان کو اندھا کر دیتا ہے اور محبوب کے عیوب و نقائص کو آنکھوں سے اوجھل کر دیتا ہے، اگر یہ حکومت الٰہیہ کے خلفاء ہیں تو حکومت فرعونیہ کے خلفاء کیسے ہوں۔ چونکہ وہ اصول جو سقیفہ میں انتخاب خلیفہ کے لئے ترتیب دیا گیا تھا۔

حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثناء حماد بن امامہ ثنا مجالد عن عامر عن جابر بن سمرۃ السوائی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی حجۃ الوداع ان ھذا نا واہ لا یضرہ من امتی اثنا عشر خلیفۃ قال لا بی ماقال قال کلھم من قریش۔

اسماء رواۃ عربی میں دیکھو، جابر سمرۃ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں میں نے جناب رسول خدا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ دین اسلام اپنے بدخواہوں پر غالب رہے گا اس کو مخالف اور مرتد کوئی نقصان نا پہنچا سکے گا۔ یہاں تک کے اُس میں میری اُمت سے بارہ خلیفہ نہ ہونگے۔ جابر کہتے ہیں کہ پھر کچھ آنحضرتؐ نے کہا میں نہ سمجھا میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آنحضرتؐ نے کیا کہا انہوں نے جواب دیا کہ آپ نے کہا کہ وہ سب قریش میں سے ہوں گے۔

مسند امام احمد حنبل الجزء الخامس صفحہ نمبر ۸۷، ۸۸، ۹۰، ۹۲، تا ۱۰۱۔

یہ حدیث ہر ایک مستند حدیث کی کتاب میں موجود ہیں۔ دیکھو

صحیح مسلمہ:۔ مطبوعہ بمیدان الازہر بمصر السادس صفحہ نمبر ۳،

صحیح بخاری مطبوعہ مصر الجزء الرابع صفحہ نمبر ۱۶۵ کتاب الاحکام باب الاخلاف

مشکوۃ باب مناقب قریش۔

اشعتہ اللمعات شرح مشکوۃ۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی الجزاء الرابع صفحہ نمبر ۶۱۹،

مسند ابی داؤد الطیالسی مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن۔

ارجح المالب۔ عبیداللہ امرتسریہ ایڈیشن چہار صفحہ نمبر ۴۳۲، ۴۳۳۔

کنز العمال۔ علی المتقی۔ الجزاء السادی صفحہ نمبر ۱۹۸،

عمدۃ القاری۔ جلد ۱۱، صفحہ نمبر ۴۳۹،

روضۃ الاحباب۔ جلد ۳، صفحہ نمبر ۲۷۔

تاریخ الخلفاء۔ جلال الدین السیوطی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی صفحہ نمبر ۱۱،

ینابیع المودۃ۔ شیخ سلیمان بلخی والقندوزی مفتی اعظم قسطنطنیہ۔

مودۃ القربیٰ۔ سید علی بن شہاب الہمدانی۔

﴿جامع ترمذی﴾

دراصل یہ یہ فقرہ کلھم من عترتی تھا۔ بہر صورت یہاں اُس بحث کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہاں تو ہم اُتنے کو اوپر ہی بحث کریں گے جتنا لوگ مانتے ہیں۔ لیکن

ایک روایت وہاں نقل ہونے سے رہ گئی جس کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

حدثنا عبداللہ حدثنی ابو الربیع الزہرا سلیما ن بن دوائود و عبید اللہ بن عمر القواریدی و محمد بن ابی بکر المقدمی قالو اثنا حماد بن ذید ثنا مجالد بن سعید عن الشعبی عن جابر بن سمرۃ قال خطبنا رسول اللہ صلی علیہ وسلم بعرفات و قال المقدمی فی حدیثہ سمعت رسول اللہ صلی علیہ وسلم یخطب بمنیٰ و ھذا لفظ حدیث ابی الربیع فسمعتہ یقول لن یزال ھذا الامر عزاً ظاھراً حتی یملک اثنا عشر۔

(اسماء رواۃ عربی میں دیکھو، جابر بن سمرۃ کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا ﷺ عرفات میں خطبہ دیا اور ہم نے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ دین قوی اور مظبوط رہے گا۔ جب تک کہ اس کے بارہ خلیفہ نہ ہو جا ئیں۔ جابر بن سمرۃ کہتے ہے کہ لفظ کلہم کے بعد لوگوں نے بیہودہ بکنا شروع کر دیا۔ اور میں نہ سن سکا کہ کلہم کے بعد کیا فرمایا۔ اور میں نے باپ سے پوچھا کہ اے ابا جان۔ کلہم کے بعد کیا فرمایا انہوں نے کہا کہ کلہم کے بعد جناب رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ من قریش۔ یعنی وہ سب قریش میں سے ہونگے۔

(مسند امام احمد حنبل:۔ الجزء الخامس صفحہ ۸۷، ۸۸، ۹۰، ۹۲ تا ۱۰۱،
یہ حدیث ہر ایک مستند حدیث کی کتاب میں موجود ہے۔ صحیح مسلم
مطبوعہ بمیدان الازہر بمصر الجزء السادس صفحہ ۳، صحیح بخاری مطبوعہ
مصر الجزء الرابع صفحہ ۱۴۵ کتاب الاحکام باب الاستخلاف مشکوۃ
باب مناقب قریش، اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ۔ شاہ عبداللہ
الحق محدث دہلوی الجزء الرابع صفحہ ۶۱۹، مسند ابی داؤد الطیالسی
مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن۔ الجزء الثالث صفحہ ۱۰۵،
حدیث ۷۶۷۔ مستدرک علی الصحیحین للحاکم الجزء الثالث
کتاب معرفۃ الصحابہ ذکر جابر بن سمرۃ السوائی صفحہ ۶۱۷ مطبوعہ
دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن، ارجح المطالب، عبیداللہ امرتسری
ایڈیشن چہار صفحہ ۴۳۲، ۴۳۳، کنز العمال، علی المتقی، الجزء السادس
صفحہ ۱۹۸، فتح الباری شرح صحیح بخاری، پارہ ۲۹، صفحہ ۶۲۹، عمدۃ
القاری، جلد ۱۱، صفحہ ۴۳۹، روضۃ الاحباب، جلد ۳ صفحہ ۲۷، تاریخ
الخلفاء جلال الدین السیوطی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی صفحہ ۱۱، ینابیع
المودۃ، شیخ سلیمان بلخی والقندوزی مفتی اعظم قسطنطنیہ، مودۃ
القربیٰ، سید علی بن شہاب الہمدانی، جامع ترمذی)

لہٰذا آپ لوگ ان حکام کو جائز خلیفہ ماننے پر مجبور ہو گئے صورت حال یہ پیدا ہوئی کہ یزید کو فاسق،
فاجر اور قاتل امام معصوم بھی کہتے جائیں گے اور اُسے خلفائے الٰہیہ کی فہرست میں بھی یہ جگہ دینے پر مجبور ہوں

گے۔ شراب وزنا کو برا سمجھیں گے لیکن زانی وشرابی حاکم کو جائز خلیفتہ اللہ مانیں گے۔ آخر اس عقل سلیم کو کیا ہوگیا ہوگا۔ یہ کیوں اس مشکل میں پھنسے؟ وجہ ظاہر ہے؛ جناب رسولؐ خدا نے جس طرح اپنے جانشین مقرر کئے تھے اُن کو تو انہوں نے مانا نہیں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول رائج ہوگیا۔ اور چونکہ اس اصول کے بنائے ہوئے خلیفہ جائز تھے لہٰذا جو بعد میں آئے سب جائز سمجھے جاگئے۔ برعکس اس کے کسی اثناعشری بچہ سے پوچھ لو، راہ چلتے ہوئے کہ جناب رسولؐ خدا کے بارہ خلفاء کون ہیں فوراً فر آپ کو بتادیگا۔ اور آپ کے بڑے بڑے علماء کا بھی اس امر پر اجماع نہیں ہے۔ اب آؤ دیکھیں کہ جو امور ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہیں۔ ان پر غور کرنے سے پہلے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

جناب رسولِ خدا سچے نبی تھے، خداوند تعالیٰ نے تمام انسانوں میں سے ان کو منتخب کر کے بھیجا تھا، خداوند تعالیٰ میں اور اُن میں رابطہ وحی قائم تھا، آنحضرتؐ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہ تھا۔ دنیا کو آپ کے بعد صدیوں قائم رہنا تھا۔ اس سے پہلے تمام انبیاء ومرسلین نے اپنے جانشین خود بحکم مقرر کئے تھے۔ اپنی اُمت کو اپنے بعد کے آنے والے ہادی کا پتہ اچھی طرح بتادیا تھا۔ جانشینیء ختم المرسلین کا مسئلہ بہت اہم تھا۔ اتنا اہم تھا کہ صحابہ کرام ماسوائے بنو ہاشم کے جسد اطہر رسولؐ خدا کو بے غسل وکفن چھوڑ کر اس کی تجویز کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ چلے گئے، آنحضرتؐ کے بعد کے ہر ایک خلیفہ کو اس کا احساس تھا اور اپنا جانشین خود مقرر کرتا تھا۔ یا اس کے لئے ایسی قیود وحدود والی شرائط لگا دیتا تھا، کہ گویا اس نے خود ہی مقرر کیا ہے۔ وہ خلیفہ یہ بھی جانتے تھے کہ اُن کے مرنے کے بعد خدا اُن سے پوچھے گا۔ کہ تم نے امتِ محمدؐ پر اپنے پیچھے کس کو حاکم ووالی مقرر کیا، حضرت عائشہ نے سب سے پہلے حضرت عمر سے یہ کہا کہ اپنا جانشین مقرر کرتے جاؤ تا کہ فساد نہ ہوں۔

ان تمام امور کی موجودگی میں آپ کا یہ عقیدہ کہ جناب رسولؐ خدا نے کسی کو اپنا خلیفہ مقرر

نہیں فرمایا۔ اور اپنے بعد کے آنے والے ہادی کا نشان نہیں دیا۔ کہاں تک قابل قبول ہوسکتا ہے سب کو آنحضرتؐ کی جانشینی کی اہمیت کا احساس تھا، لیکن خود جناب رسولؐ خدا کو اس کا احساس نہ تھا۔ **حسبنا کتاب اللہ** حضرت عمر کا قول ہے کہ خدا تمام امت کے لئے ہر امر پر ہمیشہ کے لئے کافی ہے۔ لیکن وہ کیا کافی ہوئی کہ جس میں جانشینیء رسول کا ہی تذکرہ نہیں حالانکہ یہ وہ مسئلہ ہے کہ اسلام میں تلوار محض اس ہی مسئلہ پر کھینچی۔ اگر یہ مسئلہ نہ ہوتا تو مسلمان آپس میں نہ لڑتے لیکن آپ کے مولویوں کے عقیدہ کے مطابق خدا سے بھی فروگذاشت ہوگئی اور جناب رسولؐ خدا سے بھی۔ کیا آپ اس کا یقین کرتے ہیں۔ عقلِ سلیم تو یہ کہتی ہے کہ ضرور جناب رسولؐ خدا کو بھی اس کا احساس تھا اور سنت ماضیہ کے مطابق خداوندی تعالیٰ نے آپ کے بعد کے ہادی کو مقرر کرکے اس کے اعلان کرنے کا حکم آپ کو دیا ہوگا۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ **من مات ولم یعرف امام زمانہ فقدمات میتۃ جاھلیۃ**۔ ہر ایک زمانہ میں ایک امام ہونے کا خیال آپ کے دل میں گزر رہا تھا۔ اُمت کو اتنی تاکید شدید زمانہ امامؑ کی معرفت کی ہے۔ جس طرح سورہ رعد (آیت ۷) میں فرمایا ہے:

اے حبیبؐ آپ تو فقط ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہے

اب دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ جب آپ کا عقیدہ عدم استخلاف کا غلط ثابت ہوا تو آپ تو نہیں کہہ سکتے کہ آپ کے حکام میں سے کسی کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ پھر یہ نہ کہتے کہ کسی کو مقرر نہیں فرمایا۔ اور نہ پھر سقیفہ بنی ساعدہ کی ضرورت رہتی۔ فرمایئے علیؑ کے سوا کوئی اور ہوسکتا تھا؟ جب نبوت کی شہادت و تصدیق کی ضرورت ہوئی تو آنحضرتؐ علیؑ کو لے گئے تھے۔ دعوت

ذی العشیرہ میں کہہ چکے تھے۔ کہ علی میرا وزیر اور خلیفہ ہے۔ اور بہت سی باتیں ہیں۔ کس کس کو بیان کریں۔ صرف آیۂ تطہیر ہی کو لو، یقیناً اس میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ شامل نہیں تھے اور حضرت علیؑ شامل ہیں۔ حضرات شیخین کافر رہ چکے تھے کفر ظلم عظیم ہے۔ جو اس کا مرتکب ہو چکا ہو وہ معصوم تو نہیں رہتا خواہ اس کا گناہ خدا بخش دے۔ یہ آیۂ تطہیر ناقابل تردید ثبوت ہے اس بات کا کہ حضرت علیؑ ایک علم فقہ کا حکم بھی نہیں دے سکتے تھے۔ ایک غلط تاویل قرآن شریف کی نہیں بتا سکتے تھے۔ اُن سے بہتر کون ہادیٔ دین ہو سکتا ہے، اگر غور کرو تو آیۂ تطہیر ہی سب کچھ فیصلہ کر دیتی ہے آنحضرتؐ کو خلیفہ بھی مقرر کرنا تھا اس تقرر کی اہمیت کا احساس بھی تھا۔ تو فرمایئے کہ علیؑ کو چھوڑ کر کہاں تلاش کرتے۔

آپ کا انصاف کیا کہتا ہے آیۂ مودت بھی قرآن شریف میں ہے۔ اُمت پر اُن کی محبت واجب ہے، یہ اتنا بڑا فرض ہے کہ اجرِ رسالت کی ادائیگی اس میں مضمر ہے۔ حب خدا و حب رسول کا جو مطلب ہے وہی اس کا مطلب ہے۔ حبِ خدا و حبِ رسول کا رُکن اعظم اطاعت ہے اگر آپ اُن کے احکام کی اطاعت ہی نہ کریں گے تو محبت کیسی۔ بلکہ محبت خالص و حقیقی ہوتے ہی اطاعت کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے حب مجازی بھی مستثنےٰ نہیں۔ آپ کے خدا کے احکام کی اطاعت نہ کریں۔ نماز نہ پڑھیں نہ روزہ رکھیں۔ نہ اس کا ذکر کریں غرضکہ جو جو احکام اس نے دیئے ہیں اُن کی خلاف ورزی کریں۔ حدود اللہ کی اطاعت نہ کریں۔ محرمات شرعی سے نکاح شروع کر دیں، خوب زنا کریں، شراب پیا کریں۔ کیا پھر بھی آپ حب خدا کا دعویٰ کریں گے۔ کیا کوئی شخص یہ کہنے والا پیدا ہو جائے گا کہ آپ کو خدا کی محبت ہے، عشق مجازی ہی کر لو۔ کیا آپ اپنے محبوب کی خواہشوں کے خلاف کچھ کر سکتے ہیں۔ اگر کر سکتے ہیں تو عاشق صادق نہیں۔

یہ بھی کوئی محبت ہے کہ فدک مانگا تو وہ نہ دیا۔ ہزار ہا کوششیں کر کے مسند حکومت چھین لی

شوریٰ میں ایسا حکم دے دیا کہ قتل ہی ہو جائے تو بہت اچھا۔ اس جوش محبت میں خانہء فاطمہ کو جلانے چلے حضرت علیؑ کو قتل کی دھمکی دی۔ انہوں نے قبر رسولؐ پر فریاد کی کہ اے بھائی مجھے ان لوگوں نے ذلیل کیا۔ اور قریب تھا کہ قتل کر ڈالتے۔ جناب فاطمہؑ فریاد کرتی رہیں کہ میں تم دونوں کہ شکایت اپنے بابا سے کروں گی تم نے مجھے بہت اذیت دی ہے۔ مرتے دم تک اُن سے گفتگو نہ کی اور جنازے سے بھی اخراج کا حکم دیا۔ کیا اچھے محبت کے مظاہرے جانبین سے ہو رہے ہیں غور کرو کس طرح آلِ رسولؐ کو اذیت دی گئی۔ کس طرح ان کی تحقیر کی گئی کس طرح اُن کے حقوق چھینے گئے اور پھر محبت کرنے والے کیوں نہ دعویٰ کریں۔ جب اُن کو عقل کے پودے سے اس دعویٰ کو ماننے والے مل جائیں۔ لیکن عقل پر اُن کا ماتم کیا جائے جو کہتے ہیں کہ واقعی حضرت شیخین عاشقان آلِ رسولؐ تھے سب کچھ تو حضرات شیخین کی محبت میں بدل دیا۔

اب عشق کی تعریف بھی بدل ڈالو۔ چونکہ انہوں نے مودّۃ قربیٰ نہیں کی اس لئے اجر رسالت ادا نہیں کیا۔ اجر رسالت ادا نہیں کیا تو وہ مسلمان کیونکر ہو سکتے ہیں کجا کہ جانشین رسولؐ اور حق دار حکومت سمجھے جائیں۔ سب کچھ بارہ آئمہ والی حدیث پر ہی منحصر نہیں ہے۔ یہاں تو یہ حالت ہے کہ اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی۔ ان بزرگوں کے مذہب اور طرزِ عمل کے لئے کوئی اُصول ہی مقرر نہیں ہے۔ حکومت حاصل کرنے میں جو تدبیر موقع اور وقت پر کارگر معلوم ہوئی فوراً اُس کے مطابق ایک اصول مقرر کر کے اُس کو استعمال کر لیا۔ پھر کوئی ایسا موقع آیا کہ تدبیر کی ضرورت ہوئی کہ اس میں پہلے اصول کے مخالف چلنا پڑتا ہے تو فوراً اس اصول کو نظر انداز کر کے اس تدبیر پر عمل کر لیا، یہ نہ دیکھا کہ یہ تدبیر ہمارے پہلے اصول کے خلاف ہے۔ اگر یہ دیکھتے تو موقع نکل جاتا دنیاوی حکومت تو اس طرح حاصل ہو گئی لیکن یہ حکومت الہیہ اور مذہب حقہ کی شان نہیں ہے۔ حق اٹل ہوتا ہے۔ اس کے اصول ومبانی تغیر وتضاد سے بالاتر ہوتے ہیں وہاں کے اصول تو ایسے ہوتے ہیں کہ پھر ان میں تضاد نا ممکن ہے۔

ایک اصول قائم ہو گیا کہ حکومت الہیٰہ کے لئے حاکم و ہادی موجودہ خلیفہ، خدا کے حکم سے منتخب کرتا ہے۔ بس دیکھ لو۔ مذہب حقہ میں کبھی اس کے خلاف نہ پاؤ گے۔ ایسا کبھی نہ ہوگا کہ امام اور ہادی کو موجودہ ہادی نے منتخب کیا۔ اور دوسرے، کا انتخاب لوگوں کی مرضی پر چھوڑ ا گیا، اصول قائم ہو گیا کہ قرآن شریف کی صحیح تاویل صرف ہادیان، ووارثان علم لدنی ہی جانتے ہیں۔ اب ایسا کبھی نہ ہوگا کہ ہم صحیح تاویل قرآن کے لئے اُن کے سوا کسی اور کی طرف کی رجوع کریں۔ یا وہ ہادیء دین خود ہی کہے کہ علم قرآن سیکھنا ہے، تو فلاں صحابی کے پاس جاؤ۔ علم فقہ سیکھنا ہے تو فلاں کے پاس جاؤ اور اپنے پاس کسی کو نہ بلائے۔ مذہب حقہ کا ہادی اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہوتا ہے، نہ اس کے اُوپر کبھی شیطان چڑھے۔ اور نہ کبھی وہ غصہ سے ایسا مغلوب ہو جائے کہ لوگوں سے کہے کہ جب میری حالت ہو۔ تو میرے پاس نہ آیا کرو۔

بھلا غور تو کرو خدا نے عقل کس دن کے لئے دی ہے وہ ہادی ہی کیا ہے جس پر شیطان غالب ہو جائے، مذہب حقہ میں کوئی حاکم، ہادی یا امام کتنا بڑا کیوں نہ ہو خواہ وہ علیؑ ابن ابوطالب ابوالائمہ کیوں نہ ہو یہ نہیں کہے گا کہ محمد مصطفےٰ نبی برحق کے احکام فلاں قابل اطاعت ہیں اور فلاں احکام ہم ماننے کے لئے تیار نہیں۔ وہ اس کہنے کو کفر کے برابر سمجھے گا کہ رسولؐ خدا نے فلاں حکم اپنی خواہش نفسانی کی پیروی میں دیا تھا۔ چونکہ میں ان سے زیادہ ہمدرد اسلام تھا، اسلام کی محبت و ہمدردی کی وجہ سے وہ حکم چلنے نہ دیا۔ علی ابن ابی طالبؑ اُس دن اپنی موت کو اپنی زندگی پر ہزار بار ترجیح دیتے اگر کبھی بھولے سے بھی جناب رسولؐ خدا کے متعلق ان کے منہ سے نکل جاتا کہ یہ شخص تو بیماری سے مغلوب ہو کر بکواس بک رہا ہے۔ دین حقہ کے اصول کے مطابق نبیؐ برحق جب بولتا ہے اور جو کچھ بولتا ہے وہ حق ہوتا ہے۔ اور خدا کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے، وحی ہوتا ہے۔

برخلاف اس کے حکومت سقیفہ والوں کے مذہب کو ملاحظہ فرمایئے

جناب رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کے حق میں وصیت خلافت تحریر کرنے کیلئے بستر بیماری پر قلم، دوات طلب فرمایا تو یہ کہہ کر مانع ہوئے کہ یہ شخص تو بیماری کی وجہ سے اپنے حوش میں نہیں ہے بکواس کہہ رہا ہے اور غشی کی حالت میں آنحضرت نے کچھ اشارہ کیا یا بات کہی اور جناب عائشہ نے سمجھا کہ حضرت ابوبکرؓ کو امامتِ نماز کے لئے حکم دیا ہے، تو یہ اشارہ ایسا وحی من اللہ سمجھا گیا کہ سقیفہ کے دنگل میں حضرت ابوبکرؓ اس کی وجہ سے مستحق خلافت ہو گئے۔ کبھی تو جناب رسولؐ خدا کی ہدایت سے ایسے مستغنی ہو گئے کہ فرمایا ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ **حسبنا کتاب اللہ**۔ وجہ یہ ہے کہ اس وقت آنحضرتؐ اپنے بعد کے ہادی کا پتہ دے رہے تھے اور اس کی ضرورت حضرت عمرؓ کو نہ تھی۔ جب جناب فاطمہؑ وراثت کی بناء پر فدک طلب کیا تو اب کتاب اللہ غائب۔ کیونکہ اس میں ورثہ کے اصول و قواعد درج ہیں۔ وہ حضرت فاطمہؑ کے حق میں جاتے اب جناب رسولؐ خدا کی لا وارث حدیث یاد آگئی۔ یاد تو کیا آئی بنائی گئی کوئی نہیں پوچھتا کہ **حسبنا کتاب اللہ** والا اصول کہاں گیا۔ حضرت عمرؓ کے خیال میں جناب رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے خلافت کے متعلق کچھ حکم نہیں دیا اور نہ کلالہ کے معنی بتائے تھے۔ یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ خلافت کے متعلق بتایا تو بار بار تھا ان کے متعلق کچھ ارشاد فرما جاتے۔ آنحضرتؐ نے خلافت کے متعلق بتایا تو بار بار تھا۔ اللہ کہہ کر روک دیا۔

اب کتاب اللہ کی طرف کیوں نہیں رجوع کیا جائے کیا وہ کتاب ناکافی ہے۔ اس میں ان امور کے متعلق احکام درج نہیں ہیں۔ اگر کافی ہے تو سقیفہ بنی ساعدہ کی کشمکش میں کیوں نہ اس کو پیش کیا۔ اس کا تو ذکر بھی نہیں آیا۔ غار میں محفوظ رہنے میں تو اتنی اہمیت۔ جہاد میں ساتھ دے کہ رسولؐ خدا کی حفاظت کرنے والے کا ذکر نہیں۔ کفار کے نرغہ میں بستر رسولؐ پر سونے والے کا ذکر نہیں انصار کے مقابلہ میں رشتہ داریِ رسولؐ تو باعثِ ترجیح۔ لیکن نزدیک ترین رشتہ دار کا نام بھی نہیں لیتے۔

حکومت الیہ کے لئے والی حاکم مقرر کرنے کے انتظام کرلو۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ اس پر تو ساری امت کا مستقبل منحصر ہوتا ہے۔ یہ ایک ہی اٹل طریقہ ہونا چاہئے۔ اگر نامزدگی اچھی چیز ہے تو وہ صحیح اور اگر کوئی اور طریقہ مناسب خیال کیا جاتا ہے تو وہ صحیح ! غرضکہ ایک اٹل طریقہ ہونا چاہئے جو حق کی شان ہے لیکن نہیں۔ یہاں تو اپنی خواہش نفسانی ہے جو سب کچھ کراتی ہے اگر موقع ایسا ہے کہ انتخاب سے اپنا آدمی مقرر ہوسکتا ہے تو وہ کریں گے۔

اگر نامزدگی کے چلے جانے کی امید ہے تو اسے کیوں چھوڑیں اور اگر محدود جماعت سے اپنا مطلب پورا ہوتا ہے تو وہ ہی سہی۔ کیا آپ نے کبھی اپنے مذہب کی اس تلوار مزاجی پر غور نہیں کیا؟ خلیفہ مقرر کرنے کے لئے کوئی طریقہ نہیں ملتا اور پھر اس پر ستم ظریفی یہ ہے کہ اس بات کا بھی اقبال کرتے ہیں کہ جو طریقہ ہم نے خلیفہ کے انتخاب کا اختیار کیا تھا وہ نہایت ہی ناموزوں اور نامعقول تھا۔ خبردار! آئندہ کوئی ایسا بُرا طریقہ اختیار نہ کرے۔ اگر کرے گا تو وہ اس کا منتخب شُدہ خلیفہ دونوں قتل کردیئے جائیں گے اگر حضرت عمر کا یہ آخری تجربہ صحیح ہے تو پھر وہ اور حضرت ابوبکر دونوں قابل مواخذہ ہوئے۔ گردن زدنی تو ہم کیونکر کہیں۔ یہ بھی کوئی انصاف ہے۔ معقولیت ہے کہ ہم جو کچھ کرلیں تو وہ درست۔ کوئی اور وہ ہی بات کرے تو گردن زدنی۔ حکام سقیفہ میں سے کسی ایک نے یہ نہ بتایا کہ خلیفہ مقرر کرنے کا بہترین طریقہ کونسا ہے اور آئندہ کس طرح خلیفہ مقرر ہونا چاہئیے خود اپنا مطلب حاصل کرگئے۔ اب آئندہ کی کیا پرواہ۔ کوئی طریقہ انہوں نے مطابق عقل و نقل کے اختیار کیا ہوتا تو وہ بتاتے اور دل کی بات کہہ نہیں سکتے تھے۔ وہ یہ تھی کہ کوئی طریقہ ہو جس سے بنو ہاشم حکومت نہ پاسکیں۔ وہ ہی بہترین طریقہ ہے۔ ڈر لگا کہ علیؑ کے خیر خواہ ایک جماعت پیدا کرکے علیؑ کو نہ خلیفہ کرادیں۔ لہذا کہنا پڑا کہ ہم نے تو جماعت بازی سے اپنا مقصد حاصل کرلیا۔ آئندہ جو ایسا کرے گا وہ سزاوار گردن زدنی ہوگا۔ نماز کو لیجیے۔

امام مالک ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔ دیکھو۔ **ملا محمد معین کی دراسات اللبیب** صفحہ ۳۴۰۔ امام شافعی نے پہلے تو ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ پھر اس حکم کی ترمیم کر کے کہا کہ اگر ہاتھ کھول کر بھی پڑھیں تو کچھ حرج نہیں دیکھو **عبدالوہاب** شعرانی کی **میزان الکبریٰ** صفحہ ۱۲۶۔ عبداللہ ابن زبیر نے ہاتھ کھول کر نماز پڑھی دیکھو **ملا محمد معین کی دارسات اللبیب** صفحہ ۳۴۰۔ امام ابوحنیفہ و امام احمد حنبل نے سب کے ہاتھ بندا دیئے۔ غرض اُن کی ہر ایک بات میں اختلاف ہے۔ ایک اُصول کہیں مقرر نہیں۔ صرف اس ہی ایک بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق ان کے پاس نہیں ہے۔ قرآن شریف نے یہ کلیہ قائم کر دیا ہے کہ اختلاف علامت کذب و زور ہے۔ **ۃ ۸۲** **اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ہ** کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بھی کچھ اختلاف پاتے۔ ان اختلافات کی تفصیل دیکھو کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ تالیف عبدالرحمٰن الجزیری میں، یہ چار ضخیم مجلدات ہیں۔

یہ بھی آپ نے غور کیا۔ اب تو کتب احادیث میں دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر کے لئے بنو امیہ نے بہت سی فضلیت کی احادیث پیدا کروا دیں۔ اگر یہ واقعاً صحیح تھیں۔ تو کیوں ان کو سقیفہ بنی ساعدہ کے ہنگامے میں نہ بیان کیا گیا۔ ان کے لئے وہ بہترین موقع تھا۔ یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ اتنی بے شمار احادیث میں سے حضرت ابوبکر و عمر و ابوعبیدہ بن الجراح کو ایک بھی یاد نہ رہی۔ یہی نتیجہ نکلے گا۔ کہ چونکہ بہترین و موزوں ترین ضرورت کے وقت یہ حربہ استعمال نہیں ہوا۔ لہذا اس کی ہستی ہی اس وقت نہ تھی۔

﴿منقول از مسئلہ قومیت تالیف سید ابولاعلی مودودی﴾

اچھا بجا درست مان لیا۔ فرمایئے حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے ہنگامہ سقیفہ میں کیوں انصار سے یہ

کہہ کر خلافت لی۔ کہ بقول آنحضرتؐ خلاف قریش کا حق ہے، یہ قبائلی امتیاز کیا؟ معلوم ہوا کہ حکام سقیفہ کی خلافت کی بنیاد اسلام کے اصول و مبانی کی مخالفت پر مبنی ہے۔ لہذا ناجائز ہے۔ اور ان بزرگواروں نے آنحضرتؐ کی طرف غلط قول منسوب کیا۔ حضرت عمر تمام عمر کہتے رہے کہ خلافت میں انصار کا حق نہیں ہے۔ تجویز شوریٰ کے وقت بھی آپ نے یہ ہی گراں قدر الفاظ فرمائے تھے۔ یہ کیوں؟ یہ بات بنیادی اُصول اسلام کے خلاف تھی یا نہیں؟ اُن تین دنوں کے لئے کے اصحابِ شوریٰ اپنے صلاح و مشورہ میں رہیں اور کوئی خلیفہ مقرر نہ ہوا۔ صہیب کو حکم دیا گیا کہ وہ امامت نماز کریں۔ اس کی وجہ بھی بتائی گئی۔ وہ یہ تھی کہ چونکہ صہیب غلام ہے۔ وہ امر خلافت کا دعویدار نہیں ہو سکے گا۔ یہ تفریق غلام و آزاد کیسی؟

حضرت عمر کا طرزِ عمل بالکل اس کے خلاف ہے لہذا غیر اسلامی ہے۔ آخر کوئی اُصول تو قائم کرنا چاہیئے۔ کہیں تو جمنا چاہیے۔ یہ بے اُصولا پن کب تک اور کہاں تک۔ حکامِ سقیفہ پر شیفتگی کی وجہ کیا ہے؟ آبائی عقیدہ کے علاوہ اور تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ انہوں نے اسلام کے لئے کوئی فائدہ کی بات نہیں کی۔ جو کچھ کیا وہ اسلام کے لئے مضر ہی ثابت ہوا۔ حکومت کا نمونہ حکومت کے اُصول ایسے قائم کئے۔ جنہوں نے اسلام کا نقشہ ہی بدل دیا۔ انہوں نے ایسی حکومتوں کی بنیاد رکھی جو اُمت محمدؐ اسلام سے کفر کی طرف لے گئیں۔ جس شخص میں تاریخ دانی کی بنیاد حکام سقیفہ نے رکھی تھی اور یہ سلطنت ان کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ اس امر کو ہم بار بار جتا چکے ہیں۔ اور بنو عباس کے مورث اعلیٰ عبداللہ ابن عباس حضرت عمر کے خاص مقتدیوں میں سے تھے۔ عمر ابن عبدالعزیز کا ذکر کرتے ہوئے سید ابوالاعلیٰ مودودی زمانہ حال کے بہترین سیاسی مفکرِ اسلام کہتے ہیں:۔

"پھر انہوں نے سیاسی اقتدار سے کال لے کر لوگوں کو ذہنی، اخلاقی اور معاشرتی زندگی سے جاہلیت کے ان اثرات کو نکالنا شروع کیا جو نصف صدی کی جاہلی حکومت کے سبب سے اجتماعی زندگی

میں پھیل گئے تھے۔اسلام کے اس مجدد اول کو صرف ڈھائی سال کام کرنے کا موقعہ ملا اور اس مختصر سی مدت میں اُس نے یہ انقلاب عظیم برپا کر کے دکھا دیا۔ بنی امیہ کا پورا خاندان اس بندہ خدا کا دشمن ہو گیا تھا۔ اسلام کی زندگی میں ان لوگوں کی موت تھی۔ وہ اس تجدید کے کام کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے۔ آخرکار انہوں نے سازش کر کے زہر دے دیا۔

تجدید واحیائے دین صفحہ ۳۱،۳۲۔ دیکھا آپ نے بنو اُمیہ کی سلطنت جاہلیت یعنی کفر کی حکومت تھی اور اسلام کی زندگی میں بنو امیہ کی موت تھی۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ یہی زبردست سیاسی مفکر اسلام لکھتا ہے۔

"عمر بن العزیز کے بعد سیاست و حکومت کی باگیں مستقل طور پر جاہلیت کے ہاتھوں میں چلی گئیں اور بنی امیہ، بنی عباس اور پھر ترکی النسل بادشاہوں کا اقتدار قائم ہوا۔ ان حکومتوں نے جو خدمات انجام دیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک طرف یونان، روم اور عجم کے جاہلی فلسفوں کو جوں کا توں لے کر مسلمانوں میں پھیلا دیا۔ اور دوسری طرف علوم و فنون اور تمدن و معاشرت میں جاہلیت کی تمام گمراہیوں کو اپنی دولت اور طاقت کے زور سے شائع و ذائع کیا۔ پانچویں صدی تک پہنچتے پہنچتے یہ حال ہو گیا۔ کہ یونانی فلسفے کی اشاعت سے عقائد کی بنیادیں ہل گئیں۔ محدثین و فقہاء علوم عقلیہ سے ناواقف تھے۔ اس لئے نظام دین کو مقتضائے زمانہ کے مطابق معقول انداز سے سمجھا نہ سکتے تھے اور زجر و تبیخ سے اعتقادی گمراہیوں کو دبانے کی کوشش کرتے تھے علوم عقلیہ میں جن لوگوں کے کمال کا شہرہ تھا۔ اور ان میں کوئی ایسا بالغ النظر آدمی نہ تھا۔ جو تنقید کی نگاہ سے اس یونانی لٹریچر کا جائزہ لیتا متکلمین کا جو گروہ اسلام کی "حمایت" کے لئے اُٹھا۔ اس نے وحی یونانی کو تو اٹل سمجھ کر جوں کا توں تسلیم کر لیا اور وحی آسمانی کو توڑنا اور مروڑنا شروع کیا تا کہ اس کے مطابق ڈھل جائے۔

ان حالات کا عام مسلمانوں پر یہ اثر ہوا کہ وہ دین کو ایک غیر معقول چیز سمجھے لگے۔ اس کی ہر

چیز انہیں مشکوک نظر آنے لگی .... امام ابوالحسن اشعری اور ان کے متبعین نے اس رو کو بدلنے کی کوشش کی۔ مگر یہ گروہ متکلمین کے عوام سے تو واقف تھا۔ لیکن معقولات کے گھر کا بھیدی نہ تھا ...... بلکہ معتزلہ کی ضد میں اس نے بعض ایسی باتوں کا التزام کیا جو فی الواقع عقائد دین میں سے نہ تھیں ...... مشرق سے مغرب تک مسلم ممالک میں ہر طرف اخلاق انحطاط رونما ہوگیا۔ جس کے اثر سے کوئی طبقہ خالی نہ رہا۔ علماء، امراء، عوام سب بھول گئے۔ کہ خدا کی کتاب اور رسول کی سنت بھی کوئی چیز ہے جس کی طرف ہدایت و رہنمائی کے لئے رجوع کرنا چاہیئے۔ شاہی درباروں، خاندانوں اور حکمران طبقوں کی عیاشانہ زندگی اور خود غرضانہ لڑائیوں کی وجہ سے عایا تباہ حال ہو رہی تھی"۔ **تجدید و احیائے دین صفحہ ۳۴، ۳۵**، ان عبارتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔

ہمارے بہت سے دعوے اس شہادت سے ثابت ہوتے ہیں۔ بنو امیہ و بنو عباس کی حکومتیں جن کے مادی عروج کو حضرت عمر کی مدح میں پیش کیا جاتا ہے محض جاہلیت یعنی کفر کی حکومتیں تھیں۔ یہی رائے ہر ایک مفکر کی رہی ہے۔ سید ابوالحسن ندوی کی عبارت ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ یہ ہے سقیفہ کی کارکردگی۔ کیونکہ حکومت سقیفہ ہی نے بنو امیہ کی سلطنت قائم کی اور یہ جانتے ہوئے قائم کی کہ یہ لوگ آخر تک اسلام اور رسول اسلام کے بدترین مخالف رہے ہیں۔ جب بالکل شکست ہوگئی تو ناچار بددلی سے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ دیا۔ دل سے ہمیشہ اپنے سابقہ کفر پر اڑے رہے۔ حکومت سقیفہ نے کوئی ایک قائدہ اور اُصول خلیفہ کے مقرر کرنے کا قائم نہیں کیا تھا۔ بلکہ جس کی لاٹھی اس ہی کی بھینس کے کلیہ کو رائج کیا تھا۔ یہ ہی کلیہ بعد کی تمام آنے والی حکومتوں نے اختیار کیا اور اسلام کی وہ حالت ہوگئی۔ جس کا رونا اب تک رویا جا رہا ہے۔

لے دے کر اب صرف دائرے کو یہاں تک محدود کر لائے ہیں کہ خلافتِ راشدہ کا تیس سال

کا زمانہ تو اصلی اسلامی حکومت کا زمانہ تھا۔ خلافتِ الٰہیہ کا زمانہ تھا۔ اس کے بعد جو لوگ آئے انہوں نے اسلام کو خراب کر دیا۔ اس کے لئے بیچارے حضرت عمرؓ کا کیا قصور۔ بجا فرمایا۔ جو فرمایا وہ سر آنکھوں پر لیکن بعد کے آنے والوں کے لئے دروازہ کس نے کھولا۔ خاندانِ رسالتؐ و معدنِ نبوت میں سے حکومت کو نکال کر گلی کوچوں میں کس نے اُچھالا۔ جو لوگ اسلامیوں کو اسلامی راہ پر چلانے کی اہلیت رکھتے تھے۔ ان کو کس نے حکومت سے محروم رکھا۔ اسلام کے دشمنوں کو کس نے خوش آمدید کہا۔ جب یہ سب کچھ کر لیا تو اس کے نتیجوں سے گریز کرنے کے کیا معنی اور اس خلافِ راشدہ کا حال بھی سُنیئے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں:۔

خاتم النبیین سیدنا محمد ﷺ نے یہ سارا کام ۲۳ سال کی مدت میں تکمیل کو پہنچا دیا۔ آپ کے بعد ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما دوایسے کامل لیڈر اسلام کو میسر آئے جنہوں نے اسی جامعیت کے ساتھ آپ کے کام کو جاری رکھا۔ پھر زمام قیادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منتقل ہوئی اور ابتداء چند سال تک وہ پورا نقشہ بدستور جمارہا جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قائم کیا تھا۔

جاہلیت کا حملہ:۔ مگر ایک طرف حکومتِ اسلامی کی تیز رفتار وسعت کی وجہ سے کام روز بروز زیادہ سخت ہوتا جا رہا تھا۔ اور دوسری طرف حضرت عثمان جن پر اس کارِ عظیم کا بار رکھا گیا تھا۔ اُن تمام خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیش روؤں کو عطا ہوئی تھیں۔ اس لئے جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا۔ حضرت عثمان نے اپنا سر دے کر اس خطرہ کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ رُکا۔ ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور انہوں نے اسلام کے سیاسی اقتدار کو جاہلیت کے تسلط سے بچانے کی انتہائی کوشش کی مگر ان کی جان کی قربانی بھی اس انقلاب معکوس (COUNTER REVOLUTION) کو نہ روک سکی۔ آخر کار خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور ختم ہو گیا .... اور اس

طرح حکومت کی اساس اسلام کے بجائے پھر جاہلیت پر قائم ہوگئی۔

حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد جاہلیت نے مرض سرطان کی طرح اجتماعی زندگی میں اپنے ریشتے بتدریج پھیلانے شروع کردیے۔ کیونکہ اقتدار کی کنجی اب اسلام کے بجائے اس کے ہاتھ میں تھی۔ اور اسلام زور حکومت سے محروم ہونے کے بعد اس کے نفوذ واثر کو بڑھنے سے نہ روک سکتا تھا۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی۔ کہ جاہلیت بے نقاب ہوکر سامنے نہ آئی تھی، بلکہ "مسلمان" بن کر آئی تھی۔ کھلے دہریئے یا مشرکین وکفار سامنے ہوتے۔ تو شاید مقابلہ آسان ہوتا۔ مگر وہاں تو آگے آگے توحید کا اقرار رسالت کا اور صوم وصلوٰۃ پر عمل، قرآن وحدیث سے استشہاد تھا۔ اور اس کے پیچھے جاہلیت اپنا کام کررہی تھی۔ ایک ہی وجود میں اسلام اور جاہلیت کا اجتماع ایسی سخت پیچدگی پیدا کردیتا ہے۔ کہ اس سے عہدہ برآ ہونا ہمیشہ جاہلیت صریحہ کے مقابلہ کی بنسبت ہزاروں گنا زیادہ مشکل ثابت ہوا ہے۔ عریاں جاہلیت سے لڑیئے تو لاکھوں مجاہدین سر ہتھیلیوں پر لئے آپ کے ساتھ ہوجائیں گے۔ اور کوئی مسلمان اس کی حمایت علانیہ نہ کرسکے گا۔ مگر اس مرکب جاہلیت سے لڑنے جایئے تو منافقین ہی نہیں بہت سے اصلی مسلمان بھی اس کی حمایت پر کمر بستہ ہوجائیں گے اور اُلٹا آپ کو مورد الزام بناڈالیں گے۔ جاہلی امارت کی مسند اور جاہلی سیاست کی رہنمائی پر "مسلمان" کا جلوا فروز ہونا جاہلی تعلیم کے مدرسے میں "مسلمان" کا معلم ہونا جاہلیت کے سجادہ پر مسلمان کا مرشد بن بیٹھنا وہ زبردست دھوکا ہے۔ جس کے قریب میں آنے سے کم ہی لوگ بچ سکتے ہیں۔

اس معکوس انقلاب کا سب سے زیادہ خطرناک پہلو یہی تھا کہ اسلام کا نقاب اوڑھ کر تینوں قسم کی جاہلیت نے اپنی جڑیں پھیلانی شروع کردیں اور ان کے اثرات روز بروز زیادہ پھیلتے چلے گئے۔ جاہلیت خالصہ نے حکومت اور دولت پر تسلط جمایا۔ نام خلافت کا تھا۔ اور اصلی میں وہ ہی بادشاہی

تھی۔ جس کو مٹانے کے لئے اسلام آیا تھا۔ **تجدید و احیائے دین صفحہ ۱۷،۱۸،۱۹** ۔اب آپ ان عبارات پر غور کریں۔ دیکھیے وہ تیس سالہ خلافتِ راشدہ گھٹ کر اب صرف بارہ سال کی عمر کی رہ گئی۔ صرف حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے آنحضرتؐ کے کام کو اسی طرح چلایا۔ اُن کے بعد حضرت عثمان ان کے جیسے خصائص حمیدہ کے حامل نہ تھے۔ جاہلیت یعنی کفر کا سیلاب بڑھنے لگا۔ حضرت علیؑ نے اس سیلاب کو روکنے کی بڑی کوشش کی لیکن نہ رُکا۔ گویا کفر کا غلبہ حضرت عثمان کے زمانے سے شروع ہو گیا۔ خلافت راشدہ خالی از کفر تو صرف حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے زمانہ میں رہی۔ اور وہ تقریباً بارہ سال کا عرصہ تھا۔ اب دیکھیے ہم میں اور آپ میں کتنا ذرا سا فرق رہ گیا۔

ہم کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد ہی جاہلیت یعنی کفر نے اُمت محمدیہ پر تسلط کرنا شروع کر دیا۔ آپ کہتے ہیں کہ نہیں۔ کفر نے آنحضرتؐ کی اُمت پر تسلط تو ضرور کیا۔ لیکن آنحضرتؐ کے انتقال کے بارہ برس بعد کیا۔ ہم ابھی اس دوازدہ سالہ کی بھی کیفیت اور ماہیت پر بحث کرتے ہیں۔ ذرا یہاں ایک نکتہ شامل کرتے چلیں۔ شیعہ اقلیت پر الزام لگایا جاتا ہے۔ (اقلیت ہمیشہ موردالزام ہی رہا کرتی ہے) کہ دیکھو یہ خدا کے بندے جناب رسولؐ خدا کی کس طرح توہین کرتے ہیں یہ کہہ کر کہ آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد ہی اُمت اسلامیہ کی اکثریت نے کفر کی طرف رجعت کی۔ کیا جناب رسولِ خداؐ کی تعلیم و صحبت ایسی غیر مستقل، کمزور، بے اثر، بے تاثیر، بے جان، بے رُوح تھی کہ ادھر آپ کا انتقال ہوا۔ اُدھر اس تعلیم کا اثر جاتا رہا۔ لیکن غور تو کیجئے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کہیں آپ بھی تو وہی نہیں۔ بلکہ رحلت کے بارہ سال بعد اُمت اسلامیہ پر کفر مستولی ہو گیا۔

لیکن وہ بارہ سال کس طرح سنبھلے حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی زبردست شخصیت نے سنبھالا۔ یہ دونوں مہر و ماہِ اسلام نظامِ محمدی کو اُسی طرح چلاتے رہے۔ جس طرح وہ پہلے چل رہا تھا۔ اگر یہ دونوں

نہ ہوتے یا اُن کی شخصیت ایسی زبردست نہ ہوتی تو یہ بارہ سال بھی نہ گذرتے۔ اور آنحضرتؐ کے انتقال کرتے ہی وہ سب کچھ ہو جاتا۔ جو بارہ سال کے بعد ہوا۔ اُمت اسلامیہ میں تو کُفر کی طرف رجعت کرنے کی اہلیت شروع ہی سے تھی۔ ان بزرگواروں نے اس کو تھامے رکھا۔ یہ تو ان دونوں بزرگواروں کی مدح ہے، جناب رسول خدا کی تعلیم یا نظام کی تو تعریف نہیں ہے۔

وہ تعلیم تو بودی، کمزور، بے رُوح، بے جان ہی تھی ایسی کہ اگر یہ دونوں بزرگوار نہ ہوتے تو آنحضرتؐ کے انتقال ہی پر سارا شیرازہ بکھر جاتا۔ یہ تو وہ ہی ہے جو آپ شعیوں کی طرف منسوب کرتے ہیں بلکہ شیعہ تو اس طرح کہتے بھی نہیں وہ تو کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی تعلیم تو کامل تھی جس زمین میں وہ تخم بویا گیا تھا۔ وہ زمین شور تھی جو اچھی زمین تھی وہ دیکھو کیسے ہرے بھرے پھل پھول لائی۔ کربلا کے گلستان کی طرف دیکھو۔ کربلا کو محمدؐ پر اور محمدؐ کو کربلا پر ناز ہے۔ آنحضرتؐ کی تعلیم توحید تو ایسی مستقل اور دائمی اثر رکھنے والی تھی کہ آخر کار اب ساری دُنیا اُسی طرف جا رہی ہے۔ ہر ایک فرقہ اپنے تیں موحد کہنے پر فخر کرتا ہے۔ تعلیم تو یہ تھی۔ اگر عرب کی فطرت نے دنیا کی وجاہت و ثروت سے مرعوب ہو کر خالص دین چھوڑ دیا تو ایسا تو ہوا ہی کرتا ہے۔ کہیں فطرت بھی بدلی ہے۔ خبر نہیں۔ کب سے ابلیس حضورِ خداوندی میں تھا۔ لیکن فطرت بدل لی، کان من الجن۔ لہٰذا نافرمانی کی اور عذابِ ابدی میں مبتلا ہوا۔

اب ہم اس دوازدہ سالہ خلافت راشدہ پر غور کرتے ہیں۔ اس کی ابتدا کو لیجیے۔ کیا اس کو خدا اور رسول خدا نے مقرر کیا تھا؟ آپ کو اپنے عقیدہ کے مطابق جواب دینا پڑے گا کہ نہیں۔ اس کو کس نے مقرر کیا تھا؟ تین مہاجرین و چند انصار نے۔ بقول حضرت عمر انصار کا حق خلافت میں نہیں تھا۔ پھر ان کا خلیفہ مقرر کرنا ناجائز ہوا۔ جس کا اپنا حق کسی عہدہ میں نہ ہو۔ وہ عہدے کے

لئے کسی کو منتخب نہیں کرسکتا۔ اب رہے تین مہاجر، ان تین کو کیا حق تھا۔ کہ ساری اُمت اسلامی کا حاکم مقرر کریں۔ یہ خلافت مبنی تھی تفرقہ اُمت پر۔ ساری بحث یہ تھی کہ خلیفہ کس فرقہ یا قبیلہ میں سے ہو۔ اُمت اسلامیہ کو ایک جسم مقرر کر کے تو خلیفہ منتخب نہ کیا۔ بلکہ اس کو فرقوں پر تقسیم کر دیا۔ ایسی جگہ مقرر کی جہاں مشورہ ہائے باطل ہوا کرتے تھے۔ اور بہت سی باتیں ہیں کس کس کا ذکر کیا جائے اس دوازدہ سالہ کی کارکردگی ملاحظہ ہو۔ اس کا ایک کارنمایاں تھا وہ یہ کہ بنو امیہ کی جڑ مضبوط کر دی۔ ممکن ہے کہ کہا جائے کہ دیکھو فتوحات ملکی اس ہی دوازدہ سالہ کے عشوہ و ناز کا نتیجہ ہیں تو اس سُرعتِ فتوعات کی خرابیاں ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور مودودی صاحب بھی ہمارے ہم رائے ہیں۔ لیکن بہت نرم الفاظ میں فرماتے ہیں۔ جہاں جاہلیت کے حملے کا ذکر ہے وہاں کہتے ہیں۔ کہ حکومت اسلامی کی تیز رفتار وسعت کی وجہ سے کام روز بروز سخت ہوتا جارہا تھا۔ یعنی یہ بُری بات تھی جو کام میں مشکلات پیدا کر دے وہ بُرا ہی ہوتا ہے۔ مودودی صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ مسلمانوں نے یونان کے فلسفہ کو جوں کا توں لے لیا اور اس سے مرعوب ہو گئے۔ اس فلسفہ نے اسلام کو خراب کر دیا یہ وہ ہی بات ہے۔ جو ہم کہہ رہے تھے۔ ایسا کیوں ہوا۔ اس وجہ سے کہ مسلمانوں کے پاس اپنے مذہب کا صحیح علم نہ تھا۔ ابھی صحیح تاویل قرآن و صحیح عمل لوگوں میں رائج و راسخ نہ ہوئے تھے۔ کہ باہر فتوحات پر بھیج دیے گئے۔ وہاں یونان و ہندوستان و ایران کے فلسفوں سے مقابلہ ہوا۔ تو میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

حکومت بنو امیہ کیا تھی؟ جاھلیت خالصہ یعنی کُفر محض۔ علامہ مودودی

نے بنو اُمیہ و بنو عباس کا نہایت عمدہ و صحیح نقشہ کھینچا ہے۔ جب فرمایا ہے کہ دراصل یہ کُفر

محض تھے۔ اسلام کا اُوپر سے ظاہری پردہ ڈال لیا تھا۔ اس سے بہتر وصحیح کیفیت بنوامیہ و بنوعباس کی بیان نہیں ہوسکتی۔ علامہ موصوف نے اُن بزرگواروں کا بھی ذکر کیا ہے جنھوں نے بنواُمیہ کے کُفر کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا مقابلہ کیا۔ اور دین کے احیاء کو ان کوششوں کا مرہون منت ٹھہرایا ہے۔ لیکن افسوس وصد افسوس حکومت سقیفہ کی تعلیم کا اثر اب تک لوگوں کے دلوں سے نہ نکلا۔ سب کا ذکر کیا۔ مولا حسینؑ کا ذکر نہ کیا جس نے سب سے پہلے اس بڑھتے ہوئے کفر کے سیلاب کو روکا۔ اور اس بہادری سے روکا جس کی مثال نہیں ملتی۔ اخفائے فضائل اہل بیت کا جو حکم دربارِ حکومت سقیفہ سے صادر ہو چکا ہے۔ اس کی تعمیل اب تک ہو رہی ہے۔ اور اہل بیت علیہم السلام پر جو مظالم کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ وہ اب تک جاری ہے۔

ہمیں ان بزرگواروں کے بے اصولے پن کا بار بار ذکر کرتے ہوئے شرم آتی ہے لیکن کیا کریں۔ واقعات نظر کے سامنے آئے جاتے ہیں۔ جب حضرت عمر نے اصحاب شوریٰ مقرر کیے۔ تو ہر ایک کی بُرائی بیان کی اور اس کو تسلیم کیا اگر علیؑ خلیفہ ہو گئے تو اُمت کو صراط مستقیم پر چلائیں گے۔ اس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کو فرعونِ اُمت کا لقب دیا تھا واقعی درست۔ خوب سمجھے۔ لیکن حضور پھر ان ہی کو آپ اس اہم مسئلہ کے حل کے لئے ثالث مقرر کرتے ہیں۔ اور اپنے بیٹے عبداللہ سے اتنی تاکید کہ جس طرف عبدالرحمٰن بن عوف ہوں اُدھر ہی تم ہونا۔ فرعون بھی اور یہ عظمت بھی۔ کیا آپ حکومت فرعونیہ کے لئے خلیفہ مقرر کر رہے ہیں۔ ہم تو سمجھتے تھے۔ کہ حکومت الٰہیہ کے لئے خلیفہ مقرر کیا جا رہا ہے کبھی تو ایک اُصول ایک بات پر قائم رہنا چاہیئے۔

حکومت سقیفہ کی محبت میں ان بزرگواروں نے نبوت اور حامل نبوت کو کس قدر گرایا ہے۔ پہلے تو نبوت میں سے حکومت نکال لی چونکہ حکومت کا حاکم خود انہوں نے اپنے صلاح و مشورہ سے مقرر کیا

تھا۔لہذا انہیں کہنا پڑا کہ نبوت میں حکومت شامل نہیں ہے۔اس ہی وجہ سے حضرت عمر آنحضرتؐ کے احکام میں مداخلت فرمایا کرتے تھے آخر کار مولوی شبلی نے ایک گر قائم کیا۔اگر حضرت عمر اُن امور میں مداخلت کرتے تھے جو نبوت کے اندر ہیں۔تو ہم اُن کو مسلمان بھی نہ سمجھتے۔ہم نے ثابت کر دیا۔اور وہ بھی مولوی شبلی کی زبانی کہ نبوت کا کوئی حصہ نہ تھا جس میں حضرت عمر نے مداخلت نہ کی ہو۔حج، روزہ، نماز، کلمہ طیبہ، اذان وغیرہ سب میں مداخلت فرمایا کرتے تھے۔نوبت بایں جارسید کہ تمام فقہ اسلامی پر حضرت عمر کا قبضہ ہو گیا اور اپنے عقل وقیاس کی بناء پر سارے اسلام کو ترمیم و تنسیخ کر ڈالا۔مولوی شبلی کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کا قائم کردہ فقہ زمانہ کی ترقی وعروج کے دوش بدوش چلنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا۔لہذا حضرت عمر نے اس کو ترمیم کر ڈالا اور ایسے اصول قائم کئے جو آج تک سب امور پر حاوی ہیں۔یہ توہین رسول ورسالت کی آخری حد ہے۔

اب ہم اپنے بھائیوں کی توجہ ان کے عقیدہ کی طرف مبذول کراتے ہیں۔ اگر آپ کے عقائد کو ایک جگہ جمع کیا جائے۔ تو آپ کا مذہب یہ ہے

ہم حضرت عمر کے اس اصول کی پیروی کرتے ہیں۔حسبنا کتاب اللہ۔کتاب اللہ ہماری ساری ضرورتوں کے لئے کافی ہے۔اس میں ہمارے لئے دین ودُنیا کے مسائل درج ہیں۔جہاں وہ سمجھ میں نہیں آئے گی۔اس کی تاویل ہم اپنی عقل وقیاس سے کریں گے۔کسی ہادی کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس کتاب اللہ میں جانشینیء رسول کا تذکرہ نہیں ہے۔نہ اس کے لئے کوئی ہدایت ہے۔اور نہ ہی بذریعہ وحی خداتعالےٰ نے اپنے رسول کو اُن کے جانشین کی خبر دی اور نہ اُمت کو اس ہادی کی شناخت

بتائی۔ ہاں یہ ضرور کہہ دیا کہ جس نے اپنے زمانہ کے امام کو شناخت نہ کیا۔ اور اسی حالت میں مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اور اُس کی نشانیاں بتاتے رہے ہیں۔ لیکن رسولؐ خدا کے لئے یہ ممنوع قرار دیا گیا۔ اگر چہ جانشینی رسول نہایت اہم امر ہے۔ ایسا اہم کہ حضرات شیخین غسل و کفن کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور حضرت عمر ہمیشہ اس ہی فکر میں غلطان و پیچان رہتے تھے۔

کہ کس کو اپنا جانشین مقرر کریں اور ہر ایک خلیفہ نے اپنا جانشین مقرر کیا۔ لیکن نہ تو خدا ہی کو اس کا خیال آیا اور نہ رسولِ خدا نے اس کی طرف توجہ کی۔ نہ تو اپنا جانشین خود مقرر کیا۔ اور نہ کوئی مجلس شوریٰ اس کے انتخاب کے لئے قائم کی۔ اور آپ کو یہ بھی خیال نہ آیا۔ کہ خداوند تعالیٰ جو مجھ سے سوال کرے گا۔ کہ اپنی اُمت پر کس کو والی و نگران مقرر کر کے آئے ہو۔ تو میں کیا جواب دوں گا۔ حالانکہ حضرت ابو بکر و حضرت عمر کو تو یہ ہی خیال مارے ڈالتا تھا۔ رعایا کا تو یہ حق تھا نہیں کیونکہ اگر رعایا کا حق ہوتا۔ تو حضرت ابو بکر کیوں اپنا جانشین مقرر کرتے۔ اور حضرت عمر کیوں قواعد و شرائط سے جکڑی ہوئی صرف چھ آدمیوں کی مجلس شوریٰ مقرر کرتے کوئی وجہ نہیں بتائی جا سکتی۔ کہ جناب رسولِ خدا نے اس اہم امر کی طرف سے کیوں بے توجہی کی جس طرح اپنے بعد کے ہادی مقرر کرنے کی طرف آنحضرتؐ نے توجہ نہیں کی۔ اس طرح اپنے اُوپر اُتری ہوئی کتاب یعنی قرآن شریف کے جمع و محفوظ کرنے کی طرف توجہ نہیں کی۔

اس کو یوں ہی منتشر چھوڑ کر دنیا سے رحلت کی۔ حضرت عمر نے خلافت کے موقعہ پر بھی اور جمع قرآن کے موقع پر بھی اسلام کو بچایا۔ اور قرآن جمع کرایا۔ لیکن وہ قرآن صحیح اور مکمل جمع نہ ہو سکا۔ پھر حضرت عثمان نے اس کو جمع کرایا۔ اور پہلے قرآن میں جو کمی رہ گئی تھی۔ اس کو پورا کیا۔ محبت آلِ رسولؐ ہم پر فرض ضرور ہے لیکن فدک و خلافت چھیننا اُس محبت کے منافی نہیں۔ ہم اپنی محبت پدری کی وجہ سے تو

اپنی اولاد کو ورثہ ضرور دیں گے۔لیکن محبت رسولؐ و آلِ رسول کوئی ایسی شے نہیں کہ ہم اس سے متاثر ہو کر رسول کا ترکہ اُس کی بیٹی کو دیں۔ اگر چہ حسبنا کتاب اللہ۔لیکن ہم اس امر وارثت کے فیصلے کے لئے اس کی طرف بھی توجہ نہیں کرنا چاہتے۔یوں عام طور سے تو ہم کو ہدایت رسولؐ کی ضرورت نہیں کیونکہ حسبنا کتاب اللہ۔لیکن اس موقع پر یہی بہتر ہے۔کہ رسُول کے منہ سے ایک حدیث لانورث بیان کر کے اس جھگڑے کو طے کر دیں۔پھر دیکھا جائے گا۔رسولؐ خدا نے یہ فرما دیا

کہ جس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا اور وہ مر گیا

تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔اور یہ بھی فرما دیا کہ اس اُمت میں میرے بارہ خلفاء انبیاء بنی اسرائیل کی طرح ہوں گے۔لیکن یہ نہ بتایا کہ ہر زمانہ کے امام کون ہوں گے اور وہ بارہ خلفاء کون ہوں گے۔لہذا اب اُمت ٹپے ٹوئیاں مارنے پر مجبور ہے۔کوئی یزید و ولید ہی کو حکومت الٰہیہ مین شامل کرنے پر مجبور ہے۔

اُمت نے آخر کار یہ فارمولا قائم کیا کہ جس کو سب نے مانا وہ ایک خلیفہ ہوا۔ہارون و مامون بڑے بڑے عظیم الشان بادشاہ تھے۔لیکن چونکہ اندلس اُن کے زیر نگیں نہ تھا۔لہذا وہ خلیفہ رسول نہ تھے۔گویا بنی اُمیہ یا یوں کہو کہ عمر ابن عبدالعزیز کے بعد دنیا خلفاء رسول سے خالی ہو گئی اور پھر بھی قیامت نہ آئی۔ہارون و مامون کے زمانہ میں کوئی خلیفہ رسول نہ تھا۔اور نہ اُن کے بعد کوئی خلیفہ رسول ہوا۔اُن کے زمانہ میں جتنے مسلمان مرے وہ جاہلیت کی موت یعنی کافر مرے۔کیونکہ اُن کے زمانہ میں

کوئی امام تو تھا ہی نہیں جو شناخت کیا کرتے۔اس میں کچھ شک نہیں۔کہ یہ امر عقل سلیم اور صحیح منطق اور انصاف کے خلاف ہے لیکن حکومت سقیفہ کے افعال حدود عقل و منطق و انصاف سے ہمیشہ آزاد رہے۔ چنانچہ یہ جانتے ہوئے کہ علی معصوم ہیں۔آیۂ تطہیر میں داخل ہیں۔کبھی کُفر نہیں کیا حکومت الٰہیہ کو چلانے کے لئے ہم سب سے زیادہ موزوں ہیں یہ سب جانتے ہوئے انکوں نظر انداز کر دیا اور خود حکومت الٰہیہ پر قبضہ کر بیٹھے قرآن شریف کو اتنا تو پڑھا کہ جب ابراہیمؑ نے امر امامت کی دُعا اپنی ذریت کے لئے کی تو خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ لاینال عہدی الظالمین۔یہ میرا امرِ امامت ظالموں کو نہیں پہنچتا۔اور کُفر قرآن شریف میں سب سے بڑا ظالم شمار کیا گیا ہے۔چالیس برس تک کُفر کرتے رہے بتوں کو خدا سمجھتے رہے۔اتنے بڑے ظلم کے مرتکب ہوئے اور پھر امامت الٰہیہ پر قبضہ کر بیٹھے اور اسکے اہل سمجھے گئے۔

یہ ہے وہ عقیدہ جو آپ کو اپنے آبا و اجداد سے ملا ہے۔لیکن جس عقیدہ کی طرف ہم آپ کو بلانا چاہتے ہیں، وہ یہ ہے۔ ہمارا عقیدہ

جناب رسولِ خدا کو سب سے زیادہ اسلام کی بہتری کا خیال تھا۔بحکم خُداوندی آپ نے حضرت علی کو اپنا جانشین منتخب کیا۔اور اسی خیال سے شروع سے انکو اپنے زیرنگرانی رکھا۔اور خود تعلیم دی۔دعوت ذی العشیرہ پر اور دیگر موقعوں پر آپ اس کا اعلان بھی کرتے رہے۔اور پھر خدا کے خاص حکم **یا ایھا الرسول بلغ ما اُنزل الیک من ربک** الآیۃ کے ماتحت آپ نے تمام اُمت کے سامنے اس کا اعلان کر دیا۔یہ امر دعائے ابراہیمی کے بالکل مطابق تھا اور بوجہ معصوم ہونے کے اور سب سے زیادہ علم رکھنے کے حضرت علیؑ اس امر خلافت کے اہل بھی تھے کبھی کفر نہیں کیا تھا۔کبھی

بتوں کے آگے سجدہ نہیں کیا۔ کسی جنگ میں خوف جان سے رسولِؐ خدا کو میدانِ جنگ میں اکیلا چھوڑ کر نہیں بھاگے۔ ہر ایک لڑائی علیؑ نے فتح کی۔ خود خطروں میں پڑ کر پیغمبرِ اسلام اور اسلام کی حفاظت ہر طرح کی۔ جب یہ حکومت علیؑ کی تلوار نے حاصل کر لی تو اب کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ آنحضرتؐ اُس حکومت کو اُن لوگوں کے حوالہ کر دیتے جو اپنی عمر کے چالیس سال کفر کے ظلم و گندگی میں رہے۔

قرآن شریف میں علیؑ کی جا بجا تعریف ہے۔ علیؑ نے اپنی جان راہ الٰہی میں بیچ کر خداوند تعالیٰ کی رضامندی حاصل کی تھی۔ لہذا حکومت الٰہیہ کے سب سے پہلے مستحق تھے۔ حکومت الٰہیہ کے حکام کا انتخاب لوگوں کی رایوں پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ جس طرح کہ پیغمبر کا انتخاب عوام الناس کی رایوں سے بالاتر ہے قرآن شریف کی طرف سے آنحضرتؐ نے بے توجہی نہیں کی۔ بلکہ اپنے جانشین حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ قرآن شریف جمع کریں۔ چنانچہ انہوں نے جمع کر کے آنحضرتؐ کے سامنے پیش کیا اور آنحضرتؐ نے اُمت کو بتایا کہ علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔ اس کا اور اس کی صحیح کا علم علیؑ سے سیکھو۔

☆☆☆☆☆

آپ کی عقل سلیم کیا کہتی ہے۔ ان دونوں میں سے جونسا عقیدہ بہتر نظر آئے۔ وہ ہی اختیار کرلیں۔ آگے آپ کی مرضی

مانو نہ مانو جانِ جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

یہ مجھ کو ماننا پڑے گا کہ اس باب میں مجھے بہت سی باتیں دُہرا کر کہنی پڑیں جو میں پہلے کہہ چکا تھا، تکرار کی بڑی وجہ تو یہ ہوتی ہے کہ ایک ہی مضمون یا واقعہ کئی عنوانوں کے تحت میں آتا ہے۔ اور سلسلہ بیان اور اثر قائم رکھنے کے لئے ہر عنوان کے نیچے اسے ذکر کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے یہ بھی ہے کہ مضمون کی اہمیت کی وجہ سے اُسے کئی طریقوں سے کہنا پڑتا ہے۔ تاکہ اچھی طرح ذہین نشین ہو جائے۔ نظیر تو بہت عظیم الشان ہے۔ کیا عرض کروں چھوٹا مُنہ بڑی بات ہے۔ مولوی محمد حفظ الرحمٰن کے قصص القرآن حصہ اول کے پیش لفظ سے ذیل کی عبارت نقل کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں گذشتہ قوموں کے واقعات کی تکرار جو قرآن شریف میں ہے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اسی لئے قرآنِ عزیز میں ان کی تکرار پائی جاتی ہے تاکہ سامعین کے دل میں وہ گھر کر سکیں اور فطری و طبعی رجحانات کو ان حقائق کی جانب متوجہ کیا جا سکے اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ ایک بات کو مختلف پیرایہ سے بیان اور مناسب حال اسلوم نگارش سے بار بار دُہرایا جائے اور خوابیدہ قوائے فکر کو پے بہ پے بیدار کیا جائے"۔

والسلامُ علیٰ مَن اتبع الھدےٰ

دعوت الحق کردار صحابہ

پہلے ہم ان واقعات کا ذکر کرتے ہیں۔ جنہوں نے اس جماعت کی سیاسی جدوجہد میں مساعدت کی اور جن کی موجودگی پر بھروسہ کر کے اس جماعت نے اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے قدم اٹھایا۔ وہ یہ ہیں۔

(۱) اکثریت قریش وصحابہ کا نبوت کے مفہوم اور اس کے مقصد کو کما حقہ نہ سمجھنا۔

(۲) عربوں کی حب مال وجاہ۔

(۳) عربوں کی فطرف میں کینہ کا خمیر۔

(۴) قبیلانہ رشک وحسد اور عصبیت۔

(۵) بنو اُمیہ کی رقابت۔

(۶) حضرت علیؑ کا طرزِ عمل اور ان کی رفعتِ شان۔

(۷) انصار و ماجہرین کی رقابت۔

(۸) مخالفین حضرت علیؑ کا حرمِ رسول میں رسوخ۔

﴿پہلی وجہ ناقص معرفت قرآن و رسول﴾

عربوں کی اکثریت نے نبوت کے مفہوم اور نبی کی شخصیت کو کبھی صحیح طور پر نہ سمجھا اور چونکہ انہوں نے ان لوگوں سے اعراض کیا جو قرآن شریف کی صحیح تاویل سے واقف تھے لہذا وہ صحیح تاویل قرآن سے بھی محروم رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے دونوں کو غیر مذاہب کے لوگوں کے مضحکہ کا نشانہ بنا دیا۔ غیر لوگ ان ہی کی کتابوں سے مراد لے کر رنگیلا رسول لکھتے ہیں اور ان کی ہی تفاسیر قرآن سے نوٹ لر کر قرآن پر اپنے مضامین شائع کرتے ہیں۔ اور جو یہ دونوں چیزیں آئینے کی طرح مسلمانوں کے سامنے آتی ہیں اس وقت حیران ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ کیا یہ ہماری ہی بنائی ہوتی تصویریں ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ یہ سمجھتے رہے کہ

نبی بھی ہماری طرح حرص و لالچ و حُب وجاہ و مال کی دلآویزیوں میں پھنسا ہوا ہے جب ہی تو خداوند تعالیٰ کی خواہش کے خلاف اپنے داماد کو خلیفہ مقرر کرنا چاہتا ہے اور کوشش ہے کہ حکومت اس کے ہی خاندان میں استقرار پکڑ جائے۔ یہ اُن کے تخیل سے بالاتر بات تھی کہ کوئی شخص گواہ نبی ہی کیوں نہ ہوں وہ معصوم ہوسکتا ہے یعنی ہر ایک گناہ اور ہر ایک صفت ذمیمہ سے بری ہوسکتا ہے یہاں تک کہ ان کے فقہ میں نبی کا معصوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ یعنی عصمت شرطِ نبوت نہیں معصوم کا جانشین عقلاً غیر معصوم نہیں ہوسکتا۔ لہذا ضرورت پڑی کہ معصوم کو معصوم ہی نا مانیں یعنی نبی کو معصوم نہ جانیں۔ پھر خیریت ہے۔ حضرت ابوبکر خلیفہ ہوسکتے ہیں۔ ان لوگوں کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر حضرت عمر نے نبوت کے متعلق ایک عجیب عقیدہ قائم کیا اور لوگوں میں پھیلایا۔ جس کا ذکر ہم حضرت عمر کی سیاسی تدابیر کے نیچے کریں گے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ بغیر اس عقیدہ کے اختراع کئے ہوئے کامیابی ناممکن تھی۔

﴿دوسری وجہ عربوں کی حب مال و جاہ﴾

اصلی عربی فطرت مثل اصلی عربی زبان کے بدوؤں میں پائی جاتی ہے ہر ایک سیاح نے جو وہاں گیا ہے۔ ان کی اس صفت کو اپنے ذاتی تجربہ سے بیان کیا ہے محض چند پیسوں کی خاطر کسی انسان کو قتل کر دینا ایک معمولی بات ہے ان کی یہ فطرت و عادت ہی رسم دختر کشی کا باعث ہوئی انہوں نے خیال کیا کہ لڑکے تو روپیہ کمائیں گے کاروبار دنیاوی میں مدد دیں گے۔ لیکن لڑکیاں محض بے فائدہ کا خرچ ہیں۔ ہم اس دعویٰ کی تصدیق میں قرآن شریف کی شہادت پیش کرتے ہیں **والا تقتلوا اولا دکم خشیة املاق نحن نرزقھم دایا کم** تم اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل مت کرو ہم ان کو بھی رزق دیں گے اور تم کو بھی۔ جو قوم روپیہ کو اولاد سے زیادہ عزیز رکھے اور اس کی خاطر اپنی اولاد کو قتل کر دے۔ اس سے کیا بعید ہے کہ جناب رسولِ خدا کے حکم کو نظر انداز کر کے ادھر جائیں جہاں سے خوب مال و متاع و جاگیریں ملیں۔

جس نقطۂ نظر سے حضرت علیؑ نے بیت المال کا روپیہ خرچ کیا اور جس فائدہ کو مدِ نظر رکھ کر حضرت عمر نے بیت المال کا روپیہ اور جاگیریں لوگوں میں تقسیم کیں ان میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ ان دونوں بزرگواروں کے مقصدِ سیاست میں فرق تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کے اپنے ذاتی مفاد نے ان کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ حضرت علیؑ کو خلیفہ نہ ہونے دیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر علیؑ خلیفہ ہو گئے تو وہ تو عادلانہ و مساوی طریقہ سے بیت المال کا روپیہ خرچ کریں گے۔ ان کے منظور نظر امیر نہیں ہوں گے بلکہ غریب ہوں گے۔ حضرت عمر نے کس طرح عربوں کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

﴿تیسری وجہ فطرت کینہ پرور﴾

جو لوگ عربوں کی تاریخ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ انکی ساری تاریخ کینہ وحسد کی ایک طویل داستان ہے کچھ عرب کی خاک ہی کینہ پروری توزی کی تاثیر مضمر ہے۔ عرب کا خاص جانور اُونٹ ہے اور شتر کینہ مشہور ہے۔ بنو بکر و بنو تغلب کی لڑائیوں سے لے کر ہسپانیہ و ایران کے عربوں کی خانہ جنگیوں تک اس ہی ایک صفت ذمیمہ کا منظر چلا آتا ہے۔ اکبر شاہ نجیب آبادی اپنی تاریخ اسلام جلد اول کے صفحہ ۴۲ پر لکھتے ہیں کہ عربوں کی یہ حالت تھی کہ اگر کبھی قاتل یا دشمن پر اس کی زندگی میں دسترس نہ حاصل ہو سکتی تو اس کے ناکردہ گناہ بیٹوں، پوتوں اور رشتہ داروں سے بدلہ لیتے تھے۔ اگر سبب عداوت یاد نہ رہے تو عداوت پھر بھی یاد رہتی تھی۔

یہ ظاہر ہے کہ جناب رسولؐ خدا کے اعلانِ رسالت نے تمام قریش بلکہ تمام عرب کو بنو ہاشم سے بدظن کر دیا۔ آپ کی لڑائیوں نے سب کو اپنا دشمن بنا لیا۔ اور آپ کی کامیابی نے اس عداوت میں حسد کی آمیزش کر دی۔ یہ ہم اچھی طرح واضح کر چکے ہیں کہ آنحضرتؐ کی تمام بڑی لڑائیاں جن پر اسلام کی ہستی کا دارومدار تھا محض حضرت علیؑ نے فتح کی ہیں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو یہ لڑائیاں مسلمانوں سے فتح

نہ ہوتیں اور رنگ ہی دُوسرا ہو جاتا۔ حضرت علیؑ نے ہر ایک قبیلہ کے متعدد سرداروں کو قتل کیا تھا اور ہر ایک قبیلہ کے دل میں ذوالفقار کے گھاؤ پڑے ہوئے تھے جن کو وہ کبھی نہ بھولے اور نہ بھول سکتے تھے۔ وہ لوگ جو محض آنحضرتؐ کی کامیابی سے مجبور ہو کر مسلمان ہوئے تھے اور دل میں اپنے آباؤ اجداد کے خداؤں کی توہین وتحقیر دیکھ کر جلے جاتے تھے۔ کب حضرت علیؑ سے خوش رہ سکتے تھے۔ اس امر واقعی کا ثبوت کہ اسلام لانے کے بعد بھی ان کے دلوں سے یہ بغض وکینے نہیں نکلے بہت آسان ہے۔

﴿علامہ ابن الاثیر نے اپنی تاریخ الکامل میں صاف طور سے اس کا ذکر کیا ہے۔﴾

قال عبداللہ ابن زبیر کنت مع ابی بالیر موک وانا صبی لا اقاتل فلما قتل الناس نظرت الی ناس علی تل لایقاتلون فرکبت وذھبت الیھم واذا بوسفیان بن حرب و مشخیة من قریش من مھاجرة الفتح فراء ونی حدثا فلم یتقونی قال فجعلواد اللہ اذامالت المسلمون ورکبتھم الروم یقولون ایہ بنی اصفر فاذا مالت الروم و رکبتھم المسلمون قالوا دیح بنی اصغر فلما ھزم الروم اخبرت ابی فضحک فقال قاتلھم اللہ ابوا الفغتار لنحن خیر تھم من الروم۔

عبداللہ ابن زبیر کہتے ہیں کہ جنگ یرموک میں میں اپنے باپ کے ساتھ

تھا جب لڑائی شروع ہوئی تو میں نے چند لوگوں کو ایک ٹیلے پر دیکھا کہ وہ کھڑے ہیں اور لڑائی میں شریک نہیں ہوتے میں گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہاں ابوسفیان اور چند بزرگان قریش تھے چونکہ میں کمسن بچہ تھا کسی نے میری پرواہ نہ کی اور کھلم کھلا باتیں کرنے لگے میں نے دیکھا کہ جب روم والے مسلمانوں پر حملہ کرتے تھے اور جب مسلمان رومیوں پر حملہ کرتے تھے تو یہ لوگ کہتے تھے ہائے ہائے روم والے جب اہل روم شکست کھا کر بھاگے تو میں نے اس واقعہ کا تذکرہ اپنے باپ سے کیا وہ ہنسے اور کہا کہ خدا انکو غارت کرے انکے دلوں سے کینے نہیں جاتے حالانکہ ہم ان کیلئے روم والوں سے بہتر ہیں۔

ہم ایک واقعہ درج کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ اسلام لانے کے بعد بھی جہاد کے مقتولین کی وجہ سے جو بغض و کینے دل میں بیٹھ گئے تھے وہ نہیں نکلے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ حضرت عمر کس طرح اس دشمنی سے اپنے مقصد کے حصول میں فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے تھے۔

ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال لسعید بن العاص و مربه انی اراک کان فی نفسک شیئاً اراک تظن انی فتک اباک انی لوقتلته لم اعتذر الیک من قتله و لکنی قتلت خالی العاص بن هشام بن المغیره فاما ابوک فانی مورت به وهو یبحث بحث الثور بروقه فحدث

عنه و قصدله ابن عمه علی فقتله۔

ایک دن حضرت عمر راہ میں سعید بن العص سے ملے اور کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے دل میں میری طرف سے بغض بھرا ہوا ہے میرا خیال ہے کہ تم گمان کرتے ہو کہ میں نے ہی تمہارے باپ کو قتل کیا ہے۔ اگر میں نے ان کو قتل بھی کیا ہوتا تو میں اس کی معذرت تم سے نہ کرتا لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ میں نے تو اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا تھا اور تمہارے باپ کے پاس سے میں گزرا تھا تو میں نے دیکھا کہ وہ بیل کی طرح پڑا ہوا اپنے خون میں لوٹ رہا تھا مگر اسکے ابن عم علی ابن ابی طالب اس کی طرف آئے اور اسکو قتل کر ڈالا۔

﴿سیرۃ ابن ہشام الجزء الثانی صفحہ ۲۷۷﴾

یہ ہے حضرت عمر کی سیاست کا نمونہ، اور زیرکی کا نقشہ۔ پہلے تو یہ کہہ دیا کہ اگر میں قتل کرتا تو معذرت نہ کرتا۔ تا کہ اس کو یقین آ جائے کہ اب جو یہ انکار کر رہے ہیں وہ درست ہے۔ پھر اس کے غم و غصہ کا رُخ کسی خوبی کے ساتھ حضرت علیؑ کی طرف کر دیا۔ اور عمداً ایسا کیا اور مرنے والے کا ایسا نقشہ کھینچا کہ اس کے دل میں وہ غصہ اور زیادہ تیز و شدید ہو جائے کہ دیکھو علیؑ نے میرے باپ کو کیسی بے کسی اور بے حسی کی حالت میں قتل کیا۔ یہ تاریخی واقعہ ہے کہ ہر بڑی لڑائی کے بعد جوق در جوق لوگ اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد تو ہزاروں کافروں نے ظاہراً لباس اسلام پہن لیا۔ جنگ خیبر اور دیگر یہودیوں کی لڑائی کے بعد بہت سے یہودی بظاہر مسلمان ہو گئے۔ یہ بھی ان کی ایک سیاسی چال تھی جس میں وہ کامیاب ہو گئے جب دیکھا کہ اسلام کو تلوار سے زک نہیں دے سکتے تو مکر و فریب کے ذریعے سے تخریب اسلام کے درپے ہو گئے یہ لوگ کبھی نہیں بھولے اور نہ بھول سکتے تھے کہ صرف حضرت علیؑ ہی ان کے بیخ و بن کے اکھیڑنے

والے ہیں۔ اب انہوں نے یہ چال چلی کہ مخالفین علیؑ سے مل گئے اور ایسے ملے کہ شیر و شکر ہو گئے۔ کیونکہ مخالفتِ علی دونوں میں جزو مشترک تھا۔ اس کا ذکر تفصیل سے آگے آئے گا۔

«چوتھی وجہ قبیلانہ رشک و حسد اور عصبیت»

عرب کی اس زمانے کی تہذیب بنی نوع انسان کی معاشرتی زندگی کے ارتقاء کے اس مرحلہ تک پہنچی تھی کہ جہاں آبادی کی اکائی قبیلہ سے شروع ہوتی ہے اور افرادِ ہستی ان کے قبیلہ میں مدغم ہو جاتی ہے، دوستی، محبت و نفرت، اُلفت و حسد افراد میں مخصر نہیں رہتے بلکہ قبیلوں میں ہوا کرتے ہیں۔ عرب کی یہ حالت اس زمانہ میں تھی جس طرح زمانہ حال میں مہذب دُنیا کی قومیں نہیں چاہتیں کہ ایک قوم دوسری قوم سے زیادہ طاقتور یا مالدار ہو جائے اسی طرح عرب میں اس زمانہ میں سارے قبائل رشک و حسد کے جذبات میں سرشار تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے سے زیادہ رسوخ و اثر والا ہو جائے۔ یہی وجہ تھی کہ عرب میں ابھی تک اندرونی بادشاہت قائم نہیں ہو سکی۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے سردارِ اُمت ہونے کی وجہ سے یہ حکومت قائم ہوگئی تو وہ لوگ جن کے دلوں میں حمیت جاہلیت موجود تھی۔

اس کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے اور یہ تو وہ قطعی نہیں چاہتے تھے کہ ایک ہی قبیلہ میں سے متواتر یکے بعد دیگرے دو حاکم ہوں اور بزرگوار سقیفہ بنی ساعدہ کی کاوشوں کے بعد برسرِ حکومت آئے تھے ان کا اس ہی میں فائدہ تھا کہ اس قبیلہ نہ رشک و حسد کی بناء پر لوگوں کو قبیلہ بنی ہاشم سے منحرف کر دیں چنانچہ انہوں نے ان لوگوں کو سمجھایا اور بہت اچھی طرح ذہن نشین کرایا کہ اگر آنحضرت کی رحلت کے بعد ہی علیؑ خلیفہ ہو گئے تو پھر حکومت کا یہ سلسلہ قائم ہو جائے گا۔ اور بنو ہاشم میں سلطنت کو استقلال ہو جائیگا۔ اور تمہارے لئے کوئی گنجائش نہیں رہے گی برخلاف اس کے ہماری طرف سقیفہ بنی

ساعدہ کی دھماچوکڑی ہے۔ آج ہم، کل تم، اسی طرح یاروں کے گھیرے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اندریں صورت لوگوں کا رخ کدھر ہونا چاہیئے تھا۔ حضرت عمر کے بیان سے اور کون سا زیادہ ثبوت ہوسکتا ہے۔ انہوں نے اس گفتگو میں جو حضرتِ عبداللہ ابن عباس سے ہوئی تسلیم کرلیا ہے کہ محض قبیلانہ رشک وحسد کی وجہ سے علیؑ کو خلیفہ نہیں ہونے دیا، علامہ جرجی زیدان لکھتے ہیں۔

"عمر ابن الخطاب وغیرہ کے اقوال سے جو انہوں نے مختلف موقعوں پر کہے ہیں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مُسلمانوں نے بنو ہاشم کو عزت نبوت سے سرفراز دیکھا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ ان ہی میں سے تھے۔ لہذا انہوں نے یہ پسند نہ کیا کہ عزت نبوت پر خلافت کا بھی اضافہ کریں"۔

جرجی زیدان:۔ تمدنِ اسلام حصہ اول صفحہ ۵۷۔

«پانچویں بنو امیہ کی رقابت»

یہ رقابت ایسی مشہور و مسلم ہے کہ زیادہ بحث کی ضرورت نہیں جس طرح اس رقابت کو آلہ کار بنایا گیا وہ ابھی بیان ہوگا۔

«چھٹی حضرت علیؑ کا طرز عمل اور ان کی رفعت شان»

جن ترکیبوں، طریقوں اور کاریگریوں سے عوام الناس پر اثر پیدا کر کے ان کو اپنے ساتھ لیا جاتا ہے وہ ترکیبیں اور طریقے ہر ایک قوم و ملک میں ایک سے ہی ہوتے ہیں۔ لوگوں کو رشوت سے، عطاؤ بخشش سے ان کی جائز اور ناجائز خواہشات کو پورا کرنے سے اپنی طرف کیا جاتا ہے اور سازشوں

سے بہت اچھی طرح کام لیا جاتا ہے۔ جھوٹے پروپا گنڈا عمل میں لائے جاتے ہیں۔ حضرت علیؑ ان باتوں سے پرہیز کرتے تھے۔ اور جانشینِ رسولؐ کی شان کے منافی سمجھتے تھے۔ لہذا لوگ بہت آسانی سے ادھر جمع ہو گئے جہاں یہ باتیں تھیں۔ حضرت علیؑ کا مساوی و عادلانہ طرزِ عمل بھی ان خواہش کے بندوں کو پسند نہ تھا۔ ابن ابی الحدید کہتے ہیں:۔

ان سبب افتراق الناس عنه کان لعدله و قسمته مساویاً

یعنی حضرت علیؑ کے خلاف لوگوں کے ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ امیر و غریب وضیع و شریف صاحبِ رسوخ و گوشہ نشین سب کے ساتھ عدل کرتے تھے اور آپ کی تقسیم غنائم واقطاع مساوی و عادلانہ تھی۔

(شرح نہج البلاغۃ الجزء الاول صفحہ ۱۸۰ الجزء الثانی صفحہ ۱۷۲)

حضرت علی اپنی فطرت میں اپنے خصائل حمیدہ میں، اپنے علم میں، اپنی بلند حوصلگی میں، اپنی شدت ریاضت اور سختی ایمان میں اس قدر ان لوگوں سے ارفع و اعلےٰ تھے کہ وہ لوگ ان کو اپنے میں ایک غیر سمجھتے تھے۔ اور ان کی شخصیت کے سامنے اپنے تئیں حقیر محسوس کرتے تھے۔ ہر ایک شخص اپنے جیسے شخص سے میل جول کرنا چاہتا ہے اور مل کر خوش ہوتا ہے، کند ہم جنس با ہم جنس پرواز۔ ایک بڑے شہر میں ایک اجنبی وارد ہوتا ہے اور اپنا ایک حلقہ احباب بناتا ہے، اس حلقہ سے پہچان لیا جاتا ہے کہ آیا وہ قصاب ہے، حجام ہے، عالم ہے، شاعر ہے یا جواری ہے ہر ایک گروہ چاہتا ہے کہ حاکم ہم میں سے ہو یعنی ہم جیسا ہو، بوجہ اپنی رفعت شان و منزلت علم و عمل و طہارت نفس کے حضرتِ علیؑ اپنے ابنائے زمان میں بطور ایک نوع غیر کے سمجھے جاتے تھے۔ لہذا اعوام الناس نے دیکھا کہ ان کو حاکم مقرر کر کے ہمیں

کوئی ذاتی فائدہ نہ ہوگا اور یہ ہم سے ہمیشہ بالاتر رہیں گے۔ ہم ان کو اپنی تعداد یا طاقت یا شور وغل سے مرعوب نہیں کر سکیں گے۔ ایسا آدمی مقرر ہو جائے تو اچھا ہے جو ہم جیسی کمزوریاں رکھنے والا ہو۔ ہم سے دبا رہے ہماری خوشامد کرتا رہے جو ذاتی فوائد وہ حاصل کرے ان میں ہم کو شریک کرے اور ہمیشہ سمجھتا رہے کہ اس کو یہ بزرگی وحکومت دلانے والے ہم ہیں اور اس کے صلہ میں وہ ہم کو انعامات واکرامات دیتا رہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

حضرت علیؑ اپنے ذاتی نفع کے لئے کبھی وہ بات نہیں کرتے تھے جو ان کی شان سے گری ہوئی ہوں اُن کے حریف یہ بات جانتے تھے اور ان کی عالی حوصلگی سے فائدہ اُٹھاتے تھے۔ یہ تو ہر ایک سقیفہ ساز جانتا تھا کہ اگر خلیفہ گری کی بحث کے وقت علیؑ اور بنو ہاشم موجود ہوتے تو ہماری دال نہیں گلے گی۔ مگر علیؑ کیونکہ دُور رکھے جا سکتے تھے یہ فقط چند لیڈروں کی فکر رسا کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔ جن کے ہاتھ میں اس انقلاب کی باگ ڈور تھی۔ انہوں نے اس بحث کے لئے ایسا وقت اور ایسا مقام مقرر کیا کہ علیؑ اپنی جگہ سے ہل ہی نہیں سکتے تھے وہ جانتے تھے کہ علیؑ کی شان کے خلاف ہے کہ جسدِ اطہر رسولؐ کو بے غسل وکفن چھوڑ کر خلافت کے لئے دوڑیں لہذا تغسیل وتدفین رسولؐ سے پہلے ہی انہوں نے اپنا سارا کام بنالیا۔

﴿ساتویں وجہ انصار و مہاجرین کی رقابت﴾

انصار نے مہاجرین کو مکہ سے بلایا اور سر آنکھوں پر رکھا اپنے گھروں میں جگہ دی اپنے لقمے میں سے توڑ کر لقمہ ان کو دیا یہ تو غربت کے وقت کی حالت تھی اس کے بعد فتوحات ہوئیں۔ مال غنیمت آنے لگا۔ ان حالات کی تبدیلی کے ساتھ ہی انصار کے دلوں کی کیفیت بھی بدلنے لگی۔ مکہ کے حضرات کفر میں زیادہ پختہ کار تھے۔ ان کی تالیفِ قلوب کے لئے جناب رسولؐ خدا نے مال غنائم میں سے ان کو زیادہ حصہ دیا۔ چونکہ آنحضرتؐ بھی اسی قبیلہ سے تھے اور قریش کی طرح انصار نے بھی شانِ نبوت کو

اچھی طرح نہیں سمجھا تھا۔لہذا ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ناجائز ترجیح ہے۔آنحضرتؐ سے شکایت کی۔آپ نے ان کو سمجھا دیا۔چونکہ آنحضرتؐ کے احکام کی اطاعت اسلام کا ایک جز وتھی۔آنحضرتؐ کی زندگی میں تو یہ صورتِ حالت بددلی کے درجہ سے آگے نہیں بڑھی،لیکن جوں جوں آنحضرتؐ کی سرداری حکومت کی صورت اختیار کرتی گئی۔انصار کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ آپ کے بعد اس حکومت کو کون سنبھالے گا۔اور آیا وہ ایسا شخص ہوگا کہ ہمارے ساتھ عدل ومساوی سلوک کر سکے۔انہوں نے اپنی اس فکر کا اظہار صاف طور سے سقیفہ بنی ساعدہ کے اجلاس میں کر دیا۔

جب بشیر ابن سعد اور زید بن ثابت کو مہاجرین کی حمایت کرتے ہوئے دیکھا تو حباب ابن المنذر نے صاف کہہ دیا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری اولاد ان مہاجرین کے دروازوں پر بھیک مانگتی پھر رہی ہے اگر انصار کو یقین ہو جاتا کہ آنحضرتؐ کے بعد بغیر کسی رکاوٹ کے حضرت علیؑ مسندِ حکومت پر متمکن ہو سکیں گے تو وہ پھر مطمئن ہو جاتے۔یہ امر قطعاً کہا جا سکتا ہے کہ اگر مہاجرین کی طرف سے حضرت علیؑ کی مخالفت شروع نہ ہوتی تو انصار کبھی اس کی ابتدا نہ کرتے اور سقیفہ بنی ساعدہ کے اجلاس کے انعقاد کی نوبت نہ آتی۔یہ مخالفین کی جماعت ہی کا طرزِ عمل تھا جس نے انصار کو اپنا علیحدہ خلیفہ مقرر کرنے پر مجبور کیا۔روزانہ کے طرزِ عمل اور واقعات سے انصار کو یقین ہو گیا تھا کہ اگر چہ جناب رسولؐ خدا نے علیؑ کو تمام اُمت اسلامیہ کا حاکم وخلیفہ مقرر کر دیا ہے۔مگر مہاجرین کی یہ طاقتور جماعت اس حکم کی اطاعت نہیں کرے گی۔جب ہی تو بغیر مہاجرین سے صلاح ومشورہ کئے ہوئے اپنا علیحدہ خلیفہ سقیفہ بنی ساعدہ میں مقرر کرنا چاہا اور جب اس جماعت کے تین سردار وہاں آ ہی پہنچے تو پھر انصار نے یہ مطالبہ پیش کیا کہ منا امیر ومنکم امیر یہ مطالبہ صاف بتا رہا ہے کہ انصار جانتے تھے کہ اس جماعت نے جو طرزِ عمل اپنے لئے سوچ لیا ہے اس سے وہ نہ ہٹے گی اور یہ ممکن نہیں کہ ایک حاکم ہو اور وہ ان کا ہو۔مہاجرین کے جور وغلط سے بھی ڈرتے تھے۔حکومت میں اپنا دخل چاہتے تھے لہذا ایک امیر کا مطالبہ کیا وہ امیر درجہ دوئم ہی پر رکھا جاتا۔

ہمارے اس دعویٰ کی تصدیق اگر مہاجرین کی اس جماعت کی طرف سے حضرت علیؑ کی مخالفت شروع نہ ہوتی تو انصار کبھی اس کی ابتدا نہ کرتے، بہت سے واقعات میں ہوتی ہے سب سے پہلے تو یہ بات ہے کہ انہیں حضرت علیؑ سے کوئی وجہ دشمنی نہ تھی۔ حضرت علیؑ سے دعویٰ ہمسری و رقابت نہ تھا۔ قبیلا نہ رشک وحسد جو ایک شہر کے مختلف قبیلوں میں اس زمانہ میں ہوا کرتا تھا۔ وہ ان میں حضرت علیؑ و بنو ہاشم کے خلاف نہ تھا جنگ ہائے بدر و اُحد وغیرہ میں حضرت علیؑ نے ان کے قبیلے کے آدمیوں کو قتل نہیں کیا تھا۔ وہ حضرت کی اعلیٰ صفات اور خدمات اسلامی سے واقف تھے۔ ان میں سے کوئی اپنے تئیں علیؑ کا مد مقابل یا رقیب نہیں سمجھتا تھا۔ ان میں کوئی شخص حضرت عمر جیسی جرات و ہمت والا موجود نہ تھا جو باوجود جناب رسولخدا کے سرتخ احکام کے لیے حضرت علیؑ کے مقابلہ میں کھڑا ہو جاتا۔ یہاں تک کہ سقیفہ بنی ساعدہ کے اجلاس میں حضرت علیؑ کی غیر حاضری میں بھی بہت سے انصار نے کہہ دیا کہ ہم سوائے علیؑ کے اور کسی کو خلیفہ نہ مانیں گے۔

وبايعه الناس فقالت الانصار او بعض الا نصار
لانبايع الا عليا۔

جب حضرت ابو بکر کی بیعت لوگ کرنے لگے تو انصار نے یا ان میں سے اکثر نے صاف کہہ دیا کہ ہم تو سوائے علیؑ کے اور کسی کی بیعت نہیں کرینگے۔

ابن الاثیر۔ تاریخ الکامل اجزاء الثانی صفحہ ۱۲۴۔

ایک اور امر بھی غور طلب ہے۔ حضرت عمر کو جب اپنی موت کا یقین ہو گیا اور لوگوں نے ان

سے التجا کی کہ آپ ہی اپنا جانشین مقرر کردیں تو انہوں نے چند رفتگان کے نام لئے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا ان میں سے کوئی انصار نہ تھا۔ پھر جب آپ نے چھ اُمیدواران خلافت نامزد کیے تو اُن میں کسی انصار کو نہ رکھا بلکہ صریحاً کہہ دیا کہ خلافت میں انصار کا حصہ نہیں شوریٰ مقرر کرتے وقت آپ نے لوگوں کو **یا معشر المهاجرین** کہہ کر خطاب کیا۔ انصار کو مطلقاً نظر انداز کر دیا اور فرمایا۔

احضر وا معکم من شیوخ الانصار ولیس لهم من امر کم شیئاً

ابن الاثیر۔ کتاب الامامت والسیات صفحہ ۲۴

یعنی دورانِ مشاورت خلافت سازی میں تم انصار کے چند بڑے آدمیوں کو تو بلا لینا مگر تمہارے امر میں ان کو کوئی حصہ نہیں ہے۔ خلافت کو آپ نے تمہارا امر یعنی مہاجرین کا معاملہ بتایا۔ انصار اس قابل بھی نہ تھے کہ ان کی طرف اضافت یا دنیٰ ملابست بھی ہو سکے یہ وہ انصار تھے جن کی نسبت جناب رسولؐ خدا فرمایا کرتے تھے کہ **حب الا نصار من الایمان** اور **اللهم انتم من احب الناس الی قالها تلاث مراة۔** یعنی خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کے اے انصار تم میرے محبوب ترین لوگوں میں سے ہو یہ آپ نے تین دفعہ کہا آپ نے یہ بھی فرمایا **لوان الانصار سلکوا وادیاً او شعباً لسلکت فی وادی الانصار** یعنی اگر انصار ایک علیحدہ وادی، شعب میں جائیں تو میں ان کے ساتھ رہوں گا۔ **الانصار لا یحبهم الا مومن ولا یبغضهم الا منافق فمن احبهم احبه الله ومن ابغضهم ابغضه الله** یعنی انصار کو نہیں دوست رکھے گا لیکن مومن۔ اور ان کو نہیں دشمن رکھے گا۔ لیکن منافق پس جو ان کو دوست رکھے خدا اس کو دوست رکھے گا۔ اور جو ان سے بغض رکھے خدا اس سے بغض رکھے گا۔

صحیح بخاری۔ الجزء الثانی باب مناقب الانصار صفحہ ۲۰۵،۲۰۶۔

یہی فقرہ جناب رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کے حق میں کہا تھا۔ حضرت عمر نے دونوں کے حق میں جناب رسولِ خدا کے اس قول کی عزت ایک ہی طریقے پر کی یعنی دونوں کو خلافت سے محروم کر دیا جناب رسولِ خدا نے جماعت مخالفین کی خواہش خلافت کی فراوانی کو دیکھ کر وہی نتیجہ انصار کے متعلق نکالا تھا جو آپ نے حضرت علیؑ کے متعلق اخذ کیا تھا۔ اس کو معجزہ پیشن گوئی بھی کہہ سکتے ہیں اور قدرت پشیین بینی بھی آپ انصار کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے۔

انکم ستلقعون بعدی اثرۃ فاصبروا حتی تلقونی وموعدکم علی الحوض۔

صحیح بخاری باب مناقب الانصار باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا انصار "اصبروا حتی تلقونی علی الحوض" الجزاء الثانی صفحہ ۲۰۷۔

ترجمہ:۔ میرے بعد ہی تم پر مصائب و آلام آئیں گے۔ پس تم صبر کرنا یہاں تک حوض کوثر پر تم مجھ سے ملو دونوں کے لئے یہ مصیبت قائم شدہ گونمنٹ کی سختیوں کی صورت میں آئی۔ حضرت عمر کے عمالوں کی فہرست پر نظر ڈالوں جس کو بنوامیہ اور دشمنانِ علی ابن ابی طالب کی کثرت ہے۔ سوائے ایک کے اور کوئی انصاری نظر نہیں آتا۔ سعد ابن عبادہ انصاری جو حریف سلطنت تھا، اس کو شام میں "جن" نے قتل کر دیا۔ اس کے بیٹے قیس سے بے رخی برتی گئی۔ اس سلوک کی تلافی جناب امیرؑ نے اس طرح کی قیس ابن سعد ابن عبادہ کو مصر کی گورنری پر مقرر فرما دیا۔

مسئلہ زیر غور یہ ہے کہ حضر عمر کی یہ ناراضگی انصار پر کیوں تھی کہ خلافت میں سے ان کا حصہ ہی نکال

دیا۔ کیا انصار اُمت اسلامیہ میں سے نہ تھے۔ اس کی وجوہات تھیں۔ حضرت عمر کی سیاست کا رُکن اعظم تھا۔ کہ جس شخص میں ذرا بھی حُب علیؑ ہو وہ حکومت سے دور رکھا جاتا تھا دوسری وجہ یہ تھی کہ انصار نے خلافت کو خاندان نبوت میں سے نکالنے میں جو سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر کی بیعت کے بعد ہی دونوں فریقین میں لڑائی جھگڑے ہونے لگے جن کے روکنے کے لئے حضرت ابوبکر نے فوراً ان لوگوں کو لڑائی پر بھیج دیا۔ ان کی تفصیل آگے آتی ہے۔ اگر یہ وجوہات نہ تھیں تو وکلائے اہل حکومت ہمیں بتائیں کہ باوجود مسلمان اور ناصرانِ رسولؐ ہونے کے انصار کا حق وحصہ کیوں خلافت میں نہ تھا۔ اگر خلافت بنی تیم و بنی عدی و بنی اُمیہ میں جاسکتی تھی تو کیوں انصار کی طرف نہ جاتی۔ اگر آپ اس کا یہ جواب دیں کہ چونکہ آنحضرتؐ قریش میں سے تھے لہذا خلافت قریش ہی کا حصہ تھا تو پھر آپ کا قصر جمہوریت متزلزل ہوتا ہے اور اگر رشتہ داری باعثِ ترجیح ہوسکتی تھی تو نزدیک ترین رشتہ دار خلافت کے لئے اولیٰ تھے نہ کہ حضرت ابوبکر و عمر، اس قسم کی منطق کی خرابیوں کو دیکھتے ہوئے ہی انصار نے مجبوراً حفظ ماتقدم کے طور پر اپنا علیحدہ خلیفہ مقرر کرنا چاہا۔ مہاجرین علی کے سوائے انصار کو کوئی ایسا نظر نہیں آتا تھا جو ان کے اور مہاجرین کے درمیان عدل کامل کرسکے اور اسلام کے معاملات کو اسی طرح تکمیل کو پہنچائے جس طرح جناب رسولؐ خدا نے شروع کئے تھے باقی جتنے لوگ تھے اس انصار کو دعویٰ برابری تھا اور خوف رقابت بھی۔ یہ امر واقعہ ہے کہ انصار ادعائے خلافت کی بناء پر نہیں اٹھے تھے بلکہ ظلم کا سدباب کرنا مقصود تھا۔

جب انصار کو یقین ہوگیا کہ یہ جماعت مہاجرین کی علیؑ کو خلیفہ نہ ہونے دے گی اور انصار نے اپنا خلیفہ نامزد کردیا تو پھر ان کو بھی اس کی بیچ ہوگئی مگر وہ پیچ حضرت ابوبکر ہی کے مقابلہ میں تھی۔ اب سارا معاملہ اس نقطہ پر آن کر منتہی ہوگیا کہ انصار میں سے خلیفہ ہو یا مہاجرین میں سے۔ حضرت عمر کی کوشش ہی یہ تھی کہ شخصیت پر نظر نہ جائے بلکہ قبیلہ ہی میں معاملہ رہے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اب مقابلہ آسان ہوگیا۔ اب سعد بن عبادہ کے مقابلہ میں ابوبکر بن ابی قحافہ پیش کئے جاسکتے تھے غرضکہ اس جماعت مہاجرین نے وہ حالات پیدا

کر دیئے جن کی وجہ سے انصار کو سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہونا پڑا۔ اگر یہ حالات پیدا نہ ہوتے تو انصار کفن ودفن رسولؐ کی طرف توجہ کرتے، نہ کہ سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف جاتے۔

﴿آٹھویں وجہ مخالفینِ علیؑ ابن ابی طالب کا رسوخ خرمِ رسول ہیں﴾

یہ امر واقعہ ہے کہ جماعت مخالفین کی بساط سیاسی پر جو کام حضرت عائشہ اور ان کی جماعت نے کیا وہ سقیفہ بنی ساعدہ کی کامیابی کا ایک بڑی حد تک باعث تھا۔ جس طرح اصحابِ رسولؐ میں حضرت علیؑ کی محبت وبغض کی بناء پر دو پارٹیاں ہوگئی تھیں اسی طرح حرمِ رسولؐ میں دو فرقے بن گئے تھے۔ اس کی شہادی صحیح بخاری میں موجود ہے۔

عن عائشة نساء رسول الله صلى الله عليه وسلم كن حزبين فحزب فيه عائشة و حفصة و صفية و سودة و الحزب الاخر ام سلمه و سائر نساء صلى عليه وسلم

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ازواجِ رسول اللہؐ دو مخالف جماعتوں میں منقسم تھیں ایک میں تو عائشہ، حفصہ، صفیہ، سودہ اور دوسری میں ام سلمہ اور باقی ازواج۔

یہ طویل روایت ہے جس کا پہلا حصہ اُوپر لکھا گیا اس کے بعد درج ہے کہ لوگ اس ہی دن تحائف آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجتے تھے جب حضرت عائشہ کی باری ہوتی تھی دیگر جماعت ازواج

ان کی مخالفت کرتی تھی۔ چنانچہ زینب زوجہ رسول اور حضرت فاطمہ بنت رسول اللہؐ کے ذریعہ سے اُن کی شکایت آنحضرتؐ تک پہنچائی گئی۔ یہ بہت غور کرنے کی بات ہے ازواجِ مطہرات میں فریق بندی کیوں ہو۔ اگر کہا جائے کہ سوکنوں کا جلاپا تھا تو یہ غلط ہوگا، کیونکہ یہ جلاپا وہاں ہوتا ہے جہاں سب ازواج کے ساتھ مساوی سلوک نہیں کیا جاتا۔ آنحضرتؐ سے ناانصافی کی اُمید نہیں ہوسکتی۔ اگر یہ جواب دیا جائے کہ انصاف ہو یا نہ ہو یہ فطری ہے کہ جو زوجہ زیادہ محبوب ہوگی باقی اس کے خلاف ہو جائیں گی تو یہ بھی غلط۔ کیونکہ اس صورت میں تین ازواج کیوں حضرت عائشہ کے ساتھ ہوں اور وہ بھی خلیفہ گردں اور حکام کے خاندان کی۔ یہ حضرت صفیہ وہی ہیں۔ جنہوں نے آنحضرتؐ کو شانہ گوسفند میں زہر دیا تھا اور پھر سوکنوں کا جلاپا امہات المومنین کی شان سے بعید ہے۔

آپ کی رائے میں تو ہر ایک زوجہ رسولؐ آیہ تطہیر میں شامل ہے۔ یہ ناحق کا سوکنوں سے حسد طہارت کے کس عنوان کے نیچے آئے گا۔ اس پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں آئندہ کے واقعات نے صاف کر دیا کہ وجہ تنازعہ و عناد کیا تھی۔ حضرت عائشہ کو حضرت علیؑ سے ایسا بغض تھا کہ حضرت علیؑ کا ذکر خیر کرنے اور سُننے پر قادر نہ تھیں۔ **(تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۱۹۱، مسند احمد حنبل الجزء السادس ص ۳۸۔۳۴)** جنگ جمل نے سارا بھانڈا ہی پھوڑ دیا۔ حضرت عائشہ حضرت علیؑ کے خلاف لڑتی ہیں۔ حضرت ام سلمہ حضرت علیؑ کی طرف ہیں۔ اس جناب عائشہ کے خلاف ان کو سمجھاتی ہیں کہ ایسا نہ کرو۔ یہ تھی ان دونوں جماعتوں میں وجہ اختلاف، واقعات بتا رہے ہیں کہ اُمور سیاسیہ میں سب سے زیادہ حضرت عائشہ حصہ لیتی تھیں اور حضرت علیؑ کی مخالف جماعت ان کی بہت مرہون منت ہے۔ حضرت عائشہ نے اپنے والد بزرگوار کو امامت نماز پر کھڑا کر کے سقیفہ سازی کے جدال کے لئے ایک مغالطہ میں ڈالنے والا نکتہ مہیا کر دیا۔ مخدراتِ عصمت کی یہ جماعت حضرت ابوبکر و حضرت عمر کو جناب رسولخدا کی نقل و حرکت اور ان کے ارادوں سے مطلع رکھتی تھی۔

جیشِ اسامہ کے قضیہ میں بھی ان ہی ازواجِ رسول کا ہاتھ نمایاں ہے یہ ان ہی مخدرات عصمت کے متواتر احکام اور اطلاعات تھے جنہوں نے لشکر اسامہ کو جرف سے آگے نہ بڑھنے دیا اور عین وقت پر بلا لیا۔ امہات المومنین کی ایک جماعت نے بڑی کوشش کی کہ اسامہ بن زید اپنے لشکر کو نہ لے جائیں اور وہ بوقت رحلت آنحضرتؐ مدینہ ہی میں رہیں دیکھو۔

نجعل یقول فی مرضه انفذوا جیش اسامه انفذوا جیش اسامه حتیٰ بلغ الجرف فارسلت الیه امراءته فاطمه بنت قیس فقالت لا یبرح حتی قبض رسول الله صلی الله علیه وسلم فلما قبض رجع الی ابی بکه

مرض میں آپ بار بار کہتے تھے کہ اسامہ کے لشکر کو فوراً لڑائی پر بھیجدو۔ اس تاکید پر وہ جرف تک آئے لیکن فاطمہ بنت قیس زوجہ آنحضرتؐ نے اسامہ کے پاس کہلا بھیجا کہ تم ہرگز نہ جانا۔ رسول اللہ بہت بیمار ہیں پس وہ نہ گئے۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت وہ حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (**محمد سعد: طبقات الکبریٰ ج ۴ ص ۴۷/ ابن عساکر:۔ تاریخ الکبیر حصہ تخذیب ج ۲ ص ۴۷**)

دیکھا آپ نے آنحضرتؐ تو اتنی تاکید کر رہے ہیں لیکن آنحضرتؐ کے حرم میں سے ایک فریق آپ کی صریحاً مخالفت کر رہا ہے۔ یہ معظمہ اشعث بن قیس کی بہن تھی جو حضرت ابوبکر کے بہنوئی تھے۔ حضرت عائشہ ہی کے گھر میں آنحضرتؐ کے بعد حضرت علیؑ کے خلاف تجویزیں سوچی جاتی تھیں۔ اور

مجلس شورہ جمع ہوا کرتی تھی۔ حضرت عمر نے حکم دیا تھا کہ مجلس شوریٰ حضرت عائشہ کے گھر میں منعقد ہو۔ آنحضرت ﷺ کی فراست نے بھی اس امر شدنی کو پہلے سے معلوم کرلیا یا بارگاہ رب العزت سے اسکی اطلاع دی گئی۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے۔

عن ابن عمر قال خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم من بليت عائشة فقال ان الكفر من ههنا من حليث بطلع قرن الشيطن۔ (امام احمد حنبل ج ۲ ص ۲۳، و ج ۵ ص ۱۶/ صحیح البخاری کتاب الخمس ازواج النبی ج ۲ ص ۱۲۷)

ابن عمر کہتے ہیں کہ ایک دن جناب رسولؐ خدا حضرت عائشہ کے گھر سے برآمد ہوئے اور نکلتے وقت فرمایا کہ اس گھر سے کفر کا سر نکلے گا جس طرح شیطان کے سینگ نکلتے ہیں۔

جناب رسولِؐ خدا حضرت عائشہ کی سیاسی تحریکات اور ان کے رجحان سے بہت اچھی طرح واقف تھے۔ ان کو ناپسند فرماتے تھے۔ اور بار بار حضرت عائشہ سے کہتے تھے کہ تم ان حرکات سے باز آؤ اور آئندہ کے لئے بھی ان کو ہدایت فرماتے تھے۔

لما اقبليت عائشة بلغت مياه بنى عامر ليلاً نجت الكلاب قالت اى ماء هذا قالوا ماء الحواب قالت ما اظنى الا انى راجعة فقال بعض من كان محهابل تقدمين فيزا ك المسلمون فيصلح الله عزوجل ذات بيته قالت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لها ذات يوم كيف باجدكن تبخ عليها الكلاب الحواب۔

جب حضرت عائشہ حضرت علیؑ سے جنگ کیلئے نکلیں اور بنی عامر کے چشموں تک پہنچیں تو وہاں کے کتے بھونکنے لگے انہوں نے پوچھا۔ کہ یہ کونسا چشمہ ہے لوگوں نے کہا کہ چشمہ حواب۔ جناب عائشہ نے کہا کہ میں واپس جاتی ہوں لوگوں نے کہا کہ آپ واپس نہ ہوں شاید آپ کے ذریعہ سے اُمور مسلمین کامیاب ہوں۔ جناب عائشہ نے فرمایا کہ ایک دن مجھ سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا کہ تم میں سے اس عورت کا کیا براحشر ہوگا جس پر حواب کے کتے بھونکیں گے۔ (امام احمد حنبل: مسند الجزء السادس صفحہ ۵۲، ۹۷، تاریخ حبیب السیر اور سیرۃ الحلبیہ، سیرۃ الجلیہ: الجزء الثالث صفحہ ۳۲۰، ۳۲۱، تاریخ حبیب السیر: جلد اول جزو چہارم صفحہ ۴۸، علامہ حاکم: مستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث صفحہ ۱۲۰، علی المتقی: کنز العمال الجزء السادس صفحہ ۸۳ حدیث ۱۲۹۸ و صفحہ ۸۴ حدیث ۱۳۰۱، ابن قتیبہ: کتاب الامامت والسیاست درذکر واقعہ جمل صفحہ ۵۶، تاریخ طبری: الجزء الخامس واقعہ جمل صفحہ ۱۷۱، تاریخ کامل: ابن الاثیر، درذکر واقعہ جمل، مروج الذہب: مسعودی جلد ثانی صفحہ ۲۴۳ و ۲۴۲، معجم البلدان: حموینی درذکر حواب، تاریخ ابی الفدا: الجزء الاول ذکر حوادث سنہ ست و ثلاثین صفحہ ۱۷۳، تاریخ ابن خلدون: اُردو ترجمہ جلد چہارم ذکر واقعہ جمل صفحہ ۲۹۹، روض المناظر فی علم الاوائل والاواخر درو قائع سنہ ۳۶ ہجری، تاریخ روضتہ الصفاء درذکر واقعہ جمل)

آخر کار جب آنحضرتؐ نے دیکھا کہ عائشہ کی اصلاح ناممکن ہے اور یہ اپنی عادتوں سے باز نہ

آئیں گی۔ تو آپؐ نا اُمید ہو کر فرمانے لگے کہ عائشہ کیا اچھا ہوتا جو تم مجھ سے پہلے مرجاتیں۔ (تاریخ الطبری ج ۳ ص ۱۹۱/ تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۲، ص ۱۲۱)۔

حضرت عائشہ و حضرت حفصہ کو بارگاہِ خداوندی سے بھی ان کے اعمال اور افعال کی وجہ سے تنبیہ و تہدید کی گئی ق۔۴ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا (سورۃ تحریم ع ۱ پارہ ۲۸) یعنی تم دونوں کو چاہیئے کہ تم خداوند تعالیٰ کی درگاہ میں توبہ کرو۔ کیونکہ تم دونوں کے دل کج ہو گئے ہیں۔ کس درجہ تک نافرمانی رسول کرتی تھیں کہ خداوند تعالیٰ کی بھی تنبیہ کرنی پڑی۔ محض رسولؐ خدا کی تنبیہ کافی نہ ہوئی اور واقعات جمل بتا رہے ہیں کہ باوجود اس تہدید و حکمِ خداوندی کے بھی توبہ نہیں کی تمام مفسرین و محدثین متفق ہیں کہ اس آیت میں صرف حضرت عائشہ و حفصہ ہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔ غرضکہ اس جماعت ازوج رسولؐ نے اپنی پارٹی کے مردوں کے لئے کام کئے جو ان کی کامیابی کے بہت حد تک باعث ہوئے۔ تجہیز جیش اسامہ و امامت نماز کے واقعات و بے شمار احادیث مناقب حضرت عمر و ابی بکر منقول از حضرت عائشہ وہ ہیں جو ہم تک پہنچے ہیں۔ بہت سے ایسے امور ہوں گے جو احادیث کی کتابوں میں محفوظ نہ رہے۔ یہ قیاس بالکل امر واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ کے حرکات و سکنات اور ارادوں کی خبریں عین وقت پر حضرت ابوبکر و حضر عمر کو ملتی ہوں گی اور وہ ان کے مطابق اپنے طرزِ عمل کی تشکیل کرتے ہوں گے۔

ایک بہت بڑا کام حضرت عمر نے حضرت عائشہ اور ان کی جماعت سے اپنے مقصد کے لئے لیا وہ یہ تھا کہ حکام سقیفہ اور ان کے ارکان کے افعال و اعمال کی توثیق و تصدیق ان سے کرا کر لوگوں کی آنکھوں میں جوازیت کا جامعہ پہنایا۔ حضرت فاطمہؑ سے فدک چھیننا ایک ایسا فعل تھا کہ ممکن تھا کہ لوگ اپنے نبی کی پیاری بیٹی کی یہ توہین و تحقیر نہ دیکھ سکتے لیکن جس نے اس فعل کی سب سے پہلے تصدیق و

توثیق کی وہ حضرت عائشہ تھیں اور انہوں ہی نے لاوارث حدیث کو اپنے دامن عاطفت میں لے کر اس کی پرورش کی۔ ان جاہل عربوں کے لئے ہی کافی تھا کہ زوجہ رسول اس فعل کو مستحسن سمجھتی ہے اسی طرح اور بہت سے واقعات تھے جن کی تفصیل موجب طوالت ہوگی۔ حضرت ابوبکر وحضرت عمر کے لئے تو بڑی خوشی سے پہلوئے رسولؐ میں قبر کے لئے جگہ دے دی لیکن جب نواسہ رسول کو وہاں دفن کرنا چاہا تو مانع ہوئیں اس ہی مقرر و طے شدہ اُصول کے مطابق تھا کہ جہاں تک ہو سکے۔ اہل بیت رسولؐ کو لوگوں کی نظروں سے گرایا جائے اور انکے مقابل میں کارکنان حکومت سقیفہ کی شان کو دوبالا کیا جائے۔

اگر دُنیا کی ساری تاریخ کی کتابیں دریا بُرد ہو جائیں۔ اگر تمام کُتب اکبار و روایات کو جھوٹا دسمجھا جائے تب بھی جو باقی رہے گا اس سے اہل بیت ختم المرسلین کی مظلومیت اور حکام وقت کے ظلم و جور کی داستان بہت اچھی طرح مرتب ہو سکتی ہے کچھ نہیں تو خاموش عمارتیں، ویران قبرستان ہی اپنی زبان میں اس قصہ کو دہرائیں گے۔

اہل بصیرت کے لئے یہ کتنا عبرت آموز سبق ہے کہ قبر رسولؐ کے پاس انکے کسی خاندان والے کی قبر نہیں ہے ان کی پیاری بیٹی چھ مہینے کے اندر یہ دوہائی دیتی ہوئی دُنیا سے جاتی ہے کہ میں تم دونوں کی شکایت اپنے باپ سے کروں گی۔ ایک خاموش تنہا جنازہ رات کو علیؑ کے گھر سے نکلتا ہے اور مسلمانوں کے عام قبرستان میں رسول کی پیاری بیٹی دفن کی جاتی ہے جس کی جُدائی رسولؐ کو گوارا نہ تھی۔ کسی مہم پر باہر جانا ہوتا تھا تو سب سے آخر خانہ فاطمہ پر اپنی

بیٹی سے رخصت ہونے آتے تھے۔ اور جب واپس تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے اپنی بیٹی کے پاس آتے تھے تو سب سے پہلے اپنی بیٹی سے ملتے تھے۔ اس بیٹی کو اجازت نہیں ملتی کہ اپنے باپ کے پہلو میں دفن ہو۔

کہا جائے گا کہ انکی وصیت ہی یہ تھی کہ رات کو جنازہ نکلے اور عام مسلمانوں کے گورستان میں دفن ہوں لیکن یہ وصیت ہی اپنے ہی ایک طویل داستان غم مضمر رکھتی ہے کون پیاری بیٹی نہیں چاہتی کہ اپنے پیارے باپ کے پہلو میں دفن ہو مگر جب دخترِ رسولؐ نے دیکھا کہ میرے باپ کی قبر دشمنوں کے قبضہ میں ہے اور اگر میرے شوہر نے کوشش کی تو جنگ و جدال کی نوبت آجائے گی تو مظلوموں کے خاندان کی اس پہلی شہیدہ نے صبر کی تلقین اس وصیت کی صورت میں کی۔ وصیت یہ بھی تھی کہ میرے دشمن میرے جنازہ پر نہ آئیں مگر جانتی تھی کہ اگر دن کو جنازہ اٹھا اور ان کو معلوم ہوگیا۔ تو وہ اپنی عادتِ ظلم و جور نہ چھوڑیں گے اور جبراً آجائیں گے لہذا رات کو دفن کرنے کی وصیت کی۔ واقعات آئندہ نے بتادیا کہ ان کا خیال صحیح تھا ایک اور شہید نے یہ تمام حجت بھی کر کے دیکھ لیا۔ پیارے سے نواسے کا جنازہ اس کی وصیت کے مطابق اپنے نانا کی قبر کی طرف روانہ ہوتا ہے، لیکن نانا کی زوجہ محترمہ اور جماعتِ حکومت کے زعم کے مطابق آیہ تطہیر کی وارثہ مانع ہوئی ہیں اور نواسے کو نانا کے پہلو میں دفن نہیں ہونے دیتیں اور جنازہ پر تیر برسائے جاتے ہیں۔

واقعات نے بتادیا کہ دونوں حسنؑ اور عائشہ ایک چادر تطہیر کے اندر آنے کے قابل نہیں۔ یا حسنؑ باہر رہیں گے یا حضرت عائشہ۔ اس کا فیصلہ مسلمان خود اپنے دل میں کرلیں کہ کون باہر رہے گا۔

ہم صرف اتنا اشارہ کئے دیتے ہیں کہ آیۂ مباہلہ اور حدیث رسولؐ سید اشباب اہل الجنتہ کو بھی یاد رکھیں واقعات جمل کو بھی نظر سے اوجھل نہ ہونے دیں۔ خیر یہ جملہ مقروضہ تھا۔ ہاں ہم کہہ رہے تھے کہ خاموش قبرستان ہی اپنی کہانی بتا رہے ہیں۔ قبر رسولؐ کے اردگرد نہ تو ان کی اولاد اور نہ ان کے پیارے ابنِ عم و داماد کی قبریں ہیں۔ قبریں تو کس کی ہیں، حکام وقت کی اور وہ حضرت عائشہ کے حکم و اجازت سے بنائی گئی ہیں یہ وہ ظلم تھا جو مرنے کے بعد بھی جاری رہا اور اب تک جاری ہے۔ کیا یہ واقعات قطعی ثبوت اس امر کا نہیں ہیں کہ حضرت عائشہ اس جماعتِ حکومت کی ایک فرد تھیں جو حضرت علیؑ کے خلاف تھے اور یہ جماعت حکومت بھی ان کو ہر وقت اور ہر طرح سے اُنکے احسان کا بدلہ دینے کی کوشش کرتی تھی۔ جب وظیفے مقرر ہوئے تو سب سے زیادہ وظیفہ ان کا مقرر ہوا۔ اچھی سے اچھی چیز جو مال غنیمت سے آئی تھی وہ ان کے پاس تحفہ بھیجی جاتی تھی۔

یہ تھے وہ واقعات جنہوں نے حضرت عمر کے حصول مقصد سیاست میں اعانت کی۔ مگر یاد رکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ یہ سب امور حضرت علیؑ کو حکومت سے دور رکھنے میں فقط معاون کی حیثیت رکھتے تھے۔ انتزاعِ خلافت کے خود باعث نہ تھے۔ اس کا باعث محض حضرت عمر کی سیاست تھی۔ ہم نے یہ آٹھ واقعاتِ اعانت گنوائے ہیں۔ اگر عرب مفہوم نبوت کو کماحقہ نہ سمجھ سکے تو یہ ایک ان کے دین کا نقص تھا۔ اس جہالت سے وہ کام لینا جو لیا گیا۔ محض حضرت عمر کی ذہانت و رسائی فہم کا نتیجہ تھا۔ عربوں میں کینہ ضرور تھا۔ قبیلا نہ رشک و حسد بھی تھا۔ بنو امیہ کی رقابت بھی تھی۔ لیکن یہ سب امور خلافت پر قبضہ کرنے کے لئے ناکافی تھے بنو اُمیہ کی رقابت کی آخری جدوجہد ختم ہو چکی تھی اور اب مجبوراً ابوسفیان نے بنو ہاشم کی قیادت پر صبر کر لیا تھا۔ قبیلوں کا رشک و حسد بھی اپنا زور لگا چکا تھا۔ حضرت علیؑ نے اپنے جنگ و جدال سے بہت سے دشمن پیدا کر لئے تھے لیکن ان میں سے بہت سے تو نا اُمید ہو چکے تھے۔ اور ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو حکومت پر قبضہ کر سکنے کی طاقت رکھتا ہوں۔

یہ سب اُمور بے جان قصہ پارینہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے ان سب میں ایک نئی روح پھونک کر ان کی مدد سے حضرت علیؑ کے خلاف ایک جماعت کی توسیع و تنظیم کرنا حضرت عمر کا کام تھا اور بغیر اس تنظیم و جوش کے یہ سب باتیں ایک معمولی بدلی و رنج کے درجے سے آگے نہ بڑھتیں۔ حرمِ رسولؐ میں ایک جماعت پیدا کر کے اپنی ہدایات کے اندر اس سے کام لینا حضرت عمر کا کام تھا۔ ورنہ بوقت رحلت رسولؐ حضرت عائشہ ایک ناتجربہ کار نوجوان عورت تھیں دل میں کڑھ کر چپ ہو رہتیں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ انصار کی اکثریت حضرت علیؑ کے خلاف نہ تھی اور اگر حضرت عمر کی جماعت ان کو اپنا علیحدہ خلیفہ مقرر کرنے پر مجبور نہ کرتی تو وہ کبھی سقیفہ بنی ساعدہ کا قضیہ نہ اُٹھاتے۔ یہ قطعی امر ہے کہ حضرت علیؑ کے خلاف کتنی ہی بدلی کیوں نہ ہوتی جناب رسولؐ خدا کی خواہش کے مطابق آنحضرتؐ کی رحلت پر وہ خلیفہ تو ضرور ہو جاتے اُنکے بعد چونکہ حضرت علیؑ کی کامیاب خلافت کی پہلے سے تظہیر نہ ہوتی اور وہ حضرت علیؑ کا مساوی اور عادلانہ رویہ دیکھتے تو ضرور خوشی سے اُنکی حکومت پر راضی ہو جاتے۔ غور کرنے کی بات ہے نہ شام میں معاویہ ہوتے نہ خونِ عثمان کا بہانہ ہوتا۔ نہ لوگوں کے دلوں میں آسانی سے خلافت حاصل کر لینے کی جرات و ہمت پیدا ہوئی ہوتی۔ نہ طلحہ و زبیر سابقہ کامیاب نظائر کی وجہ سے دلیر ہوئے ہوتے تو پھر کونسی چیز حضرت علیؑ کو مسند خلافت سے نیچے اتار دیتی۔ شروع ہی سے خلافت کا حضرت علیؑ تک نہ پہنچنا ظاہر کر رہا ہے کہ ایک منظم سازش اُنکے خلاف ایسی تھی جس نے موقعہ و محل کو پہلے سوچ رکھا تھا۔ ادھر جناب رسولؐ خدا کا آخری سانس ختم ہوا۔ ادھر انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ یہ تنظیم کس نے کی اگر حضرت عمر نے نہیں کی۔ حضرت عمر کیوں جیش اسامہ کے ساتھ نہ چلے گئے۔ باوجود آنحضرتؐ کی اتنی تاکید کے نہ گئے، حرمِ رسولؐ کے ذریعہ سے انسے روکے رکھا اور آخر میں بلوالیا۔

آنحضرت آخری وصیت لکھوانا چاہتے تھے حضرت عمر تسلیم کرتے ہیں کہ آخری وصیت حضرت علیؑ کی خلافت کی تحریر تھی اور یہ کہ انہوں نے آنحضرت کو روک دیا۔ ایسے ایسے اہم موقعوں پر اگر حضرت

عمر نہ ہوتے تو آج تک انسانیت یوں نہ سسکتی بلکتی، حضرت عمر نے بڑی کوشش کی اور ان مساعد واقعات سے ان کی آخری حد تک فائدہ اٹھایا پھر بھی حضرت ابوبکر کی خلافت کے لئے اجماع پیدا نہ کر سکے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں فقط تین مہاجر تھے اور چند انسار جنہوں نے ابوبکر کی بیعت کی جب وہاں سے آئے اور مسجد نبوی میں بیعت کا سلسلہ شروع ہوا تو اگر چہ حضرت عمر کی جماعت نے ان کی کارکردگی کی حمایت کی اور حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی لیکن بنو ہاشم و بنو امیہ جو قریش کے نہایت مشہور و معزز ترین قبیلے تھے بیعت سے منحرف تھے۔ بنو زہرہ نے بھی زیر سرکردگی سعد ابن وقاص نے بیعت سے انکار کیا۔

انکے علاوہ بہتے سے منحرف تھے بنو زہرہ نے بھی زیر سرکردگی سعد ابن وقاس بیعت سے انکار کیا۔ انکے علاوہ بہت سے معزز و مقرب اصحاب رسولؐ مثلاً عمار ابن یاسر، ابوذر، مقداد، ابوسعید الخدری، ابوایوب انصاری و زبیر بن العلوم و طلحہ وغیرہ سب نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے تخلف کیا ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر کی بیعت پر اجماع نہ ہوا۔ ہاں بیعت کے بعد حکومت مل گئی تو پھر حضرت عمر نے حکومت کے سارے ذرائع استعمال کر کے مخالفین و مستخلیفین کو دوست موافق بنانا شروع کیا مگر اجماع و غیر اجماع بیعت کے وقت دیکھا جاتا ہے حکومت پر قبضہ کر کے تو دشمنوں کو دوست بنانا ان لوگوں کے لئے بہت آسان ہے جو بیت المال کے روپے کے بے دریغ اپنی حکومت کے استحکام کے لئے خرچ کرنے کی جرات رکھتے ہیں۔

ہم نے جو اوپر ذکر کیا یہ سب تفصیل و تشریح ہے حضرت علیؑ کے اس جملہ کی جو انہوں نے عبداللہ ابن عمر سے کہا تھا کہ اگر تیرا باپ نہ ہوتا تو کوئی میری مخالفت نہ کرتا۔ یہ معلوم کرنے کے بعد کہ حضرت عمر کے مقصد سیاست کو کن کن امور سے مدد مل سکتی تھی۔ اب ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عمر نے ان امور سے کس طرح فائدہ اٹھایا اور کن تدابیر و تجاویز سے اپنے مقصد زندگی کو حاصل کیا۔ مگر قبل اس کے

کہ ہم وہ تدابیر بیان کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کی سیاست کے چند بنیادی اصولوں کا تذکرہ کر دیں تا کہ اس سیاست کے سمجھنے میں آسانی ہو اور حضرت عمر کا طرزِ عمل جو بظاہر مختلف مواقع پر مختلف متضاد جذبات کا نتیجہ نظر آتا ہے ایک ہی مقصدِ حیات اور ایک ہی سیاست سلطنت کا نتیجہ ثابت ہو۔ حضرت عمر اور دُنیا کے دیگر عظیم الشان بدترین سلطنت کی سیاست کے دو مشترکہ اُصولِ اساسی تھے اور وہ ہی اُن سب کی کامیابی کا راز تھے۔

(۱) اول:۔ تو اپنے مقصد کے حصول کی خاطر ہر ایک امر ماسوا کی طرف سے مطلقاً بے توجہی اختیار کر کے اس کو قطعاً نظر انداز کر دینا۔ **مذہب اور محبت** دُنیا کی دو بڑی طاقتیں ہیں۔ لیکن ان عظیم الشان ہستیوں کو وہ بھی اس راہ سے جو انہوں نے اپنے لئے اختیار کر لی تھی۔ ایک جو بھر ادھر سے اُدھر نہ کر سکیں۔

(۲) دوم:۔ اپنے مقصد اور دلی راز کو اس طرح پوشیدہ رکھنا کہ عوام الناس کو مطلقاً نہ معلوم ہو سکے۔ میرے خیال میں جو کمال حضرت عمر نے اس ہنر میں دکھایا ہے۔ اس کے درجہ تک یورپ کے سیاست دان بھی نہیں پہنچتے۔ حضرت عمر نے اپنی ساری عمر اس مقصد کے حاصل کرنے میں گزار دی جس کا ذکر اُوپر کیا گیا۔ لیکن مرتے مر گئے مگر سوائے چند خاص اور مقرب لوگوں کے جن کی مدد اس حصولِ مقصد کے لئے ضروری تھی انہوں نے اپنا یہ مقصد عوام الناس پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ کامیابی کے بعد جب اخفائے راز کی بہت زیادہ ضرورت نہ رہتی انہوں نے عبداللہ ابن عباس کے مکالمے میں دوسرے لوگوں ہی پر رکھ کر کہا انہوں نے نہ چاہا کہ نبوت وخلافت ایک خاندان میں جائیں۔ اس اصلی اور دلی خواہش کو اس عمدگی کے ساتھ چھپایا کہ اب تک لوگ مغالطے میں ہیں۔ اور یہی سمجھتے ہیں کہ حضرت عمر تو حضرت علیؑ کے دلی دوست تھے۔ حضرت علیؑ سے حکومت چھین لی۔ اور ان کی زوجہ محترمہ سے فدک چھین لیا۔ ان کے گھر کو آگ لگانے چلے۔ اقطاع وجاگیرات ہر ایک کے لئے تھیں سوائے حضرت علیؑ کے۔ حضرت علیؑ

خاندانی دشمنوں کو حضرت علیؑ کی آنکھوں کے سامنے عزت بخشی لوگوں کی نظروں میں بہت سے صحابیوں کا درجہ حضرت علیؑ سے بڑھا دیا۔

قرآن جمع کرایا۔ تو کل کے بچوں سے مگر حضرت علیؑ کو نہ پوچھا۔ فوجوں کا سپہ سالار بنایا تو یزید اور معاویہ کو مگر علیؑ کو اس قابل نا سمجھا حضرت فاطمہؑ کے قبضہ میں تو فدک بھی آنکھوں کھٹکتا تھا۔ مگر پورے صوبہ شام کو معاویہ کی جاگیر استعمراری میں دے دیا اور مرتے وقت ایسی ترکیب کر گئے کہ حضرت علیؑ کو چوتھے درجہ پر بھی خلافت نہ ملتی۔ اگر حضرت عثمان غلطیوں پر غلطیاں نہ کرتے۔ یہ سب کچھ کر لیا۔ لیکن اس طرح کہ لوگ دلی مقصد کو نہ سمجھے۔ اب تک عوام الناس یہی سمجھتے ہیں کہ حضرت عمر نے تو بادلِ ناخواستہ حکومت حاصل کی کہ کہیں انصار میں نہ چلی جائے ورنہ وہ تو حضرت علیؑ کے دلی خیر خواہ و مداح تھے، گویا انصار مسلمان ہی نہ تھے۔ بنی تیم اور بنی عدی میں خلافت چلی جائے تو کچھ حرج نہیں لیکن اگر انصار میں چلی جاتی تو قیامت آ جاتی۔ یہ دنیاوی سیاست کا آخری درجہ کمال ہے یا نہیں؟ باوجوہات چند در چند جو کہ ظاہر ہیں حضرت عمر نے ضروری سمجھا کہ ظاہری طور سے علیؑ کی خیر خواہی کا دم بھریں اور لوگوں میں ظاہر کریں کہ وہ علیؑ کی بہت تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔

ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے حضرت عمر کی عاقلانہ سیاست کا پتہ چلتا ہے اس ظاہری تعظیم و تکریم کو دیکھ کر ایک دفعہ لوگوں نے کہا کہ جتنی آپ علیؑ کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اتنی کسی اور کی نہیں کرتے۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ کیوں نہ کروں کیونکہ وہ تو میرا بھی مولا ہے، اور تمام مومنین و مومنات کا مولا ہے حضرت عمر نے کس خوبی سے ظاہر کر دیا غدیر خم والی روایت جو لوگوں میں چل رہی ہے وہ تو کچھ نہیں فقط اتنی ہے کہ علی مولا ہے۔ مولا کے معنی حاکم کے نہیں ہیں مولا کے تو ایسے معنی ہیں کہ میں حاکم ہوں اور علی مولا ہے۔ ہزاروں بحثیں کر لو۔ لاکھوں کتابیں لکھ ڈالو وہ اثر نہ ہوگا جو اس ایک

بات سے ہوگیا۔ اگر یوں بحث کرتے تو لوگ سمجھتے کہ چونکہ حکومت پر قبضہ کرلیا ہے اس لئے اب الٹی سیدھی تاویلوں پر اُتر آئے ہیں مگر انکے اس طرزِ عمل اور اس کی تشریح سے لوگوں کے دلوں پر بہت اثر ہوا۔ ان کو یقین ہوگیا کہ ایک آدمی مؤلا و آقا بھی ہوسکتا ہے اور جس کا مولا و آقا ہے اس کا محکوم بھی ہوسکتا ہے ورنہ اگر ایسا نہ ہوتا تو عمر جو علیؑ کی اتنی عزت کرتے ہیں ایک لمحے کے لئے علیؑ کی موجودگی میں مسند حکومت پر نہ ٹھہرتے۔

اس ظاہری تعظیم و تکریم کی ایک اور وجہ بھی تھی۔ ابھی تک وہ وقت نہیں آیا تھا کہ ہر وقت ہر طرح حضرت علیؑ کی توہین و تحقیر ہوسکے۔ حضرت فاطمہؑ کے دربار عام میں آن کر فدک طلب کرنے پر ہی ایک ہیجان لوگوں میں پیدا ہوگیا تھا۔ لہٰذا ان جیسے عظیم الشان مدبروں کا طرزِ عمل یہی ہوتا ہے کہ یا تو اگر موقع ہے اپنے مخالف کو مروا ڈالا۔ اگر ایسا نہیں کرسکتے تو اسکے ساتھ ظاہراً نہایت عمدہ سلوک کرتے رہنا کہ اگر زیادہ ستایا تو کہیں تنگ آمد بجنگ آمد کے مسئلے پر عمل کر بیٹھے۔ اگر مخالف صاحبِ رسوخ ہے تو یہ طرزِ عمل بہت ضروری ہوتا ہے۔ ابھی علیؑ کی عزت و وقعت لوگوں کے دلوں میں اتنی موجود تھی کہ حضرت عمر زیادہ بدلوکی نہیں کرسکتے تھے کس خوبصورتی عمدگی سے آگے چل کر حضرت عمر نے حضرت علیؑ کے قتل کی تجویز کی۔ ہم ابھی بیان کریں گے۔ جب شوریٰ کا تذکرہ کریں گے۔

حضرت عمر اور حضرت ابوبکر کی سیاست ایک ہی ہے۔ ایک کی کمی دوسرا پوری کیا کرتا تھا اس کا مفصل تذکرہ تو ہم سقیفہ بنی ساعدہ کے حالات میں کریں گے۔ لیکن یہاں اگر ہم ایک واقعہ کی طرف توجہ نہ دلائیں تو ہمارا بیان ناقص رہ جائے گا۔ حضرت ابوبکر نے بھی نازک موقعوں کو اچھی طرح سنبھال لیا کرتے تھے۔ ابھی ابھی جناب رسولِ خدا کا انتقال ہوچکا ہے جسدِ اطہر اُمت کے سامنے پڑا ہے۔ ابھی تک اُمت کی ذہنیت کا امتحان صریح طور سے نہیں ہوا تھا۔ فطرت انسانی ہے کہ مرنے والے کے

ساتھ محبت وہمدردی ہو جاتی ہے اور وہ محبت وہمدردی اس کی اولاد و قریب ترین رشتہ داروں کی طرح عود کر جاتی ہے۔ اُمت میں رحلتِ رسولؐ نے کہرام پیدا کر دیا ہے لوگ اپنے محسن کے احسانات یاد کر کے رو رہے ہیں۔ بڑا نازک وقت ہے ایسا نہ ہو کہ یہ محبت آل ؑ کی طرف منتقل ہو جائے فوراً جناب ابوبکر نے کھڑے ہو کر ایک فصیح و بلیغ خطبہ ادا فرمایا جس کی لوگ اب تک تعریف کرتے ہیں اور وہ واقعی تعریف کے قابل تھا۔ کیونکہ اس نے حصول مدعا میں بڑی مدد دی آپ فرماتے ہیں۔

الا من کان یعبد محمداً فان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم قدمات ومن کان یعبداللہ فان اللہ حی لایموت۔

جو محمدؐ کی پرستش کرتا تھا اسکو معلوم ہو کہ محمدؐ تو مر گئے اور جو خدا کی پرستش کرتا ہے وہ معلوم کر لے کہ خدا زندہ ہے جو کبھی نہیں مریگا۔

(صحیح بُخاری کتاب فضائل اصحاب النبیؐ)

"دیکھا آپ نے فوراً محبت رسولؐ کو عبادت سے تعبیر کر کے اسے مکروہ بنا کر کفر کی کوشش کی۔ اور

اس کی کراہیت میں اضافہ اس طرح کیا کہ اس کو عبادتِ الٰہی کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا"۔ مرنے والے حبیب کو سب رویا کرتے ہیں ابھی ابھی وہ حبیب جدا ہوا ہے کئی دن یا مہینے نہیں گزرے۔ اس محبت میں مہینوں سے تو انہماک نہیں ہے۔ کیا اپنے پیارے رسول کو چند گھنٹے رونا بھی ناگوار ہے۔ بھلا اس رونے کو پرستش و عبادت سے کیا علاقہ۔ اب جو لوگ اپنے مرنے والوں کو روتے ہیں تو انکی پرستش کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ کی خواہش کیمطابق جو زبانِ "مدینہ" حضرت حمزہ پر آن کر روئیں۔ تو گویا انہوں نے حمزہ کی پرستش کی اور آنحضرتؐ نے معاذ اللہ ان سے حمزہ کی پرستش کرائی۔ یہ کہہ کر کہ جو خدا کی پرستش کرتا ہے۔ معلوم کر لے کہ خدا نہیں مرا۔ حضرت ابوبکر نے ان لوگوں کو دو جماعتوں میں منقسم کر دیا۔ ایک تو وہ جو رسول خدا کی محبت میں رو رہے تھے وہ تو محمدؐ کی عبادت کرنے والے کافر ہوئے۔ دوسرے وہ سخت دل لوگ جن پر آنحضرتؐ کی وفات نے کچھ غم کا اثر پیدا نہیں کیا تھا، بلکہ وہ آئندہ کے منصوبوں میں غلطان و پیچان تھے۔

یہ لوگ خدا کے اصلی بندے خدا کی عبادت کرنیوالے ہوئے یہ ہیں ان بزرگواروں کی سیاسی ذہانت کے نمونے۔ ایسی بہت سی نظائر پیش کی جاسکتی ہیں۔ جن سے صاف ظاہر ہے کہ یہ بزرگوار اپنے دلی مقصد کو کس خوبصورتی سے پوشیدہ رکھتے تھے اور یہی ان کی کامیابی کا بہت بڑا راز تھا۔ اب ہم ان سیاسی تدابیر کا ذکر کرتے ہیں جو حصول مدعا کے لئے استعمال کی گئیں۔ یہ تدابیر ان اُصولوں پر مبنی تھیں (۱) اپنی ہم خیال جماعت کی توسیع و تنظیم (۲) نبوت کے متعلق ایسا عقیدہ قائم کرنا اور فقہ اسلامی میں ایسی ترمیم کرنی کہ ہم مسلمان بھی ظاہر ہوں اور رسولِ خداؐ کے ان احکام کی خلاف ورزی بھی کرسکیں جو انہوں نے اپنے جانشین کے متعلق صادر فرمائے تھے۔ (۳) حضرت علیؑ و بنو ہاشم کے مقابلہ میں بنو امیہ کو ابھارنا۔

﴿ہماری تحقیق﴾

ہماری تحقیقات کے سلسلہ میں پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں کے دل میں کب یہ خیال پیدا ہوا۔ اور اس کا یقین ہو گیا، کہ آنحضرتؐ ایک اسلامی حکومت کا قیام کر رہے ہیں یا یوں کہوں کہ دنیا میں حکومت الٰہیہ کا قیام بھی آپ کے مقاصد میں سے ایک مقصد ہے۔ بہت سے مورخین و محققین کی رائے ہے کہ لوگوں کے دلوں میں یہ خیال قبل بعثت ہی کاہنوں کی پیشن گوئیوں سے خصوصاً آنحضرتؐ کے سفر شام میں عیسائی راہب بحیرا کی اس پیشین گوئی سے پیدا ہو گیا تھا کہ یہ ساری دُنیا کا سیاسی سردار ہے بہر صورت اس امر واقعہ سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ جب آنحضرتؐ نے مدینہ میں تشریف لاتے ہی تنظیم جماعتِ مسلمین کی طرف توجہ مبذول کی اور مدینہ کی غیر اسلامی جماعتوں سے ایک سردار قوم کی حیثیت سے معاہدے کرنے بھی شروع کر دیئے تو اس خیال نے یقین کی صورت اختیار کر لی۔ کفاران مکہ نے بھی جو سور شیں کیں ان میں مدینہ کو ایک اسلامی حکومت تصور کر کے اس کے محاصرہ کی کوشش کی۔

آنحضرتؐ کا باہر جنگ پر جاتے وقت مدینہ پر اپنی طرف سے حاکم مقرر کرنا صاف بتا رہا تھا۔ کہ واقعات کی رو کدھر جاری ہے۔ اندریں صورت اسی وقت سے ہر ایک متنفس کے دل میں یہ خیال پیدا ہونا کہ آنحضرتؐ کے بعد اس حکومت کا کون والی وارث ہو گا بالکل فطری اور یقینی امر تھا، یہ خیال پیدا ہوا، اور بہت جلد قوت پکڑتا گیا یہاں تک کہ آخر کار اس نے صحابہ رسولؐ کو دو جماعتوں میں تقسیم کر دیا جناب رسولؐ خدا کے وقتاً فوقتاً ارشادات اور اظہار فضائل جو حضرت علیؑ کے متعلق آپ ابتدائے نبوت سے کرتے آئے تھے۔ انہوں نے مطلقاً شک کے لئے کوئی جگہ نہیں چھوڑی تھی۔

خصوصاً غدیر خم کے اعلان نے تو کھلبلی ڈال دی

سب لوگوں کا خیال ان ارشادات کی وجہ سے اس طرف گیا کہ اب نبوت کی شان کو سمجھے ہوئے تھے اور اعتقاد رکھتے تھے کہ نبی کے اقوال خودغرضی و خاندان پروری پر مبنی نہیں ہوسکتے، اس امکان کو بہت خوشی اور اطمینان کے ساتھ دیکھتے تھے۔ لیکن اکثریت ان لوگوں کی تھی جو نبی کو اپنی جیسی کمزوریوں والا انسان سمجھتے تھے۔ انہوں نے ارشادات کی بناء خاندانی افتخار و محبت پر رکھی۔ ان کے دلوں میں قبیلانہ رشک و حسد کے خیالات پیدا ہوئے۔ اندریں صورت فوراً ہمت و جرائت والے لوگوں کے دلوں میں حکومت پر قبضہ کرنے کے خیالات موجزن ہونے لگے اور انہوں نے ان لوگوں کو ایک جماعت میں منظم کرنے کی کوشش شروع کردی اور اس طرح حضرت علیؑ کے خلاف ایک نہایت مضبوط و مستقل جماعت پیدا ہوگئی۔ حضرت علیؑ کی روز افزوں شہرت و خدمتِ اسلامی اور تقریب رسولؐ نے لوگوں کے دلوں میں حسد پیدا کرنا شروع کردیا تھا۔ کارکنان قضا و قدر نے حسد کا مخالف لگاؤ طبعیت انسانی کے ساتھ رکھا ہے ہابیل و قابیل کا قصہ تو پرانا ہے۔

حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی کہانی لوگوں کے سامنے ہے جب اس سے اولاد نبی نہ بچ سکی تو اصحاب رسول کس گنتی میں ہے۔ تقریب رسولؐ تو ایک وجہ حسد تھی ہی۔ جانشینی رسولؐ ایک ایسا مسئلہ تھا جو ہر وقت لوگوں کے پیش نظر رہنے لگا تھا۔ جناب رسولؐ خدا کے ارشادات سے انکو یقین ہوگیا تھا کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اپنی جانشینی و خلافت کے لئے منتخب و مقرر کرلیا ہے یہ لوگ دل سے اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ جناب رسولؐ خدا کے صحابہ میں ایک جماعت حضرت علیؑ کے خلاف پیدا ہوگئی تھی اور وہ چاہتی تھی کہ حضرت علیؑ خلیفہ نہ ہوں۔ اس جماعت کی موجودگی کا اعتراف حضرت عمر نے ان مکالموں میں صریحاً کیا ہے جو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔ اگر اس اقبال جرم کو نظر انداز بھی کردیا جائے تو واقعات

یہی بتا رہے ہیں۔ ترقیء اسلام اور توسیع حکومت کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی طبیعتیں متغیر ہوتی گئیں اور چونکہ دن بدن تقرری جانشین کا سوال اہمیت پکڑتا جاتا تھا اور وہ زمانہ نزدیک آتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ ان لوگوں نے اپنی جماعت کی تشکیل و تنظیم مضبوط کرنے کی کوشش کی۔

ان لوگوں کو بڑی تقویت اس جماعت سے ملی جس کو عرفِ عام میں منافقین کہتے تھے؛ اور جس کی موجودگی پر قول الٰہی شاہد ہے ہماری رائے میں تو ان لوگوں کو بھی جناب رسولؐ خدا کے اس حکم کو خودغرضی پر محمول کر کے اس سے اعراض کر رہے تھے اس ہی دائرِ منافقین میں سمجھنا چاہیے۔ اگر آپ یہ نہیں چاہتے تو ان کو الگ سمجھے۔ ان منافقین کا شیوہ تھا کہ آنحضرتؐ کے اقوال و افعال پر طرح طرح کی نکتہ چینی کرتے رہتے تھے۔ جب تک یہ نکتہ چینیاں توحید و نبوت تک محدود رہیں تو عام مسلمان ان منافقین سے علیحدہ رہے اور ان کو برا سمجھتے رہے لیکن حکومت کے مسئلے نے یا یوں کہو کہ سیاسی ضرورت نے صحابہ کی اکثریت کو مجبور کیا کہ منافقین کو اپنے ساتھ ملا کر تقویت حاصل کریں اور منافقین نے بھی سمجھا کہ اُنکے ساتھ مل کر ہم اسلام کو زیادہ نقصان پہنچا سکیں گے۔ وہ تو ایسے موقعہ کے منتظر ہی تھے جناب رسولِؐ خدا کے ہر قول و فعل پر نکتہ چینی کرنی تو ان کی طبیعت ثانیہ ہوگئی تھی جناب رسولِؐ خدا کا اپنے ابن عم و داماد کو اپنی حکومت سُپرد کرنے کا ایسا مضمون ان کو ہاتھ لگا کہ اس پر انہوں نے نکتہ چینی کا ایک عظیم الشان قصر تیار کر لیا اور حضرت علیؑ کی مخالفت کو اپنے دن کی گفتگوں اور رات کی راز گوئیوں کا نشانہ بنا لیا۔ چونکہ جماعت منافقین اور جماعتِ منتظرین حکومت میں مخالفت ممتظرین حکومت میں مخالفتِ علیؑ جزو مشترک تھا۔ اور ایک کو دُوسرے کی ضرورت بھی تھی لہذا یہ دونوں جماعتیں مل کر ایک ہوگئیں اور دونوں میں اتحاد کامل ہوگیا ایک جماعت کو تو کثرت سے قوت ملی اور دوسری جماعت نے خیال کیا۔ کہ جناب رسولؐ خدا کے سارے کام کو بگاڑنے کا اس سے بہتر اور موثر اور کیا طریقہ ہوسکتا ہے۔ کہ ان کے قائم کردہ نظام کی باگ دوڑ اس کے ہاتھ میں نہ جانے پائے اس کو جناب رسولؐ خدا ہی کی سی قابلیت، اہلیت اور علمیت

کے ساتھ چلا کر اس کو مستقل و مستحکم کر دے۔ بلکہ اس کے حکمران وہ ہوں جو اس نظام ہی کو نہ سمجھیں اور ہر جگہ اپنی رائے کا پیوند لگاتے جائیں اور اس طرح اسلام مسخ ہو جائے۔ لہٰذا انہوں نے اپنی ساری کوشش اس سازش کو منظم کرنے میں کر دی، جس کا اظہار سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوا۔

غزوہ تبوک پر جاتے وقت جناب رسولِ خدا نے حضرت علیؑ کو مدینہ میں چھوڑا۔ تو تمام مؤرخین جماعت اہل حکومت لکھتے ہیں کہ منافقین خوش ہو کر علیؑ پر طنز کرنے لگے جو باعث حدیث منزلت ہوئی۔ منافقین کو عرفِ عام میں ان کو کہتے تھے جو دراصل نبوت پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ بظاہر منہ سے کہہ دیا تھا کہ ہم مسلمان ہیں ورنہ ان کو خدا کی وحدانیت کا بھی یقین نہ تھا۔ ان منافقین کو حضرت علیؑ سے دشمنی کیوں ہو۔ معلوم ہوا کہ خدا کی وحدانیت، جناب رسولؐ خدا کی رسالت اور علیؑ کی خلافت میں ایک جزو مشترک تھا۔ اگر یہ اشتراک نہ تھا تو پھر منافقین علیؑ کے عروج سے ناراض اور ان کے تنزل سے خوش نہ ہوتے واحدانیت کی تعلیم وابستہ تھی محمد مصطفےٰؐ کی رسالت اور علیؑ مرتضےٰ کی خلافت سے اور یہ وابستگی اس ہی خدا کی قائم کی ہوئی تھی جس نے محمدؐ کو اپنا رسول مقرر کر کے بھیجا تھا۔ لہٰذا وہ لوگ جو نہیں چاہتے تھے کہ علیؑ خلیفہ ہوں منافق تھے۔ منافقین اور جماعت امیدواران حکومت نہیں چاہتے تھے کہ علی خلیفہ ہوں لہٰذا دونوں میں اتحادِ عمل ہونا ضروری تھا اور ہوا۔ واقعہ عقبہ بھی جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں ظاہر کرتا ہے کہ منافقین و جماعت اُمیدواران حکومت دونوں مل کر شیر و شکر ہو گئے تھے جب ہی تو جناب رسولؐ خدا نے حذیفہ کو ان کے نام ظاہر کرنے سے منع کر دیا تاکہ انکے اصحاب کی فضیحت نہ ہو اور آپ کے اُوران کو سزا دینی لازم نہ آجائے۔ اگر عرف عام ہی کے منافقین ہوتے تو اس اخفا کی کیا ضرورت تھی۔ ان کو تو سب جانتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا اقبال بھی کہ میں منافقین میں سے ہوں۔

امر امر واقعہ کا صریح ذکر کہ جماعت اُمیدوارانِ حکومت نے جماعت منافقین کو حضرت علیؑ کی

مخالفت کے لئے اپنے ساتھ ملالیا آپ کسی بڑی اسلامی تاریخ کی کتاب نہیں پائیں گے کیونکہ بقعول مولوی شبلی:۔ "وہ تمام بڑی بڑی تصنیفیں جن کو دُنیا نے اسلامی تاریخ کا لقب دیا ہے سُنیوں ہی کی تصنیفیں ہیں۔ "**المامون حصہ اول صفحہ ۱۶**۔لیکن حق چھپانے سے نہیں چھپتا۔خود واقعات و حالات اس کو ظاہر کر دیتے ہیں غور تو کیجیے۔کیا وجہ کہ جناب رسولؐ خدا کی حیات میں جماعت منافقین کا نام بار بار سننے میں آتا ہے اور بہت شدومد کے ساتھ انکے افعال واقوال پر سے پردہ اٹھایا جاتا ہے وہ اتنی کثرت و قوت والے تھے کہ ان کا ذکر قرآن شریف میں بھی آ گیا۔

آخری آیت جو قرآن شریف کی ہے اس تک میں ان کی طرف اشارہ ہے **واللہ یعصمک من الناس** من الناس کا لفظ آیا۔یا تو اس کے معنی یہ لو کہ صحابہ کی اکثریت ہی اس رنگ میں رنگی گئی تھی۔اکثریت کی لفظ "ناس" کہا گیا۔یا یہ ہو کہ یہ منافقین ہی کی طرف اشارہ ہے۔بہر صورت اس بحث میں ہمارا مقصد دونوں تاویلوں سے پورا ہوتا ہے کہ کیا ہوا کہ جناب رسولؐ خدا کی آنکھ بند ہوتے ہی جماعت منافقین یک لخت صفحہ ہستی سے اٹھ گئے ان کا ذکر ہی نہیں آتا بلکہ ان کی موجودگی پر مفروضے حدیث نجوم سے پردہ ڈالا جاتا ہے۔سارے صحابی ہدایت کے ستارے ہیں جس سے جی چاہے ہدایت حاصل کرلو۔یہ ظاہر ہے کہ وہ جماعت غائب یا مفقود نہیں ہوئی بلکہ یہ بزرگوار مانتے ہیں کہ جناب رسولِ خدا کے زمانہ سے بھی زیادہ منافقین کی شرارت ان کے بعد بڑھ گئی۔کیونکہ جناب رسول خدا کی حیات میں وہ اپنے منافقانہ جذبات کو چھپاتے تھے اور اب علانیہ ظاہر کرتے ہیں۔

عن حذیفہ بن الیمان قال ان المنافقین الیوم شر منھم علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانوا یومئذٍ یسرون والیوم بحرون۔

یعنی حذیفہ بن الیمانی جن کو منافقین کا عالم کہتے ہیں کہ آج کے دن کے

منافقین بہت زیادہ خطرناک اور بدی والے ہیں بہ نسبت زمانہ رسولؐ اللہ کے منافقین کے کیونکہ اس وقت تو وہ اپنی باتوں اور اپنی کرتوت کو چھپاتے تھے اور آج علانیہ وہ باتیں اور افعال کرتے ہیں۔ **(صحیح البخاری ج ۴ باب از قال عند قوم شیأ..... ص ۱۵۳ اور ابن حجر عسقلانی فتح الباری ج ۱۳ ص ۶۴)۔**

سارا بھانڈا پُھوٹ گیا۔ اتنی جرات و دلیری منافقین میں کیوں آ گئی کہ وہ کھلم کھلا اپنے منافقانہ جذبات و افعال و اقوال ظاہر کر رہے ہیں اور کوئی کچھ نہیں کہتا۔ آزادی کے ساتھ سر بازار اپنی عداوت کا اظہار کرتے پھرتے ہیں اور محفوظ ہیں۔ ڈر کاہے کا جب سیّاں بھئے کوتوال۔ ان منافقین کی ہی جماعت تو برسر حکومت تھی ان کو کس کا ڈر ہو سکتا تھا۔ ہم جماعتِ اہل حکومت کی کتابوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ جناب رسولِ خدا فرمایا کرتے تھے حب علیؑ علامتِ ایمان اور بغض علیؑ علامت منافقت ہے جو جماعت کہ حضرت علیؑ کا حق پامال کر کے خود حکومت پر قبضہ کر لے۔ وہ علیؑ کی دوست کہلائے گی یا دشمن۔ اس قولِ رسولؐ سے کیا نتیجہ نکلا۔ حکومت کی ساری پارٹی منافق ہوئی کہ مومن جناب رسولؐ خدا بھی منافقین کی اس چال سے آگاہ تھے۔ آپ جانتے تھے کہ اسلام کو نقصان پہنچانے کا جو طریقہ یہ اختیار کر رہے ہیں بہت خطرناک ہے لہذا آپ نے عداوتِ علیؑ کو نشانِ منافقت قرار دیا یعنی مخالفتِ علیؑ باعثِ تخریب اسلام تھی۔ لہذا علامت نفاق ہوئی۔

جنابِ رسولؐ خدا کے صحابہ کی یہ سیاسی حالت و تفریق اتنی پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ کوئی مورخ اس سے انکار نہیں کر سکتا اس کو ذہانت و دور بینی کہو یا پیغمبرانہ پیشین گوئی کہ آنحضرت صلعم جانتے تھے کہ میرے بعد منافقین اور اُمیدوارنِ حکومت کی جماعت مل کر ایسے شیر و شکر ہو جائیں گے کہ پہچانے نہ جائیں گے۔ اس وقت محض حضرت علیؑ ہی کی ذات سے ان کی شناخت ہو سکے گی۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔

منافقین بہت زیادہ خطرناک اور بدی والے ہیں بہ نسبت زمانہ رسول اللہؐ کے منافقین کے کیونکہ اس وقت تو وہ اپنی باتوں اور اپنی کرتوت کو چھپاتے تھے اور آج علانیہ وہ باتیں اور افعال کرتے ہیں۔ (**صحیح البخاری ج ۴ باب ازقال عندقوم شیا..... ص ۱۵۳ اور ابن حجر عسقلانی فتح الباری ج ۱۳ ص ۶۴**)۔

سارا بھانڈا پھوٹ گیا۔ اتنی جرات و دلیری منافقین میں کیوں آ گئی کہ وہ کھلم کھلا اپنے منافقانہ جذبات و افعال و اقوال ظاہر کر رہے ہیں اور کوئی کچھ نہیں کہتا۔ آزادی کے ساتھ سر بازار اپنی عداوت کا اظہار کرتے پھرتے ہیں اور محفوظ ہیں۔ ڈر کا ہے کا جب سیّاں بھئے کوتوال۔ ان منافقین کی ہی جماعت تو برسر حکومت تھی ان کو کس کا ڈر ہوسکتا تھا۔ ہم جماعتِ اہل حکومت کی کتابوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ جناب رسولِ خدا فرمایا کرتے تھے حب علیؑ علامتِ ایمان اور بغض علیؑ علامت منافقت ہے جو جماعت کہ حضرت علیؑ کا حق پامال کر کے خود حکومت پر قبضہ کر لے۔ وہ علیؑ کی دوست کہلائے گی یا دشمن۔ اس قولِ رسولؐ سے کیا نتیجہ نکلا۔ حکومت کی ساری پارٹی منافق ہوئی کہ مومن جناب رسولؐ خدا بھی منافقین کی اس چال سے آگاہ تھے۔ آپ جانتے تھے کہ اسلام کو نقصان پہنچانے کا جو طریقہ یہ اختیار کر رہے ہیں بہت خطرناک ہے لہذا آپ نے عداوتِ علیؑ کو نشانِ منافقت قرار دیا یعنی مخالفتِ علیؑ باعثِ تخریب اسلام تھی۔ لہذا علامت نفاق ہوئی۔

جنابِ رسولؐ خدا کے صحابہ کی یہ سیاسی حالت و تفریق اتنی پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ کوئی مورخ اس سے انکار نہیں کر سکتا اس کو ذہانت و دُور بینی کہو یا پیغمبرانہ پیشین گوئی کہ آنحضرت صلعم جانتے تھے کہ میرے بعد منافقین اور اُمیدوارنِ حکومت کی جماعت مل کر ایسے شیر و شکر ہو جائیں گے کہ پہچانے نہ جائیں گے۔ اس وقت محض حضرت علیؑ ہی کی ذات سے ان کی شناخت ہو سکے گی۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لعلی بن ابی طالب لولاک یا علی ماعرف المومنون من بعدی۔

یعنی جناب رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا کہ یا علی اگر تم نہ ہوتے تو میرے بعد مومن کی شناخت نہ ہو سکتی

(محبّ الدین الطبری ریاض النضرہ ج ۳ ب ۴ فصل ۶ ص ۲۰۲ اور علی متقی ہندی کنز العمال ج ۶، ص ۲۰۲ ح ۲۱۱۴)

اب اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اُمیدوارانِ حکومت کی یہ مخالفانہ کوششیں کب سے جاری تھیں۔ یہ کوششیں اس وقت ہی سے شروع ہو گئی تھیں جب سے لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ آنحضرتؐ ایک سلطنت الٰہیہ کی بُنیاد ڈال رہے ہیں اور اس بات کا انکشاف یقینی طور سے آنحضرتؐ کے مدینہ تشریف لاتے ہی ہو گیا تھا۔ ازمنہ سابقہ میں جب کی یہ باتیں ہیں کہانت کا بہت زور تھا۔ اور لوگوں کو اس پر بہت یقین تھا۔ جب کوئی نئی بات ہوتی تھی تو لوگ کاہنوں سے اس کے اثر ونتائج دریافت کیا کرتے تھے اور جس طرح خداوند تعالےٰ نے اپنی حجت پوری کرنے کے لئے کتب سماویہ کے ذریعے سے پیغمبر آخرالزمان کی صفات وشناخت سے لوگوں کو آگاہ کر دیا تھا۔ اسی طرح کہانت کو بھی اتنی وقدرت بخش دی تھی کہ وہ بھی لوگوں کو اس عظیم الشان ہستی کی روحانی طاقت و دنیاوی سطوت سے آگاہ کر دے تا کہ ان لوگوں پر بھی حجت پوری ہو جائے جن کا اعتقاد کتب سماویہ پر نہیں تھا۔

آنحضرتؐ کی پیدائش سے پہلے ہی کاہنوں نے بتا دیا تھا۔ کہ عرب میں ایک نبی آخرالزمان

پیدا ہونے والا ہے جس کا نام محمد ہوگا۔اس سے پہلے عرب میں کسی کا نام محمد نہ تھا۔مگر جب کاہنوں سے یہ بات سُنی تو لوگوں نے اپنے لڑکوں کا نام محمد رکھنا شروع کردیا۔آنحضرتؐ اپنی اور اپنے واقعات کی مشابہت حضرت موسیٰؑ سے بہت دیا کرتے تھے۔اس بات میں بھی وہ مشابہت قائم رہی حضرت موسیٰ کی پیدائش سے پہلے کاہنوں نے ان کی آمد کی اطلاع دے دی تھی جس کی وجہ سے فرعون نے بنی اسرائیل کے لڑکے پیدا ہوتے ہی مروانے شروع کر دیے تھے۔(سیرۃ الحلبیہ ج ا ص ۹۸)۔

مسلمان ہونے کے بعد بھی یہ لوگ کاہنوں کے معتقد ہی رہے اور جب جناب رسولؐ خدا نے منع کیا تو یہ بحث شروع کردی کہ اگر کاہنان لاشے ہیں تو ان کی پیشین گوئیاں کیوں صحیح ہوتی ہیں جس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جنات یعنی شیاطین ان کو آگاہ کر دیتے ہیں۔(مسند احمد حنبل ج ۷ ص ۸۷) ابھی آنحضرتؐ مبعوث بھی نہیں ہوئے تھے کہ کاہنوں نے حضرت ابوبکر کو بتا دیا تھا کہ عنقریب تمہارے شہر میں ایک عظیم الشان نبی مبعوث ہونے والا ہے اور تم اے ابوبکر اس کے جانشین ہو گے۔

ریاض النضرۃ میں ہے کہ جب آنحضرت نے دعوٰی نبوت کیا تو حضرت ابوبکر محض تعبیر خواب کی بنا پر جو کاہن نے ان سے بیان کی تھی آنحضرت کی خدمت میں آئے اور مشرف باسلام ہوئے صفحہ ۵۲۔

(حسین دیار بکری:۔تاریخ الخمیس الجزاء الاول صفحہ ۳۲۴، محب طبری:۔ریاض النضرۃ الجزء الاول القسم الثانی الباب الاول الفصل الرابع صفحہ ۲، سیرۃ الحلبیہ:۔الجزء الاول صفحہ ۲۷۴، شاہ ولی اللہ:۔ازالۃ الخفاء مقصد ا ص ۳۴)

حضرت عمر کو بھی ایسے واقعات سے سامنا پڑا۔ ایک دفعہ آپ ایک قافلہ کے ساتھ مزدوری کرتے کرتے شام میں پہنچے اور وہاں قافلے والوں سے بچھڑ گئے۔ ایک راہب کے در پر آئے۔ اس نے کھانا وغیرہ کھلوایا اور پھر شناخت کر لی کہ یہی شخص ہم کو ہماری عبادت گاہوں سے نکالے گا چنانچہ اس نے اصرار کر کے اپنے دیر کا ہبہ نامہ اپنے حق میں لکھا لیا اور پیشین گوئی کہ تم بادشاہ ہوں جاؤ گے اور عیسائیوں کو نکال دو گے۔ اس دیر کا ہبہ نامہ اس سے میرے حق میں لکھ دو۔ چنانچہ عمر نے لکھ دیا۔ یہ بعثت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے۔ تو وہی ہبہ نامہ آپ کے سامنے پیش کیا اور آپ نے وہ دیر چھوڑ دیا۔ **(شاہ ولی اللہ:۔ ازالۃ الخفاء مقصد ا صفحہ ۳۲)** پر اٹھارہ برس کی عمر میں ولید بن مغیرہ کے خدمت گار بن کر قافلہ کے ساتھ شام گئے وہاں ایک راہب نے ان کا سر پیٹ اور رانیں کھول کر دیکھیں اور مریم بتول کی قسم کھا کر کہا کہ اے عمر تم عرب کے بادشاہ ہو جاؤ گے۔ **(ازالۃ الخفاء:۔ مقصد ا صفحہ ۳۲)**۔

ابوالقاسم رفیق دلاوری اپنی کتاب آئمہ تلبیس میں لکھتے ہیں

"حضرت بشیر و نذیر ہاشمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پیشتر عرب میں عام دستور تھا کہ لوگو غیب کی خبریں اور مستقبل کے حالات معلوم کرنے کے لئے کاہنوں کی طرف رجوع کرتے تھے اور خصومات کا معاملہ بھی زیادہ ان ہی کی مرضی اور صوب دید پر موقوف رہتا تھا یہ مدعیان غیب دانی مرجع انام اور قبلہ حاجات بنے ہوئے تھے"۔ **(سیرۃ النبی:۔ شبلی نعمانی جلد چہارم صفحہ ۱۴۲ تقطیع کلاں)**۔

علامہ جرجی زیدان نے اپنی کتاب تمدن اسلامی جلد سوئم میں جس کے اُردو ترجمہ کا نام علوم عرب ہے کہانت پر ایک مضمون لکھا ہے۔ دیکھو علوم عرب صفحہ ۱۲ ۱۳ اوہ لکھتے ہیں:۔ " کہانت وہ علم ہے جس کے ذریعے سے آئندہ کے حالات معلوم کیے جاتے تھے اس کے ساتھ ہی اہل عرب اس بات کا

بھی اعتقاد رکھتے تھے کہ کاہنوں کو ہر چیز پر قدرت ہوتی ہے۔ اسی لئے وہ اپنے معاملات میں ان سے مشورہ لیتے تھے اپنے جھگڑے طے کراتے تھے۔ بیماروں کا علاج کراتے مشکلات میں رائے لیتے اور آئندہ کے حالات پوچھتے تھے۔ غرض کاہن ان کے نزدیک عالم، فلسفی، طبیب اور مذہبی پیشوا ہوتا تھا۔ اور نیز ان میں یہ مشہور تھا کہ کاہنوں کے پاس جنات آسمان سے خبریں لاتے ہیں جس کا نام وہ لوگ ہاتف رکھتے تھے۔

مورخین نے کہانت کو ایک بہت بڑا علم مانا ہے اور کہتے ہیں کہ بوقت شیوع اسلام وقبل اسلام عرب میں کہانت کا بڑا زور تھا اور اس کی صداقت کا سب کا اعتقاد تھا۔ ابن خلدون نے تو اس پر بہت بحث کی ہے اور اس کو ایک صحیح علم ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس ہی سے ملا ہوا ایک دوسرا علم تعبیر رویا ہے کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر قبل اسلام تعبیر رویا میں بہت ماہر تھے علم نجوم بھی غیب کے اخبار بتاتا ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۹۵ لغایات ۱۱۹) تاریخ ابی الفداج ۱ص ۹۹) فلاسفران یونان وایران بھی کہانت کی صداقت کے معتقد تھے اور رومیوں میں بھی اس کا اعتقاد عام تھا چنانچہ ان میں DELPHI کا ORACLE اپنے الہامات کے لئے بہت مشہور تھا۔

اندریں صورت یہ قیاس بالکل امر واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکر وحضرت عمر کے طرزِ عمل پر ان کاہنوں کی پیشین گوئیوں کا بہت بڑا اثر تھا اور انہوں نے اپنا طریق کار ان پیشین وئیوں کی روزشنی میں اختیار کیا تھا۔ کاہنوں کی پیشن گوئیوں اور حالات کے مطالعہ سے ان لوگوں کو معلوم ہوگیا تھا۔ کہ اس ابتداء کی انتہا ایک بڑی سلطنت ہے اور بہت جلد جنگ بدر ہی کی فتح کے بعد یہ آئندہ کی اُمیدیں اور مستقبل کے ارادے حال کے منصوبوں اور تجویزوں میں تبدیل ہوگئے جب آنحضرتؐ نے اپنے اس منشاء کو جس کا دعوت ذی العشیرہ میں اعلان فرمایا تھا۔ مختلف طریقوں سے اپنی اُمت پر بحکم خداوندی ظاہر کرنا

شروع کر دیا تو آنحضرتؐ کے ارادے کے متعلق کسی کو کچھ شبہ نہیں رہا۔ اب تو ان لوگوں کیلئے جن کی نظریں حکومت کی مسند کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ صرف ایک ہی چارہ کار رہ گیا اور وہ یہ کہ ایک نہایت مضبوط جماعت اپنے ہم خیال لوگوں کی بنالیں اور اپنے خیال کی اشاعت کسی نہ کسی طرح لوگوں میں کرتے رہیں۔ جوں جوں زمانہ گذرتا گیا اور فتوحات اسلامیہ بڑھتی گئیں اس جماعت کے ارادوں اور کوششوں میں بھی ترقی ہوتی گئی۔ یہ کہنا کہ آنحضرتؐ اس جماعت کی موجودگی اور اس کی کوششوں سے ناواقف تھے خلاف واقعہ ہے اور آنحضرتؐ کی فراست وذہانت وذکاوت کی توہین ہے۔

عن علی نبینا رسول الله صلی الله علیه وسلم اخذ بیدی و نحن نمشی فی بعض سک المدینة فمررنا بحدیقة فقلت یارسول الله مااحسهامن حدیقة یارسول الله مااحسهامن حدیقة قال لک فی الجنة احسن مها حتی مدرنا الاقوام لا یبدونهالک الا منبعدی بالسلبع حدائق کل ذالک اقول ما احسها یقول لک فی الجنة احسها منها فلما خلی له الطریق اعتقنی ثم اجهش باکیا قلت یا رسول الله مایبکیک قال صفائن فی صدور قلت یارسول الله فی سلامة من دینی قال فی سلامة من دینک

۲۱۸۔حدیث ۲۱۵۸

حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ ایک دن جناب رسول اللہ خدا ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور ہم مدینہ کی بعض گلیوں میں سے گذر رہے تھے کہ ایک باغ کے پاس پہنچے میں نے کہا کہ یہ کیسا

اچھا باغ ہے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جنت میں تیرے لئے اس سے بھی اچھا باغ ہے یہاں تک کہ ہم اسی طرح سات باغوں کے پاس سے گزرے ہر باغ پر یہی کہتا تھا کہ کیسا اچھا باغ ہے اور آنحضرتؐ فرماتے تھے کہ تیرے لئے جنت میں اس سے بہتر باغ ہے جب ہم ایسے راستے پر آئے کہ جہاں کوئی اور نہ تھا تو جناب رسولؐ خدا مجھے گلے سے لگا کر رونے لگے میں دریافت کیا کہ یا رسول ﷺ آپکے گریہ کا کیا باعث ہے تو فرمایا کہ ان لوگوں کے دلوں میں تیری طرف سے کینے اور عدواتیں بھری ہیں جنکو وہ اب تو چھپائے ہوئے ہیں لیکن میرے بعد ظاہر کرینگے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ سب میری سلامتی دین کے ساتھ ہوگا فرمایاں ہاں تیری سلامتی کیساتھ۔

یا علی ان لامة ستغدربک من بعدی وانت تعیش علی ملتی و تقتل علی سنتی من احبک أحبنی و من ابغضک ابغضنی وان ھذا اسیدخضب من ھذا یعنی لحیة راسی۔

فرمایا جناب رسولؐ خدا نے کہ اے علی میرے بعد تمہارے ساتھ یہ اُمت دغا اور بغاوت کریگی، تم میری ملت پر رہو گے اور میری سنت پر قتل کیے جاؤ گے جس نے تم سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی جس نے تم سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور بہ تحقیق کہ تمہاری ڈاڑھی تمارے

سر کے خون سے رنگی جائے گی۔(علی المتقی۔کنزالعمال الجزء السادس صفحہ۔۱۵۔حدیث ۲۶۱۵، ابوعبداللہ الحاکم:۔المستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث صفحہ۱۴۲،۱۴،میرزا محمد بدخشانی:۔نزل الابرار صفحہ۲۹، محمد بن اسمعیل:۔روضۃ الندیہ شرح تحفۃ العلویہ صفحہ۹۳)

ایک جماعت کا موجود ہونا۔ان کا ایک مقصد رکھنا۔اس مقصد کا عجیب وغریب طرح سے کامیاب ہونا، یہ سب باتیں اچھی طرح ثابت کرتی ہیں کہ جناب رسول ﷺ خدا اور بنو ہاشم سے پوشیدہ یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے جناب رسولؐ خدا کے افعال و اقوال پر آپس میں نکتہ چینیاں کر کے لوگوں میں غلط فہمیاں پھیلاتے تھے۔کیونکہ بغیر اس کے جناب رسول خدا کا مقرر کردہ نظام درہم برہم نہیں ہوسکتا تھا۔لیکن ہم اس بات کو بھی استدلال و روایت پر نہیں چھوڑتے اس کا بھی ثبوت پیش کرتے ہیں۔

عن العباس ابن عبدالملب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال مابال اقوام یحدثون فاذا رائو الرجل من اھل بیتی قطعوا حدیتھم والذی نفسی بیدیٰ لا یدخل قل امری الایمان حتیٰ یبھم اللہ و لقرابتھم منی۔

حضرت عباس سے مروی ہے کہ فرمایا جناب رسولخدا نے کہ ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ جب یہ میرے اہلبیتؑ میں سے کسی کو دیکھ لیتے ہیں تو فوراً جو باتیں وہ کرتے ہوتے ہیں اسکو قطع کر کے خاموش ہو جاتے یا دوسری بات کرنے لگتے ہیں۔قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضہ قدرت میں میری

جان ہے کہ کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہ ہوگا جب تک وہ میرے اہلبیتؑ سے خدا کی خاطر اور میری قرابت کی وجہ سے محبت نہ کریگا۔ (شیخ یوسف بن اسماعیل:۔ اشرف المؤید صفحہ ۸۶، شیخ سلیمان:۔ ینابیع المودۃ صفحہ ۱۱ الباب الخامس والاربعون صفحہ ۱۱۱۔۱۱۱، میرزا محمد بن معتمد خان:۔ نزل الابرار صفحہ ۷، تاریخ ابن عاسکر)

آپ نے ان لوگوں کو یہ بھی بتا دیا کہ تمہاری ان سازشوں اور تمہارے ان منصوبوں کا نتیجہ تمہارے لئے اور اسلام کے لئے بہت برا ہے اور باعث فتنہ و فساد ہے اپنے بعد ہی کے پر آشوب زمانے کی جو تصویر آپ نے کھینچی ہے اور فتنہ و فساد کی کثرت کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کا بیان ہم نے پہلے کر دیا ہے اس زمانہ پر آشوب و فتن کے وقت اُمت کو کیا کرنا چاہیئے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

سیکون بعدی فتنۃ فاذا کان ذلک فالزموا علی بن ابی طالب فانہ الفاروق بین الحق والباطل۔

یعنی میرے بعد ہی فوراً فتنے اٹھیں گے پس جب ایسا ہو تو تم علی بن ابی طالب کا دامن پکڑنا وہ فاروقِ حق و باطل ہے۔

کیا صاف فرماتے ہیں:۔

تکون بین الناس فرقۃ اختلاف فیکون ھذا واصحابہ علی الحق یعنی علیاً۔

لوگوں میں فتنے ہونے اور فرقہ بندیاں اور تفرقے ہونگے پس اس وقت علی اور اُسکے اصحاب حق پر ہوں گے۔ (کنزالعمال حدیث ۲۵۸۲ اور ۲۶۳۵)

آپ نے بہت اچھی طرح واضح کر دیا کہ تم لوگ اپنا دین نہایت قلیل شے یعنی وجاہت دُنیا پر فرخت کر رہے ہوں۔

عن ابی ہریرۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ویل للعرب من شر قد اقترب فتناً کقطع اللیل المظلم
یصبح الرجل مومناً ویمسی کافراً یلبیع قوم دینھم
بعوض من الدنیا قلیل المتمسک یومئذٍ بدینہ کا
القابض علی الجمرا و قال علی الشوک قال حسن
فی حدیثہ خبط الشوک۔

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ عرب برباد ہوگا اس شر سے جو نزدیک ہے

فتنوں کی صورت میں جو اندھیری رات کی طرح سے ہونگے ایک شخص صبح مومن اُٹھیگا اور شام تک کافر ہو جائیگا لوگ اپنا دین دُنیا کی نہایت قلیل شے پر فروخت کر دینگے اس دن جو شخص اپنے دین پر قائم رہے گا ایسا ہوگا گویا وہ جلتے انگاروں پر یا کانٹوں پر کھڑا ہے یہ حدیث صحیح ہے راوی کو صرف کانٹے یا جلتے ہوئے انگارے میں شبہ ہے۔ (امام احمد حنبل ج ۲، کتاب الفتن)

جب کچھ اور چارہ نہ دیکھا تو وکلائے جماعت حکومت یعنی علمائے اہل سنت فرمانے لگے کہ یہ حضرت عثمان کے قتل کی پیشین گوئی ہے۔ ہم نے بڑے بڑے مظلوموں کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا ہے

اور سُنا ہے لیکن جس طرح یہ بزرگان انصاف کو قتل کرتے ہیں اس کی نظیر نہیں ملتی مندرجہ ذیل اُمور غور طلب ہیں :۔

۱۔ان احادیث میں الفاظ سیکون اور سیکون کے ہیں جو مستقبل قریب کے لئے ہیں۔نہ کہ بعید کے لئے۔

۲۔ پیشین گوئی ہی تو بیان فرمارہے تھے کہہ دیتے کہ یہ زمانہ میرے بعد کے تیسرے خلیفہ کا ہوگا۔

۳۔برخلاف اس کے آپ نے فرمادیا کہ یہ فتنے میرے اہل بیت پر ظلم کرنے کی وجہ سے ہونگے۔میرے اہل بیت میرے بعد میری اُمت سے بہت ظلم دیکھیں گے۔یا علی تم سے لوگ بغاوت کرینگے۔تم پر ظلم کریں گے۔

۴۔فرمایا کہ ان فتنوں میں تم علی کی طرف ہونا کیونکہ وہ ہی فارق حق و باطل ہے۔وہ اور اس کے اصحاب حق پر ہوں گے۔

۵۔انصاف کرو خدا کو بھی جان دینی ہے علی اور اُن کے اصحاب نے اپنے دین کو دنیا کی قلیل وجاہت کے بدلے فروخت کیا تھا۔یا ان لوگوں نے جو ایک فرض اہم یعنی تجہیز و تکفین رسول کو چھوڑ کر دنیا کو لینے کی خاطر سقیفہ چلے گئے تھے اپنے دین پر قائم رہنے کی وجہ سے حضرت علیؑ اور ان کے رفقاء کو تکالیف دی جاتی تھیں یا ان کے مخالفین کو۔مخالفین تو مسند حکومت پر جلوہ آرا تھے اور حضرت علیؑ کے گھر جلانے کو لوگ بھیجے جاتے تھے۔ان کے اصحاب کو زبردستی بلا کر بیعت لی جاتی تھی۔حضرت ابوذر غفاریؓ جو گونا گوں تکالیف کے ساتھ مدینہ سے جلاوطن کر کے ربزہ بھیجے گئے تھے،حضرت علی ہی کے رفیق تھے۔اور امر حق کہنے کی وجہ سے ان کو یہ سزا دی گئی تھی فریق مخالف کے اصحاب تو اس زمانہ میں مال و دولت جمع کرنے پر تلے ہوئے تھے اور دُنیا کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹ رہے تھے۔اب فرمایئے کس فریق کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ اس کی حالت ایسی تھی کہ گویا وہ کانٹوں پر بیٹھا ہوا ہے یا جلتے ہوئے انگاروں پر۔

کنا نقول و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی

افضل اُمه النبی صلی الله علیه وسلم بعده ابوبکر ثم عمر ثم عثمان۔

جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ حیات میں ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ جناب رسول اللہ کے بعد سب سے افضل ابوبکر پھر عمر پھر عثمان ہیں۔(فتح الباری ج ۷ ص ۱۴)

یہ روایت بھی غور طلب ہے جناب رسول اللہ کے زمانہ حیات ہی میں یہ ترتیب خلافت کس طرح طے ہو گئی، یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت عثمان کو فضیلت سے کیا تعلق ہے اور وہ بھی حضرت علیؑ کے مقابلہ میں جن کی نسبت یہ تسلیم ہے کہ جتنے فضائل حضرت علیؑ کے ہیں۔ اتنے کسی اور صحابی کے نہیں۔

قال احمد و اسماعیل انقاضی و النسائی وابو علی النیشا بوری لم یردنی حق احمد من الصحابة بالا سانید العباد اکثر ماجاء فی علٍ۔

امام احمد حنبل وقاضی اسمعیل، نسائی اور ابو علی النیشا بوری کہتے ہیں کہ صحابہ میں سے کسی کے حق میں ایسے عظیم و صحیح اسناد کیساتھ اتنے فضائل مروی نہیں ہیں جتنے کہ حضرت علی کے حق میں۔(فتح الباری ج ۷ ص ۵۷)

جب یہ دونوں اُمور مسلمہ ہو گئے تو پھر حضرت عمر کے بیٹوں کا یہ کہنا کہ زمانہ رسول میں کہا کرتے تھے کہ سب سے افضل ابوبکر پھر عمر پر عثمان کچھ معنی رکھتا ہے معلوم ہوا کہ حضرت عمر اپنے دونوں بیٹوں اور معتمد دوستوں میں یہ پراپا گنڈا پھیلایا کرتے تھے تاکہ لوگوں کے دلوں میں رفتہ رفتہ اس ہی درجہ کے ساتھ ان تینوں بزرگوں کی فضیلت نقش ہوتی رہے اور اس طرح آخری فیصلہ کن تجویز میں یہ

بات مدد دے۔ حضرت عمر ابھی سے اپنے نامزد کردہ خلفاء کا نام ظاہر کرنا مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے لیکن اپنے دل میں یہ نام تجویز کر لئے تھے اور ان لوگوں کے کانوں اور دلوں کو ان کی فضیلت کے گیت سے آشنا کرنا چاہتے تھے تاکہ حصول مدعا میں آسانی ہو شروع میں تو حضرت عمر نے اپنے تجویز شدہ خلیفہ کا نام عام پبلک میں ظاہر نہیں کیا جب تک کہ لوگوں کو اپنی طرف نہ کر لیا۔ تو پھر لوگوں کو بنی تجویز سے آگاہ بھی کرنے لگے۔ ابھی زخمی بھی نہیں ہوئے تھے اور شوریٰ تجویز بھی نہیں ہوئی تھی کہ آپ نے کہہ دیا کہ میرے بعد عثمان خلیفہ ہوں گے۔

عن حذیفه قال قیل لعمربن الخطاب وهوبا لمدینة یا امیر المؤمنین من الخلیفة بعدک قال عثمان بن عفان۔

حذیفہ بن الیمان سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے مدینہ میں حضرت عمر سے پوچھا کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا آپ نے فرمایا کہ عثمان بن عفان۔ (کنز العمال ج ۳ ص ۵۸، ح ۲۴۴۸)

حدثنا ابن ابی ادریس عن شعبه عن اب اسحق عن حادثه عن مطرف قال حجت فی امارة عمر فلم یکونوا یشکون ان الخلانة من بعده لعثمان۔

مطرف کہتے ہیں کہ حضرت عمر کے زمانہ میں لوگوں کو مطلقاً اس بات میں شک نہیں تھا۔ کہ عمر کے بعد عثمان خلیفہ ہوں گے۔ (کنز العمال الجز ثالث ص ۶۰ ح ۲۴۵۹)

سقیفہ بنی ساعدہ کے معرکہ سے پہلے ہی جماعت مخالفین بن چکی تھی۔ اور اس ہی کے بھروسہ پر

حجرت عمر و ابوبکر و ابوعبیدہ بن الجراح سقیفہ بنی ساعدہ کا معرکہ مارنے گئے تھے۔ ورنہ اگر پیچھے کوئی جماعت نہ ہوتی تو فطرتاً پہلا خیال جو آنا تھا وہ یہ تھا کہ اگر یہاں انصار ہمارے کہنے کو مان بھی گئے اور حضرت ابوبکر سے بیعت کرلی تو مہاجرین کی روک تھام ہم کیونکر کریں گے تمام مہاجرین علی کی طرف ہو گئے تو خرابی ہو جائے گی۔ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ اپنی جماعت کی حمایت پر انکو بھروسہ تھا۔ سمجھتے تھے کہ اگر بنو ہاشم و بنو امیہ وغیرہ نے نہ بھی مانا تو فقط ہماری جماعت ہمارے کھڑا کئے ہوئے کھیل کو سنبھالنے کے لئے کافی ہے۔

یاددھانی

ہماری اس بحث سے کہ ہنگامہ سقیفہ بنی ساعدہ اس جماعت کی عرصہ دراز کی کوششوں کا نتیجہ ہے یہ اخذ کرلینا کہ حضرت ابوبکر کا تقرر بھی ان لوگوں میں عرصہ سے طے شدہ امر تھا یہ ہی نہیں کہ غلط محض ہوں بلکہ حضرت عمر کے سیاسی تدبر و فراست و موقعہ شناسی کی تحقیر و توہین کرنے کا جرم عائد کردے گا۔ دنیاوی سیاست کا یہ پہلا اصول ہے کہ اپنا اصلی مدعا اس وقت تک پوشیدہ رکھا جائے جب تک اس کا مظاہرہ کرنا ہی اس کی کامیاب کا باعث نہ ہو جائے ورنہ اصلی مدعا کو قبل از وقت ظاہر کرنے سے لوگوں کو بہت کچھ سوچنے کا موقع مل جاتا ہے اور اس کے خلاف بہت سی تحریکات معرض وجود آجاتی ہیں ہم اُوپر بیان کر چکے کہ حضرت عمر نے اس اُصول پر اس شدت ولیاقت وزیرکی کے ساتھ عمل کیا ہے۔ کہ یہ کہنے کو دل چاہتا ہے کہ دنیائے سیاست میں وہ ہی اس اصول کے موجد ہیں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت عمر کا مقصود نہ تھا۔

ان کے لئے تو یہی مناسب تھا کہ اصلی حاکم کا نام مخفی رکھ کر ہر ایک میں اُمید پیدا کردی جائے تاکہ ہر شخص علی کی مخالفت کو اپنا کام سمجھ کر دل سے کوشاں ہے اور لوگوں میں ہی ظاہر کریں کہ ہم بھی اوروں کی طرح بھائیوں کے مشورے و حکم کے پابند ہیں۔ اگر حضرت عمر پہلے ہی سے حضرت ابوبکر کو نامزد کر کے لوگوں سے منوانا چاہتے تو وہ ہی عرب کی ضد اور عادت سے سرکشی جو حضرت علی کے خلاف کام کر رہی تھی۔ حضرت ابوبکر

کے خلاف کام کرنے لگ جاتی۔ اور لوگ کہتے کہ جب ہم رسول خدا کے نامزد کردہ شخص کو نہیں مانتے تو عمر کے مقرر کردہ شخص کو کیوں مانیں۔ لہذا حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو اس آخری وقت پر نکال کر پیش کیا کہ جب پیش نہ کرنا مقصد کو فوت کر دیتا ہے۔ اور حضرت ابوبکر کی خلافت وہ ہی فلتتہً رہی۔ جیسا کہ حضرت عمر نے اس کامیابی کے بعد اس کی تشریح نہایت صحیح الفاظ میں کر دی۔

دوسری سازش

﴿یہ وہ گہری تدبیر تھی جس کا اثر اب تک باقی ہے بلکہ روز بروز زیادہ ہوتا جاتا ہے﴾

جناب رسولؐ خدا نے دورانِ نبوت میں جو حضرت علی کے فضائل بیان کئے اور انکو اپنا جانشین مقرر کرنے کے جو احکام صادر فرمائے ان سب کو نظر انداز کرنے کے لئے دو ہی طریقے ہو سکتے تھے ایک تو یہ کہ جہاں تک ممکن ہو سکے ان کو انکار یا تاویل کے ذریعے سے چھپایا جائے اور دوسرے یہ کہ جو نہ چھپ سکیں اور باقی رہ جائیں ان کی نسبت ایک ایسا عقیدہ قائم اور شائع کیا جائے کہ ان احادیث فضائل کی موجودگی اور سقیفہ بنی ساعدہ کی کارروائی میں باہم کوئی تضاد و تصادم نہ واقع ہو۔ طریقہ اول یعنی کتمانِ فضائل علی و معائب و مثالب صحابہ کا مختصر ذکر ہم ابھی کریں گے مگر طریقہ دوئم اس سے بھی زیادہ موثر اور کارگر تھا اور وہ یہ تھا کہ ایسا اعتقاد اپنی اور لوگوں کی ضمیر کو خاموش کرنے کے لئے ایجاد کیا جائے کہ جس کی وجہ سے احادیث فضائل و احکامِ جانشینی کی موجودگی ہمارے منصوبوں میں خلل انداز نہ ہو لہذا قرار دیا گیا کہ آنحضرتؐ کا منصب نبوت بالکل علیحدہ تھا۔ عہد حکومت سے جو احکام آپ نے حکومت کے استقلال و استحکام کے متعلق فرمائے ہیں اور فرماتے رہتے ہیں ان کا تعلق نبوت سے نہیں لہذا وہ ہمارے مذہب کے دائرہ سے باہر ہیں۔

اس ہی عقیدہ کی یہ شاخ نکلی کہ آنحضرتؐ کے احکام جو نبوت کے متعلق ہیں وہ سب کے سب قرآن شریف کے اندر جمع ہیں اس کے باہر نہیں ہیں۔ اور قرآن شریف کے ختم ہونے کے ساتھ ہی وہ بھی ختم ہوگئے۔ ان بزرگواروں نے بحث کی کہ حکومت کے متعلق جو آپ کے ارشادات ہیں۔ ان کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کو حضرت علیؑ سے بہت محبت تھی اور نیز اپنے خاندان کی عزت و وقار کا خیال تھا۔ لہٰذا آپ چاہتے تھے کہ آپ کے بعد حضرت علی حاکم ہوں لیکن ان حکام کو ماننا یا نہ ماننا ہمارے اختیار میں ہے۔ ان کے نہ ماننے کی وجہ سے ہم اسلام سے خارج نہیں ہوسکتے۔ ان جماعت کے ہر ایک قول و فعل سے یہ اعتقاد ٹپکتا ہے۔

جب منصب نبوت کا اس طرح تجزیہ کر دیا گیا تو نبی کی شان کی تنقیص اس کا لازمی نتیجہ بھی آپس میں ان لوگوں نے زبان سے بھی کہا اور ان کے افعال نے اعلانیہ ظاہر کر دیا کہ نبی کی حیثیت محض پیغام پہنچانے والے کی سی ہے۔ رسولؐ نے قرآن شریف لاکر ہمارے حوالے کر دیا جس طرح ڈاک کا ہرکارہ یا قبیلوں کا قاصد ہمیں خطوط و پیغام دے جاتا ہے اس کا کام ختم ہو جاتا ہے اور جب ہم نے اتنا مان لیا کہ واقعی یہ شخص خدا کی طرف سے پیغام لانے والا ہے تو بس ہمارا بھی فرض پورا ہوگیا یہ ضروری نہیں کہ ہم اس سے محبت کریں یا اس کا احسان مانیں یا کسی طرح اسکو اپنے اُوپر ترجیح دیں اور جب ہمارا خیال اس کی نسبت یہ ہے تو اس کی اولاد سے محبت کرنے کو اپنا فرض سمجھنا یا اس کی اولاد کو اپنے اُوپر ترجیح دینا یا اپنے سے بہتر سمجھنا محض ایک حماقت ہوگی۔

ان بزرگواروں نے سمجھا کہ جب یہ خیالات عام ہو جائیں گے اور لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو جائیں گے تو ہمارا مدعا پورا ہو جائیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا ممکن ہے کہ معترض کہے کہ یہ اعتقاد کس فقہ کی کتاب سے نقل کیا گیا ہے یا اس کا ثبوت کیا ہے ہم معترض کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ یہ

اعتراض اس زمانہ کے حالات و واقعات پر غور نہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے جناب رسولؐ خدا کے بستر مرگ پر ان کے سامنے یہ کہہ دینا کہ یہ شخص تو کچھ کہہ رہا ہے۔ ہم اس کی بات نہیں سُنتے۔ کتاب اللہ کو جس طرح ہم سمجھیں گے وہ ہی ہمارے لئے کافی ہے ہر ممکن موقعہ پر نبی پر اعتراض کرنا اس کے اکثر افعال پر اس قدر نکتہ چینی کرنی اُسے کہنا پڑے کہ علی سے میں نے خلوت میں راز کی باتیں نہیں کیں بلکہ خدا نے کی ہیں۔ میں نے تمہارے دروازے بند نہیں کیئے اور نہ علی کا دروازہ کھلا رکھا بلکہ جو کچھ حکم ہے خدا کی طرف سے ہے اور آخر کار گستاخی اور نکتہ چینی کی حد یہاں تک پہنچ جائے کہ نبی کو مجبور ہو کر کہنا پڑے کہ بخدا تم ایسے ہی لوگ ہو جیسے بنی اسرائیل تھے جنہوں نے کہا تھا کہ ہمارے لئے ایسا ہی خدا بنا دو جیسا کہ کفار کا ہے۔ یہ تو جہالت کا آخری درجہ ہے اور سب سے پہلا جرم توہین رسالتؐ ہے۔ جناب رسول خدا کے احکام میں اپنے زمانہ خلافت میں ترمیم و تنسیخ کرنی بہت سے احکام کو بدل دینا، پھر یہ دعویٰ کرنا کہ قرآن ہماری رائے کے مطابق نازل ہوتا ہے یہ سارے واقعات اگر اس عقیدہ کو ثابت نہیں کرتے تو ہم حیران ہیں کہ ثبوت کس کو کہتے ہیں۔ لیکن ہم تو اس سے بھی زیادہ ثبوت دینے کو تیار ہیں۔

اول تو حضرت عمر کا اقبال ہی ہے کہ ہم نے جو مکالمے شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید الجزء الثالث صفحہ ۹۷، ۱۱۴ سے نقل کیے ہیں ان میں حضرت عمر نے اپنا عقیدہ اچھی طرح کھول کر بیان کر دیا ہے۔ غور سے تو اسے پڑھو۔ حضرت عمر کیا کہتے ہیں۔ جناب رسولِ خدا علی کی محبت کے مبالغہ میں حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف ہو جاتے تھے اسلام کی بہبودی کا خیال نہیں رہتا تھا مجھ میں اسلام کی ہمدردی ان سے زیادہ تھی لہذا میں تحریر وصیت میں مانع ہوا۔ جناب رسولِ خدا کی یہ خواہش خداوند تعالےٰ کے رضا مندی کے خلاف تھی۔ اب اور کیا رہ گیا۔ ہم نے تو حضرت عمر کے اس عقیدہ کو اس طرح کھول کر بیان بھی نہیں کیا جتنا خود انہوں نے بیان کر دیا۔ اس اقبال کے سامنے کس مزید ثبوت کی ضرورت ہے۔ ان مکالموں کی صحت مسلمہ ہے۔ علامہ جرجی زیدان ان مکالموں کی بناء پر دلیل قائم کرتے ہیں اور علامہ شبلی

ان کو اپنے مورخانہ تبصرہ کا ماخذ قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

حضرت عمر کے اقبال کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہوگا مگر اس ضمن میں ہم علامہ شبلی کے خیالات ونتائج تحقیقات سے بھی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:۔ "نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے زمانہ میں بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اکثروں کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے بعضوں نے زیادہ ہمت کی تو صرف معاشرت کی باتوں کو مستثنیٰ کیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے باقی امور وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ تشریعی اور مذہبی نہیں ہوتے۔ اس مسئلہ کو جس قدر حضرت عمر نے صاف اور واضح کر دیا۔ کسی نے نہیں کیا خراج کی تشخیص جزیہ کی تعیین۔ ام ولد کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ مسائل کے متعلق امام شافعی نے اپنی کتابوں میں نہایت ادعا کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے اور ان مسائل میں جہاں حضرت عمر کا طریق عمل مختلف ہے بڑی دلیری سے ان پر قدرح کی ہے لیکن امام شافعی نے یہ نکتہ نظر انداز کیا۔ کہ یہ اُمور منصبِ نبوت سے تعلق نہیں رکھتے"۔ (الفاروق حصہ دوم ص ۲۰۹)

اس تحریر بحر صورت ہمارا مدا تو پورا ہو گیا۔ جو ہمارا دعویٰ تھا وہ ہی آپ کے وکیل کی بحث ہے لہٰذا جو ہم ثابت کرنا چاہتے تھے وہ ثابت ہو گیا۔ لیکن ہم حیران ہیں کہ اس تحریر کو ہم ایک عالم ومورخ کی تحقیق کا نتیجہ کہیں یا سقیفہ بنی ساعدہ کے وکیل کی حمایتی بحث۔ صاف ظاہر ہے کہ جس وقت علامہ شبلی یہ لکھ رہے تھے ان کی نظر سقیفہ بنی ساعدہ پر تھی۔ یہاں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ منصب نبوت کا دائرہ کس کی پرکار سے کھینچا جائے گا ابھی علامہ شبلی اور امام شافعی میں اختلاف ہوگا۔ ایک کہتا ہے کہ یہ اُمور دائرہ نبوت کے اندر ہیں دوسرا کہتا ہے باہر ہیں، کون فیصلہ کرے۔ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ

معاشرتی اُمور تو قطعاً اس دائرہ کے باہر ہیں۔خراج کی تشخص اور جزیہ کی تعیین بھی منصبِ نبوت کے اندر نہیں ہیں یہ دونوں اُمور حکومت سے متعلق رکھتے ہیں۔علامہ شبلی اور حضرت عمر کے نزدیک حکومت دائرہ نبوت سے باہر ہے ممکن ہے ایسا ہی ہوں لیکن مولوی شبلی کی یہ بحث ہم کو بہت خاردار جھاڑیوں میں لے جاتی ہے۔معاشرتی امور منصب نبوت سے باہر ہیں۔اکل وشرب وتنزویج وارثت معاشری اُمور ہیں۔لہذا یہ سب دائرہ نبوت سے باہر ہوئے۔حکومت دائترہ نبوت سے باہر ہے۔لہذا جہاد جس کے ذریعہ سے حکومت حاصل ہوئی۔دائرہ نبوت سے باہر ہے۔اس بحث کی بنا پر یہ کہنا پڑے گا کہ جو حکام ان امور کے متعلق ہیں منصب نبوت میں نہیں آتے کسی کی غلطی سے قران شریف میں داخل ہو گئے ہیں۔خوب شراب پیو جہادوں سے خوب بھاگو۔

شادیاں جتنی اور جسطرح کرو،سب جائز جس سے چاہو زنا کرو۔خدا کے یہاں تو باز پُرس ہوگی نہیں۔ہاں اگر کسی انسان نے تم کو دیکھ لیا اور تمہارا فعل مجموعہ تعزیرات کے اندر آ گیا۔اور ثابت بھی ہو گیا،گواہوں کو تم نہ توڑ سکے تو دو چار سال کی قید سہی۔ہمیشہ جہنم سے تو آزادی ہوئی۔یہ ہے وہ اسلام جو اس عقیدے سے پیدا ہوتا ہے۔خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔یہ تو ثابت ہو گیا کہ یہ عقیدہ حضرت عمر ان کی جماعت کا تھا اور وہ یہ عقیدہ حضرت علیؑ کی مخالفت کی وجہ سے ایجاد کرنے پر مجبور ہو گئے۔خود علامہ شبلی مانتے ہیں کہ اس عقیدے کے موجد حضرت عمر تھے لہذا انہایت اطمینانِ قلب کے ساتھ بستر مرگ رسولؐ پر کہہ سکتے تھے کہ یہ شخص تحریک وصیت کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں کچھ کہہ رہا ہے۔ہم ثابت کر چکے ہیں اور حضرت عمر بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ تحریر جناب رسولؐ خدا حضرت علیؑ کی جانشینی کے متعلق کرنا چاہتے تھے۔چونکہ مسلمانی حکومت کی مسند نشینی مطلوب تھی لیکن مسلمانی دائرہ کے اندر رہنا ضروری تھا اور یہ دونوں مقصد اسی صورت میں اچھی طرح حاصل ہو سکتے تھے۔

اسلامی اعتقادیات کو اس سانچہ میں ڈھال لیا جائے بظاہر یہ مشکل معلوم ہوتا تھا کہ جناب رسولؐ خدا کی حکومت آنحضرتؐ کے احکام کی مخالفت کرنے کے باوجود حاصل ہو سکے لیکن حضرت عمر نے یہ ایک ایسی تدبیر سوچی جس نے اس مشکل کو حل کر دیا۔ اب وہ دُنیا کے سامنے مسلمان بھی رہ سکتے تھے اور آنحضرتؐ کے ان اقوال و ارشادات کی مخالفت بھی کر سکتے تھے۔ اس عقیدہ پر بحث کرنے کے لئے تین چیزوں کی ماہیت پر غور کرنا ہوگا۔ (۱) نبوت (۲) محبت (۳) روح۔ ان تینوں پر مفصل بحث کرنا ہمارے اس کتاب کے موضوع سے باہر ہے۔ نہایت اختصار کے ساتھ جو کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ نبوت کا بڑا مقصد انسان اور اس کے خالق کے درمیان ایک سلسلہ قائم کرنا تھا جب ہی تو ارشادِ خداوندی ہے کہ ۵۳ وَا ابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وہ وسیلہ وہ وہ نبی اور اس کے جانشین ہیں اس تعلق کا نتیجہ تزکیہ نفس ہے۔ اور تزکیہ نفس کے ساتھ ہی اخلاقیات بھی وابستہ ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ تزکیہ نفس محض اخلاقیات کے اندر منحصر نہیں ہے کہ ایک کافر جو پتھروں کے بُت کو خدا سمجھتا ہے اسی طرح اچھے اخلاق کا حامل ہو سکتا ہے کہ جس طرح ایک مسلمان۔

لیکن دونوں کے تزکیہ نفس میں زمین و آسمان کا فرق ہے اصلی و مستقل تزکیہ نفس کے لئے ضروری ہے کہ اول روح موثر ہو اور روح نہیں موثر ہو سکتی ہے، لیکن روح کے ذریعے سے۔ اور وہ روح کو دوسری روح سے محض محبت کے ذریعے سے ارتباط قائم ہوتا ہے۔ بغیر محبت کے ایک رُوح دوسری روح پر اپنا اثر نہیں ڈال سکتی۔ جس طرح سورج کی شعاعیں بغیر ایتھر کے آگے نہیں چل سکتیں۔ اسی طرح ارواح کا سلسلہ ارتباط بغیر محبت کے قائم نہیں ہو سکتا۔ جب ہی تو خدا سے محبت کرنے کا حکم ہے۔ رسولؐ سے محبت کرنے کا حکم ہے۔ آلِ رسولؐ سے محبت کرنے کا حکم ہے۔ محبت کس کو کہتے ہیں اور اس کی شرائط کیا ہیں یہ بہت بڑا مضمون ہے۔ حیران ہوں کس طرح سمجھاؤں اور کن الفاظ میں سمجھاؤں۔ آج کل تو مجھے مجازی محبت کرنے والے بھی نظر نہیں آتے تو حقیقی محبت کا کیا ذکر ہے۔ محبت اسی طرح دُنیا

سے ناپید ہوگئی ہے جیسی کہ عبادت الٰہی۔ شاعر نے خوب کہا ہے کہ

درر ہِ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بسے ——— شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

اصلی محبت کی ایک شناخت ہم بتائے دیتے ہیں اگر عاشق پر معشوق کا رنگ نہیں چڑھا اور اُس میں معشوق کی صفات نہیں پیدا ہوئیں تو یہ سمجھ لو کہ محبت خام و ناقص تھی۔ اگر اصلی محبت ہے تو جتنا اعلیٰ صفات والا محبوب ہوگا اتنا ہی صفات کا رنگ حبیب پر چڑھے گا۔ ایک رُوح کا دوسری رُوح پر کتنا اثر رہتا ہے یہ منحصر ہے اثر لینے والی روح کی اہلیت یعنی اس کی مقدار محبت پر۔ اثر لینے والی رُوح کا اس سے تعلق نہیں ہے اگر اثر لینے والی روح کی قوت کے مطابق اثر ہوا کرتا تو روح القدس کا اثر تو فوراً تمام عالم پر چھا جاتا۔ اسی لئے ضرورت ہوئی کہ محبت کامل پیدا کریں تا کہ اثر حتمی ہو محبت کامل کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ محبوب کے محبوب سے بھی محبت کی جائے یہاں عشق مجازی اور عشق حقیقی کے راستے علیحدہ علیحدہ ہوگئے۔ عشق مجازی میں اس کی رقابت کہیں گے۔ کیونکہ اس میں پھر بھی ذراسی خودی یا نفسانیت باقی رہ جاتی ہے لیکن عشق حقیقی میں چونکہ نفسانیت یا خودی کا شائبہ مطلقاً نہیں ہوتا لہذا وہاں یہ کمال عشق کی نشانی ہے۔ مجازی عشق کرنے والا کہ سکتا ہے۔

تمہیں چاہوں تمہارے چاہنے والوں کو بھی چاہوں ——— مرا دل پھیر دو مجھ سے یہ سودا ہو نہیں سکتا

لیکن عشق حقیقی والا اگر یہ کہے تو مجرم ہے وہاں کا حکم یہ ہے

ع ۲۱ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ہ

لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ رسول خدا کا محبوب ہے جب ہی تو ساری رسالت کا اجو

رسولؐ خدا کے محبوں کی محبت ہوئی۔

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ تو فقط محبت کا ایک افسانہ ہے روح کی ہستی اور موجودگی مسلمات اسلامیہ میں سے ہے۔ اور اب تو یورپ کے سائنسدانوں نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے۔ سر آلیور لاج (SIR OLIVER LODGE) نے تجربات سے ثابت کیا ہے کہ جن جن اشخاص سے اس دُنیا میں مرنے والے کو محبت ہوتی ہے اس کی روح کا تعلق و عشق مرنے کے بعد بھی رہتا ہے اور اس کی رُوح کا اثر ان لوگوں پر پڑتا ہے سوائے محبت کے اور کوئی ذریعہ ہی نہیں۔ کہ ایک روح دوسری رُوح پر اثر کرے۔ لیکن نبوت کی اصلی معرفت، روح کا تعلق، محبت کا اثر یہ وہ باتیں تھیں جو اس زمانہ کے عرب دماغ سے بہت بالاتر تھیں اس کے لئے ناممکن تھا کہ وہ ان کو سمجھ سکے۔ وہ دماغ کیسا تھا۔ ہم بتاتے ہیں ایک شخص ایک جنگل سے گزرتا ہے۔ ایک پرندہ کو دیکھتا ہے کہ اپنے گھونسلے کے پاس اُڑ رہا ہے اس سے یہ کہہ کر چلا جاتا ہے کہ تجھ کو میں نے اپنی حفاظت میں لے لیا۔ اب تجھے کوئی ڈر نہیں۔ واپس آتا ہے دیکھتا ہے کہ اس کا گھونسلہ اُجڑا پڑا ہے ایک اُونٹنی پاس پھر رہی ہے یہ گمان کیا۔

کہ اس نے وہ گھونسلہ خراب کیا ہوگا۔ اُونٹنی کے تھنوں کے تیر سے زخمی کر دیتا ہے اُونٹنی کا مالک آتا ہے جھگڑا ہوتا ہے یہ باعث تھا بنی بکر و بنی تغلب کی لڑائی کا جو متواتر چالیس سال تک رہی اور جس میں ہزاروں جوانوں کی جانیں تلف ہوئیں۔ اسی طرح اور بہت سے باتیں تھیں۔ محبت کے جذبات کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک صحابی رسول جی ہاں صحابی رسول آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر آن کر کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ! مسلمان ہونے سے پہلے میری بیوی کی ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ کچھ عرصہ اس نے مجھ سے چھپا کر اس کی پرورش کی۔ پھر میرے گھر ہی لے آئی۔ میرے ساتھ بھی وہ رہی اور اس کو مجھ سے محبت ہوگئی جب چار برس کی ہوئی تو ہم میاں بیوی نے

آپس میں فیصلہ کیا کہ اس کو مار ڈالنا چاہیئے ۔ میں نے کہا اسے بنا سنوار کر میرے ساتھ کردو۔ لڑکی کی ماں نے اس کو اچھے کپڑے پہنا کر میرے ساتھ کر دیا۔ لڑکی یہ سمجھی مجھے باہر سیر کرانے کے لئے لئے جاتے ہیں۔ جنگل میں لے گیا۔ گڑھا کھود کر لڑکی کو اس دبانا چاہا وہ کہتی تھی کہ ابا میرے اوپر کیوں مٹی ڈال رہے ہوں۔ ابا کیا اس جنگل میں تم مجھ کو اکیلا چھوڑ جاؤ گے۔ ابا میں تو تمہارے ساتھ گھر اماں کے پاس چلوں گی۔

لیکن مجھے کچھ رحم نہ آیا اور میں نے زندہ اسے دبا دیا اب آپ میرے لئے دُعا کریں کہ خدا میرا گناہ معاف کرے۔ کیا ایسے شقی دلوں کو محبت سے کچھ لگاؤ ہو سکتا ہے یہ کل کی باتیں تھیں۔ فقط کلمہ پڑھنے سے جبلت و خصلت و فطرت تو نہیں بدل گئی تھی۔ ان لوگوں میں حضرت عمر کا مجوزہ عقیدہ آسانی سے پھیل سکتا تھا یا جناب رسولِ خدا کی تعلیم محبت۔ مقدم الذکر انکی طبعیت کے مطابق تھا مؤخر الذکر کو یہ سمجھ نہ سکے۔ اس عقیدہ کا بہت اچھا مظاہرہ واقعہ قرطاس کے وقت ہو گیا۔ حضرت عمر سے نہ رہا گیا۔ اپنے عقیدہ کا اظہار کر دیا آپ نے فرمایا کہ جناب رسولِ خداؐ کا یہ حکم منصب نبوت سے تعلق نہیں رکھتا ہمیں اب رسولؐ کی ہدایت اور ان کے احکام کی ضرورت نہیں رہی۔ ہمارے لئے قرآن شریف کافی ہے۔ کیوں نہ کافی ہو گا جس طرح جی چاہے گا تاویل کر لیں گے جس مضبوطی و سرعت کے ساتھ یہ عقیدہ قوم میں پھیل گیا تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر کے آگے رسولؐ خدا کی بات نہ چلی۔ مرنے والے سے ہر ایک کو قدرتاً ہمدردی اور محبت ہو جاتی ہے اور اس کی خواہشات کو پورا کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ آنحضرت محض نبی ہی نہ تھے محسن قوم بھی تھے۔ لیکن باوجود اس کے آنحضرتؐ کی آخری خواہش نہ پوری کی گئی۔ وہ خواہش و عظمت تخیل کو سمجھ سکتے اور ان سے محبت کر سکتے۔ تعجب یہ نہیں ہے کہ اس قوم نے باوجود آنحضرتؐ کے اتنے صریح اعلانات و احکامات و ارشادات کے علیؑ کو نہ سمجھا۔ بلکہ تعجب ہوتا اگر وہ علیؑ کو سمجھ لیتے، اور اگر وہ علیؑ کو سمجھ لیتے تو پھر ہم نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہوتے کہ حضرت علیؑ کی

شان ہی کچھ بہت ارفع واعلیٰ نہ تھی کہ وہ اس اولادِ محسن کش قوم کی بھی سرحد ادراک کے اندر ہی رہی۔

امرواقعہ یہ ہے کہ اس عقیدہ نے قوم کے تخیل اور نظریہ پر اثر ڈالا اور پھر قوم کے تخیل نے اس عقیدہ کی نشونما کے لئے زمین تیار کی۔ تخم ریزی کے لیے دُہاۃ عرب مثلاً عمرو بن العاص ومغیرہ بن شعبہ عبدالرحمٰن ابن عوف وغیرہ ہم کو طلب کیا گیا اور بنو اُمیہ کو اس کھیتی کی حفاظت کے لئے مقرر کیا گیا۔ ممالک غیر سے غنائم نے آن کر آبیاری کی پھر جو نہالانِ اسلام بارآوری پر آئے۔ تو ہر موسم میں طرح طرح کے گل کھلاتے رہے۔ اس کھیتی کے سرسبز ہونے کی پیشن گوئی آنحضرتؐ پہلے ہی فرما چکے تھے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھروں میں فتنے اسطرح پے درپے آرہے ہیں جیسے مینہ کی بوچھاڑ۔ عرب کے تخیل اور حضرت عمر کے عقیدہ نے مل کر جو پہلا نتیجہ پیدا کیا وہ تھا کہ اہلبیتؑ رسالت کو صحابہؓ رسول کی اکثریت اپنا رقیب و مدمقابل سمجھنے لگی۔ اور یہ تنازعہ صحابہ بنام اہل بیت رسول ایسا پیدا کر دیا جس نے اسلام کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا اور اب تک ختم نہیں ہوا۔ اس عقیدہ نے اُمت محمدیہ کی اکثریت پر جو اثر ڈالا تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ حکومت کے کارکن دخترِ رسول کو بے دخل کر کے حکومت قبضہ کرتی ہے اور اُمت ان کی تحسین کے لئے آمادہ ہے۔

نواسہ رسول کو دیرینہ دشمن رسول زہر سے قتل کرتا ہے اور اُمت خوش ہوتی ہے اس کی وصیت ہے کہ میں اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہوں۔ اُمت کہتی ہے کہ نہیں تم اس کے قابل نہیں ہو۔ وہاں تو صحابہؓ رسول ہی آرام کر سکتے ہیں اور اس کے جنازے پر تیر برسائے جاتے ہیں۔ خاندانِ رسول کی ہر طرح سے بے حرمتی کی جاتی ہے تا کہ وہ حکومت کے قابل ہی نہ سمجھا جائے اپنے نبی و محسن اعظم کی اکلوتی و پیاری بیٹی کو اس کے باپ کا پرسا اس عمدگی اور حسن سلوک کے ساتھ دیا جاتا ہے کہ وہ فریاد کرتی ہوئی اپنے باپ کی قبر پر جاتی ہے اور کہتی ہے کہ بابا آپ کے بعد آپ کی اُمت کے ہاتھوں سے مجھے ظلم وستم پہنچے۔

اب بے طاقت نہیں ہے اور کہتی ہے کہ بابا آپ کے بعد آپ کی اُمت کے ہاتھوں سے مجھے ظلم و ستم پہنچے۔ اب طاقت نہیں۔ مجھے اپنے پاس بلا لو۔ اور کارکنانِ حکومت سے کہتی ہے کہ تم نے مجھ پر ایسا ظلم کیا ہے کہ جبتک میں زندہ ہوں تمہاری شکل نہ دیکھوں گی اور مرنے کے بعد اپنے باپ سے تم دونوں کی شکایت کروں گی!! یہ سب کچھ ہوتا ہے مگر قوم کو ذرا احساس نہیں ہوتا۔ آخر کار جناب رسولِ خدا کے سارے احسانوں کا بدلہ میدانِ کربلا میں اس طرح دیا گیا کہ جب تک انسانیت باقی ہے اِسکے دامن سے یہ دھبہ نہیں چھوٹ سکتا۔ دنیا کی تاریخ محسن کشی و احسان فراموشی کا اس سے زیادہ ہیبت ناک منظر نہیں پیش کر سکتی اور یہ اس وجہ ہی سے ممکن ہوسکا کہ اس محسن سے بے رخی اور اُسکی اولاد سے دشمنی کرنے کو اس اعتقاد کے ذریعے سے مذہب میں داخل کرلیا گیا۔ انہوں نے کہا اور بابانگ دُہل کہا کہ ہمارے اسلام میں مذہب و حکومت جدا جدا شے ہیں۔ رسولؐ کی ذات اور ان کی اولاد سے کچھ غرض نہیں۔ ہمیں تو فقط منصب نبوت سے کام ہے مذاہب عالم کی تاریخ بتا رہی ہے کہ جس عمل یا طرزِ تخیل کو موثر اور پائندہ بنانا مقصود ہوتا ہے اس کو اعتقاد کی شکل میں مذہب میں داخل کرلیا جاتا ہے۔ اس عقیدے کے مذہب میں داخل ہونے کا نتیجہ دیکھیے کہ یزیدی لشکر کہہ رہا تھا کہ حسینؑ کو جلدی قتل کروتا کہ ظہر کی نماز اپنے وقت پر ادا ہو سکے وہ لوگ حسبنا کتاب اللہ کے ایسے والا و شیدا تھے کہ گردوں میں قرآن لٹک رہے تھے اور ہاتھوں سے نواسہ رسول کی گردن کاٹ رہے تھے۔

جو سلوک ارکان حکومت نے دخترِ رسول سے کیا وہ تو یہ تھا کہ جو اُوپر بیان ہوا۔ اپنی جماعت کی مخدراتِ عصمت کے ساتھ جو سلوک تھا اس کی ہم فقط دو مثالیں بیان کرتے ہیں۔ امہات المومنین کا وظیفہ دس دس ہزار درہم سالانہ تھا۔ مگر حضرت عمر نے کہا کہ چونکہ حضرت عائشہ آنحضرت کی محبوب ترین زوجہ تھیں لہذا ان کا دو ہزار درہم سب سے زیادہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ حضرت عائشہ کا وظیفہ بارہ ہزار درہم سالانہ کردیا گیا۔

ان درجاقدم الی عمر من العراق وفیه جوهر فقال الاصحابه ئا تدرون ماثمنه قالو اله الاولم ید رواکیف یقسمونه فقال تاذتون ان ابعث به الی عائشه لحب رسول الله صلی الله علیه واله وسلم ایاها فقالو انعم فبعث به الیها فقتحته ماذا فتح علی ابن الخطاب بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم۔(مستدرک علی الصیحین ج ۴ ص ۸)

عراق سے مال غنیمت کے ساتھ ایک جواہرات سے بھری ہوئی ڈبیہ حضرت عمرؓ کے پاس آئی۔حضرت عمر نے اپنے اصحاب سے کہا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اسکی قیمت کیا ہے انہوں نے کہا ہم نہیں جانتے اسکی تقسیم میں مشکل تھی حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر تم اجازت دو تو یہ ساری ڈبیہ میں حضرت عائشہ کے پاس بھیج دوں کیونکہ وہ جناب رسولخدا کی محبوب ترین زوجہ تھیں سب نے کہا ہاں بھیج دیجئے چنانچہ حضرت عمر نے وہ ڈبیہ حضرت عائشہ کی خدمت میں بھیج دی جب حضرت عائشہؓ نے کھول کر دیکھا تو فرمایا کہ عمر ابن الخطاب نے رسولِ خدا کی وفات کے بعد کتنے کتنے بڑے احسانات میرے اوپر کئے ہیں۔

دونوں سلوکوں میں فرق دیکھا۔حضرت فاطمہ بھی حضرت عمر کے سلوک کا ذکر کرنے پر مجبور ہوئیں۔لیکن شکایت وفریاد کے ساتھ۔حضرت عائشہ کو بھی ان کے سلوک کا ذکر کرنا پڑا لیکن جذبات احسان مندی کے ساتھ ایک طرف جناب رسولِ خدا کی محبت کی یہ جزا۔دوسری طرف جناب رسولِ خدا

کی محبت کی یہ سزا۔ یہ ہیں سیاستِ عمریہ کے نمونے۔ جس جسارت و دلیری سے حضرت عمر نے رسولؐ خدا کے احکام میں مداخلت کی اور ان میں تبدل پیدا کیا وہ اس عقیدہ کے بغیر ناممکن تھا۔ اس کی بہت سے مثالیں ہیں۔ اگر سب کو جمع کریں۔ تو ایک کتاب بن جائے۔ ابھی آپ حضرت شبلی کی تحریر سے معلوم کر چکے ہیں کہ امام شافعی نے اس کی بہت سی مثالیں جمع کر کے حضرت عمر قدح کی ہے۔ ایک دو مثالیں ہم بیان کر دیتے ہیں آنحضرتؐ نے شرابی کی سزا چالیس کوڑے مقرر کیے تھے حضرت عمر نے اس سزا کو خفیف سمجھا اور چالیس کی بجائے اسی کوڑے شرابی کی سزا مقرر کر دی۔ (**مسند احمد حنبل ج ۳ ص ۲۷۳، الفاروق ج ۲ ص ۲۱۴**)

ایک دوسری جگہ مولوی شبلی تحریر فرماتے ہیں:۔

"حج کے ارکان میں رمل ایک رُکن ہے یعنی طواف کرتے وقت پہلی تین دوڑوں میں آہستہ آہستہ دوڑ کے چلتے ہیں۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ رسولﷺ جب مدینہ سے مکہ تشریف لائے تو کافروں نے مشہور کر دیا کہ مسلمان ایسے نحیف و کمزور ہو گئے کہ کعبہ کا طواف بھی نہیں کر سکتے آنحضرتؐ نے رمل کا حکم دیا اس کے بعد یہ فعل معمول ہو گیا۔ چنانچہ آئمہ اربعہ اس کو حج کی ضروری سُنت سمجھتے تھے لیکن حضرت عمر نے صاف کہا **ما لنا وللرمل انما کنا راینا به المشرکین وقد اهلکهم الله** یعنی اب ہم کو رمل سے کیا غرض اس سے مشرکوں کو رُعب دلانا مقصود تھا۔ سو ان کو خدا نے ہلاک کر دیا"۔ (**الفاروق ج ۲ ص ۲۱۱**)

یہ مولوی شبلی اور حضرت عمر کا خیال ہے کہ رمل کا حکم آنحضرتؐ نے اس وجہ سے دیا تھا ورنہ کہیں یہ ممکن ہے کہ کفار کے طعنوں کی بناء پر اعمال دین مقرر کیے جائیں۔ حضرت عمر اور علامہ شبلی کے خیال میں آنحضرتؐ اعمالِ دین مقرر کرتے وقت وحی الٰہی کے منتظر نہیں ہوتے تھے بلکہ کفار کے طعنوں پر نظر

رکھتے تھے۔ یقیناً یہ فتح مکہ کے بعد کا ذکر ہے۔ کیونکہ اس ہی وقت آنحضرتؐ مدینہ سے مکہ پہلی دفعہ تشریف لائے تھے کیا اس وقت تک کافروں کو مسلمان نحیف و زار ہی نظر آتے تھے۔ اتنی لڑائیاں فتح کیں۔ عمرو عبدود، مرحب و عنتر جیسے پہلوانوں کو زیر کیا خود مکہ فتح ہوگیا۔ کیا ابھی مسلمانوں کی طاقت کفار پر ظاہر نہیں ہوئی تھی اس دس قدم دوڑنے میں کیا بہادری کی شان تھی کہ جس نے کفار کے دلوں پر مسلمانوں کا سکہ بٹھا دیا اور اگر آنحضرتؐ کے وقتِ رحلت تک مسلمان ایسے ہی خیف و زار نحیف تھے کہ یہ بناوٹی شان بہادری قائم رکھنی ضروری تھی تو حضرت عمر نے ان میں کونسی بہادری کی روح پھونک دی تھی جو آنحضرتؐ نہ کر سکے۔ کیا اس سے مقصد حضرت عمر کو آنحضرتؐ پر ترجیح دینے کا ہے۔ ایسے متین و سنجیدہ پیغمبر کے ذمہ یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو محض اس وجہ سے ڈوڑایا اور بھگایا کہ کفار کہیں دیکھو مسلمان بھاگے جا رہے ہیں اگر آنحضرتؐ کفار کے طنز کو اہمیت دیا کرتے تو اسلامی عبادت میں سے سجدہ تو بالکل مفقود ہو جاتا کیونکہ کفار نے سجدہ کو تو اپنی طنز کا خاص نشانہ بنایا ہوا تھا۔

ہم حیران ہیں کہ علامہ شبلی جیسے فاضل ذہین مورخ ور یہ عبارت، کو مانتے ہیں کہ آئمہ اربعہ جن کی امام پر اہلسنت و جماعت کے دین کا قیام ہے اس قیاس کی تردید کرتے ہیں اور رمل کو سنت میں داخل سمجھتے ہیں لیکن حضرت عمر ایسا نہیں سمجھتے تھے۔ اب حضرت عمر کا درجہ امور دین میں کیا رہا۔ کس طرح خود حضرت شبلی کی بحث سے ہمارا دعویٰ ثابت ہوگیا کہ اہل سُنت والجماعت امور دین میں حضرت عمر کو پیروی اور تقلید کے قابل نہیں سمجھتے۔ اور بات بھی ٹھیک ہے۔ انہوں نے تو اپنے عقیدہ خلافت حاصل کرنے کی غرض سے ایجاد کیے تھے۔ وہ اسلام کے صحیح ارکان تو نہ تھے۔ اس زمانے کے مسلمان غلطی کھا گئے مقصد حاصل ہوگیا۔ قصہ ختم ہوا۔ نبوت کی حقیقت کے متعلق جو مولوی شبلی نے عبارت لکھی ہے جس کو ہم نے اوپر نقل کیا ہے اس میں وہ بھی فرماتے ہیں کہ اسلام کے علماء کی اکثریت کا عقیدہ نبوت کے متعلق حضرت عمر کے عقیدے کے مخالف ہے۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ حضرت عمر نے اُن کو صحیح مذہبی

عقیدے سمجھ کر اختیار نہیں کیا تھا بلکہ یہ تو اُن کی سیاسی تدبیریں تھیں۔

ہمارے دعوے کو خود مولوی شبلی ثابت کرتے ہیں۔فرماتے ہیں:۔

"حضرت عمر مسائل شریعت کی نسبت ہمیشہ صالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے اور اگر اُن کے خیال میں کوئی مسئلہ خلافِ عقل ہوتا تو اس پر نکتہ چینی کرتے تھے۔ چنانچہ نماز کے قصر کے حکم میں آپ نے نکتہ چینی فرمائی"۔**(الفاروق ج۲ص۲۱۰)** دیکھا آپ نے حضرت عمر کی جسارت کو۔ پہلے تو یہ عذر تھا کہ جو حکم آنحضرتؐ کا منصبِ نبوت کے اندر نہیں ہوتا تھا اس پر نکتہ چینی کرتے تھے۔اب مسائل شرعیہ کی نسبت بھی حضرت عمر اپنی رائے کو دخل دینے لگے۔یہ معاملہ یہیں نہیں ختم ہوگا۔یہ ظاہر ہے کہ اسلام میں مسائل شرعیہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے مقرر کئے گئے۔حضرت عمر ان کو خلافِ عقل سمجھنے کی جسارت کرتے ہیں معاذ اللہ حضرت عمر کی عقل مرضیت ایزدی سے بھی زیادہ صحیح ہوئی۔کیا حضرت عمر نے اسلام اس لئے قبول کیا تھا کہ اسلام میں داخل ہو کر اس میں اپنی عقل سے تغیر و تبدل کریں۔اب جو مسخ شدہ اسلام اکثریت تک پہنچا ہے کس کی کارکردگی کا نتیجہ ہوا۔آگے چل کر مولوی شبلی اس طرح گہرافشانی کرتے ہیں کہ:۔

"امور شریعت میں قیاس کرنا حضرت عمر کی اولیات میں سے شمار کیا جاتا ہے حضرت ابوبکر کے زمانہ تک مسائل کے جواب میں قرآن مجید، حدیث اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا۔قیاس کا وجود نہ تھا۔ قیاس کی بنیاد اول جس نے ڈالی وہ حضرت عمر ہیں۔یہ مولوی شبلی کی رائے ہے کہ اُمورِ دین و احکام الٰہی میں سب سے پہلے قیاس کرنے والے حضرت عمر ہیں لیکن علمائے اسلام کی رائے ہے کہ **اول من قاس ابلیس**۔ جس بزرگ میں اتنی جسارت ہو کہ احکام الٰہی کو بھی خلافِ عقل کہہ سکے اس سے عقیدہ بعید نہیں ہے۔آنحضرتؐ کے دین میں جس دلیری سے کام لے کر حضرت عمر نے تغیر و تبدل پیدا کیا ہے اس کی بہت سے مثالیں ہیں یہاں تک کہ نماز کو بدل ڈالا جب ایک مدت کے بعد حضرت علیؑ نے



جناب رسولؐ خدا کی طرح نماز پڑھائی تو لوگوں نے کہا آج ہم نے رسولؐ خدا کی سی نماز پڑھی۔ (صحیح بخاری کتاب الصلوۃ باب یکبر)

یہاں دوسوال پیدا ہوتے ہیں۔ (۱) حضرت عمر نے کیوں جسارت کی (۲) مولوی شبلی کیوں حضرت عمر کے طرزِ عمل کی حمایت کرتے ہیں اگر چہ دیگر علماء آئمہ نے حضرت عمر کے اس امر میں قدح کی ہے۔ سوال اول کے لئے کئی وجوہات ہیں ایک تو یہ کہ شان نبوت کی صحیح معرفت نہیں حاصل ہوئی تھی پکی عمر میں ایمان لائے تھے۔ طرز تخیل بُت پرستی کے سانچے میں ڈھل چکا تھا۔ اب نبوت کا صحیح اندازہ مشکل تھا۔ دوسرے یہ کہ وہ جانتے تھے کہ ہم میں صحیح اور بلند شان والی نبوت کی جانشینی کی اہلیت تو ہے نہیں، اپنی جانشینی کو کسی نہ کسی طرح درست ثابت کرنا پڑے گا لہذا کوشش کی کہ نبوت کی شان کو اتنا گرایا جائے کہ ان تک اتر آئے اور وہ ایسی نبوت کے جانشین جانے کے قابل ہوں تیسرے یہ کہ اس طرح دخل در معقولات کر کے لوگوں کی نظر میں اپنی توقیر بڑھانی مطلوب تھی جو شخص کہ نبوت پر اعتراض کر سکے وہ ضرور لوگوں کی نظروں میں اس نبوت کا جانشین ہونے کا اہل ہو جائے گا۔ چوتھے کہ تنقیص شان اہل بیت نبوت منظور تھی۔

تا کہ لوگوں کی نظروں میں اُن کی منزلت گر جائے اور خلاف اُدھر نہ جانے پائے یا جب ہم خلافت لے لیں تو لوگ ان کو ہم سے افضل نہ سمجھیں، لیکن مشکل یہ تھی کہ اہل بیت کی شان وابستہ تھی رسولِ خدا کی شان کو کم نہ کیا جائے اور دفعتہً صریح الفاظ میں رسولِ خدا کی تنقیصِ شان کرنے سے سارا مطلب ہی فوت ہوتا تھا خوبی وچالا کی سے حضرت عمر وحضرت ابوبکر نے اس کام کو انجام دے کر کامیابی حاصل کی وہ دنیا والوں کو صد ہزار آفرین کی مستحق ہے۔ رفتہ رفتہ کوشش کر کے بتدریج اس حد تک تو اس معاملہ کو لے آئے تھے کہ رسولِ خدا کو ان کے مرتے وقت یہ کہہ سکیں کہ یہ شخص کچھ کہہ رہا ہے۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ اس قصیۂ قرطاس نے سب کی قلعی کھول دی اور ظاہر کر دیا کہ دراصل اس جماعت کا عقیدہ کیا

ہے، اس عقیدہ کے ذریعے سے انہوں نے اپنے اور اپنی جماعت کے ضمیر کو خاموش کیا۔ اور اس ہی عقیدہ کی عینک کے ساتھ ان کے اعمال نہیں خوشنما نظر آنے لگے۔

سوال دوم کا جواب کہ جناب شبلی کیوں حضرت عمر کی اتنی حمایت کرتے ہیں، صاف ہے۔ علامہ شبلی ہندوستان میں پہلے عربی داں مستشرق مورخ ہیں جو تھوڑی سی انگریزی کی شُدھ بُدھ حاصل کر کے انگریزی مورخین کی طرز تحریر پر شیفتہ ہو گئے اور انہوں نے کوشش کی کہ ان کے طرز پر تاریخ لکھیں۔ حضرت شبلی کی تحریر میں وہ نقص رہ گیا، جو عام طور سے نقل میں پایا جاتا ہے باہر سے خاکہ اصل کا اور اندر سے اصل کی رُوح معدوم نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی مورخین کی طرح وہ ایک تھیوری (THEORY) قائم کر لیتے ہیں اور پھر واقعات کو توڑ مروڑ کر اس تھیوری کے اندر لانا چاہتے ہیں۔ اب یہاں نقل اور اصل میں فرق ہوتا ہے۔ اچھے یورپین مورخین تو حق المقدور کوشش کرتے ہیں کہ ان کے ذاتی عقیدے اور تعصبات ان کے نتائج پر اثر نہ ڈالنے پائیں لہذا وہ اپنی تھیوری کو بہت تحقیقات اور بہت سے واقعات کی جانچ پڑتال کے بعد قائم کرتے ہیں۔ پھر شاذ و نادر لانا چاہتے ہیں۔۔۔۔ مولوی شبلی شروع ہی سے اس اُصول پر چلتے ہیں کہ جو عقیدے وہ پہلے سے قائم کئے ہوئے ہیں درست ہیں ان میں ترمیم و تصحیح کی ضرورت نہیں۔

لہذا شروع ہی سے اپنے عقیدے کے بموجب اپنی THEORY (تھیوری) قائم کر لیتے ہیں اور پھر سارے واقعات کو تور مروڑ کر اس تھیوری کے اندر لانا چاہتے ہیں انہوں نے ایک عقیدہ یا تھیوری پیدائشی تعصب کی بناء پر قائم کر لی کہ حضرت عمر دل سے خیر کواہ اسلام تھے ان کی خیر خواہی و ہمدردی اسلام رسولؐ سے بھی زیادہ تھی۔ اب جتنے واقعات ہوں گے ان کی تاویل اس ہی بناء پر کریں گے اور پھر حضرت عثمان ہیرو ہیں، اپنے ہیرو پر کیوں حرف آنے دیں یہ ہیرو کا لفظ بھی انہوں نے

انگریزی مورخین سے لیا ہے اور اس کے دوہرانے میں انہیں خاص لطف آتا ہے۔

تیسری سازش

جماعتِ مخالفین علی نے یہ رویہ اختیار کیا تھا کہ جب آنحضرت علیؑ کے فضائل بیان کرتے یا اُن کو دیگر صحابہ پر ترجیح دیتے یا اور کوئی ایسا امتیازی سلوک حضرت علی سے کرتے جس سے آپ کی فضیلت دیگر صحابہ پر نمایاں ہو۔ تو فوراً اعتراض کر دیتے تھے تاکہ لوگوں میں اس کا چرچا ہو جائے اور ان کی توجہ اس بات کی طرف مبذول ہو جائے کہ آنحضرتؐ کے یہ اقوال اور یہ امتیازی سلوک محض خاندانی طرفداری پر مبنی ہیں، دوسری غرض یہ ہوتی تھی کہ آنحضرتؐ اپنے اس طرزِ عمل میں کثرت نہ کریں۔ جب آنحضرتؐ نے حضرت علی سے تخلیہ میں راز کی گفتگو کی یا علی کے گھر کا دروازہ کھلا رکھا اور دیگر اصحاب کے گھروں کے دروازے جو مسجد کی طرف کھلتے تھے بند کرا دیئے، فوراً انہوں نے اعتراض کر دیا۔ اکثر موقعوں پر حضرت عمران کی ترجمانی کیا کرتے تھے۔

قضیہ قرطاس بھی اس ہی کی ایک مثال ہے۔ غدیرخم پر اعلان جانشینی کے بعد بھی اس جماعت میں ایک کھلبلی پڑ گئی اس وقت ایک گمنام دیہاتی حارث ابن نعمان سے یہ کام لیا گیا جس نے نہایت گستاخانہ طریقے سے گفتگو کی۔ بار بار اس بات کو لوگوں کی توجہ میں اعتراضات کر کے لانے سے قبیلا نہ رشک وحسد میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہ تو وہ مثالیں ہیں جو صفحات تاریخ میں محفوظ ہیں اور بہت سے موقعے ہوں گے۔ آپس میں سرگوشیاں ہوتی ہوں گی اور وہ نکتہ چینی کے خیالات ایک دوسرے کی طرف منتقل ہوتے ہوں گے۔ اور پھیلتے ہوں گے۔ جیش اسامہ کے واقعہ کے مطالعہ کے بعد قدرتی طور سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ باوجود آنحضرت کی بار بار کی تاکید کے اسامہ بن زید نے کیوں تساہل کیا اور آخر کار مدینہ سے باہر ہی نہ گئے۔ (حرف حوالی مدینہ میں تھا) وجہ یہ ہے کہ اسامہ حضرت عمر کی جماعت کے

اگر ایک رُکن نہ تھے۔ تو انکے ہمدردوں میں سے ضرور تھے اور ان کی صلاح پر عمل کرنے والے تھے۔
حضرت عمر نے ان کو آگے نہ بڑھنے دیا حضرت عمر جانتے تھے کہ ایسے نوجوان آدمیوں کو کس طرح اپنے
میں ملایا جاتا ہے۔ اول تو ظاہری عزت۔

فاتی النبی صلی الله علیه وسلم فقال من فعل
هذابک قال رتباعٔ فدعاه النبی صلی الله علیه
وسلم فقال ما حملک علی هذا فقال کان امره
کذا و کذا فقال النبی صلی الله علیه وسلم للعبد
اذهب فانت حر فقال یارسول الله فمولی من انا
قال مولی الله ورسوله فاوصی به رسول الله
صلی الله علیه وسلم المسلمین قال فلما تبض
رسول الله صلی الله علیه وسلم جاء الی ابی
بکر فقال ومیة رسول الله صلی الله علیه واله
وسلم قال نعم نجری علیک واله وسلم قال نعم
نجری علیک النفقة وعلی عیالک فاجراها
علیه حتی قبض ابوبکر فلما استخلف عمر جاء
ه فقال وصیة رسول الله صلی الله علیه وسلم
قال نعم این ترید قال مصر فکتب عمر الی صاب
مصران یعطیه ارضاً یا کلها

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رتباع کو بلا کر اُس سے پوچھا کہ تو نے یہ کیوں کیا۔ اس نے غلام کا سارا ماجرا

بتایا اس پر آنحضرتؐ نے غلام سے فرمایا کہ جا تو آزاد ہے غلام نے کہا کہ میں کس کا غلام آزاد کردہ اپنے آپ کو سمجھوں آپ نے فرمایا کہ خدا اور رسول کا تو غلام آزاد کردہ ہے گویا آنحضرت نے لوگوں کو اس کی نسبت وصیت کی جب جناب رسولِ خدا کا انتقال ہوا تو وہ غلام ابوبکر کے پاس آیا اور کہا کہ مجھ سے رسولِ خدا نے یہ کہا تھا۔ ابوبکر نے کہا کہ اچھا ہم تسلیم کرتے ہیں۔ اور تیرے اور تیرے عیال کے نان و نفقہ مقرر کرتے ہیں چنانچہ مقرر کر دیا جب ابوبکر کا انتقال ہوا اور عمر کو گدی ملی تو وہ غلام اسی طرح حضرت عمر کے پاس آیا اور دعویٰ کیا۔ حضرت عمر نے کہا کہ تو کہاں کی جاگیر چاہتا ہے۔ اُس نے کہا مصر کی۔ تو انہوں نے حاکم مصر کو لکھا کہ اس کو کچھ زمین دے دو کہ وہ کھائے۔

﴿حضرت ابوبکر نے فدک کا وثیقہ جناب فاطمۂ کے حق میں لکھ دیا لیکن حضرت عمر نے حضرت فاطمۂ کے ہاتھ سے لے کر چاک کر دیا﴾

عب براھن الدین الحلبیه انسان العیون فی سیرة الامین المامون الجزء الثالث۔ وفی کلام سبط ابن الجوزی رحمة الله انه رضی الله عنه کتب لها بفدک و دخل علیه عمر رضی الله عنه فقال ما هذا فقال کتاب کتبته لفاطمة یمرا ثها من ابیها فقال ماذا تنفق علی المسلمین وقد حاربتک العرب کماتری ثم اخذ عمر الکتاب فشقه

سبط ابن الجوزی کی تحقیق ہے کہ حضرت ابو بکر نے فدک کا وثیقہ حضرت فاطمہؑ کو لکھ دیا جبکہ اسی وقت حضرت عمر وہاں آ گئے اور پوچھا کہ کیا ہے حضرت ابو بکر نے کہا کہ یہ وثیقہ ہے جو میں نے فاطمہؑ کے حق میں اس کے باپ کی میراث فدک کی بابت لکھا ہے حضرت عمرؓ نے کہا کہ پھر تو مسلمانوں کو کہاں سے کھلائیگا دیکھا نہیں کہ تمام عرب تجھ سے جنگ پر آمادہ ہے پس حضرت عمر نے وہ وثیقہ چھین کر پھاڑ ڈالا۔

«حضرت فاطمہؑ کی منزلت خدا اور رسول خدا کے نزدیک»

آیہ تطہیر و آیہ مباہلہ کا ذکر ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔ حضرت فاطمہؑ علیہ اسلام کے مناقب بہت زیادہ ہیں یہاں ان کا تفصیل سے ذکر کرنا ناممکن ہے۔ اختصار کے ساتھ ہم صرف اشارۃً لکھ دیتے ہیں۔

فاطمه بضعة منی من اغضبها اغضبنی

یعنی فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے جس نے اس کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔

قال رسول الله لعلی و فاطمه والحسن والحسین انا حرب لم حاربهم ولسلم لمن سالمهم

یعنی جناب رسولِ خدا نے حضرت علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کی نسبت فرمایا

کہ میں اُس سے لڑائی رکھتا ہوں جوان سے لڑائی رکھتا ہے جوان سے لڑائی رکھے اور اس سے صلح رکھتا ہوں جوان سے صلح رکھے۔

اشعۃ اللمعات:۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی جلد چہارم صفحہ ۳۸ ۔مطبوعہ بمبئی۔

احب الناس رسول اللہ فاطمۃؑ

یعنی حضرت فاطمہؑ تمام لوگوں سے زیادہ جناب رسولِ خداؐ کو عزیز تھیں۔
اور یہ قول حضرت عائشہ کا ہے

من ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ قال قال سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول شخص دخل الجنہ وفاطمہ بنت محمد ﷺ

یعنی ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ فرمایا جناب رسول خدا ﷺ نے کہ سب سے پہلے جنت میں علی و فاطمہ علیہما السلام داخل ہوں گے۔

فاطمہؑ سیدۃ النساء ھد الجنۃ قال اذ کان یوم القیامۃ قیل یا اھل الجمع غضوا ابصار کم حتی تمر فاطمۃ بنت محمد رسول اللہ فتمر و علیھا حلتان خضراوان نھی اول من یکسی

یعنی فاطمہؑ اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔ یعنی فرمایا جناب رسولِ خداؐ نے کہ بروز قیامت لوگوں سے کہا جائیگا کہ اے اہل محشر اپنی آنکھیں بند

کر لو تا کہ فاطمہؑ بنت محمد رسول اللہ گزر جائیں پس وہ گزر جائینگی اور آپ لباسِ سبز پہنے ہونگی اور آپکو سب سے پہلے لبان پہنایا جائیگا۔

یا فاطمة ان اللہ یغضب لغضبک و یرضی لرضائکِ

یعنی اے فاطمہؑ خدا تیرے غضب سے غضبناک ہوتا ہے اور تیری رضا سے راضی ہوتا ہے۔

اذا رجع من السفر بدٔ ابا المسجد ثم یاتی فاطمة

یعنی جب آنحضرتؐ سفر سے واپس تشریف لاتے تھے تو پہلے مسجد میں ہو کر جناب فاطمہؑ کے گھر تشریف لایا کرتے تھے۔

اذا سافر النبی کان اخد الناس عھدا فاطمة

یعنی جب رسولؐ خدا سفر کو جاتے تھے تو سب سے آخر تک جناب فاطمہ کے ساتھ رہتے تھے۔

جب حضرت فاطمہؑ تشریف لاتی تھیں تو جناب رسولِؐ خدا کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ روضۃ الندیہ۔ صفحہ ۹۴ لغایت ۱۰۰۔

﴿اپنے رشتہ داروں کا درد آنحضرت ﷺ کے دل میں﴾

عن ابن عباس رضی اللہ عنھما ان النبی صلی

اللہ علیہ وسلم قال لا صحابه يومئذٍ قد
عرفت ان رجالاً من بني هاشم و غير هم قد
أخرجوا كرها لا حاجة لهم بقتالنا فمن لقى
منكم احداً من بني هاشم فلايقتله ومن لقى
بالبختري بن هشامر بن الحارث بن اسد
فلايقتله ومن لقى العباس بن عيد المطلب عم
رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا يقتله
فانه انما اخرج مستكه ها قال فقال ابوحديفه
انقتل اباء ناوابنانا داخواننا وعشيرتنا و
نترك العباس والله لئن لقيته لالحمنه
السيف

ابن عباس کہتے ہیں کہ جب جنگ بدر کے لئے آراستہ ہوئے تو
جناب رسولِ خداؐ نے اپنے صحابہ سے کہا کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ
بنو ہاشم وغیرہ کو مجبور کر کے ہمارے خلاف جنگ کے لئے کفار لائے ہیں ان
کو ہم سے جنگ کرنے کی ضرورت نہیں لہذا اگر تم میں سے کوئی بنو ہاشم
کے مقابلہ میں آئے تو ان کو قتل نہ کرے کیونکہ ان کو زبردستی سے ان کی
مرضی کے خلاف کفار لائے ہیں ابن عباس کہتے ہیں کہ اس پر ابوحذیفہ
نے کہا کہ خوب ہم اپنے آباؤ اجداد بھائیوں اور رشتہ داروں کو تو قتل کر لیں
اور عباس کو چھوڑ دیں واللہ اگر وہ مجھے مل گیا تو میں اس کو تلوار کے گھاٹ
اتار دوں گا۔

فقال سمعت تضور العباس فی وثاقه قال فقاموا الی العباس فاطلقو لا فنام رسول الله صلی الله علیه وسلم من عبدالله ابن عباس قال لما امسی القوم من یوم بدر واله ساری محمد سون فی الوثانی بات رسول الله صلی علیه وسلم ساهدا اول لیلة فقال له اصحابه یا رسول الله مالک لا تنام

عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ جنگ بدر کی شام ہوئی اور کفار کے قیدیوں کو مسلمانوں نے زنجیروں سے جکڑ دیا تو جناب رسولِ خدا کو بڑی رات گئے تک نیند نہ آئی۔ اصحاب نے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ کو کیا ہوا ہے کیوں نیند نہیں آتی آپؐ نے فرمایا کہ مجھے عباس کے کراہنے کی آواز بے چین کر رہی ہے اس لئے نیند نہیں آتی عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ لوگ اُٹھے اور عباس کو کھول دیا۔ پھر جناب رسولخدا آرام سے سو گئے۔

ہم ان جملہ تجاویز و تدابیر کو ایک شجرہ کی صورت میں دکھانا چاہتے ہیں جن پر علی الترتیب گزشتہ صفحات میں علیحدہ علیحدہ بحث کی گئی ہے جو اختلاف امت اور امت کے مصائب و شدائد کا نقطہ آغاز ہے جو تاحال جاری ہے

یہ تھے وہ حقائق اور وہ مظالم جن کے سبب ہر دور میں اختلاف امت رہا ہے اور یہ سب تحقیق غیر شیعہ کتب سے باقی ابواب ہی کی طرح پیش کی گئی کوئی بھی مسلمان اسکو پڑھ کر اپنے دل سے فتویٰ لے سکتا ہے

اور آج تک بلکتی سسکتی انسانیت کے موجب حضرات کی شناخت بہت آسانی سے کر سکتا ہے۔

﴿وما توفیق الا باللہ﴾

عدالت و حقیقت اصحاب

رفع الحجاب..... بولتے حقائق

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے اصحاب خصوصی امتیازات سے بہرمند تھے۔ وحی الٰہی اور آیات کو پیغمبر اکرمؐ کی زبان مبارک سے سنتے تھے۔ آنحضرتؐ کے معجزات کا مشاہدہ کرتے تھے۔ اور آپکی قیمتی باتوں کے ذریعے پرورش پاتے تھے آنحضرتؐ کے عملی نمونوں اور اسوہ حسنہ سے بہرہ مند تھے۔ اسی وجہ سے انکے درمیان ایسی بزرگ اور ممتاز شخصیات نے تربیت پائی کہ جہان اسلام جنکے وجود پر فخر ومباہات کرتا ہے۔ لیکن اہم مسئلہ یہ ہے کہ کیا تمام اصحاب پیغمبر کسی استثناء کے مومن، صالح، سچے، درستکار اور عادل افراد تھے یا ان کے درمیان غیر صالح افراد بھی موجود تھے۔

۱۔ دو متضاد عقیدے:

صحابہ کے بارے میں دو مختلف عقیدے موجود ہیں: پہلا عقیدہ یہ کہ تمام اصحاب پیغمبر کسی استثناء کے پاکیزگی وطہارت کے نور سے منور ہیں اور سب ہی صالح، عادل، باتقویٰ اور صادق تھے۔ اسی وجہ سے ان میں سے جو بھی پیغمبر اکرمؐ سے حدیث نقل کرے صحیح اور قابل قبول ہے۔ اور ان پر کوئی چھوٹا سا اعتراض بھی نہیں کیا جا سکتا ہے اور اگر ان سے غلط کام سرزد ہو جائے تو ان کی توجیہ کرنا چاہیے۔ یہ اہل سنت کے اکثر گروہوں کا عقیدہ ہے۔ دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ اگرچہ ان کے درمیان باشخصیت، فداکار، پاک اور باتقویٰ افراد موجود تھے لیکن منافق اور غیر صالح افراد بھی موجود تھے۔ اور قرآن مجید

اور پیغمبر اکرمؐ نے ان سے اظہار بیزاری کیا ہے۔ باالفاظ دیگر اچھے اور برے کی تشخص کا جو معیار ہر جگہ استعمال ہوتا ہے وہی معیار ہم یہاں بھی جاری کریں گے۔ ہاں چونکہ یہ پیغمبر اکرمؐ کے اصحاب تھے اس لئے ان کے بارے میں ہمارا اصلی و بنیادی نظریہ یہ ہوگا کہ یہ نیک و پاک افراد ہیں، لیکن اس کے باوجود ہم حقائق سے ہر گز چشم پوشی نہیں کریں گے۔ چونکہ یہ کام، اسلام اور مسلمین پر ایک کاری ضرب لگاتا ہے اور اسلام کی چار دیواری میں منافقین کے داخلہ کا سبب بنتا ہے۔ مذہب شیعہ اور اہلسنت کے روشن فکر علماء کے ایک گروہ نے اس عقیدہ کا انتخاب کیا ہے۔

﴿۲۔ تنزیہ کے سلسلہ میں شدت پسندی:﴾

تنزیہ صحابہ والے نظریہ کے طرفداروں کے ایک گروہ نے اتنی شدت اختیار کی ہے کہ جو بھی اصحاب پر تنقید کردے اسے فاسق اور کبھی ملحد اور زندیق شمار کرتا ہے اور یا اس کا خون بہانا مباح سمجھتا ہے۔ من جملہ ابوزرعہ رازی کی کتاب "الاصابۃ" میں یوں ملتا ہے: "اگر دیکھو کوئی شخص اصحاب پیغمبرؐ میں سے کسی پر تنقید کر رہا ہے تو جان لو کہ وہ زندیق ہے۔ یہ فتویٰ اس لئے ہے چونکہ رسول خدا اور قرآن حق ہے اور جو کچھ پیغمبرؐ پر نازل ہوا حق ہے اور ان تمام چیزوں کو صحابہ نے ہم تک پہنچایا ہے اور (مخالفین) چاہتے ہیں ہمارے شہود (گواہوں) کو بے اعتبار کر دیں تا کہ کتاب و سنت ہاتھ سے چلی جائے!" (الاصابہ، جلد ۱، ص ۱۷)۔ "عبداللہ موصلی" اپنی کتاب "حتّی لا تنخدع" میں یوں رقمطراز ہیں "یہ اصحاب ایسا گروہ ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی ہم نشینی اور دین و شریعت کے اقوام کے لیے چن لیا ہے۔ اور انہیں پیغمبر کا وزیر قرار دیا ہے۔ انکی محبت کو دین و ایمان اور انکے بغض کو کفر و نفاق شمار کیا ہے! اور امت پر واجب کیا ہے کہ ان سب کو دوست رکھیں اور ہمیشہ انکی خوبیاں اور فضائل بیان کریں اور انکی آپس میں جو جنگیں اور جھگڑے ہوئے اور ان پر خاموشیاں اختیار کریں!" (حتیٰ لا تخدع، ص ۲)۔ عنقریب روشن ہو جائیگا کہ یہ بات قرآن و سنت کے خلاف ہے۔

﴿۳۔ لاجواب سوالات:﴾

ہر عقلمند اور منصف مزاج انسان جو ہر بات کو بغیر دلیل اور آنکھیں بند کر کے قبول نہیں کرتا اپنے آپ سے یہ سوالات کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ازواج پیغمبرؐ کے بارے میں یوں فرماتا ہے:

ق۔۲۰ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنۡ یَّاۡتِ مِنۡکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ یُّضٰعَفۡ لَهَا الۡعَذَابُ ضِعۡفَیۡنِ ط وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرًا ہ (سورہ احزاب، آیت ۳۰)۔

اے ازواج رسولؐ تم میں سے جس نے بھی کھلم کھلا گناہ کیا اس کی سزا دو برابر ہوگی اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے انتہائی آسان ہے۔

ہم صحابہ کی جو بھی تفسیر کریں (عنقریب اصحاب کی مختلف تعریفیں بیان ہونگی) بلاشک ازواج نبیؐ اصحاب کا روشن ترین مصداق ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ انکے گناہوں سے چشم پوشی نہیں کی جائے گی بلکہ انکی سزا دو برابر ہوگی۔

کیا ہم اس آیت پر نظریہ تنزیہ کے طرفداروں کے بلامشروط حمایت پر یقین رکھیں؟

نیز قرآن مجید، شیخ الانبیاء حضرت نوح علیہ السلام کے فرزند کے بارے میں اس کی غلطیوں کی وجہ سے یوں فرماتا ہے **ق۔۲۱ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ** وہ غیر صالح عمل ہے۔ (سورہ ہود آیت ۴۶)۔

اور جناب نوحؑ کو خبردار کیا گیا کہ اس کی شفاعت نہ کریں!

کیا ایک نبیؑ کا فرزند اہم ہوتا ہے یا اس کے اصحاب واعوان؟

حضرت نوح اور لوط علیہ السلام کی بیویوں کے بارے میں قرآن مجید یوں کہتا ہے:

۱۰۶ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ط كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّ قِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ہ

اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے نوح کی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی یہ دونوں ہمارے بندوں میں دو (شائستہ اور) نیک بندوں کے گھر میں تھیں، پھر ان کی انہوں نے خیانت کی پس دونوں (نیک بندے) ان سے اللہ کے (کسی عذاب کو) نہ روک سکے (ا) اور حکم دیا گیا (اے عورتو) دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی چلی جاؤ، (سورہ تحریم آیت ۱۰)۔ان دونے اپنے شوہروں (نوحؑ اور لوطؑ) کے ساتھ خیانت کی (اور دشمنوں کا ساتھ دیا) اور وہ پیغمبر انکی شفاعت نہ کر سکے اور ان دونوں کو حکم دیا گیا کہ دوزخیوں کے ساتھ آگ میں داخل ہو جاؤ۔کیا یہ آیات صراحت کے ساتھ بیان نہیں کر رہیں کہ افراد کی خوبی اور بدی کا معیار انکا اپنا ایمان اور عمل ہے۔حتیٰ کہ اگر برُے اعمال ہوں تو نبی کی بیوی یا بیٹا ہونا بھی جہنم میں جانے سے نہیں روک سکتا۔

اس کے باوجود کیا صحیح ہے کہ ہم آنکھیں بند کر لیں اور کہیں کہ فلاں شخص چونکہ کچھ عرصلہ کے لیئے نبیؐ کا صحابی رہا ہے لہذا اس کے محبت دین ایمان اور اس کی مخالفت کفر و نفاق ہے۔ چاہے وہ صحابی بعد میں منافقین کے صف میں داخل ہو گیا ہو اور اس نے نبی اکرمؐ کا دل دکھایا ہوں اور مسلمانوں کے ساتھ خیانات کی ہو۔کیا عقل اس بات کو قبول کرتی ہے؟ اگر کوئی کہے کہ طلحہ و زبیر ابتدائے اسلام میں اچھے انسان تھے لیکن جس وقت حکومت کی ہوس اُن پر سوار ہوئی انہوں نے زوجہ رسولؐ (حضرت عائشہ) کو اپنے ساتھ لیا اور حضرت علیؑ کے ساتھ اپنی بیعت و پیمان توڑ ڈالی حالانکہ تقریباً تمام مسلمانوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔پھر انہوں نے جنگِ جمل کی آتش کو بھڑکایا اور اس طرح سترہ ہزار

مسلمان اس جنگ کا لقمہ بن گئے۔ پس یہ لوگ راہ راست سے منحرف ہو گئے تھے اور اس عظیم تعداد کا خون انکی گردن پر ہے اور قیامت کے دن یہ جوابدہ ہونگے۔

کیا یہ بات حقیقت کے خلاف ہے؟!

یا اگر کوئی کہے چونکہ معاویہ نے حضرت علیؑ کی بیعت کی خلاف ورزی کی اور جس خلافت کو تمام مسلمانوں نے قبول کر لیا تھا تو اس نے انکار کیا اور جنگِ صفین کی آگ بھڑکائی جس میں ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان لقمہ اجل بن گئے۔ لہذا معاویہ ستمگر آدمی تھا۔ کیا یہ بات ناحق ہے؟! کیا تاریخ کے ان تلخ حقائق سے چشم پوشی کی جا سکتی ہیں۔ یا ان غلط توجیہات کی خاطر کہ جنہیں کوئی بھی عقلمند آدمی قبول نہیں کرتا ان نہایت افسوس ناک حوادث سے صرف انکار کیا جا سکتا ہے؟ کیا "عبداللہ موصلی" کے بقول ایسے افراد کی محبت، دین و ایمان ہے اور انکا بغض کفر و نفاق ہے؟! کیا ہمارا فریضہ یہ ہے کہ ان غلط کاموں کے سامنے جو ہزاروں مسلمانوں کو قتل کے موجب بنے ہیں سکوت اختیار کریں؟ کونسی عقل یہ حکم لگاتی ہے؟ قرآن مجید کہتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے گرد جمع ہونے والوں میں منافق لوگ بھی تھے کیا ان آیات قرآن سے چشم پوشی کر لیں؟

قرآن مجید یوں فرماتا ہے:

ق ۱۰۱ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ط وَ
مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ط
نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ط سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَا
بٍ عَظِيْمٍ ہ (سورۂ توبہ آیت ۱۰۱)

کیا آپ یہ توقع رکھتے ہیں کہ اس قسم کی منطق کو دنیا کے عقلمند انسان قبول کر لیں؟

٤: صحابہ کون ہیں؟

اس مقام پر ایک اور اہم مفہوم "صحابہ" ہے۔ صحابہ کہ جن کے بارے میں طہارت و پاکیزگی کی بات کی جاتی ہے تو مسئلہ یہ ہے کہ صحابہ سے کون لوگ مراد ہیں۔ اس سلسلہ میں علمائے اہل سنت کی جانب سے مکمل طور پر مختلف تعریفیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ بعض نے تو اس کے مفہوم کو بہت وسیع کر دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے جس نے بھی آنحضرت کو دیکھا ہے وہ آپ کا صحابی ہے! اس تعبیر کو "بخاری" نے ذکر کیا ہے وہ یوں لکھتے ہیں "**من صحب رسول الله اور آه من المسلمين فهو من اصحابه!**" "اہل سنت کے معروف عالم جناب احمد بن حنبل صحابی کے مفہوم کو بہت وسیع بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں "**اصحابُ رسولِ الله كل من صحبه، شهراً او يوماً او ساعة او رآه**"۔ "رسولخدا کا صحابی وہ ہے کہ جس نے رسولخدا کی صحبت اختیار کی ہو چاہے ایک ماہ ایک دن یا حتیٰ ایک گھنٹے کے لیئے بھی بلکہ اگر کسی نے آنحضرت کی زیارت کی ہو وہ بھی صحابی ہے!"

۲۔ بعض علماء نے صحابی کی تعریف کو محدود انداز میں پیش کیا ہے مثلاً "قاضی ابوبکر محمد ابن الطیب" لکھتے ہیں کہ اگرچہ صحابی لغوی معنیٰ عام ہے لیکن اُمت کے عرف عام میں اصطلاح کا اطلاق صرف اُن افراد پر ہوتا ہے جو کافی عرصہ تک آنحضرت کی صحبت میں رہے ہوں نہ ان لوگوں پر کہ جو صرف ایک گھنٹہ کی محفل میں بیٹھا ہو یا آپؐ کے ساتھ چند قدم تک چلا ہو یا اُس نے ایک آدھ حدیث آنحضرتؐ سے سُن لی ہو"۔

۳۔ بعض علماء نے صحابی کی تعریف کا دائرہ اس سے بھی زیادہ تنگ کر دیا ہے جیسے "سعید بن

المسیب " لکھتے ہیں کہ "پیغمبرؐ کا صحابی وہ ہے جو کم از کم ایک یا دو سال آنحضرتؐ کے ساتھ رہا ہو اور ایک یا دو غزووں میں اس نے آنحضرتؐ کے ساتھ شرکت کی ہو"۔ **(تفسیر قرطبی، جلد ۸، ص ۲۳۷)**۔ ان تعاریف اور دیگر تعریفوں میں کہ جنہیں طوالت کے خوف کیوجہ سے ذکر نہیں کیا جارہا ہے مشخص نہیں ہے کہ اس قضیہ کے دائرے میں آنے والے افراد کون سے ہیں۔ اکثر علماء نے اسی وسیع معنیٰ کو اختیار کیا ہے۔ اگر چہ ہماری مدنظر ان تعریفوں کے اختلاف سے زیادہ فرق نہیں پڑتا ہے۔ جیسا کہ عنقریب روشن ہوجایگا کہ سیرت رسولؐ کی خلاف ورزی کرنیوالے اکثر وہ افراد ہیں جو کافی عرصہ تک آپؐ کے ہمنشین رہے ہیں۔

﴿۵: "عقیدہ تنزیہ کا اصلی سبب"﴾

اس کے باوجود کہ اصحاب کی اس حد تک پاکیزگی کا عقیدہ رکھنا کہ جو بعض لحاظ سے عصمت کے مشابہ ہے نہ تو قرآن مجید میں اس کا حکم آیا ہے نہ احادیث میں بلکہ قرآن، سنت اور تاریخ سے اس کے برعکس مطلب ثابت ہے حتیٰ کہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلی صدی میں اس قسم کا کوئی عقیدہ موجود نہیں تھا۔ تو پھر دیکھنا یہ ہے کہ بعد والی صدیوں میں یہ مسئلہ کیوں اور کس دلیل کی بنا پر پیش کیا گیا ہے؟

•

ہمارے خیال کے مطابق اس عقیدہ کے انتخاب کی چند وجوہات تھیں

۱۔ اگر کمالِ حُسنِ ظن سے کام لیا جائے تو ایک وجہ تو یہی ہے جسے سابقہ ابحاث میں ذکر کیا گیا ہے کہ بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ اگر صحابہؓ کرام کا تقدس پائمال ہوجائے تو انکے اور پیغمبرؐ کے درمیان حلقۂ اتصال ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ قرآن مجید اور پیغمبر اکرمؐ کی سنت انکے واسطہ سے ہم تک پہنچی ہے۔ لیکن اس بات کا جواب بالکل واضح ہے کیونکہ کوئی بھی مسلمان معاذ اللہ تمام اصحاب کو غلط اور کاذب نہیں کہتا ہے کیونکہ انکے درمیان ثقہ اور موردِ اطمینان افراد کثرت کے ساتھ تھے، وہی با اعتماد افراد ہمارے پیغمبر اکرمؐ کے درمیان اکرمؐ کے درمیان حلقۂ اتصال بن سکتے ہیں۔ جس طرح ہم شیعہ،

اہلبیتؑ کے اصحاب کے بارے میں بھی نظریہ رکھتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بعد والی صدیوں میں بھی یہی مشکل موجود ہے کیونکہ آج ہم کئی واسطوں کے ذریعے اپنے آپ کو زمانہ پیغمبرؐ کے ساتھ متصل کرتے ہیں۔ لیکن کسی نے دعویٰ نہیں کیا کہ یہ تمام واسطے، ثقہ اور صادق ہیں اور ہر صدی کے لوگ بڑے مقدس تھے اور اگر ایسا نہ ہو تو ہمارا دین متزلزل ہو جائیگا۔ بلکہ سب یہی کہتے ہیں کہ روایات کو ثقہ اور عادل افراد سے اخذ کرنا چاہیئے۔ علم رجال کی کتب تحریر کرنے کا مقصد یہی ہے کہ ثقہ کو غیر ثقہ سے ممتاز کیا جا سکے۔ تو اب کیا مشکل ہے کہ اصحاب کرام کے بارے میں بھی ہم وہی طریقہ عمل اختیار کریں جو ان سے بعد والوں کے بارے میں اختیار کرتے ہیں؟!

۲: بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ بعض صحابہ کے بارے میں "جرح" یعنی انکے نقائص بیان کرنے اور ان پر تنقید کرنے سے پیغمبر اسلامؐ کے مقام و منزلت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اس لیئے اصحاب پر تنقید جائز نہیں ہے۔ جو لوگ اس دلیل کا سہارا لیتے ہیں ان سے ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا قرآن مجید نے پیغمبرؐ کے گرد جمع ہونے والے منافقین پر شدید ترین حملے نہیں کیے ہیں؟ کیا آنحضرتؐ کے خالص اور صادق اصحاب کے درمیان منافقین کی موجودگی کی وجہ سے آپ کی شان میں کمی واقع ہوئی ہے؟ ہرگز ایسا نہیں ہے! خلاصہ یہ کہ ہمیشہ اور ہر زمانے میں حتیٰ تمام انبیاء کے زمانوں میں اچھے اور بُرے افراد موجود تھے۔ اور انبیاء کے مقام و منزلت پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

۳۔ اگر اصحاب کے اعمال پر جرح و تنقید کا سلسلہ شروع ہو جائے تو بعض خلفاء راشدین کی شخصیت پر حرف آتا ہے۔ اس لئے ان کے تقدس کی حفاظت کیلئے صحابہ کی قدامت پر تاکید کرنا چاہیئے تا کہ کوئی شخص مثلاً حضرت عثمان کے اُن کاموں پر اعتراض نہ کرے جو بیت المال کے بارے میں اس کے علاوہ ان کے دور حکومت میں وقوع پذیر ہوئے اور یہ نہ کہے کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ یہاں تک

کہ اس قدامت کے قالب میں معاویہ اور اس کے اقدامات؛ جیسے کہ اس نے خلیفۂ رسولؐ حضرت علی علیہ السلام کی مخالفت کی اور اُن کے ساتھ جنگیں کیں اور مسلمانوں کے قتل عام کا موجب بنا؛ کی توجیہ کی جا سکے، اور اس ہتھیار کے ذریعے ایسے افراد کو تنقید سے بچایا جا سکے۔ البتہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس قداست والے مسئلہ کی بنیاد ابتدائی صدیوں کے بنوامیہ اور بنوعباس کے ظالم حکام کی اطاعت کو بھی ثابت کیا جا سکے نیز یہ حکام کا سیاسی پروگرام اور لائحۂ عمل تھا۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ ایسی باتوں سے ان کا مقصد سب صحابہ کو بچانا نہ تھا بلکہ اپنے مورد نظر افراد کی حمایت مقصود تھی۔

۴۔ بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اصحاب کے تقدس کا عقیدہ قرآن مجید اور سنت نبویؐ کے فرمان کے مطابق ہے کیونکہ قرآن مجید کی بعض آیات اور بعض احادیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ اگر چہ یہ بہترین توجیہ ہے لیکن جب ہم ادلہ کی تحقیق کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات و روایات میں جس چیز کو وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں موجود نہیں ہے۔ سب سے اہم آیت جس کو دلیل کے طور پر ذکر کیا گیا ہے مندرجہ ذیل آیت ہے:

ق ۱۰۰ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ لا رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ہ سورۂ توبہ آیت ۱۰۰۔

مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ پیروی کی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ خدا سے راضی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انکے لئے باغات تیار کر رکھے ہیں جنکے نیچے نہریں بہہ

رہی ہیں یہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

اہلسنت کے بہت سے مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں (بعض صحابہ اور پیغمبر اکرم سے حدیث) نقل کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ "**جمیع اصحاب رسول الله فی الجنة محسنهم و مسیئهم**" اس حدیث میں مذکورہ بالا آیت سے استناد کیا گیا ہے۔ (تفسیر کبیر فخر رازی و تفسیر المنار ذیل آیت مذکورہ)۔ اس صورت میں اہل نجات ہیں جب نیکیوں میں صحابہ کی پیروی کریں (نہ برائیوں میں) اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ صحابہ کے لئے بہشت کی ضمانت دی گئی ہے۔ کیا اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ گناہوں میں آزاد ہیں؟! جو پیغمبر لوگوں کی ہدایت اور اصلاح کے لئے آیا ہے کیا ممکن ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو استثناء کردے اور ان کے گناہوں سے چشم پوشی کرے۔ حالانکہ قرآن مجید، ازواج رسولؐ کے بارے میں فرماتا ہے کہ جو سب سے نزدیک صحابیہ تھیں، اگر تم نے گناہ کیا تو تمہاری سزا دو برابر ہے۔ (سورہ احزاب آیہ ۳۰) قابل توجہ یہ ہے کہ اگر اس آیت میں کسی قسم کا ابہام بھی ہو تو اسے سورۂ فتح کی آیت نمبر ۲۹ رفع کر دیتی ہے کیونکہ یہ آیت پیغمبر اکرمؐ کے سچے اصحاب کی صفات بیان کر رہی ہے۔

"اشداء علی الکفار رحماءُ بینهم تراهم رکعا سجدا یبتغون فضلا من الله و رضوانا سیما هم فی وجوههم من اثر المجود"

"یہ لوگ کفار کے مقابلے میں شدید اور زبردست ہیں اور آپس میں مہربان ہیں انہیں ہمیشہ رکوع و سجود کی حالت میں دیکھو گے اس حال میں کہ مسلسل فضل و رضائے خدا کو طلب کرتے ہیں۔ سجدہ کے آثار ان کے چہروں پر نمایاں ہیں"۔

جنہوں نے جمل وصفین جیسی جنگوں کی آگ بھڑکائی اور امام وقت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ہزاروں مسلمانوں کو قتل کرایا۔ کیا وہ ان سات صفات کے مصداق تھے؟ کیا وہ آپس میں مہربان تھے؟ کیا انکے عمل کی شدت کفار کے مقابلے میں تھی یا مسلمانوں کے مقابلے میں؟

اللہ تعالیٰ نے اسی آیت کے ذیل میں ایک جملہ ارشاد فرمایا جو مقصود کو مزید روشن کرتا ہے۔

۲۹۔ق وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ع (سورہ فتح آیہ ۲۹)

اللہ تعالیٰ نے (ان اصحاب میں سے) جو ایمان لائے اور اعمال صالح انجام دیتے رہے ان سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ دیا ہے۔

پس واضح ہو گیا کہ مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ صرف ان لوگوں کے لئے جو با ایمان اور اعمال صالح انجام دیتے ہیں۔ جن لوگوں نے جنگ جمل میں مسلمانو کو قتل کیا اور اس جیسی جنگوں کو بھڑکایا اور حضرت عثمان کے دور میں بیت المال کو ہڑپ کیا وہ کیا اعمال صالح انجام دینے والے تھے؟ قابل توجہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولوالعزم پیغمبروں کا ایک ترک اولیٰ کی خاطر مواخذہ کیا ہے۔ حضرت آدمؑ کو ایک ترک اولیٰ کی خاطر بہشت سے نکال دیا۔ حضرت یونسؑ کو ایک ترک اولیٰ کی خاطر ایک عرصہ مچھلی کے پیٹ میں، تین اندھیروں میں بند رکھا۔ حضرت نوحؑ کو اپنے گناہ گار بیٹے کی سفارش پر تنبیہ فرمائی۔ تو اب کیا یہ یقین کرنے کی بات ہے کہ اصحاب پیغمبر اس قانون سے مستثنیٰ ہوں۔

۲۔ کیا تمام اصحاب بغیر استثناء کے عادل تھے؟

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے اکثر برادران اہلسنت اسی بات کے قائل ہیں کہ تمام صحابہ یعنی جو پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں تھے یا جنہوں نے آپؐ کے زمانے کو پایا اور کچھ عرصہ تک آپؐ کے

ساتھ رہے ہیں بغیر کسی استثناء کے مقام عدالت پر فائز تھے اور قرآن مجید اسی بات کی گواہی دیتا ہے۔ مقام افسوس یہ ہے کہ ان بھائیوں نے قرآن کی کچھ اُن آیات کو جوان کے نفع میں تھیں قبول کرلیا ہے لیکن دوسری آیات سے انہوں نے چشم پوشی کی ہے اُن آیات سے جن میں اس بات سے استثناء موجود ہے (جیسا کہ واضح ہے کہ ہر عموم کے لئے عام طور پر استثناء موجود ہوتا ہے)۔ کہ یہ کیسی عدالت ہے جس کے خلاف قرآن مجید نے بارہا گواہی دی ہے۔ من جملہ سورۃ آل عمران کی آیت ۱۵۵ میں یوں بیان ہوا ہے۔

ق ۱۵۵ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ہ ع

اس آیت میں ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو جنگ اُحد کے دن فرار کر گئے اور پیغمبر اکرمؐ کو دشمن کے مقابلے میں تنہا چھوڑ گئے تھے۔ آیت فرماتی ہے "جو لوگ دو لشکروں کے روبرُو ہونے والے دن (یعنی جنگ اُحد میں) فرار کر گئے تھے۔ شیطان نے انہیں انکے بعض گناہوں کی وجہ سے بہکا لیا اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا چونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بردبار ہے" اس آیت سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اُس دن ایک گروہ فرار کر گیا تھا اور تاریخ میں اس گروہ کی تعداد بہت زیادہ ذکر کی گئی ہے اور دلچسپ یہ ہے کہ قرآن مجید کہتا ہے شیطان نے ان پر غلبہ کیا اور یہ غلبہ انکے اُن گناہوں کی وجہ سے تھا جس کے وہ پہلے مرتکب ہو چکے تھے۔ اس سے پتہ چلا کہ سابقہ گناہ ایک بڑے گناہ یعنی غزوہ سے فرار اور میدان اور دشمن سے پشت کر کے فرار کرنے کا موجب بنے۔ اگرچہ آیت کا ذیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بخش دیا۔ یہ بخشش پروردگار پیغمبر اکرامؐ کی وجہ سے تھی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ عادل تھے اور انہوں نے گناہ نہیں کیا۔ بلکہ صراحت کے ساتھ قرآن مجید فرما رہا ہے کہ انہوں نے متعدد گناہ کیئے۔

یہ کیسں عدالت ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں سورۃ حجرات کی آیۃ نمبر ۶ میں بعض کو فاسق کے عنوان سے یاد کر رہا ہے:۔

۶۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ہ

"اے ایمان والوں اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لے کر آئے تو اس کے بارے میں تحقیق کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ لاعلمی میں تم لوگ کسی کو نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر بعد میں اپنے کیے پر پشیمان ہو"

مفسرین کے درمیان مشہور ہے کہ یہ آیت "ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے اسے ایک جماعت کے ساتھ "بنی المصطلق" قبیلہ کے پاس زکات کی جمع آوری کے لئے بھیجا۔ واپسی پر ولید نے کہا کہ وہ زکوۃ نہیں دیتے اور اسلام کے خلاف انہوں نے قیام کرلیا ہے مسلمانوں کے ایک گروہ نے ولید کی بات پر یقین کرلیا اور اس قبیلہ کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن سورہ حجرات کی یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو خبردار کیا کہ اگر ایک فاسق آدمی خبر لے کر آئے تو اس کے بارے میں تحقیق کرلیا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس جھوٹی خبر کی وجہ سے تم کسی قبیلہ کو نقصان پہنچاؤ اور پھر بعد میں اپنے کیئے پر پشیمان ہو۔ اتفاقاً تحقیق کے بعد واضح ہوا کہ بنی المصطلق قبیلہ کے لوگ مومن ہیں اور ولید کے استقبال کے لئے باہر آئے تھے نہ اسلام اور اس کے خلاف قیام کرنے کے لئے لیکن چونکہ ولید انکے ساتھ سابق (قبل از اسلام) دشمنی رکھتا تھا اسی امر کا بہانہ بنا کر واپس چلا آیا اور غلط خبر پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں پیش کردی۔ ولید صحابی پیغمبرؐ تھا۔ یعنی اُن اِفراد میں سے تھا جنہوں نے پیغمبر اکرمؐ کے زمانے کو پایا اور آپؐ کی خدمت میں رہے۔ جبکہ قرآن مجید اس آیت میں

اُسے فاسق بتا رہا ہے۔کیا یہ آیت تمام اصحاب کی عدالت والے نظریہ کے ساتھ سازگار ہے؟

یہ کیسی عدالت ہے کہ بعض اصحاب زکاۃ کی تقسیم کے وقت پیغمبر اکرمؐ پر اعتراض کرتے ہیں۔ قرآن مجید انکے اعتراض کو سورہ توبہ آیہ ۵۸ میں نقل فرماتا ہے:

۵۸۔ وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ه

"انکے درمیان ایسے لوگ بھی ہیں جو خیرات کی تقسیم میں آپؐ پر اعتراض کرتے ہیں اگر انہیں اس میں سے عطا کیا جائے تو راضی ہیں اور اگر نہ دیا جائے تو غصے میں رہتے ہیں" کیا اس قسم کے افراد عادل ہیں؟

یہ کیسی عدالت ہیکہ قرآن مجید سورہ احزاب کی آیت نمبر ۱۲ اور ۱۳ میں جنگ احزاب کی منظر کشی کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ بعض منافقین اور بیمار دل لوگ جو پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں تھے اور انہوں نے جنگ میں شرکت کی لیکن پیغمبر اکرمؐ پر فریب کاری کی تہمت لگائی۔ "**ما وعدنا الله ورسوله الا غرورا**" خدا اور رسولؐ نے ہمیں صرف اور صرف جھوٹے وعدے دیئے ہیں! ان میں سے بعض یہ خیال رکھتے تھے کہ اس جنگ میں پیغمبر اکرمؐ کو شکست ہوگی اور احتمالاً وہ قتل ہو جائیں گے اور اسلام کی بساط لپٹ جائیگی۔ یا ان روایات کے مطابق جنہیں شیعہ وسنی نے نقل کیا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خندق کھودنے کے دوران ایک پتھر ملا جسے آپؐ نے توڑا اور مسلمانوں کو شام، ایران اور یمن کی فتح کا وعدہ دیا تو ایک گروہ نے آنحضرتؐ کی اس بات کا مذاق اڑایا۔ کیا یہ اصحاب نہیں تھے؟ اور اس سے زیادہ عجیب بات کو بعد والی آیت بیان کررہی کہ "ان میں سے ایک

گروہ نے (مدینہ کے بعض لوگوں کو کہ جو جنگ میں حاضر ہوئے تھے مخاطب کر کے) کہا یہ تمہارے ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ **واذ قالت طائفة منهم یا اہل یثرب لا مقام لکم فارجعوا**"۔

اور پھر ایک گروہ آنحضرت کی خدمت میں آیا اور میدان احزاب سے فرار کرنے کے بہانے بنانے لگا۔ اسی آیت میں یوں ارشاد ہے "**ویستاذن فریق منهم النبی یقولون ان بیوتنا عورة وما هی بعورة ان یریدون الا فراراً**" ان میں سے ایک گروہ پیغمبر اکرم سے واپسی کی اجازت مانگتا تھا اور کہتا تھا کہ ہمارے گھر اکیلے ہیں لہذا ہمیں اجازت دیجئے تا کہ اپنے گھروں کی حفاظت کے لئے واپس مدینہ چلے جائیں۔ یہ لوگ جھوٹ بول رہے تھے ان کے گھر اکیلے نہیں تھے۔ یہ صرف فرار کا بہانہ تلاش کر رہے تھے۔ اب خود ہی فیصلہ کیجئے ہم کیسے ان تمام امور سے چشم پوشی کر لیں اور ان تنقید کو جائز نہ سمجھیں؟ ان سب سے بدتر بعض اصحاب کا پیغمبر اکرم کی طرف خیانت کی نسبت دینا ہے اور قرآن مجید نے سورۃ آل عمران کی آیت ۱۶۱ میں اسے منعکس کیا ہے ۳ـ۱۶۱ **وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ط وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ه**

"ممکن نہیں ہے کہ کوئی نبی خیانت کرے اور جو کوئی خیانت کرے گا قیامت کے دن جس قسم کی خیانت کی ہوگی اسے اپنے ساتھ دیکھے گا۔ پھر ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائیگا۔ اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائیگا" یعنی اگر سزا ملے گی تو انکے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوگی۔ اس آیت کی جو شان نزول بیان کی گئی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت "عبداللہ بن جبیر" کے دوستوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ وہ جنگ اُحد میں "عینین" نامی مورچہ میں تھے۔ اور جب جنگ کی ابتداء

میں اسلام کا لشکر دشمن پر فتح پا گیا تو عبداللہ کے ہمراہ تیر انداز تھے حالانکہ رسول خداؐ نے فرمایا تھا کہ تمہیں اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرنی جبکہ اس گروہ نے اپنا مورچہ چھوڑ دیا اور غنائم لوٹنے کے پیچھے دوڑ پڑے۔ اس سے بھی برا عمل انکی باتیں تھیں کہ کہتے تھے کہ ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں رسول خداؐ ہمارا حق نہ دیں (اور اس قسم کے جملے لکھنے سے قلم شرم محسوس کرتا ہے)۔

"ابن کثیر" اور "طبری" نے اسی آیت کے ذیل میں اپنی تفسیر میں ایک اور شان نزول کو ذکر کیا ہے۔ وہ یہ کہ جنگ بدر میں کامیابی کے بعد ایک سرخ رنگ کا قیمتی کپڑا گم ہو گیا۔ بعض کم عقل لوگوں نے رسول خداؐ کو خیانت سے متہم کیا۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ کپڑا مل گیا اور معلوم ہوا کہ لشکر میں موجود فلاح شخص نے اٹھایا تھا۔ پیغمبر اکرمؐ کی طرف سے اس قسم کی ناروا نسبتیں دینے کے باوجود کیا عدالت باقی رہتی ہے؟ اگر ہم اپنے وجدان کے ساتھ قضاوت کریں تو کیا قبول کریں گے کہ اس قسم کے افراد عادل اور پاک و پاکیزہ تھے اور کسی انکے ایسے کاموں پر تنقید کرنے کا حق نہیں ہے؟ ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کے اکثر اصحاب و یاران با تقویٰ اور پاکیزہ انسان تھے۔ لیکن سب کے لئے ایک ہی حکم لگا دینا اور سب سے یہ تقویٰ اور عدالت کی قلعی چڑھا دینا اور ان پر کسی قسم کی تنقید کرنے کا حق سلب کر دینا ایک انتہائی عجیب بات ہے۔ یہ کیسی عدالت ہے کہ ایک انسان جو ظاہراً پیغمبر اکرمؐ کے اصحاب میں سے ہے (ہمارا مقصود معاویہ ہے) نبی اکرمؐ کے باعظمت صحابی علی علیہ السلام پر سال ہا سال سب و لعن کرتا ہے اور تمام شہروں میں سب کو اس کام کا حکم دیتا ہے۔

ان دو احادیث کی طرف توجہ فرمایئے:

• ا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جو اہلسنت کی معتبر ترین کتاب سے یوں بیان ہوا ہے۔

کہ "معاویہ" نے "سعد بن ابی وقاص" سے کہا کہ کیوں ابو تراب (علی ابن ابی طالب) پر

سب ولعن سے پرہیز کرتے ہو؟ اس نے کہا میں نے پیغمبر اکرمؐ سے اُن کے بارے میں تین فضائل ایسے سنے ہیں کہ اگر وہ میرے بارے میں ہوتے تو میرے لئے دنیا کی عظیم دولت سے زیادہ اہمیت رکھتے۔ اس لئے میں اُن پر سب وشتم نہیں کرتا ہو۔ (**صحیح مسلم جلد ۴ ص ۱۸۷۱، کتاب فضائل الصحابہ اور اسی طرح کتاب فتح الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد ۷ ص ۶۰ پر بھی یہ حدیث بیان ہوئی (وہ تین فضلیتیں یہ ہیں: ۱۔ حدیث منزلت، ۲۔ حدیث لاعطین الرایہ غداً، ۳۔ آیت مباہلہ)۔**

۲۔ کتاب "العقد الفرید" میں کہ جسے اہلسنت کے بزرگ عالم دین (ابن عبدربہ اندلسی) نے تالیف کیا ہے یوں بیان ہوا ہے کہ جب امام حسن ابن علی علیہما السلام کی شہادت ہوئی، اس کے بعد معاویہ مکہ کے بعد مدینہ آیا اُس کا ارادہ تھا کہ مدینہ میں منبر رسولؐ سے حضرت علی علیہ السلام پر سب ولعن کرے۔ لوگوں نے کہا کہ "سعد بن ابی وقاص" بھی مسجد میں ہے اور ہمارے خیال کے مطابق وہ تیری اس بات کو تحمل نہیں کریگا اور شدید ردعمل کا اظہار کرے گا لہذا کسی کو اُس کے پاس بھیج کر اُس کی رائے معلوم کرلو۔

معاویہ نے ایک آدمی کو سعد کے پاس بھیجا اور اس مطلب کے بارےمیں استفسار کیا سعد نے جواب میں کہا کہ اگر معاویہ نے یہ کام کیا تو میں رسول خداؐ کی مسجد سے باہر چلا جاؤں گا اور پھر کبھی بھی مسجد نبوی میں داخل نہیں ہوں گا۔ معاویہ نے یہ پیغام اور ردعمل سننے کے بعد سب وشتم سے پرہیز کیا۔ یہاں تک کہ سعد فوت ہوگئے۔ سعد کی وفات کے بعد معاویہ نے منبر سے حضرت علیؑ پر لعنت کی اور اپنے تمام اہلکاروں کو حکم دیا کہ منبروں سے حضرت پر لعن وسب کریں۔ اُن سب نے بھی یہی کام کیا۔ اس بات کا جب جناب ام سلمہ زوجہ پیغمبر کو پتہ چلا تو انہوں نے معاویہ کے نام ایک خط میں یوں لکھا کہ "تم کیوں منبروں سے خدا اور رسولؐ پر سب ولعن کرتے ہو! کیا تم یوں نہیں کہتے ہو کہ علیؑ اور اسکے چاہنے والوں اور محبت کرنیوالوں پر لعنت، میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ، حضرت علیؑ سے محبت کرتا ہے اور رسول

خدا بھی حضرت علیؑ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ پس حقیقت میں تم خدا اور رسول خداؐ پر سب ولعن کرتے ہو" معاویہ نے جناب ام سلمہ کا خط پڑھا لیکن اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔ **(العقد الفرید، جلد ۲ ص ۳۶۶ و جواہر المطالب فی مناقب الامام علی ابن ابی طالب، جلد ۲ ص ۲۲۸ تالیف محمد بن احمد الدمشقی الشافعی، متوفائے قرن نہم ہجری کی قمری)**۔ کیا اس قسم کے برے کام عدالت کے ساتھ سازگار ہیں؟ کیا کوئی عاقل یا عادل انسان یہ جرات کرسکتا ہے کہ حضرت علیؑ جیسی باعظمت شخصیت کو اس شرمناک انداز اور اتنے وسیع پیمانے پر گالیاں دے۔

ایک عرب شاعر یوں کہتا ہے:۔

اعلی المنابر تعلنون بسبه　　　وبسیفه نصبت لکم اعوادها؟!

کیا منبر سے اس شخصیت پر لعن کرتے ہو جس کی تلوار کی برکت سے یہ منبر قائم ہوئے ہیں۔

﴿۷۔ اصحاب پیغمبرؐ کی اقسام﴾

رسول خداؐ کے اصحاب کو۔ قرآن مجید کی گواہی کے مطابق۔ پانچ اصلی گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ پاک وصالح:۔ یہ افراد مومن اور با اخلاص تھے۔ ایمان ان کے دل کی گہرائیوں میں نفوذ کر چکا تھا۔ یہ لوگ راہ خدا میں اور کلمہ اسلام کی بلندی کے لئے کسی قسم کے ایثار اور قربانی سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ یہ وہی گروہ ہے جس کی طرف سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۱۰۰ میں اشارہ ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی تھا اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کے الطاف پر راضی تھے۔ **ة:۱۰۰ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ**

۲۔ مومن خطا کار:۔ یہ وہ گروہ ہے جو ایمان اور عمل صالح رکھنے کے باوجود کبھی کبھار

لغزش کا شکار ہو جاتے تھے اور اعمال صالح اور غیر صالح کو آپس میں مخلوط کر دیتے تھے۔ اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے تھے۔ ان کے عفو بخشش کی امید ہے جیسا کہ سورہ توبہ کی آیۃ ۱۰۲ میں پہلے گروہ کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس گروہ کا تذکرہ کیا ہے۔

ق ۱۰۲ وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا ط عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ہ

۳۔ گناہگار افراد:۔ یہ وہ گروہ ہے جس کے لیے قرآن مجید نے فاسق کا نام انتخاب کیا ہے۔ کیا اگر فاسق تمہارے لیے خبر لائے تو بغیر تحقیق کے قبول نہ کرنا۔ سورہ حجرات کی آیت نمبر ۶ میں اس مطلب کی طرف اشارہ ہوا ہے ق ۶ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اس آیت کا مصداق شیعہ وسنی تفاسیر میں ذکر کیا گیا ہے۔

۴۔ ظاہری مسلمان:۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اسلام کا دعویٰ کرتے تھے لیکن ایمان ان کے دلوں میں داخل ہوا تھا۔ سورہ حجرات کی چودھویں آیت میں اس گروہ کی طرف اشارہ ہوا ہے ق ۱۴ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ط قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ۔

۵۔ منافقین:۔ یہ وہ گروہ ہے جو روح نفاق کے ساتھ مسلمانوں کے درمیان چھپے ہوئے تھے کبھی ان کی شناخت ہو جاتی اور کبھی نہ ہوتی تھی۔ یہ لوگ اسلام اور مسلمین کی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکانے سے باز نہیں رہتے تھے۔ سورہ توبہ میں ہی مؤمن و صالح گروہ کی طرف اشارہ کے بعد آیت ۱۰۱ میں ان منافقین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ق ۱۰۱ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ط وَمِنْ اَ

هْلِ الْمَدِیْنَةِ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ بے شک ان تمام گروہوں نے پیغمبر اکرم کا دیدار کیا تھا اور آنحضرتؐ کے ساتھ مصاحبت اور معاشرت رکھتے تھے۔ اور ان میں سے بہت ساروں نے غزوں میں شرکت کی تھی۔ اور ہم صحابہ کی جو تعریف بھی کریں ان پانچوں گروہوں پر صادق آتی ہے کیا سب کو اہل بہشت اور پاکیزہ شمار کیا جاسکتا ہے؟ کیا قرآن مجید کی صراحت کے بعد یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم راہ اعتدال کو اپنائیں اور اصحاب کو قرآن مجید میں بیان شدہ پانچ گروہوں میں تقسیم کریں اور ان میں سے نیک و باتقویٰ اصحاب کے لیے انتہائی احترام کے قائل ہوں اور دیگر گروہوں میں سے ہر ایک کو انکے مقام پر رکھیں۔ اور غلو، اور تعصب سے پرہیز کریں۔ (اور انصاف کے ساتھ قضاوت کریں)

﴿۸۔ تاریخی گواہی﴾

تمام اصحاب کی قداست کے عقیدے نے اس کی طرفداروں کے لئے بہت سی مشکلات ایجاد کی ہیں۔ ان عظیم مشکلات میں سے تاریخی حقائق ہیں۔ کیونکہ انکی معروف اور مورد اعتماد تاریخی کتاب میں حتی صحاح ستہ کی احادیث میں بعض صحابہ کی شدید لڑائی اور جنگ کے تذکرے ہیں ایسی صورتحال میں ہم فریقین کو عادل، مصالح اور صالح شمار نہیں کرسکتے ہیں کیونکہ یہ کام ضدین کے درمیان جمع کرنا ہے اور ضدین کے درمیان جمع نہ ہوسکنا ایک واضح عقلی فیصلہ ہے جس کا انکار ممکن نہیں ہے۔ جنگ جمل اور صفین کے علاوہ کہ جو طلحہ، زبیر اور معاویہ نے امام المسلمین حضرت علی علیہ السلام کے مقابلہ میں لڑیں اگر ہم حقائق سے چشم پوشی نہ کریں تو حتماً جنگ بھڑکانے والوں کی غلطیوں کا اعتراف کریں گے۔ اور اس سلسلہ میں بہت سے تاریخی شواہد موجود ہیں۔ اس مختصر کتاب میں ہم صرف تین نمونوں پر اکتفا کریں گے۔

۱۔ امام بخاری اپنی کتاب صحیح میں کتاب التفسیر میں مسئلہ افک کے بارے میں (زوجہ پیغمبرؐ کے

بارے میں جو تہمت لگائی گئی تھی) لکھتے ہیں: کہ ایک دن پیغمبر اکرمؐ پر تشریف لے گئے اور فرمایا اے مسلمانو! کون اس شخص کو سزا دے گا (مقصود عبداللہ بن سلول تھا جو منافقین کا ایک سرغنہ تھا) مجھے بتایا گیا ہے کہ اس نے میری بیوی پر تہمت لگائی ہے حالانکہ میں نے اپنی بیوی میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی۔۔۔۔۔۔سعد بن معاذ انصاری (مشہور صحابی) اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی، میں اس کو سزا دوں گا اگر یہ "اوس" قبیلہ سے ہوا تو میں اس کی گردن اڑا دونگا اور اگر یہ خزرج قبیلہ سے ہوا تو جو حکم آپ صادر فرمائیں گے ہم انجام دیں گے۔ سعد بن عبادہ، خزرج قبیلہ کا سردار کہ جو اس سے پہلے صالح آدمی تھا قبائلی تعصب کی وجہ سے سعد بن معاذ کو کہنے لگا خدا کی قسم تو جھوٹ بول رہا ہے تیری اتنی جرأت نہیں ہے کہ تو یہ کام کر سکے اسید بن حضیر (سعد بن معاذ کا چچازاد) کہنے لگا کہ خدا کی قسم تو جھوٹا ہے یہ شخص منافقین میں سے ہے ہم اسے ضرور قتل کریں گے۔ نزدیک تھا کہ قبیلہ اوس خزرج کی آپ میں جنگ چھڑ جائے۔ رسول خداؐ نے انہیں خاموش کرایا (**صحیح بخاری، جلد۵ ص ۵۷**) کیا یہ سب افراد صالح صحابی تھے؟

۲۔ معروف دانشمند "بلاذری" اپنی کتاب "الانساب" میں لکھتے ہیں کہ "سعد بن ابی وقاص" کوفہ کے والی تھے، حضرت عثمان نے انہیں معزول کر دیا اور "ولید بن عقبہ" کو انکی جگہ گورنر بنا دیا۔ عبداللہ بن مسعود اس دوران بیت المال کے خزانہ دار تھے جب ولید، کوفہ میں داخل ہوا تو اس نے عبداللہ ابن مسعود سے بیت المال کی چابیاں طلب کیں۔ عبداللہ نے چابیاں ولید کے سامنے پھینکتے ہوئے کہا کہ خلیفہ نے سنت (رسولؐ) کو تبدیل کر دیا ہے۔ سعد بن ابی وقاص جیسے آدمی کو معزول کر کے ولید جیسے آدمی کو اپنا جانشین منتخب کر لیا ہے؟ ولید نے حضرت عثمان کو خط میں لکھا کہ عبداللہ بن مسعود آپ پر تنقید کرتا ہے خلیفہ نے جواب لکھا۔ اسے حکومت کی نگرانی میں میرے پاس بھیج دیا جائے۔ جب عبداللہ بن مسعود مدینہ میں وارد ہوا تو خلیفہ منبر پر تھے جیسے ہی انکی نظر عبداللہ بن مسعود پر پڑی تو کہنے لگے برا جانور داخل ہو گیا ہے!

(اور بہت سی گالیاں دیں قلم جنہیں لکھنے سے شرم محسوس کرتا ہے) عبداللہ بن مسعود کہنے لگا میں ایسا نہیں ہوں، میں رسولخدا کا صحابی ہوں۔ جنگ بدر اور بیعت میں رضوان میں شریک تھا۔ حضرت عائشہ، عبداللہ کی حمایت کے لیے اٹھیں لیکن حضرت عثمان کا غلام، عبداللہ کو مسجد سے باہر لے گیا اور انہیں زمین پر پٹخا اور انکی پسلیاں توڑ دیں۔ **(انساب الاشراف، جلد ۶ ص ۱۴۷، تاریخ ابن کثیر، جلد ۷ ص ۱۶۳ و ۱۸۳ حوادث سال ۳۲ (خلاصہ)۔**

۳: بلاذری اپنی اسی کتاب انساب الاشراف میں نقل کرتے ہیں کہ مدینہ کے بیت المال میں بعض جواہرات و زیورات تھے حضرت عثمان نے ان میں سے کچھ زیورات اپنے گھر والوں کو بخش دیئے۔ جب لوگوں نے دیکھا تو کھلے عام اعتراض شروع کردیا اور انکے بارے میں سخت وگھٹیا باتیں کہیں حضرت عثمان کو غصہ آگیا اور وہ منبر پر گئے اور خطبہ کے دوران کہا ہم غنائم میں سے اپنی ضرورت کے مطابق اٹھائیں گے! اگرچہ لوگوں کی ناک زمین پر رگڑی جائے!! اس پر حضرت علی علیہ السلام نے کہا کہ "مسلمان خود تمہارا راستہ روک لیں گے"! جناب عمار یاسر نے کہا: سب سے پہلے میری ناک زمین پر رگڑی جائے گی! (اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ میں تنقید سے باز نہیں آؤنگا)

حضرت عثمان کو غصہ آگیا اور کہنے لگے تو نے میری شان میں گستاخی کی ہے۔ اس کو گرفتار کرلو۔ لوگوں نے جناب عمار کو پکڑلیا اور عثمان کے گھر لے گئے وہاں انہیں اسقدر مارا گیا کہ وہ بے ہوش ہوگئے۔ اس کے بعد انہیں جناب ام سلمہ (زوجہ پیغمبرؐ) کے گھر لایا گیا وہ اس وقت بے ہوشی کے عالم میں تھے یہاں تک کہ انکی ظہر، عصر اور مغرب کی نماز قضاء ہوگئی۔ جب انہیں ہوش آیا تو انہوں نے وضو کرکے نماز ادا کی اور کہنے لگے یہ پہلی بار نہیں ہے کہ ہمیں خدا کی خاطر اذیت و آزاد پہنچائی جارہی ہے۔ **(انساب الاشراف جلد ۶ ص ۱۶۱)** (ان واقعات کی طرف اشارہ تھا جنکا زمانہ

جاہلیت میں کفار کیطرف سے انہیں سامنا کرنا پڑا تھا)۔ہم ہرگز مائل نہیں ہیں کہ تاریخ اسلام کے اس قسم کے ناگوار حوادث کو نقل کریں (ترسم آزردہ شوی اورنہ سخن بسیا داست!) اگر ہمارے بھائی تمام صحابہ اور انکے تمام کاموں کے تقدس پر اصرار نہ کرتے تو شاید اتنی مقدار کے نقل کرنے میں بھی مصلحت نہیں تھی۔ اب سوال عمار یاسر) کو گالیاں دینے اور مارنے پیٹنے کی کیا توجیہ ہوسکتی ہے؟ ایک باعظمت صحابی کو مارا جائے کے اسکی پسلیاں ٹوٹ جائیں اور دوسرے کو اتنا مارا جائے کہ بے ہوش ہوجائے اوراس کی نمازیں قضا ہوجائیں۔

کیا یہ تاریخی شواہد کہ جنکے نمونے بہت زیادہ ہیں اجازت دیتے ہیں کہ ہم حقائق سے چشم پوشی کریں اور کہیں کہ تمام اصحاب اچھے اور انکے تمام کام صحیح تھے۔اور ایک جماعت سیاہ "صحابہ" کے نام سے بنادیں اور انکے تمام کاموں کا بلامشروط دفاع کریں۔کیا کوئی بھی عقلمند اس قسم کے افکار کو پسند کرتا ہے؟اس مقام پر پھر تکرار کرتے ہیں کہ رسول خداؐ کے اصحاب میں مؤمن، صالح اور پارسا افراد بہت سے تھے لیکن کچھ ایسے افراد بھی تھے جنکے کاموں پر تنقید کرنا چاہیے اور انکی تحلیل کرتے ہوئے انہیں عقل کے ترازو پر تولنا چاہیے اوراس کے بعد انکے بارے میں حکم لگانا چاہیے۔

﴿۹۔ پیغمبرؐ کے زمانے میں یا اس کے بعد بعض صحابہ پر حد کا جاری ہونا﴾

صحاح ستہ یا برادارن اہلسنت کی دیگر معروف کتابوں میں کچھ موارد ایسے دیکھنے کو ملتے ہیں جن میں بعض اصحاب، رسول خداؐ کے زمانے میں یا اس کے بعد ایسے گناہوں کے مرتکب ہوئے جن کی

حد وسزا تھی۔ لہٰذا اُن پر حد جاری کی گئی۔ کیا اس کے باوجود آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب عادل تھے؟ اور ان سے کوئی غلطی نہیں ہوئی؟ یہ کیسی عدالت ہے کہ ایسا گناہ کیا جائے جس پر حد جاری ہوتی ہو اور ان پر حد جاری ہونے کے بعد بھی عدالت اپنی جگہ محکم باقی رہتی ہے؟

ہم ذیل میں نمونہ کے طور پر چند موارد کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

الف) "نعیمان" صحابی نے شراب پی، پیغمبر اکرمؐ نے حکم صادر فرمایا اور اسے تازیانے مارے گئے۔ (**صحیح بخاری، جلد ۸ ص ۱۳، حدیث نمبر ۶۷۷۵، کتاب الحدود**)

ب) "بنی اسلم" قبیلہ کے ایک مرد نے زنائے محض کیا تھا۔ پیغمبر اکرمؐ کے حکم پر اسے سنگسار کر دیا گیا (**صحیح بخاری، جلد ۸ ص ۲۲، حدیث ۶۸۳۰**)

ج) واقعہ افک میں پیغمبر اکرمؐ کے حکم پر چند افراد پر حد قذف جاری کی گئی تھی (**المعجم الکبیر، جلد ۲۳ ص ۱۳۸ و کتب دیگر**)

د) پیغمبر اکرمؐ کے بعد عبدالرحمن بن عمر اور عقبہ بن حارث بدری نے شراب پی اور مصر کے امیر عمرو ابن عاص نے ان پر حد شرعی جاری کی۔ اس کے بعد عمر نے دوبارہ اپنے بیٹے کو بلایا اور دوبارہ اس پر حد جاری کی (**السنن الکبریٰ، جلد ۸ ص ۳۱۲ اور بہت سی کتب**)

ہ) ولید بن عقبہ کا واقعہ مشہور ہے کہ اس نے شراب پی اور مستی کے عالم میں صبح کی نماز چار رکعت پڑھا دی۔ اُسے مدینہ حاضر کر کے شراب کی حد اس پر جاری کی گئی۔ (**صحیح مسلم، جلد ۵، ص ۱۲۶ حدیث نمبر ۱۷۰۷**)۔ ان کے علاوہ اور بہت سے موارد ہیں، مصلحت کی خاطر جن کے ذکر سے اجتناب

کیا جارہا ہے۔اس کے باوجود کیا اب بھی ہم حقائق کے سامنے آنکھیں اور کان بند کرلیں اور کہہ دیں کہ سب اصحاب عادل تھے؟!

﴿۱۰۔ نادرست توجیہات﴾

ا۔تنزیہ اور ہر لحاظ سے تقدس کے نظریہ کے طرفدار جب متضاد حالات کے انبوہ سے روبرو ہوتے ہیں تو اپنے آپ کو اس توجیہ کے ساتھ قانع کرتے ہیں کہ سب صحابہ "مجتہد" تھے اور ہر ایک نے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کیا۔یقیناً یہ تو ضمیر اور وجدان کو فریب دینا ہے کہ یہ برادران اس قسم کے آشکار اختلافات میں اس بوگس توجیہ کا سہارا لیں۔کیا بیت المال کو ہڑپ کرنے کے بارے میں ایک معمولی سی تنقید اور سادہ سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے مقابلے میں ایک مومن صحابی کو اتنا مارنا کہ وہ بے ہوش اور اس کی نمازیں قضا ہوجائیں، اجتہاد ہے؟ کیا ایک اور مشہور صحابی کی پسلیاں توڑ دینا صرف اس اعتراض کی خاطر جو اس نے کیا کہ کیوں ایک شرابی (ولید) کو کوفہ کا حاکم متعین کیا گیا ہے، اجتہاد شمار ہوتا ہے؟ اس سے بڑھ کر امام المسلمین کے مقابلے میں کہ جو مقامات الٰہی کے ساتھ ساتھ تمام مسلمانوں کے منتخب کردہ اتفاقی خلیفہ تھے، صرف جاہ طلبی اور حکومت حاصل کرنے کی خاطر جنگ کی آگ بھڑکانا جس میں ہزاروں مسلمانوں کا خون بہہ جائے، اجتہاد شمار ہوتا ہے؟

اگر یہ موارد اور ان کی مثل، اجتہاد کی شاخیں شمار ہوتی ہیں تو پھر طول تاریخ میں ہونے والی تمام جنایات کی یہی توجیہ کی جاسکتی ہے۔اس کے علاوہ کیا اجتہاد صرف اصحاب میں منحصر تھا یا کم از کم چند صدیوں بعد بھی امت اسلامی میں کثرت کے ساتھ مجتہد موجود تھے بلکہ بعض علمائے اہلسنت کے اعتراف اور تمام علمائے شیعہ کے مطابق آج بھی تمام آگاہ علماء کے لئے اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے؟ جو افراد اس قسم کے بھیانک افعال انجام دیں کیا آپ انکے افعال کی توجیہ کرنے کو جائز سمجھتے ہیں؟! یقیناً ایسا نہیں ہے۔

۲: کبھی کہا جاتا ہے کہ ہمارا فریضہ یہ ہے کہ انکے بارے میں سکوت اختیار کریں۔

ق۔۱۳۴ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ

ہ (سورۃ بقرہ آیت ۱۳۴)

وہ ایک اُمت ہیں جو ہر گزر چکے انکے اعمال ان کے لیئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیئے۔ اور آپ سے انکے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائیگا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اگر ہماری سرنوشت میں موثر نہ ہوتے تو پھر یہ بات اچھی تھی۔ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کی روایات کو انکے توسط سے دریافت کریں اور انہیں اپنے لیئے نمونہ عمل قرار دیں۔ تو کیا اس وقت یہ ہمارا حق نہیں ہے کہ ثقہ اور غیر ثقہ اسی طرح عادل اور فاسق کی شناخت کریں تا کہ اس آیت "ق۔۶ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا" اگر فاسق تمہارے پاس خبر لائے تو تحقیق کرو" (سورۃ حجرات آیہ ۶) پر عمل کر سکیں۔

﴿۱۱۔ مظلومیت علیؑ﴾

جو بھی تاریخ اسلام کا مطالعہ کرے اس نکتہ کو با آسانی درک کر سکتا ہے کہ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ حضرت علی علیہ السلام جو علم و تقویٰ کا پہاڑ، پیغمبر اکرمؐ کے نزدیک ترین ساتھی اور اسلام کے سب سے بڑے مدافع تھے، انہیں اسطرح ہتکِ حرمت، توہین اور سب و شتم کا نشانہ بنایا گیا۔ انکے دوستوں کو اسطرح دردناک اذیتوں اور مظالم سے دوچار کیا گیا کہ تاریخ میں اسکی نظیر نہیں ملتی۔ وہ بھی ان افراد کیطرف سے جو اپنے آپ کو پیغمبر اکرمؐ کا صحابی شمار کرتے ہیں۔

چند نمونے ملاحظہ فرمائیے:

الف) لوگوں نے علی ابن جہم خراسانی کو دیکھا کہ اپنے باپ پر لعنت کر رہا ہے جب وجہ پوچھی گئی تو کہنے لگا: اس لئے لعنت کر رہا ہوں کیونکہ اس نے میرا نام علی رکھا ہے۔ (لسان المیزان، جلد۴ص ۲۱۰)۔

ب) معاویہ نے اپنے تمام کارندوں کو آئین نامہ میں لکھا: جس نے بھی ابوتراب (علی علیہ السلام) اور انکے خاندان کی کوئی فضیلت نقل کی وہ ہماری مسلک سے خارج ہے (اس کی جان و مال مباح ہے) اس آئین نامے کے بعد سب خطباء پوری مملکت میں منبر سے علی الاعلان حضرت علیؑ پر سب و شتم کرتے اور اُن سے اظہار بیزاری کرتے تھے۔ اس طرح ناروا نسبتیں انکی اور انکے خاندان کی طرف دیتے تھے۔ (النصائح الکافیہ ص ۷۲)۔

ج) بنوامیہ جب بھی سُنتے کہ کسی نومولود کا نام علی رکھا گیا ہے اسے فوراً قتل کر دیتے۔ یہ بات سلمۃ بن شبیب نے ابوعبدالرحمٰن عقری سے نقل کی ہے۔ (تہذیب الکمال، جلد۲۰، ص ۴۲۹ و سیر اعلام النبلاء، جلد۵ ص ۱۰۲)

د) زمخشری اور سیوطی نقل کرتے ہیں کہ بنوامیہ کے دور حکومت میں ستر ہزار سے زیادہ منابر سے سب علیؑ کیا جاتا تھا اور یہ بدعت معاویہ نے ایجاد کی تھی۔ (ربیع الابرار، جلد۲، ص ۱۸۶ و النصائح الکافیہ، ص ۷۹ عن السیوطی)

ہ) جس وقت عمر بن عبدالعزیز نے حکم دیا کہ اس بُری بدعت کو ختم کیا جائے اور نماز جمعہ کے خطبوں میں امیر المومنین علی السلام کو بُرا بھلا نہ کہا جائے تو مسجد سے نالہ و فریاد بلند ہوگئی اور سب عمر بن

عبدالعزیز کو کہنے لگے "ترکت السُنة ترکت السُنة" تو نے سنت کو ترک کر دیا ہے۔ تو نے سنت کو ترک کر دیا ہے۔ (العصائح الکافیہ، ص۱۱۶ و جیمتہ الصدیق الحیوب، تالیفِ سقاف ص ۵۹)۔ یہ سب اس صورت میں ہے کہ برادارنِ اہلسنت کی معتبر اور صحیح کُتب کی روایت کے مطابق پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ "من سب علیا فقد سبنی ومن سبنی فقد سب الله" جس نے علیؑ کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی اور جس نے مجھے گالی دی اس نے خدا کو گالی دی!!" (اخرجه الحاکم و صححه واقره الذہبی (مستدرک الصحیحین، جلد۳، ص۱۲۱)

﴿۱۲: ایک دلچسپ داستان﴾

حُسن اختتام کے طور پر شاید اس واقعہ کو نقل کرنے میں کوئی مضائقہ نہ ہو کر جو خود ہمارے ساتھ مسجد الحرام میں پیش آیا ہے۔ ایک دفعہ جب عمرہ پر جانے کا اتفاق ہوا تو ایک رات ہم مغرب وعشاء کی نماز کے درمیان مسجد الحرام میں بیٹھے تھے کہ کچھ علماء حجاز کے ساتھ تمام اصحاب کے تقدس کے بارے میں ہماری بحث شروع ہوگئی، وہ معمول کے مطابق اعتقاد رکھتے تھے کہ اصحاب پر معمولی سی بھی تنقید نہیں کرنا چاہیئے۔ ہم نے اُن کے ایک عالم کو مخاطب کر کے کہا: آپ فرض کیجئے کہ اس وقت "جنگ صفین" کا میدان گرم ہے۔ آپ دو صفوں میں سے کس کا انتخاب کریں گے؟ صفِ علیؑ کا یا صف معاویہ کا؟ کہنے لگے: یقیناً صفِ علیؑ کا انتخاب کروں گا۔ میں نے کہا: اگر حضرت علیؑ آپ کو حکم دیں کہ یہ تلوار لے کر معاویہ کو قتل کر دیں تو آپ کیا کریں گے؟

کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگے کہ معاویہ کو قتل کردوں گا لیکن اس پر کبھی بھی تنقید نہیں کرونگا! ہاں یہ ہے غیر منطقی عقائد پر اصرار کرنے کا نتیجہ کہ اس وقت دفاع بھی غیر منطقی ہوتا ہے اور

انسان سنگلاخ میں پھنس جاتا ہے۔ حق یہ ہے کہ یوں کہیں: قرآن مجید اور تاریخ اسلام کی شہادت کے مطابق، اصحاب پیغمبر اکرمؐ ایک تقسیم کے مطابق چند گروہوں پر مشتمل تھا۔ اصحاب کا ایک گروہ تھا جو شروع میں پاک، صادق اور صالح تھا اور آخر تک وہ اپنے تقویٰ پر ثابت قدم رہے۔ "عاشوا اسعداء و ماتو السعداء" انہوں نے سعادت کی زندگی گذاری اور سعادت کی موت پائی۔ ایک گروہ ایسا تھا جو آنحضرتؐ کی زندگی میں تو صالح اور پاک افراد کی صف میں تھے لیکن بعد انہوں نے جاہ طلبی اور حب دنیا کی خاطر اپنا راستہ تبدیل کرلیا تھا۔ اور ان کا خاتمہ خیر و سعادت پر نہیں ہوا (جیسے جمل و صفین کی آگ بھڑکانے والے) اور تیسرا گروہ شروع سے ہی منافقوں اور دنیا پرستوں کی صف میں تھا۔ اپنے خاص مقاصد کی خاطر وہ مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے تھے جیسے ابوسفیان وغیرہ یہاں پر ہے گروہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہم یوں کہیں گے۔

۱۰ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ م بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (سورہ حشر آیت ۱۰)

حضرات اگر قلب ایمانی کے ساتھ دیکھیں تو ان کو پتہ چلے گا کہ حضرت علی علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد، اعلم اور اشجع الناس تھے تاریخ گواہ ہے کہ صحابہ کے اعلم ترین لوگ مشکلات میں حضرت علیؑ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے اور خود حضرت عمر نے ستر مرتبہ سے زیادہ اپنی عمر میں کہا تھا: میری مشکلات کا حل علیؑ ہیں اگر علیؑ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا اور مجھے نجات نہ ملتی وغیرہ وغیرہ، اگر چہ علی علیہ السلام خدا کی اجازت اور اس کے اذن سے حلال مشکلات ہیں لہذا اس میں ضرور کوئی راز مضمر نظر آتا ہے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کی آڑ میں بھی کوئی ہدف موجود تھا۔

اگر علی نہ ہوتے
تو میں ہلاک ہو جاتا

اکابر علمائے اہل سنت نے اس روایت کو تقریباً اتفاق کے ساتھ نقل کیا ہے چنانچہ مطلب کی وضاحت اور اتمام حجت کے لئے بعض اسناد کی طرف اشارہ کرتا ہوں:

(۱) قاضی فضل اللہ بن روزبہان نے ابطال الباطل میں:

(۲) ابن حجر عسقلانی متوفی، سنہ ۸۵۲ھ نے تہذیب التہذیب مطبوعہ مصر و حیدر آباد دکن ص ۳۳۷ میں۔

(۳) نیز ابن حجر اصابہ ج ۲ مطبوعہ مصر ص ۵۰۹ میں۔

(۴) ابن قتیبہ دینوری متوفی سنہ ۲۷۶ھ نے مختلف الحدیث صفحہ ۲۰۴،۲۰۱ میں

(۵) ابن حجر مکی متوفی سنہ ۹۷۴ھ صواعق محرقہ، ص ۸۷ میں۔

(۶) احمد آفندی نے ہدایۃ المرتاب ص ۱۴۶، ۱۵۷، میں

(۷) ابن اثیر جزری متوفی سنہ ۶۳۰ھ نے اسد الغابہ جلد ۴، ص ۲۲، میں۔

(۸) جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں۔

(۹) ابن عبد البر قرطبی متوفی سنہ ۴۶۳ھ، نے استیعاب جلد ۲، ص ۴۷۴، میں۔

(۱۰) سید مومن شبلنجی نے نور الابصار ص ۷۳، میں۔

(۱۱) شہاب الدین احمد بن القادر عجیلی نے ذخیرۃ المآل میں۔

(۱۲) محمد بن علی الصبان نے اسعاف الراغبین ص ۱۵۲ میں۔

(۱۳) نور الدین ابن صباغ مالکی متوفی سنہ ۸۵۵ھ، نے فصول المہمہ ص ۱۸ میں۔

(۱۴) نور الدین علی بن عبداللہ سمہودی متوفی سنہ ۹۱۱ھ، نے جواہر العقدین میں۔

(۱۵) ابن ابی الحدید معتزلی متوفی سنہ ۶۵۵ھ، نے شرح نہج البلاغہ جلد ا ص ۶ میں۔

(۱۶) علامہ قوشچی نے شرح تجرید ص ۴۰۷ میں احمد حنبل سے۔

(۱۷) خطیب خوارزمی نے مناقب ص ۴۸، ۶۰ میں۔

(۱۸) محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السوول فصل ششم ص ۲۹ میں۔

(۱۹) امام احمد بن حنبل نے فضائل عمر میں۔

(۲۰) سبط ابن جوزی نے تذکرۃ الخواص ص ۸۵، ۸۷ میں۔

(۲۱) امام ثعلبی نے تفسیر کشف البیان میں۔

(۲۲) علامہ ابن قیم جوزی نے طرق الحکمتہ میں حضرت عمر کے متعدد قضایا نقل کرتے ہوئے ص ۴۱ سے ۵۳ تک۔

(۲۳) محمد بن یوسف گنجی شافعی متوفی سنہ ۶۵۸ھ نے کفایۃ الطالب باب ۵۷ میں۔

(۲۴) ابن ماجہ قزوینی نے سنن میں۔

(۲۵) ابن مغازلی شافعی نے مناقب میں۔

(۲۶) ابراہیم بن محمد حموینی نے فرائد السمطین میں۔

(۲۷) محمد بن علی بن الحسن الحکیم ترمذی نے شرح فتح المبین میں۔

(۲۹) سلیمان حنفی نے ینابیع المودہ باب ۱۴، میں۔

(۳۰) حافظ ابو نعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء اور مانزل القرآن فی علی میں۔

المختصر یہ کہ اہل سنت کے دوسرے بہت سے جلیل القدر علماء نے مختلف الفاظ و عبارت کے ساتھ خلیفہ دوم حضرت عمر کے اقوال حضرت علی علیہ السلام سے استمداد کے بارے میں نقل کیے ہیں اور زیادہ تر ان قضیوں کے مواقع درج کرتے ہوئے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے: "لولا علی

لھلک عمر "اگر علی نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔

بعض وہ مواقع جہاں علی علیہ السلام نے خلفاء کو نجات دلائی اور انہوں نے اقرار کیا کہ اگر علی نہ ہوتے تو ہم ہلاک ہو جاتے۔ اس کی تفصیل روایات میں ملتی ہے لیکن اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں لہذا ترک کرتے ہیں اسی طرح اہل سنت کے بعض کتابوں میں اس طرح آیا ہے کہ علیؑ حلال مشکلات ہیں حالانکہ خود علیؑ نے اپنی زندگی میں کسی سے بھی کچھ نہ پوچھا۔ (مناقب خوارزمی ص ۴۸، استیعاب ج ۲، ص ۳۹ تذکرۃ الخواص، ص ۸۷، مطالب السئول ص ۱۳، تفسیر نیشاپوری فیض القدیر ج ۴، ص ۳۵۷، میں درج ہے کہ اس حدیث کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث معتبر ہے)۔

المختصر یہ کہ عمر ابن خطاب نے جناب عباس کو استسقاء کے لئے وسیلہ بنایا ہے جیسا کہ گزشتہ روایت میں نقل ہوا اس روایت کو بعینہ ابن ابی الحدید معتزلی نے بھی نقل کیا ہے:

"اللهم انا نتقرب اليك بعم نبيك و بقية آبائه و كبرر جاله فاحفظ اللهم نبيك في عمه فقد دلونا به اليك مستشفعين و متستعفرين"۔ (شرح نہج البلاغہ، ج ۲، ص ۲۵۶)۔

خداوندا! ہم تیرے پیغمبرؐ کے چچا اور ان کے بزرگ آباؤ اجداد کے ذریعہ سے تیری طرف وسیلہ اختیار کرتے ہیں پس میرے معبود اپنے نبی کی منزلت ان کے چچا کے ذریعہ سے محفوظ رکھ۔

پس گزشتہ روایت سے استفادہ ہوتا ہے کہ حضرت عمر وسیلے کے قائل تھے لہذا اس صورت کے ہوتے ہوئے حضرت عمر کے ماننے والے جو وسیلہ کے قائل نہیں ان کی مثال بالکل دیگ سے زیادہ چمچہ

گرم ہونے والی مثال ہے۔ کیونکہ حضرت عمر تو احتیاج اور اضطرار کے وقت عترت اور اہل بیتؑ کو اپنا شفیع قرار دیتے ہیں اور ان ہستیوں کے وسیلے سے بارگاہ الٰہی میں طلب حاجات کرتے تھے تو ان پر کوئی اعتراض نہیں لیکن جب ہم شیعہ اس برگزیدہ خاندان نبوت و رسالت کو عند اللہ شفیع بناتے ہیں اور ان کا توسل اختیار کرتے ہیں تو نادان لوگ سخت اعتراض کرتے ہیں اور ہمیں کافر مشرک سمجھتے ہیں اگر آل محمدؑ کو عند اللہ وسیلہ قرار دینا شرک اور کفر ہے تو آپ ہی کے علماء کی معبر و مستند روایتوں کے مطابق خلیفہ ثانی حضرت عمر ابن خطاب قطعاً پہلے مشرک ٹھہرتے ہیں اور اگر خلیفہ کا عمل کفر و شرک نہیں بلکہ یہ ایک مستحسن اور مستحب عمل ہے تو یقیناً شیعوں کے یہ اعمال بھی مستحسن اور خیر ہوں گے، کیونکہ آل محمدؐ سے توسل ہرگز شرک نہیں ہو سکتا لہٰذا اہل سنت کو چاہیے کہ قطعی طور پر اپنی باتیں چھوڑ دیں بلکہ استغفار کریں کیونکہ پاک اور موحد شیعوں کی طرف ایسی نسبت دی ہے تاکہ غضب الٰہی کے مستحق نہ بنیں، اس لئے کہ جب خلیفہ ثانی حضرت عمر بزرگ صحابہ کی ہمراہی میں بھی دعا کریں چاہے جس قدر دعا کریں لیکن بغیر اہل بیت رسولؐ کے وسیلے کا کوئی نتیجہ تام برآمد نہ ہو تو آپ کیونکر امید رکھتے ہیں کہ ہم بغیر واسطے اور سہارے کے دعا کر کے کامیاب ہو جائیں گے؟

پس آل محمد علیہ السلام عہد رسولؐ سے لے کر ہمارے موجودہ زمانے تک ہر دور میں خدا کی طرف بندوں کے وسیلے تھے اور ہیں۔ ہم لوگ بھی حاجت روائی میں ان کی خود مختاری کے قائل نہیں ہیں لیکن یہ ضروری ہے کہ ان کو خدا کی اجازت و اذن سے صالح، معصوم اور مقرب بندہ سمجھتے ہیں لہٰذا اپنے اور خدا کے درمیان وسیلہ قرار دیتے ہیں اور اس مقصد پر سب سے بڑی دلیل ہماری دعاؤں کی کتابیں ہیں کیونکہ ائمہ معصومین علیہ السلام سے تمام ماثورہ دعاؤں میں ہمیں اس بات کی طرف ترغیب دلائی گئی ہے اور ہم نے بھی اس طریقے کے خلاف نہ کوئی عمل کیا ہے اور نہ کریں گے۔ امید ہے آپ سنی سنائی باتوں کو چھوڑ دیں گے اور اپنے بڑے بڑے علماء اور ان کی قدیم کتابوں کو ملاحظہ کرتے ہوئے راہ

راست پر آجائیں گے۔ اہل ذکر کون ہیں؟

﴿فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون﴾

اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے سوال کرو۔

تفسیری طبری اور تفسیر ابن کثیر میں مرقوم ہے کہ اہل ذکر سے مراد آئمہ معصومین علیہ السلام ہیں، یہی وہ حضرات ہیں جن کو خدا نے منتخب فرمایا ہے:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌ م بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ہ (پ۲۲، سورۂ فاطر، آیت ۳۲)

﴿پھر ہم نے اس کتاب کا وارث ان افراد کو قرار دیا جنھیں اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا کہ ان میں بعض اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض اعتدال پسند ہیں اور بعض خدا کے اذن و اجازت سے نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے ہیں اور درحقیقت یہی بہت بڑا فضل و شرف ہے﴾

(تفسیر طبری، ج ۱۴، ص ۱۰۹۔ تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۷۵۰)۔

واضح رہے آیت میں مذکورہ "منھم" کی ضمیر کا تعلق عام بندوں سے ہے منتخب بندوں سے نہیں، یعنی اللہ کے بندے تین طرح کے ہیں: بعض اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض اعتدال پسند اور بعض راہ خدا میں نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان تینوں قسموں سے جب انتخاب کرے گا تو آخری قسم کے ہوتے ہوئے دوسری دونوں قسموں کے انتخاب کا کائی سوال ہی نہیں اٹھتا اور پہلی قسم تو یوں بھی قابل انتخاب نہیں ہے اس بنیاد پر بعض مفسرین کا یہ قول کہ

کتاب سے مراد گزشتہ کتب ہیں اور وارث اسلامیہ ہے یہ انتہائی بے معنی قول ہے اس لئے کہ امت اسلامیہ میں ایسے بے شمار افراد پائے جاتے ہیں جو انسانوں کی نگاہ میں قابل انتخاب نہیں ہیں۔ تو پروردگار کا کیا ذکر ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ وارثان کتاب وہ معصومینؑ ہیں جنھیں پروردگار نے علم، فضل، تقویٰ اور طہارت کی بنیاد پر منتخب کیا ہے اور انھیں پیغمبر اسلامؐ نے ثقلین کا ایک فرد بنا کر چھوڑا ہے چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں علامہ زمخشری اپنی تفسیر کشاف کی جلد ۲، ص ۴۶۲، سطر ۵، مطبوعہ مصر، پر تحریر کرتے ہیں کہ ان بندوں سے آپ کی امت کے وہ صحابہ اور تابعین و تبع تابعین مراد ہیں جو قیامت تک کتاب خدا کے سچے وارث اور اس کے مطابق ہادی ہوں گے جن کو خدا نے ﴿امة وسطاً لتکون شهداء علی الناس﴾ فرمایا ہے۔

محترم قارئین! مذکورہ آیت کی تفسیر شواہد التنزیل، حاکم ابو القاسم کے مطابق خدا کی حجت اور خلق خدا کے گواہ امام المتقین امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور ان کی اولاد ہیں لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ کتاب خدا کے وارث بھی یہی حضرات معصومین علیہ السلام قرار پائے اور عجب نہیں زمخشری کا بھی یہی مقصود ہوں کیونکہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد قیامت تک صحابہ، تابعین اور تبع تابعین میں ان حضرات کے سوا اور کون ہادی رہ سکتا ہے اور اسی کی تائید و تصدیق ابوبکر ابن مردویہ نے بھی کی ہے چنانچہ صاف کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے یہی وجہ ہے کہ بقول ابن حجر تمام صحابہ میں جناب امیر کے سوا کسی نے بھی "سلونی سلونی قبل ان تفقدونی" (میری موت کے قبل مجھ سے جو چاہو پوچھ لو!) کا دعویٰ کیا۔ (صواعق محرقہ، ص ۱۷۸، مطبوعہ قاہرہ آیت ۱۹۳)۔

ظاہر ہے کہ اگر آپ کتاب خدا کے وارث نہیں ہوتے تو ایسا دعویٰ نہیں کرتے، اسی بنا پر تو آپ فرمایا کرتے تھے: خدا کی قسم کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر میں جانتا ہوں کہ کس کے بارے میں

نازل ہوئی ہے۔ پس ان ہی حضرات کی مدح میں تیسرے قسم سابق بالخیرات فرمایا ہے یہی حضرات ہیں جو سابق بالخیرات اور وارث کتاب ہیں چنانچہ ایک روایت میں نقل ہوا ہے:

جب یہ حضرات بہشت میں داخل ہوں گے تو بہشتی غلمان کچھ فرشتوں کے ساتھ ان کے استقبال کو بڑھیں گے اور خدا کی طرف سے پانچ انگوٹھیاں تحفے میں پیش کریں گے اور ان میں ان میں سے ایک پر: ﴿سلام طبتم فادخلوها خالدين﴾ دوسرے پر ﴿ادخلوها بسلام آمنين﴾ تیسری پر ﴿سلام عليكم بما صبرتم﴾ چوتھے پر ﴿انی جزيتم اليوم بما صبروا انهم الفائزون﴾ اور پانچویں پر ﴿اولئك الذين انعم الله عليهم﴾ لکھا ہوگا اور جب یہ حضرات بہشت میں داخل ہو جائیں گے اور اپنی جگہ پہنچیں گے تو بے ساختہ کہیں گے: "الحمد لله الذی اذهب عنا الحزن" (تمام تعریفیں اس خدا کی جس نے ہم سے غم کو دور کیا) (شبہائی پیشاور)۔

بہر حال لوگوں کو کتاب خدا اس لئے دی گئی تھی تا کہ وہ اس سے دستور زندگی حاصل کریں لیکن وہ تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے، ایک گروہ نے اس دستور زندگی سے انحراف کیا اور ابدی سعادت سے خود کو محروم کر کے اپنے اوپر ظلم کیا یہ لوگ اللہ کی برگزیدہ قوم سے بھی منحرف ہیں۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو اس برگزیدہ قوم سے بالکل منحرف بھی نہیں ہوتے اور اس حق کو بھی پورا نہیں کرتے جو ان پر ہے۔ تیسرا گروہ وہ ہے جو وارث کتاب کے ہونے کا حق ادا کرتا ہے۔ معصومین علیہم السلام کی روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ وارث کتاب کے مصداق اہل بیت علیہم السلام ہیں۔ انہیں لوگوں کو علم کتاب کا

وارث بنایا گیا ہے انہیں تمام باتوں کی وجہ سے رسول خداﷺ نے ان کو عدل قرآن اور ثقل ثانی قرار دیا اور مسلمانوں کوان دونوں سے تمسک کا حکم دیا، چنانچہ حدیث ثقلین میں اس طرح وارد ہوا ہے:

شفاعت اور توسل
قرآن و احادیث کی روشنی میں

"ترکت فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی ابداً"

(صحیح ترمذی، ج۵،ص۳۲۰، سنن نسائی امام احمد)۔

صحیح مسلم اس طرح نقل ہوا ہے:

"یوشک ان یاتی رسول اللہ فاجیب وانی تارک فیکم الثقلین اولھما کتاب اللہ فیہ الھدی والنوروا اھل بیتی اذکر کم اللہ فی اھل بیتی، اھل بیتی اذکر کم اللہ فی اھل بیتی، واھل بیتی اذکر کم اللہ فی اھل بیتی واھل بیتی اذکر کم اللہ فی اھل بیتی واھل بیتی اذکر کم اللہ فی اھل بیتی" (آخری جملہ تین مرتبہ فرمایا) (صحیح مسلم ج۲،ص۳۶۲، باب فضائل علی علیہ السلام صحیح ترمذی ج۵ ص۳۲۸، مستدرک حاکم ج۳، ص۱۴۷، مسند امام احمد حنبل ج۳، ۱۷)۔

قریب ہے کہ میرے رب کا قاصد آجائے اور میں لبیک کہوں، (دیکھو)

میں تمھارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں پہلی چیز قرآن ہے جس مین ہدایت اور نور ہے اور دوسری چیز میرے اہلبیتؑ ہیں اہل بیتؑ کے بارے میں تمھیں خدا یاد دلاتا ہوں (یہ آخری جملہ حدیث میں تین مرتبہ تکرار فرمایا)

﴿بیت سے تمسک اور توسل رکھنے کا حکم﴾

یہ حدیث ہماری محکم دلیل ہے کہ ہم خدا اور رسولؐ کے حکم سے قرآن کریم اور اہل بیتؑ سے تمسک اور توسل رکھنے پر نجات کے خواہ ہیں۔ تفصیل اہل سنت کی حسب ذیل معتبر اور مستند کتابوں میں دیکھیے۔

(مسلم بن حجاج، صحیح مسلم جلد ۵، ص ۱۲۲، ترمذی، صحیح ترمذی، ابوداؤد، سنن جزء دوم، ص ۳۰۷، نسائی، خصائص، ص ۱۳۰ امام حمد بن حنبل، مسند، جلد سوام ص ۱۴۔۱۷، وجلد ۴، ص ۲۶۔۵۹، جلد ۵، ص ۱۸۲، ۱۸۹، حاکم، مستدرک ج ۱، ۱۰۹، ۱۴۸، سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ۱۸۲، حافظ ابونعیم اصفہانی، حلیۃ اولیاء ج ۱، ص ۳۵۵ ابن اثیر جزری، اس الغابہ ج ۲، ص ۱۲، جلد ۳، ص ۱۴۷ احمید، جمع بین الصحیحین زرین، جمع بین الصحاح الستہ، طبرانی، معجم کبیر ذہبی، تلخیص مستدرک ابن عبدربہ، عقد الفرید جلد دوم، ص ۱۵۸، ۳۴۶ محمد ابن طلحہ شافعی، مطالب السؤول، خطیب خوارزمی، مناقب سلیمان ابن قندوزی، ینابیع المودۃ باب ۴، ص ۱۸، ۲۵، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۴، ۹۵، ۱۱۵، ۱۲۶، ۱۹۹، ۲۳۰، میر سید علی ہمدانی، مودۃ القربی کی مودۃ دوم ابن ابی الحدید معزلی، شرح نہج البلاغہ جزء ششم، ص ۱۳۰، شبلنجی، نور الابصار، ص ۹۹ نور الدین ابن سباغ مالی، فصول المہمہ، ص ۲۵ جوینی، فرائد السمطین، امام ثعلبی، تفسیر کشف البیان، سمعانی اور ابن مغازلی شافعی نے مناقب میں محمد بن یوسف گنجی شافعی، کفایۃ الطالب، باب اول، دربیان صحت خطبہ غدیر خم وضمن باب ۶۲، ص ۱۳۰ محمد بن سعد کاتب، طبقات ابن سعد ج ۴،

ص ۸، فخر الدین رازی، تفسیر کبیر جلد ۳، آیہ عتصام کے ذیل میں، ص ۱۸، ابن کثیر دمشقی، تفسیر ج ۴، ضمن آیہ مودت، ص ۱۱۳، ابن حجر مکی، صواعق محرقہ، ص ۷۵، ۷۸، ۹۰، ۹۹، ۱۳۶)۔

خلاصہ یہ کہ اہل سنت کے اکابر علماء نے حدیث ثقلین کو نقل کیا ہے جن کا اس مختصر سی کتاب میں نقل کرنا مشکل ہے گویا یہ حدیث سند کے اعتبار سے حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہے یہی حال حدیث سفینہ کا ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مثل اهل بیتی کمثل سفینة نوح من سل بهم نجی ومن تخلف عنهم هلک"

میرے اہل بیتؑ کی مثال کشتی نوح کی مانند ہے جو ان سے تمسک کریگا وہ نجات یافتہ ہے اور جو ان سے روگردانی کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح طوفان اور آفات اور بلاؤں میں امت نوح کی نجات سفینہ کے ذریعہ سے تھی اسی طرح امت اسلام کو بھی حوادث و آفات و بلاؤں میں عترت کے دامن سے متمسک اور متوسل رہنا چاہیے تا کہ نجات حاصل ہو۔ اسی طرح جو ان سے دور اور الگ رہے گا وہ ہلاک اور بد بخت ہوگا اور قیامت تک ذلیل اور رسوا ہوگا۔ چنانچہ ابن حجر صواعق محرقہ میں آیت چہارم، ص ۹۰ پر اور ابن سعد نے حدیثیں اہل بیت رسالت و نبوت سے وابستہ رہنے کے وجوب میں نقل کرتے ہیں کہ رسول اسلامؐ نے فرمایا:

۱۔ "انا اهل بیتی شجرة فی الجنة و اغصانها فی الدنیا فمن شاء ان یتخذ الی ربه سبیلاً فلیتمسک بها"

میں اور میرے اہل بیتؑ جنت کے ایک درخت ہیں جس کی شاخیں

دنیا میں ہیں پس جو شخص خدا کی طرف راستہ چاہتا ہو اس کا اس سے تمسک ضروری ہے۔

۲۔"فی کل خلف من امتی عدول من اهل بیتی ینفول عن هذا الدین تحریف الضالین، وانتحال المبطلین و تاویل الجاهلین الا وائمتکم وفد کم الی الله عزوجل فانظرو امن توقدون"

میرے امت کیلئے ہر دور میں میرے اہل بیتؑ میں سے کچھ عادل افراد ہیں جو اس دین سے گمراہوں کی تحریف و باطل پرستوں کے دعوے اور جاہلوں کی تاویل کو دور کرتے رہتے ہیں۔ آ گاہ ہو جاؤ! یقیناً تمھارے آئمہ اللہ کی طرف سفیر ہیں پس یہ دیکھ لو کہ سفارت کس کے حوالے کرتے ہو۔

ابن حجر اس حدیث کو لکھنے کے بعد کہتے ہیں:

کشتی سے اس لئے تشبیہ دی ہے کہ جو ان سے محبت رکھے اور ان کی عظمت سمجھے اس نے خدا کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیا اور عدول اہل بیتؑ کے قول پر عمل کرنے سے مخالفوں کی ظلمتوں سے نجات پائے گا اور جو ان کی مخالفت کرے گا وہ کفران نعمت کے سمندر میں ڈوب جائے گا اور طغیان کے جنگلوں میں ہلاک ہو جائے گا۔ **(صواعق محرقہ، ص ۹۶، خورشید خاور، ص ۹۵)**۔

بہر حال اہل بیتؑ کی مثال سفینۂ نوح سے دی گئی ہے اور اس حدیث کے الفاظ مختلف صورتوں میں آئے ہیں چنانچہ ایک حدیث میں اس طرح آیا ہے:

"انما مثل اهل بيتى فيكم مثل سفينة نوح فى قومه من ركبها نجى ومن تخلف عنها غرق"

(مستدرک حاکم ج ۲، ص ۱۵۱ تلخیص الذہبی، ینابیع المودۃ ص ۲۰، ۳۰، ۳۷ صواعق محرقہ، ص ۱۸۴، ۲۳۴ تاریخ الخلفاء الجامع الصغیر، اسعاف الراغبین)

میرے اہل بیتؑ کی مثال تمھارے درمیان ایسی ہے جیسے قوم نوحؑ میں کشتی نوحؑ جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا اور جو الگ رہا وہ ڈوب گیا۔

ایک روایت میں اہل بیت علیہم السلام کی تشبیہ باب حطہ بنی اسرائیل سے دی ہے:

"انما مثل اهل بيتى فيكم باب حطة فى بنى اسرائيل من دخله غفرلة" (مجمع الزوائد ج ۹، ص ۱۶۸)

میرے اہل بیتؑ کی مثال تمھارے درمیان ایسی ہے جیسے بنی اسرائیل میں باب حطہ کی جو اس میں داخل ہوا وہ بخشا گیا۔

باب حطہ سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ خدا نے اس باب میں تواضع و انکساری کے ساتھ داخل ہونے کو سبب مغفرت قرار دیا تھا اور باب حطہ سے مراد یا تو باب اریحا ہے یا بیت المقدس، اسی طرح اس امت کیلئے اہل بیتؑ رسالت کی محبت کو بھی سبب مغفرت قرار دیا ہے۔ یہاں میں ابن حجر سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ حصول نجات کیلئے سفینۂ نوح پر سوار ہوئے اور باب حطہ میں داخل ہوئے؟ اور اہل بیتؑ کی ہدایت

پر عمل پیرا ہوئے؟ کیا آپ نے اپنی تقلید کرنے والوں کو نجات کا راستہ ابلاغ کیا؟ کیا آپ نے بتایا کہ اہدنا الصراط میں صراط سے مراد محبت اہل بیتؑ ہے؟ کیا آپ نے کہا کہ جو ان کی مخالفت کرے گا وہ کفران نعمت کے سمندر میں ڈوب جائے گا اور طغیان کے جنگلوں میں ہلاک ہو جائے گا؟ بہرحال ہم ان مومنین میں ہیں جو مسلمانوں کے خیر خواہ اور ہمیشہ اس کوشش میں ہیں کہ ان کی ہدایت و راہنمائی کریں۔ وہی ہدایت جو کشتی نجات ہے۔ جس کی رسول اسلامؐ نے امت کیلئے تقلین کی ہے لہذا ہمیں آخرت تک ناامید نہیں ہونا چاہئے اور مرتے دم تک انہیں خیر و خوبختی کی طرف دعوت دینا چاہئے جو سوائے جاویدانی بہشت کے اور کچھ نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

۱۔ "رحم اللہ وجلا رای حقا فاعان علیه اور ای جورا فرده وکان عونا بالحق علی صاحبه" (خطبہ نہج البلاغہ ۲۰۵، ص ۴۲۵)

خدا اس پر رحمت نازل کرے جو حق کو دیکھ لے تو اس پر عمل کرے یا ظلم کو دیکھ لے تو اسے ٹھکرا دے اور صاحب حق کے حق میں اس کا ساتھ دے۔

۲۔ "وقد سمع قوما من اصحابه یسبون اهل الشام ایام حربهم بصفین انی اکره لکم ان تکونوا اسبابین ولکنکم لو وصفتم اعمالکم وذکرتم حالهم کان اصوب فی القول وابلغ فی العذر وقلتم مکان سبکم ایاهم اللهم احقن دمائنا و دمائهم واصلح ذات بیننا وبینهم واهدهم من ضلا لتهم حتی یصرف الحق من جهله ویرعوی عن الغی والعدوان من لهج به ...." (نہج البلاغہ خطبہ ۲۰۶)

میں تمھارے لئے اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ تم گالیاں دینے والے ہو جاؤ، بہترین بات یہ ہے کہ تم ان کے حالات اور اعمال کا تذکرہ کرو تاکہ بات بھی صحیح رہے اور حجت بھی تمام ہو جائے اور پھر گالیاں دینے کے بجائے یہ دعا کرو کہ خدایا! ہم سب کے خونوں کو محفوظ کردے اور ہمارے معاملات کی اصلاح کر دے اور انھیں گمراہی سے ہدایت کے راستے پر لگا دے تاکہ ناواقف لوگ حق سے باخبر ہو جائیں اور باطل حرف کہنے والے اپنی گمراہی اور سرکشی سے باز آجائیں۔

بقول حضرت سلمان فارسیؓ:

اے کاش اگر امت نے اللہ، رسولؐ اور قرآن کو حق مانا ہوتا اور علیؑ کو بعد از رسولؐ امام مانا ہوتا تو مصاحب مصاحب نہ ہوتے مشاکل مشاکل نہ ہوتیں پرندے انکے تابع ہوتے مچھلیاں تک انکی مطیع رہتیں۔

از خودخلیفة اللہ بنانے کے کربناک تاحال نتائج

یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں آپ کے وصال سے وہ چیز قطع ہو گئی!!

ہمارے امام علی علیہ السلام نے فرمایا کہ **بابی انت و امی یا رسول اللہ لقد انقطع بموتک مالم ینقطع بموت غیرک من النبوۃ والا انبیاء واخبار السماء** (نہج البلاغہ جلد ۲ صہ ۲۵۵ مطبوعہ مصر) ترجمہ:۔ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں آپ کے وصال سے وہ چیز قطع ہو گئی جو آپ کے غیر کی موت سے قطع نہیں ہوئی تھی یعنی اخبار وحی اور اخبار آسمانی)

مزید براں

دیکھئے اصول کافی مطبوعہ ایران صہ ۸۱ ہمارے امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

لقد ختم اللہ لتابکم الکتب وختم نبیکیم الا نبیاء۔

ترجمہ:۔ اے اللہ کے بندوں اے امت محمدیہ تمہاری کتاب کے ساتھ تمام کتب کو ختم کر دیا گیا ہے اعتقادیہ شیخ صدوق صہ ۵۷ میں اعتقاد بعثت الرسول اعظم اور **اعتقاد فی الحوض الکوثر** اور **اعتقادد فی الشفا عت** دیکھیں۔

اور آئیے اب آپکا عقیدہ ملاحظہ ہو

آپ حضرات کا نہ تو خدا ہی منزہ ہے نہ ہی نبی معصوم ہیں اور نہ ہی آپ حضرات ختم نبوت کو مانتے ہیں اور نہ ہی عدل خداوندی کے قائل ہیں۔ آپ کے خدا کا تو یہ حال ہے کہ وہ اپنا پیر جہنم میں ڈالے گا (صحیح بخاری ج ۲ صفحہ ۹۸۵ اور کتاب الاسماء والصفات) بیہقی صہ ۳۵۲ مطبوعہ الہ باد ھند اور اللہ کی پنڈلی برہنہ ہو جائے گی اور اسکا بازو، ہاتھ انگلیاں اور ہتھیلی سب موجود ہیں ملاحظہ فرمائیں کتاب الاسماء والصفات صہ ۲۳۰ اور آپکے خدا کا تو یہ حال ہے کہ اسکا عدل خیر و شر ہر نیکی و بدی آپ حضرات اسی خدا ہی کے ذمہ لگا دیتے ہیں باقی رہا انبیاء کی عصمت کا حال تو آپ کی تفسیر کبیر ج ۸ صہ ۴۴۲ میں ہے۔ اہلسنت کے بعض علماء اس نتیجے پر بھی پہنچے کہ ابتداء میں رسول اعظم کافر تھے بعد از اللہ نے آنحضرت کی ہدایت کی اور آپ کو نبیؐ بنایا اور علامہ کلبی نے لکھا ہے **ووجدت ضالاً** یعنی اللہ نے اپنے حبیبؐ کو قوم کافر میں گمراہ پایا پس اپنے دین کی ہدایت کی (معاذ اللہ العیاذ باللہ)۔ حضرت یہ علامہ سعدی، کلبی، مجاہد وغیرہ کس مذہب کے ہیں اور تفسیر کبیر کس مسلک کی تفسیر ہے؟؟؟

لیکن اگر حضور اکرمؐ دعائے ابراہیم خلیل سے پاکیزہ اور امام و طاہرہ و مشرک کیوں کہتے۔ انما المشرک ون نجس کی رو سے تو مشرک نجس ہے اور جو نجس ہو گا وہ طاہر کیسا؟ اگر آپ حضرات کافر و مشرک نہیں کہتے ہیں تو یہ آپ کے علماء کون ہیں ان کی کتابوں کا کیا مطلب ہے اگر اب بھی تسلی نہ ہوئی ہو تو دیکھیئے فقہ اکبر صہ ۱۳۰ امام اعظم لکھتے ہیں "**والدار رسول اللہ ما تاعلی الکفر**" یعنی حضور کے والدین کریچن کافر تھے (نعوذ و باللہ) تفسیر کبیر ج ۴ صہ ۷ ادر باب ابا وابد و فخر الدین رازی لکھتے ہیں "**قالت الشیعتہ ان الد من اباء الرسول وابداۃ ماکان کافراً**۔ یعنی شیعہ اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضرتؐ کے آباؤ اجداد میں سے ہم کسی میں "**ولما اسما بنافقد زعموا ان والد رسول اللہ" کان کافرا** لیکن ہم

اہلسنت کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے والد کافر تھے (معاذ اللہ) یہ ہے آپکا عقیدہ آنحضرتؐ کے خاندان طاہرہ کی شرافت ونجابت کا کیا یہ ہی آپ کا اسلام ہے؟؟

باقی رہا اگر آپ لوگ ختم نبوت کے قائل ہوتے تو آپ ہی کے بھائی احمد قادیانی اصحاب ثلاثہ کی خلافت کو جان سے عزیز رکھنے والے صحاح ستہ کو مان کر اصول وفروعاً پیروکار آپ کے ساتھ مل کر نبوت کا دعویٰ کیوں کرتے؟؟ چنانچہ موضوعات مُلّا علی قاری حسن ۵۸ میں ہے "**فلا ینا قض قولہ تعالیٰ خاتم النبین اذا المغی انہ لا یا تی نبی بعدہٗ یسخ متلہٖ ولم یکن من امتہ۔ ترجمہ:** حضور ﷺ کے بعد کسی نبی کا آنا خدا کے قول "خاتم النبینؐ" کے مخالف نہیں ہے کیونکہ اس آیۃ کے معنی یہ ہیں کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا جو آپ کی ملت کو منسوخ کر دے اور آپ کی امت سے نہ ہو۔ اب خود اپنے دل سے پوچھیں مُلّا علی قاری اور مرزا قادیانی کے ترجمہ میں کیا فرق رہا اگر مرزا قادیانی کافر ہے تو آپ کا مُلا علی قاری کیا ہے؟؟؟ حضرت صاحب اب اکثر آپکی کتب صحاح میں سے ایک حدیث نقل کرتا ہوں جو اسلام کے بنیادی اصول پر شاہد ہے۔ مشکوٰۃ شریف صہ۱۲ **عن ابن عمر قال رسول اللہ نبی الا سلام علی خمس شہا دۃ ان ید الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ واقام الصلوٰۃ وایتا الذکوٰۃ والحج وصوم رمضان۔**

حضورؐ نے فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ ارکان میں ہے اولاً توحید ثانیاً نبوت ثالثاً نماز روزہ حج زکوٰۃ کا قائل ہو، فرمایئے ان میں سے کونسا ایسا رکن ہے جس کی شیعہ قائل نہیں ہیں جو خارج از اسلام ہیں؟ **حضرات:** اب ذرا اپنے عقائد ملاحظہ فرمایئے ساتھ ہی آپ کی کتب کے عکس بھی منسلک ہیں جو آپ Enlarge Photo Copy کر کے پڑھ بھی سکیں گے۔

ا۔حضور اکرمؐ کے بعد بھی کوئی نبی آسکتا ہے۔(تجوید الناس از مولوی طیب صہ ۲۵)

۲۔نبی کریم کافر و گمراہ تھے (معاذ اللہ)(کتاب تفسیر الکبیر الجزء ثامن مفاتیح الغیب)

۳۔شیطان نے رسول اللہ کی زبان پر بتوں کی تعریف جاری کر دی؟ صہ ۲۷ اغنیتہ الطالبین (عبدالقادر جیلانی)

۴۔رسول اللہؐ کے گھر میں شیطانی ساز بجائے جاتے تھے (بخاری شریف جلد اول صہ ۳۹۴ مطبع حامد کمپنی لاہور)

۵۔حضرت ابوبکر پیغمبر سے بڑے عالم تھے (الریاض النظرلہ من مناقب صہ ۱۹۱ (ابی جعفر احمد لشہیر بالمحب الطبری)

۶۔دیوبندی علماء نبی اکرمؐ کے استاد ہیں (براہین القاطعۃ صہ ۲۶ طبع کتب خانہ امدادیہ دیوبند)

۷۔نماز میں حضور اکرمؐ کا خیال گدھے کے خیال سے بدتر ہے (صراط مستقیم صہ ۱۶۱ طبع السلامی اکیڈمی لاہور از مولا احمد شہید)

۸۔نبی اکرم سے زیادہ ایک چھڑی زیادہ فائدہ مند ہے (الشمار الثاقب از مولانا حسین احمد، قباحب)

۹۔آنحضرت کی صفت خاص نہیں ہے۔

۱۰۔رسول اللہؐ کے والدین کافر تھے۔

(اقتفاء الصراط المستقیم از ابن تیمیہ اور المسکالمہ المھابیح صہ ۴۰۱) نعوذ باللہ، العیاز باللہ، معاذ اللہ)

لدھیانوی صاحب فرما ہے کیا یہی آپ کا مسلک ہے کیا یہی اسلام ہے جسکے اوپر رنگیلا رسول اور سلمان رشدی اور بنگالی خاتون وغیرہ وغیرہ اسلام کو تماشہ بناتے ہیں (استغفر اللہ ربی واتوب الیہ)

آپ کا وکالت

اصحاب اور ہمارے جوابات

پہلے حضرت عمر کا قول سنیئے حضرت ابو بکر کی بیعت بے سوچے سمجھے ناگہانی طور پر واقعہ ہوگئی تھی: اللہ نے اس کے شر سے بچالیا: اگر آئندہ کوئی اس طرح کرے تو اسے قتل کر دینا (صواعق محرقہ ص ۳۶) اب بتایئے اگر اس قول سے حضرت ابو بکر کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے تو پھر اس میں شائبہ شر کیوں اس کے اعادہ پر قتل کرنے کا فتویٰ حضرت عمر نے کیوں دے دیا! حضرت عمر کا قتل کرنے کا حکم دینا ثابت کرتا ہے کہ بیعت ابو بکر فتنہ تھا اور اس کا ارتکاب مستوجب سزائے موت ہے! لہذا تنقیص ثابت ہوئی نہ کہ فضیلت۔

اگر حضرت ابو بکر حضورؐ سے پوچھے بغیر خود تخت حکومت پر قابض ہو سکتے تھے تو پھر آخر انصار کے لئے حکم ممانعت کی عدم موجودگی میں کون سی ایسی بات تھی جو وہ امر حکومت سے محروم رہے گئے جب کہ حضورؐ نے نہ ہی کسی مہاجر کو اپنا خلیفہ نامزد فرمایا اور نہ ہی انصار میں سے کسی کو بلکہ ہمیشہ حضرت علی کو اپنا قائم مقام بناتے رہے! دعوت ذوالعشیرہ کے موقعہ پر ہی خلافت علویہؑ کا اعلان فرمادیا اور پھر اکثر ہر وہ لفظ حضرت علیؑ کے لئے ارشاد فرمایا جس سے آپ کا خلیفہ بلافصل ہونا ثابت ہوتا ہے اور کار رسالت ﷺ کا آخری کام حکم خدا سے علیؑ کو نامزد فرمانا ہوا۔ لوگوں نے عہد غدیر کی خلافت ورزی کرتے ہوئے حضرت علیؑ کو حکومت سے محروم کردیا حضور ﷺ نے اپنا فرض پورا کیا اور امت کو ثقلین کتاب اہلبیت کے سپرد کیا مگر امت نے حضور ﷺ کے اس حکم کو فراموش کرکے ہدایت کو چھوڑ دیا اور ضلالت کے گڑھے میں گرگئی!

اس عبارت سے حضرت ابو بکر کے خلوص کا ثبوت اسی صورت میں مل سکتا ہے جب وہ کوئی ایسا

ثبوت پیش کرتے کہ حضورؐ نے مجھے تو اپنا خلیفہ بنایا ہے مگر انصارین کو اس شرف سے محروم رکھا ہے حالاں کہ نہ ہی کوئی حکم حضرت ابو بکر کے لئے تھا اور نہ ہی انصار کے لئے لہذا دونوں کا پلہ خالی اور برابر تھا البتہ انصار کے ساتھ یہ خلوص اس طرح ہوتا کہ انہیں بھی برابر کا شریک کار کیا جاتا جیسا کہ حضور ﷺ نے رشتہ اخوت قائم کر کے مساوات کا درس دیا تھا۔لیکن یہاں تو انصار و مہاجرین میں سے کسی کو اختیار نہ تھا کہ معصوم نبی ﷺ کا قائم مقام غیر معصوم شخص کو چن لیتے جب کہ یہ کام ہی خدا اور رسول ﷺ کا تھا امت کو خواہ مخواہ ٹانگ پھنسانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

خلافت و امامت کے لئے نص درکار ہوتی ہے، معصوم منصوص ہوتا ہے اور غیر معصوم غیر منصوص پس محرومی عصمت کی وجہ سے غیر معصوم منصب خلافت الٰہیہ کے اہل نہیں ہوتا ہے! ایک شبہ کا ازالہ کر دینا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمام بری صفات سے پاک ہے مگر مجازی معنوں میں خود خدا نے اپنے کو مکار، جبار، قہار وغیرہ کہا ہے حالانکہ نہ ہی وہ ذات کسی سے مکر کرتی ہے نہ کسی پر جبر کرتی ہے اور نہ ہی قہر و ظلم جسطرح خدا نے یہ صفات مجازاً ارشاد فرمائی ہیں اسی طرح آئمہ برحق نے مجازاً خود کو خاطی و گنہگار کہہ کر بندگی خدا کی تعلیم دی ہے:

ہمیں حضرت ابو بکر کے ایسے اقوال پر کوئی بھی اعتراض نہیں ہے جن میں انہوں نے خود کے گنہگار اور غیر معصوم ہونے کا اقرار کیا ہے، کیوں کہ ان باتوں کا ان کی خلافت سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے اس لیئے کہ خلافت حقہ کے لئے عصمت شرط ہے اور حضرت ابو بکر اسی لئے کہا کرتے تھے " کہ میں خلیفہ نہیں ہوں بلکہ خالفہ ہوں " جب حضرت صاحب خود ہی حقیقت کے مقر تھے اور اپنے کو خلیفہ نہیں سمجھتے تھے تو پھر ان کی نام نہاد خلافت کا انکار کرنا کوئی جرم نہیں ہے چونکہ خلیفہ کے لئے عالم ہونا ضروری ہے جیسا کہ اللہ نے اپنے پہلے ارضی خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام کا تقرر علم ہی کیوجہ و باعث سے کیا اس

لئے خلیفہ کا جاہل ہونا براہ راست عجز خدا کا سبب ٹھہرتا ہے! لہذا آپ کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے ہم وہ اثبات پیش کر رہے ہیں جس سے حضرت ابوبکر کی قلت علم واضح ہو جاتی ہے، حضرت ابوبکر نے چوری کی سزا میں چور کا بایاں ہاتھ کٹوایا وہ پہلی مرتبہ کی چوری تھی اور یہی وجہ ہے کہ علماء اہل سنت نے حضرت صاحب کی اجتہادی غلطی مانی ہے: تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمالیں! نہایت العقول علامہ اہل سنتہ امام فخر الدین رازی اور تحفہ اثنا عشریہ وغیرہ۔

سوال:۔ باغ فدک کی حقیقت کیا ہے کسی باغ کا نام ہے یا بستی کا۔ اگر باغ کا نام ہے تو اس کے حدود اربعہ کیا ہے اور اگر بستی ہے تو پوری بستی کی ملکیت اور استحقاق میں جھگڑا ہے یا اس کے حصے میں۔ تفصیلی جواب درکار ہے۔

جواب:۔ فدک خیبر کے مضافات میں ایک زرخیز و شاداب بستی تھی جہاں پہلے پہل فدک ابن حام نے ڈیرے ڈالے اور اسی کے نام پر اس بستی کا نام فدک قرار پایا۔ خیبر کی مانند اس جگہ بھی یہود آباد تھے جنہوں نے آبپاشی کے وسائل مہیا کر کے افتادہ زمینوں کو آباد کیا اور باغات، نخلستان اور لہلہاتے کھیتوں سے اسے پرکشش و جاذب نظر بنا دیا۔ علامہ یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ اس خطہ ارض میں ابلتے ہوئے چشمے اور کثیر تعداد میں نخلستان تھے۔ (معجم البلدان جلد ۱۴، ص ۲۳۸)

فتح خیبر کے بعد پڑوس میں بسنے والوں پر مسلمانوں کی قوت کا ایسا دبدبہ بیٹھا کہ انہوں نے بغیر مقابلہ کئے اطاعت قبول کر لی چنانچہ اہل فدک نے بھی اپنی خیر اسی میں سمجھی کہ آراضی فدک سے دستبردار ہو کر پیداوار کے نصف حصہ پر مصالحت کر لی انہوں نے حضور کو پیغام بھیجا کہ ہم لڑنا نہیں چاہتے بلکہ جن شرائط پر اہل خیبر کو ان کی زمینوں پر زراعت کی اجازت دی گئی ہے ہمیں بھی انہی شرائط پر فدک

کی زمینوں پر زراعت کی اجازت دی جائے۔ حضورؐ نے اس تجویز کو منظور فرمالیا اور حضرت علیؑ کو اس بستی کے سردار یوشع بن نون کے پاس تفصیلات طے کرنے کے لئے مامور فرمایا۔ دونوں فریقوں کے درمیان یہ طے پایا کہ فدک کے باشندے زمینوں کی ملکیت سے دستبردار ہو کر بطور کاشتکار کام کریں گے اور نصف پیداوار خود لے کر باقی آدھی پیداوار آنحضرتؐ کو دیں گے۔ اس مصالحت کے نتیجے میں آراضی فدک رسول خداؐ کی ملکیت قرار پائیں۔ حکم قرآن کے مطابق کیونکہ اسلامی نقطۂ نظر سے جو علاقے مسلمانوں کی لشکر کشی کے نتیجے میں فتح ہوئے تھے ان میں مسلمانوں کے حقوق ہوتے تھے اور جو بغیر لڑے بھڑے مفتوح ہوتے تھے وہ رسول اللہؐ کی ملکیت قرار پاتے تھے۔ لہٰذا آراضی خطۂ فدک بھی حضورؐ کی ملکیت خالص ہوئی۔

اصطلاح شرع میں ایسے اموال کو "فے" اور "انفال" کہا جاتا ہے۔ پس یہ علاقہ خالص حضورؐ کی ملکیت تھا اور مسلمانوں کا اس پر کوئی حق نہ تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عمر کے اقرار کو نقل کیا گیا ہے کہ آپ فدک کو خالص حضورؐ کی ملکیت تسلیم کرتے تھے۔ اسی طرح علامہ طبری، بلاذری، یاقوت حموی اور دیگر تمام علمائے فدک کو رسول اللہؐ کی ملکیت خاصہ تسلیم کیا ہے۔ رسول مقبولؐ کی یہ جائیداد مسئلہ فدک میں باعث نزاع بنتی ہے۔

سوال:۔ مناقب فاخرہ (شیعی کتاب) کے ص ۱۷۸ سے پتہ چلتا ہے "فانها قرية كبيرة ذات نخل كثير" یعنی یہ بڑی بستی ہے جس میں بہت سے کھجور ہیں۔ بعینہٖ یہی روایت ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ص ۳۴۸ میں بھی موجود ہے کیا یہ تعریف حقیقت پر مبنی ہے یا نہیں۔

جواب:۔ اپنے مطالب کے اعتبار سے یہ تعریف غلط نہیں ہے۔

سوال:۔ اگر یہ حقیقت پر مبنی ہے تو انوار نعمانیہ شلیعی کتاب ص ۱۴ میں مسطور ہے فدک کے حدود اربعہ یہ ہیں:۔ حد اول عریش مصر، حد دوم دومتہ الجندل، حد سوم تیما، حد چہارم جبل اُحد فرمایئے کیا خیال ہے؟

جواب:۔ یہ حدود اربعہ مجازاً بیان ہوا ہے۔ جس طرح کہ ہم کہتے ہیں کہ حضورؐ دونوں جہان کے بادشاہ ہیں جبکہ تاریخی حقائق کے مطابق ساری دنیا پر آپؐ کی حکمرانی ثابت نہیں کی جاسکتی۔ اسی طرح آپ کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے ساری دنیا میں اسلام پھیلایا جبکہ فی الحقیقت پورے ایشیا میں بھی یہ ثابت نہیں ہوسکتا۔

ایسا حدود اربعہ بیان ہونے کا مقصد اصل یہ تھا کہ "فدک" ہی غصب نہیں کیا گیا ہے بلکہ ہم سے حکومت کرنے کا حق بھی چھین لیا گیا ہے اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی سلطنت کو استحکام خیبر و فدک کی آمدن ہی سے ہوا ہے ورنہ اس سے قبل مسلمان کو پیٹ بھر کر کھانے کو بھی نصیب نہ تھا۔ صحیح بخاری میں عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے کہ "فتح خیبر کے بعد ہمیں شکم سیر ہوکر کھانے کو ملا" (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۴۰) ابن چونکہ اسلامی ریاست کا استحکام ان ہی آرضیات کی آمدن سے ہوا ہے لہٰذا اس کے معنی میں ایسا حدود اربعہ بیان کیا گیا ہے۔ ورنہ مسئلہ فدک کے تنازعہ میں ان حدود کو بالواسطہ کوئی دخل نہیں ہے۔

سوال:۔ اسی مناقب ناضرہ (فاخرہ) میں یہ روایت بھی ہے کہ ہارون الرشید

نے امام موسیٰ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ فدک لے لیں۔ میں آپ کو واپس دیتا ہوں تو حضرت نے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ ہارون الرشید نے اصرار کیا تو امام نے فرمایا کہ خواہ مخواہ مجھ کو فدک دیتے ہو۔ (اگر دیتے ہو) تو پورے حدود دو۔ تو ہارون رشید نے کہا اس کے حدود کون سے ہیں۔ حضرت نے فرمایا حدود اول ملک مصر تو ہاروں کا رنگ فق ہو گیا حد دوم سمرقند ہے تو ہارون کا رنگ زرد ہو گیا۔ حد سوم افریکہ ہے تو ہارون کا منہ سیاہ ہو گیا حد چہارم سیف الجرز جو آرمینہ سے ملتا ہے فرمایئے ان دو تین حدود اربعہ میں سے کون سی حدود صحیح ہیں۔ براہ کرم دلائل سے غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح کر کے دکھائیں کیا اس قسم کے دلائل کے بل بوتے پر اہل سنت کے مقابلے پر شور برپا ہے۔

جواب:۔ اس اعتراض کا جواب گزشتہ سوال کے جواب میں دے دیا گیا ہے کہ دراصل امام کی مراد یہ تھی کہ اگر تم خلوص نیت سے حقوق اہل بیتؑ واپس کرنے کے متمنی ہو تو پھر حکومت ارضی ہمارا حق ہے۔ اپنے زیر امامت تمام سلطنت لوٹا دو۔ ورنہ محض فدک کو اب واپس لوٹا کر کیا فائدہ ہوگا اور معترض کی جہالت پر رونا آتا ہے کہ ایک واضح حقیقت کو اس طرح پوچ اعتراضات سے چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ فدک کے حدود سے حضرت ابوبکر بخوبی واقف تھے اور اس بحث میں صرف وہ ہی ارضیات مراد لی گئی ہیں جن کا دعویٰ سیدہؑ نے فرمایا۔ جسے ابوبکر واپس دینے پر آمادہ بھی ہو گئے جسے عمر عبدالعزیز نے واپس کیا اور ہارون نے خواہش کی۔

۔ فدک بطور صلح کے حضور کی خدمت میں پیش کیا گیا یا بطور مال غنیمت کے آیا تھا۔

اگر بطور مال غنیمت کے آیا ہے تو یہ خلاف واقع ہے اور اگر بطور صلح کے یہودیوں نے اپنی جان و مال بچانے کی غرض سے پیش کیا تو اسے مال فے کہا جائے گا فرمایئے یہ مال اسلام کے ملک میں تھا یا حضور کے ذاتی ملک میں؟

جواب:۔ فدک حضور کی خدمت میں بطور صلح پیش کیا گیا اور اسے فے یا انفال کہا جائیگا اس لئے قرآن کے مطابق حضور کی ذاتی ملکیت قرار پائے گا۔

جیسا کہ ارشاد ہے۔

ق۔۶ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ہ

یعنی جو کچھ خدا نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے دلوایا تم نے اس پر اونٹ اور گھوڑے نہیں دوڑائے تھے لیکن خدا اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے تسلط عطا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (سورۃ الحشر)

سوال:۔ اگر حضور علیہ السلام کے ذاتی ملک میں نہ تھا تو پھر یتیموں مسکینوں اور فقراء کو اس کے محصول سے دینے کے متعلق رب العالمین کا حکم کیسا جبکہ کوئی چیز کوئی کسی ملک میں ہو وہ خود متصرف ہوتا ہے اس کی مرضی آئے گی تو کسی کو دے گا ورنہ نہیں دے گا۔

جواب:۔ اللہ نے آپ سے عقل چھین لی ہے اگر آپ کی مزعومہ بات مان لی جائے تو فرمایئے زکوٰۃ خمس وعشر کے احکامات کیوں دیئے گئے جبکہ یہ سب ذاتی مال سے واجب الادا ہوتا ہے اور صاحب مال متصرف ہوا کرتا ہے۔

سوال:۔ اس کے باوجود کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ فدک کی زمین اور اس کا باغ حضرت نے اپنی زندگی میں تقسیم کر دیا ہو اگر ثابت ہے تو ثبوت درکار ہے اور اگر ثابت نہیں ہے تو پھر معلوم ہوا کہ یہ استحقاق زمین اور باغ کے متعلق نہیں ہے بلکہ اس کی آمد کے متعلق ہے فرمایئے کیا خیال ہے؟

جواب:۔ فدک رسول اللہؐ کی ملکیت خاصہ تھا اور جب آیۃ وات ذالقربی حقہ نازل ہوا تو حضورؐ نے ایک دستاویز کے ذریعہ اسے اپنی صاحبزادی فاطمہؑ زہرا کے نام منتقل کر دیا جو آنحضرتؐ کی زندگی تک انہی کے قبضہ وتصرف میں رہا۔ چنانچہ صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں کہ "جبرئیل نازل شد کہ خدامی فرماید کہ حق خویشان بدہ۔ رسول فرمودہ خوشیان کہانند۔ گفت فاطمہؑ۔ پیغمبرؐ فاطمہ راخواندو حجتے نوشت وآں وثیقہ بود کہ بعد از وفات رسول اللہؐ پیش ابو بکر اور دوگفت ایں کتاب رسول خدا است کہ برائے من وحسنؑ وحسینؑ نوشتہ است" ایسا ہی مضمون ملا معین کی کتاب معارج النبوۃ میں تحریر ہے پس ثابت ہوا کہ آنحضرتؐ نے فدک اپنی صاحبزادی کو اپنی حیات ہی میں عطا فرما دیا تھا۔

سوال:۔ جن روایات کو صاحب فلک النجاۃ نے پیش کیا ہے ان کو تملیک متفرقانہ پر محمول کیوں نہ کیا جائے۔

جواب:۔ جب کہ وثیقہ بابت ہبہ فدک بنام سیدہ فاطمہؑ موجود ہے تو پھر تملیک متفرقانہ پر محمول کیوں کیا جائے۔ اہم امر چھوڑ کر متفرقات کی بحث کو کیسے ترجیح دی جا سکتی ہے۔

سوال:۔ جب قرآنی آیات سے حضور علیہ السلام کا ملک بر فدک ثابت نہ ہوا تو کیا حضور علیہ السلام کو یہ حق حاصل ہے کہ جس چیز میں یتیم اور مسکین اور بیوہ عورتیں شریک ہوں وہ حضور علیہ السلام اپنی صاحبزادی کے ملک میں دے دیں۔

جواب:۔ لدھیانوی صاحب انصاف سے کام لیجئے۔ "وما افاء اللہ علی رسولہ منھم" والی آیت کیا متن قرآن میں شامل سمجھتے ہیں یا نہیں۔ اگر سمجھتے ہیں تو ملکیت رسولؐ ثابت ہے اور اگر نہیں سمجھتے تو پھر آپ مسلمان نہیں ہیں۔ فدک کی ملکیت تو خود حضرات شیخین نے تسلیم کی ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر نے کہا "فکانت خالصۃ لرسول اللہ (صحیح بخاری باب الخمس، باب المغازی، باب المیراث) یعنی فدک صرف رسول خداؐ کے لئے تھا۔ اسی طرح صحیح بخاری سے آپ کا قبضہ و تصرف ثابت ہے ملاحظہ فرمائیں (صحیح بخاری باب الخمس و باب المغازی) اب جب قرآن و حدیث سے ملکیت و قبضہ ثابت ہے تو پھر آپ کو کس بل بوتے پر انکار ہو سکتا ہے۔

سوال:۔ اگر فللہ وللرسول میں لام تملیک کا ہے تو للفقراء المہاجرین میں لام تملیک کا کیوں نہیں بناتے۔ جواب دیجئے۔

جواب:۔ جو حصہ ملکیت خدا اور رسولؐ سے فقراء المہاجرین کو ملے گا اس حصہ میں اُن کی ملکیت ہوگی۔ جس طرح کہ صاحب نصاب کی ملکیت سے ادا شدہ زکوٰۃ کی رقوم حاجت مند کی ملکیت قرار پاجاتی ہے اور ملک کے پاس اس کی ملکیت میں سے یہ حصہ حاجت مندوں کی امانت کے طور پر ہوتا ہے۔

سوال:۔ بروئے آیت قرآن جب ذاتی طور پر فے ہونے کی وجہ سے فدک

نہ حضور علیہ السلام کا ملک ٹھہرا اور نہ حضور علیہ السلام کسی کی تملیک کر سکتے تھے اور نہ کیا فرمائیے سیدہ خاتون نے کس نظریے کے پیش نظر صدیق اکبر سے مال طلب کیا۔

جواب:۔ بروئے آیت قرآن "فے" پر حضورؐ کا مالکانہ حق ثابت ہے اس لئے فدک آپ کا ملک قرار پایا۔ اور بت باقاعدہ تحریری وثیقہ کے تحت آنحضرتؐ نے ملکیت سیدہؑ کے نام منتقل فرمائی اور یہی تحریر نامہ سیدہ طاہرہؑ نے حضرت ابوبکر کو دیکھایا جسے حضرت صاحب نے مسترد کر دیا۔

سوال:۔ اگر بطور ورثہ طلب کیا تو لازم آئے گا کہ ان کے نظریہ میں حضورؐ ذاتی طور پر اس کے مالک تھے حالانکہ یہ قرآن کے سراسر منافی ہے تو کیا سیدہ کو اس کا علم تھا کہ یہ مال نہ میرے باپ کے ملک میں ہے اور نہ میں سوال کر سکتی ہوں یا نہ اگر علم تھا تو سوال کی کیا حقیقت رہے گی اور اگر علم نہیں تھا تو یہ بعید از قیاس ہے جواب دیجئے۔

جواب:۔ کاش آپ قرآن کی وہ آیت بھی بتا دیتے جو یہ ثابت کر سکے کہ حضورؐ ذاتی طور پر مالک نہ تھے۔ حالانکہ قرآن سے پوری طرح حضرتؐ کی ملکیت ثابت ہے اسی لئے تو سیدہؑ نے ابوبکر صاحب کو قرآن کی اس آیت کی تلاوت سے لاجواب کر دیا تھا کہ توریث دیکھو یوصیکم فی اولادکم الخ۔ کیا رسولؐ دوسروں کو تعلیم قرآن دیتے تھے اور خود اس پر عامل نہ تھے۔

سوال:۔ سیدہ کے سوال کو محمول علی التصرف کیوں نہ کیا جائے۔

جواب:۔ جب وثیقہ ہبہ موجود ہے اور میراث کی بنا پر بھی فدک کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے تو پھر اسے محمول علی التصرف کر کے ایک معصومہؑ کے حق کو چھپا کر چشم پوشی کیوں کی جائے۔ مجھ گنہگار سے تو یہ نہیں ہوسکتا اور اگر فرض بھی کر لیا جائے تو حضرت ابوبکر پر ایک اور مستحکم الزام عائد ہو جاتا ہے کہ جب حاکم دولی امر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اموال واملاک میں سے جسے چاہے اور جو چاہے اپنی مرضی سے دے سکتا ہے جیسا کہ استاد محمود ابوریہ مصری لکھتے ہیں کہ خلیفہ کے لئے جائز ہے کہ وہ جسے چاہے اور جو چاہے دے دے (رسالتہ الاسلام شمارہ ۵۱۸) تو حضرت ابوبکر کو اس میں کیا مضائقہ تھا کہ قرابت رسولؐ کا احساس کرتے ہوئے فدک جناب سیدہؑ کو لوٹا دیتے۔

سوال:۔ اگر محمول علی التصرف کیا جائے تو تصرف کا حق وقت کے منتخب شدہ خلیفے کو ہوتا ہے یا رعایا میں سے کسی ذی اقتدار کو دلائل سے جواب دیجئے۔

جواب:۔ آپ کے مذہب کے مطابق یہ حق منتخب خلیفہ کو ہوتا ہے جبکہ ہمارے نزدیک امام معصوم و منصوص کو۔

سوال:۔ ابوبکر صدیقؓ نے سیدہ کے ارشاد کے جواب میں جو کچھ فرمایا وہ آپ کے نزدیک صداقت پر مبنی ہے یا نہیں۔

جواب:۔ ہرگز نہیں۔

سوال:۔ اگر صداقت پر مبنی ہے تو فہو المقصود (دیدہ باید)۔

جواب:۔ سفید جھوٹ ہے۔ ہرگز صداقت پر مبنی نہیں ہے۔

سوال:۔ اگر صداقت پر مبنی نہیں ہے تو فرمایئے کیوں؟ کیا سیدنا ابوبکر صدیق نے جو حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش فرمائی اس کا آپ لوگوں کو انکار ہے یا اقرار؟

جواب:۔ حضرت ابوبکر کا قول اس لئے صداقت پر مبنی نہیں ہے کہ اس کی صداقت پر صدیقہ طاہرہ سیدۃ النساء فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے اعتبار نہ کیا بلکہ اس سفید جھوٹ پر اس قدر ناراض ہوگئیں کہ مرتے دم تک قطع تعلق کیے رہیں۔ امام بخاری لکھتے ہیں "فاطمہؑ بنت رسول اللہؐ نے وفات پیغمبرؐ کے بعد ابوبکر صدیق سے مطالبہ کیا کہ اللہ نے جو مال رسول اللہؐ کو کفار سے لڑے بغیر دلوایا تھا اور آپؐ اسے بطور ترکہ چھوڑ گئے ہیں اس کی میراث مجھے پہنچتی ہے مجھے دلوایا جائے۔ ابوبکر نے کہا رسول اللہ فرما گئے ہیں کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم جو چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے اس پر فاطمہؑ بنت رسولؐ غضبناک ہوئیں اور ابوبکر سے تمام راہ و رسم قطع کر لئے اور مرتے دم تک بات نہ کی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۳۲)۔ اب چونکہ صدیقہؑ کبریٰ نے اس موضوع حدیث کو تسلیم نہ فرمایا لہذا ہم بھی اس سے انکار کرتے ہیں۔

سوال:۔ اگر اقرار ہے تو فہوالمقصود اور اگر انکار ہے تو آخر کیا وجہ ہے کہ اگر اسی حدیث کو ابوبکر صدیق اہل سنت کی کتابوں میں روایت فرمائیں تو لائق انکار اور اگر آئمہ اظہار اہل تشیع کی کتابوں میں نقل فرمائیں تو نا قابل تسلیم۔ آخر کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

جواب:۔ ہمیں اس حدیث سے اس لئے انکار ہے کہ یہ قرآن مجید کے خلاف ہے اور فریقین

اس امر پر عملاً متفق ہیں کہ ایسی روایات ہرگز قابل قبول نہیں ہوسکتی ہیں جو کلام الہی سے تصادم رکھیں۔ جب قرآن شریف میں آیہ وافی ہدایتہ یوصیکہ اللہ فی اولادکم الخ موجود ہے پھر ایک مصنوعی حدیث اس کے مقابلہ میں کسی طرح بھی پیش نہیں ہوسکتی ہے۔ کتابیں خواہ اہل سنت کی ہوں یا شیعہ کی۔ راوی چاہے حضرت ابوبکر ہوں یا کسی معصوم ہستی سے منسوب ہو۔ ہر حالت میں کتاب خدا کو درجہ تحکیم حاصل ہے۔ یہی تصادمِ قرآن ہی اس روایت کی پردہ داری ہے۔ جس کو آپ نے قبول کرلیا ہے اور ہم نے اس سے انکار کرکے قرآن مجید کو حکم تسلیم کیا ہے۔

سوال: اگر ابوبکر صدیق کی روایت عدم توریث انبیاء نا قابل قبول ہے تو براہ کرم ذیل کی روایت کا جواب دیجئے جبکہ تمہاری کتاب میں منقول ہے۔ چنانچہ من لا یحضرہ ج ۲ باب وصایا علی المحمد ص ۳۴۶ مطبوعہ مطبعہ جعفریہ الواقع بتاس جدید لکھنؤ میں ہے:۔

ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا ولکنھم ورثوا العلم فمن اخذمنہ اخذبحظ وافر

بلاشبہ انبیاء نہیں وارث بناتے درہم اور دینار کا لیکن وہ وارث بناتے ہیں علم کا پس جس نے اس علم سے لے لیا تو لے لیا حصہ کثیرہ۔

جواب:۔ اس کا جواب آگے ملاحظہ فرمائیں۔

سوال:۔ نیز اصول کافی ص ۱۶ مؤلفہ محمد بن یعقوب کلینی ومصدقہ امام مہدی

متوطن ورغار سر من رائے شریف ومنتظر الموعود فی زعمکم مطبوعہ ایران مکتوبہ کاتب ابن محمد شفیع التبریزی فی سنہ ۱۲۸۱ھ میں ہے۔

ان العلماء ورثة الانبياء وذاک ان الانبياء لم يورثوا درهما ولا دينارا ازما اورثوا احاديث من احاديثهم۔

بلاشبہ علماء نبیوں کے وارث ہیں اور یہ بلاشبہ انبیاء نہ تو وارث بناتے ہیں اور نہ دینار کا جنیست وارث بناتے ہیں علم احادیث کا۔

فرمایئے اپنی روایت سے اعراض کیوں جبکہ اس کی تصدیق بھی بزعمکم حضرت مہدی نے فرمادی۔

جواب:۔ اصول کافی کا امام مہدی علیہ السلام سے مصدقہ ہونا امر مسلمہ نہیں ہے بلکہ یہ بات عندالتحقیق ہے۔ خود کلینی نے اس مجموعہ کے بارے میں تسلیم کیا ہے کہ اس میں ہر طرح کی احادیث ہیں۔ لہذا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ اس کتاب کی صحت کی توثیق وتصدیق امام زمانہ نے فرمائی ہے۔ باقی امام مہدیؑ کے منتظر ہم شیعہ ہی نہیں بلکہ غیر شیعہ بھی (چند نواصب کے علاوہ) اس پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ لہذا فی زعمکم سے ایسا تاثر پیدا ہوتا ہے کہ لدھیانوی صاحب امام زمانہ کے ظہور کے منکر ہیں مگر یہ مقام اس بحث کے لئے مخصوص نہیں ہو سکتا۔ بہر حال روایت کا جواب اگلے اعتراض کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

سوال:۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ یہ تو امام ابوعبداللہ کا قول ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد نہیں ہے تو ہم کہیں گے کہ چلو آپ کو حضور علیہ السلام کا ارشاد گوامی تمہاری اس مولفہ

مصحح مصدقہ کتاب سے دکھا دیتے ہیں بشرطیکہ جواب باصواب سے مشرف فرمایا جائے۔

چنانچہ اسی اصول کافی ص ۱۷ میں حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

ان العلماء ورثۃ الانبیاء ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما ولکن ورثوا العلم فمن اخذ منہ اخذ بحظ وافر۔

بلاشبہ علماء انبیاء کے وارث ہیں بلاشبہ انبیاء نہ تو دینار کا وارث بناتے ہیں اور نہ درہم کا لیکن وارث بناتے ہیں علم کا پس جس نے علم لے لیا اس نے حصہ وافر لے لیا۔

دیکھیے کیا ارشاد ہوتا؟

جواب:۔ ہمارے اعتقاد میں اس قسم کے مکر کی گنجائش ہی موجود نہیں ہے کہ دو معصوم ہستیوں میں ایک کی بات کو مان لیں اور دوسرے کو قبول نہ کریں جبکہ ہم سب معصومین کی یکساں صداقت کے معتقد ہیں۔ اب آپ اس پہاڑ کے چوہے سے متارو کیجیے جسے آپ نے بڑی محنت سے تین پر اعتماد کر کے تین دفعہ کھودا۔ تینوں روایات جو آپ نے نقل فرمائی ہیں ہماری کتابوں میں اس حدیث کا صرف ایک ہی راوی ہے اس حدیث کو ہر جگہ ابوالبختری سے روایت کیا گیا ہے۔ ہمارے ہاں ابوالبختری مانا ہوا کذاب و وضاع ہے جیسا کہ رجال کشی مطبوعہ بمبئی ص ۱۹۹ میں ہے "کان ابو البختری من اکذب البریتہ عن ابی الحسن الرضاء کذالک"۔

اسی طرح آپ کے مشہور علامہ ابن حجر مکی کی تحریر سے یہ تصدیق ہو جاتی ہے کہ ابوالبختری مذکور سنی المذہب تھا۔ اس نے خود کو جھوٹا بناوٹی شیعہ بنا رکھا تھا۔ سعید بن فیروز "ابوالبختری ثقۃ ثبت فیہ تشیع قلیل کثیر الارسال من الثالثۃ" (تقریب التھذیب ص ۱۴۸ مطبوعہ دہلی) پس ثابت ہوا کہ راوی حدیث زیر بحث ابوالبختری اہل سنتہ کے نزدیک ثقہ و معتمد ہے۔ تھوڑا تشیع ظاہر کرتا تھا مگر بہت مرسل

احادیث بیان کرتا ہے۔ جبکہ شیعہ مذہب کے مطابق یہ شخص سب سے زیادہ جھوٹا ہے لہذا اس کی روایت قبول نہیں کی جاسکتی ہے۔

سوال:۔ آخر کیا وجہ ہے کہ اس قدر روایات کے باوجود سیدنا ابی بکرؓ کی تردید کی جارہی ہے۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ سیدہ کی ناراضگی نا قابل تسلیم ہے۔

جواب:۔ حضرت ابوبکر کی تردید اس لئے کی جارہی ہے کہ یہ حدیث "نحن معاشر الانبیاء لانورث" نہ کسی اور صحابی سے مروی ہے اور نہ کسی نے سنی تھی۔ حضورؐ نے کسی عرب، کسی صحبت نشین کسی بزرگ اہل بیتؑ سے نہیں فرمایا تھا کہ میرے بعد یہ میرے وارث یہ نہیں ہیں بلکہ تمام عوام الناس وارث ہیں ان میں ہمارا مال لٹا دینا امت کا پیٹ بھرتے رہنا اور میرے رشتہ داروں و اولاد کو بھوکا مار دینا۔

اگر حضرت ابوبکر کی تردید نہ کی جائے تو پھر نبوت کی تکذیب کرنا پڑتی ہے کیونکہ اس حدیث کو صحیح تسلیم کرنے پر لازم آتا ہے کہ حضورؐ نے رسالت کو پورے طور پر ادا نہ فرمایا (نعوذ باللہ) تو تکمیل دین کا دعویٰ ادھورا رہ جاتا ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ تمام مخلوقات کے لئے مبعوث ہوئے اور وانذر عشیرتک کے فرمان کے مطابق خصوصاً اپنے اقربین کو تمام احکام و فرامین سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔ اگر سرکار دو عالمؐ نے یہ حکم اپنے وارثوں و اہل بیت کو نہ سنایا تو مخالف قرآن قرار پائے (نعوذ باللہ) اور مخالفت قرآن کی صورت میں نبوت کا صفایا ہو جاتا ہے پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کلام ابوبکر ٹھیک نہیں اور اللہ کا شکر ہے قرآن میں موجود وصیت کا حکم ان کی خاص کمزوری بن جاتا ہے اسی لئے علمائے اہل سنت نے حضرت ابوبکر کی اس غلطی کا اعتراف کیا ہے۔ جیسا کہ صاحب دراسات اللبیب نے ص ۱۳ پر لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر نے سیدہ فاطمہ کو فدک واپس نہ کرنے میں خطا کی ہے اور عبید اللہ بسمل نے ارجح المطالب میں اقرار کرلیا ہے کہ حضرت ابوبکر مجتہد ضرور تھے مگر معصوم نہ تھے اور بوجہ المجتہد قد یخطی و

قد یعیب اُن سے فدک کے معاملہ میں خطائی الاجتہاد ہو گیا۔ پھر کتب سُنیہ سے یہ بھی پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ خود حضرت ابوبکر نے اپنی غلطی تسلیم کر لی اور فدک بی بی پاک کو دینے پر آمادہ ہو گئے۔ ملاحظہ کیجئے تذکرہ خواص الامہ سبط ابن جوزی اور سیرت الحلبیہ جلد ۲ ص ۲۹۱ وغیرہ۔ پس جب خود ابوبکر نے اپنی تردید کی تو پھر لدھیانوی صاحب کے ہٹ دھرمی بے سود ہوگی۔ مدعی ست گواہ چست۔

صحیح کا درجہ اہل سنت کے نزدیک بعد از کلام باری کا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ سیدہؑ حضرت ابوبکر سے ناراض ہوئیں لہذا جب تک بخاری شریف کا وجود دنیا میں رہے گا۔ حضرت ابوبکر کے نامہ اعمال سے یہ الزام ہرگز محو نہ ہو سکے گا لاکھ حاشیے چڑھائیں پھر بھی انتہائی واضح و صاف نظر آئے گا۔

سوال:۔ کیونکہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ابوبکر صدیق پر ناراض ہو گئیں تو اس قسم کا لفظ نہ تو کتب اہل سنت میں ہے اور نہ عقل باور کرتی ہے کیونکہ صدیق اکبر نے عرض کر دیا تھا میرا مال سارے کا سارا حاضر ہے لیکن متروکہ رسول مقبول میں وارثت نہیں چل سکتی دیکھئے ابن میثم بحرانی اور ابن ابی الحدید اور الدرۃ الخفیہ ص ۳۳۲ مطبوعہ ایران مصنفہ عبدالصمد ابن احمد تبریزی۔ پس ناراضگی کے وجوہ کیا ہیں؟

جواب:۔ جب تک سُنی کتابیں دریا بُرد نہیں کی جاتیں اور ان کا نام و نشان نہیں مٹایا جاتا اس وقت تک سیدہ طاہرہ کی حضرت ابوبکر سے ناراضگی پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ چونکہ یہ واقعہ بصراحت موجود ہے اور اس کو تواتر کا درجہ حاصل ہے رہا عقل کا باور نہ کرنا تو معترض کی عقل پر تعصب واندھی عقیدت و طرفداری کے پردے پڑ چکے ہیں۔ جنہیں خدا ہی اتار سکتا ہے۔ اس سے بڑھ کر بے عقلی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ صحیح

بخاری جیسی معتبر کتاب میں اس فقرہ کی موجودگی کے باوجود لدھیانوی صاحب یہ جھوٹا و بے بنیاد دعویٰ کر رہے ہیں کہ اس قسم کا لفظ نہ تو کتب اہل سندت میں ہے کیا بخاری سے بڑی بھی کوئی ایسی کتاب اہل سنت کی ہے جس کو بعد از کلام باری کا مرتبہ حاصل ہے۔ اسی بخاری میں یہ فقرہ آج تک محفوظ ہے جو سنیوں کو بخار چڑھاتا ہے۔ "تغضبت فاطمة بنت رسول اللہ فھجرت ابا بکر فلم نزل بھا جرلہ غنی توفیت" پس اس پر (حدیث موضوعہ سننے پر) فاطمہ بنت رسول اللہ غضبناک ہوئیں اور ابوبکر سے تمام راہ ورسم قطع کر لئے اور تادم وفات قطع تعلق کئے رہیں" (صحیح بخاری جلد۲ ص ۱۳۲)

اب بتایئے کیا غضبناک ہونا راضی ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ باقی جو شلغم سے مٹی جھاڑنے کے لئے اپنی جائیداد دینے کا ذکر کیا گیا تو وہ بھی ایک چال تھی جسے مناسب وقت پر ظاہر کر دیا جائے گا۔ بخاری کے مطابق اس غضبناکی اور ناراضگی کی وجہ مطالبہ کے بعد نبی صادقؑ پر بہتان تھا کیونکہ وضعی حدیث کے فوراً بعد بخاری نے یہ ناراضگی رقم کی ہے۔

سوال:۔ اگر ناراضگی تسلیم کر لی جائے تو فرمایئے اس سے صدیق کی ذات پر کچھ اثر پڑے گا یا نہ اگر پڑے گا تو کیوں جبکہ انہوں نے ان کے والد مکرم کی بات ان کو سنائی جس کا ذکر اہل سنت اور اہل شیعہ دونوں معتبر کتابوں میں موجود ہے۔

جواب:۔ سیدہ طاہرہؑ کی ناراضگی تسلیم کر لینے پر آپ کے صدیق پر اتنا زیادہ برا اثر پڑے گا کہ ان کے مذہبی تقدس کا بت ریزہ ریزہ ہو جائے گا کیونکہ صحاح میں متفق حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ ان اللہ یرضی لرضاک ویغضب الغضبک (اصابہ جلد۴ ص ۳۶۶) یعنی اے فاطمہؑ اللہ تمہارے

غضب سے غضبناک اور تمہاری خوشنودی سے خوشنود ہوتا ہے۔ پس ناراضگی سیدہ "مغضوب علیہم" میں شمار کرائے گی جن کی تعریف سورۃ الفاتحہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

ناراضگی سیدہ صدیقتہ الکبریٰ آپ کے صدیق کو کاذب ٹھہرا دے گی۔ کیونکہ اگر سیدہؑ ان کو سچا سمجھتیں تو ہرگز ناراض نہ ہوتیں۔ لہذا سیدہؑ کا رنج حضرت صاحب کو نہ دین کا رہنے دیتا ہے اور نہ دنیا کا۔ اس سے زیادہ کسی کی ذات پر اور کون سی ضرب کاری اثر انداز ہوسکتی ہے نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ جو فرمان حضرت ابوبکر نے نبیؐ سے منسوب کیا تھا۔ صدیقہ طاہرہؑ نے اسے قبول نہیں کیا۔ اب وہ چاہے سنی کتابوں میں ہو یا شیعہ کتابوں میں اس کو صحیح ماننا صداقت سیدہؑ پر شبہ کرنا ہوگا جو کم سے کم ایک شیعہ مومن مسلمان کبھی گوارہ نہ کرے گا۔ لیکن غیروں کی یہ پرانی عادت ہے۔

سوال:۔ خدانخواستہ اگر ناراضگی تصور کرلی جائے تو کیا اس ناراضگی کا تعلق حضور کے ارشاد سے نہ ہوگا اور کیا سیدہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے والد کے قول کو درخور اعتنا نہ سمجھیں بلکہ الٹا ناراضگی کا اظہار کردیں۔

جواب:۔ خدانخواستہ کہہ کر بات کو ٹالنے کی کوشش نہ کیجیے کہ شیشے میں آیا ہوا بال نکالا نہیں کرتا۔ سیدہؑ کی ناراضگی کو جید علماء نے تسلیم کیا ہے اور ان میں بعض نے یہاں تک جسارت کرکے اپنی ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیا ہے کہ سیدہؑ کو ابوبکر کے مقابلہ میں قصوروار ٹھہرایا ہے مثلاً شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اسی موقف کا اظہار اپنی کتاب تحفہ اثناعشریہ میں کیا ہے اور شبلی وغیرہ نے حضرت ابوبکرؓ کی وکالت کرتے ہوئے بی بی پاک کو خطاوار گردانا ہے۔ سیدہؑ طاہرہ کی غضبناکی کا تعلق حضورؐ کے ارشاد سے ہرگز

نہیں ہوسکتا بلکہ یہ ناراضگی حضورؐ پر افتراء باندھنے کے باعث بھی تھی کیونکہ آپؑ نے قرآنی دلائل سے بھرپور اپنے خطبہ لومہ میں اس وضعی ارشاد کی دھجیاں بکھیر دی تھیں اور اپنا مالک دوارث ہونا ثابت کر دکھایا تھا کیا یہ بات عقل مان سکتی ہے کہ حقدار کو محرومی حق کی خبر نہ ہو اور غاصب کو اس پر اطلاع ہو جائے۔ بیوقوف و جاہل شخص بھی ایسی خرافات پر اعتبار نہیں کرسکتا کہ وارثوں کو خبر تک نہ دی جائے اور اس غیر کو بتادیا جائے کہ میرے وارث محروم رہیں گے اور یہ سارا مال تمہارے تصرف میں ہوگا۔

سوال:۔ فرمایئے ایسی ناراضگی سیدہ فاطمہ زہرا نے صرف صدیق اکبر پر ظاہر فرمائی یا کسی اور پر بھی۔

جواب:۔ آپ کے صدیق اکبر کے علاوہ سیدہؑ مظلومہ ان کے حواریوں پر بھی ناراض ہوئیں اور خصوصاً ان کے دست راست اور ولی عہد پر جب وہ صاحب بحکم سرکار آگ کا بندوبست کئے خانہ اطہر پر حاضر ہوئے۔

سوال:۔ اگر ثابت کر دیا جائے کہ سیدہ پاک صدیق اکبر پر تو اس لئے ناراض ہوئیں (بقول شما) کہ انہوں نے فدک نہ دیا اور حضرت علی المرتضٰی پر اس لئے ناراض ہوئیں کہ انہوں نے ان کی نہ ہمنوائی اور عملی تائید فرمائی اور نہ لے کر دیا۔ فرمایئے کیا جواب ہے۔

جواب:۔ ہمارے ہاں بی بی پاک کا اپنے شوہر نامدار پر ناراض ہونا ہرگز ثابت نہیں ہے۔ یہ افتراء ہے۔ سیدہؑ معصومہ تھیں اور اپنے خاوند کی اطاعت گذار فرمانبردار تھیں۔

سوال:۔ اگر غضب سیدہ بر سیدنا علی کے متعلق آپ کو انکار ہے تو لیجئے ہم عبارت آپ کی معتبر کتاب سے نقل کیے دیتے ہیں "اشتملت شملۃ الجنین وقعدت حجرۃ الظنین" (احتجاج طبرسی ص ۶۵) بوجہ متقضائے ایمان اور بوجہ شرم و حیا ترجمہ کرنے کو جی نہیں چاہتا کسی اہل علم سے بوقت ضرورت پوچھ لیا جائے۔

جواب:۔ یہ اعتراض بھی آپ جلاء الافہام میں دو دفعہ دریافت فرما چکے ہیں ایک مرتبہ عربی عبارت سے اور دوسری مرتبہ فارسی میں۔ اب ہم تیسری دفعہ جواب دیتے ہیں کہ یہ جملہ کلام سیدہؑ نہیں ہے۔ علامہ طبرسی نے اسے اپنی عبارت میں تحریر نہیں کیا ہے بلکہ سُنی روایت پر احتجاج کرتے ہوئے ایسا جملہ نقل کیا ہے جبکہ یہ منقولہ کلام ہے اس کو اعتراض کی بنیاد نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ سیدہ طاہرہ معصومہ تھی۔ خون رسالت مآبؐ سے ایسے لچر کلام کی توقع ہرگز نہیں کی جا سکتی احتجاج طبرسی کو بار دیگر ملاحظہ کیجئے تا کہ غلط فہمی دور ہو جائے۔

سوال:۔ جلاء العیون ص ۱۳۱ مطبوعہ ایران مصنفہ ملا باقر مجلسی اصفہانی میں ہے کہ حضرت جعفر نے ایک لونڈی حضرت علی کے پاس بھیجی سیدہ فاطمہ کو شبہ ہوا کہ حضرت علی نے ہم بستری کی ہے۔ پوچھنے پر سیدنا علی نے قسم اٹھائی۔ بی بی صاحبہ ناراض ہو کر اجازت کی طلبگار ہوئیں حضرت نے ان کو اجازت دی فرمایئے کیا جواب ہے؟

جواب:۔ یہ روایت بھی ہماری نہیں ہے۔ علامہ مجلسی نے اس روایت کو اپنی روایت ہرگز تسلیم

نہیں کیا ہے۔ نیز یہ کہ اس روایت میں بی بی کا ناراض ہونا بھی مرقوم نہیں ہے۔ بہتر ہوتا کہ اگر آپ اقتباس نقل کر دیتے۔ تاہم ایسے لغو واقعات ہم لکھنا نہیں چاہتے قارئین جلاء العیون ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ یہ واقعہ صحیح نہیں ہے کہ سیدہؑ حضرت علیؑ پر ناراض ہوئیں۔

سوال:۔ اسی طرح جلاء العیون ص ۱۵۱ میں ہے کہ کسی شقی کے کہنے پر سیدہ خاتون نے اعتبار کر لیا کہ سیدنا علی نے نکاح کے لئے ابو جہل کی لڑکی (کی) خواستگاری فرمائی ہے۔ بسبب حزن و غم بغیر اجازت سیدہ پاک حضرت علی کے گھر سیدنا حسن اور حسین اور اُم کلثوم کو لے کر اپنے باپ حضرت رسول مقبول ﷺ کے گھر تشریف لے گئیں۔ فرمائیے کیا جواب ہے؟

جواب:۔ یہ بے ہودہ روایت بھی آپ ہی کی ہے۔ آپ کے ہاں صحیح بخاری میں اسے چار جگہ نقل کیا گیا ہے اور صحیح مسلم میں یہ روایت تین مقامات پر لکھی گئی ہے اسی طرح سنن ابن ماجہ میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ جب ہم اس روایت کی رجال کشی کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت صرف ایک صحابی مسور بن مخرمہ سے مروی ہے حالانکہ مسور کا صحابی ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ جس وقت وہ روایت کرتے ہیں ان کی عمر زیادہ سے زیادہ چار سال اور آٹھ سال تک ثابت ہو سکی ہے۔ لہذا یہ حدیث جسے ایک کمسن و نابالغ راوی نے بیان کیا ہے نا قابل قبول ہے۔ اس روایت کے کل راوی بارہ سے زیادہ نہیں جن میں بعض روایات میں امام زین العابدین کا نام بھی آتا ہے لیکن انہوں نے بھی اسے مسور سے ہی بیان کیا ہے۔ جس طرق سے یہ روایت بیان ہوئی ہے ان میں بہت تضاد بیانی ہے اور عقلاً اسے تسلیم کرنا جائز نہیں قرار پاتا۔ پھر سب سے بڑی خامی اس روایت کی یہ ہے کہ کسی بھی جگہ ابو جہل کی لڑکی کا

نام معلوم نہیں ہوسکا ہے۔ جلاء العیون میں یہ روایت بطور جرح نقل کی ہے اور علامہ مجلسی نے کسی بھی جگہ اس کے صحیح ہونے کی تائید نہیں کی۔ اگر صرف غلط واقعات کو نقل کر دینا دلیل سمجھ لیا جائے تو پھر کوئی بھی ایسا امر فریقین کے درمیان نہ ملے گا جس کو اس غلط طریقہ کار سے ثابت نہ کر دیا گیا ہو لہذا جب مجلسی اس کی صحت کا اقرار نہیں کرتے ہیں تو پھر استدلال کیسا؟

سوال:۔ ان حالات میں اگر صدیق اکبر خدا کے نزدیک معتوب ہیں تو کوئی اور دوسرا کیوں نہیں؟

جواب:۔ ہر وہ شخص خدا کے نزدیک معتوب ہے جس نے سیدہؑ پر ظلم کیا اور آپ کو رنجیدہ کیا۔ خواہ کوئی ہو۔

سوال:۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ مذکورہ روایتوں سے تو درہم و دینار کی عدم توریث ثابت ہوتی ہے حالانکہ حضرت سیدہ تو زمین کی وارثت کی طلبگار تھیں تو سوال یہ ہے کہ احتجاج طبرسی ص ۶۴ کی اس عبارت کا کیا جواب ہے؟

انی سمعت رسول اللہ یقول نحن معاشر الانبیاء لانورث ذھبا ولافضتہ وہ دارا دہ عقارا وانما نورث الکتاب والحکمتہ دارلعلم۔

بلاشبہ میں نے حضور علیہ السلام سے سنا ہے فرمایا ہم انبیاء کا گروہ نہ تو سونے کا وارث کسی (کو) بناتے ہیں اور نہ چاندی کا نہ مکان کا اور نہ زمین کا بلاشبہ وارث بناتے ہیں کتاب حکمت اور علم کا۔

دیکھئے اس میں دار اور زمین کا ذکر موجود ہے جواب ملے تو پتہ چلے؟

جواب:۔ مکار شخص کو دوسرے بھی مکار ہی نظر آتے ہیں۔ جب ہم نے اس روایت کو قرآن مجید ہی کے خلاف ثابت کر دیا ہے تو پھر اس کی وقعت کیا رہ جاتی ہے خواہ ہزار کتاب میں کیوں نہ ہو۔ اس روایت کی بنیاد بھی ابوالختری پر ہے اور احتجاج میں اسے علامہ طبرسی نے بطور احتجاج پیش کیا ہے نہ کہ اس کی صحت تسلیم کی ہے۔ درہم و دینار یا زمین و دار کی توریث کے بحث کی کوئی ضرورت نہیں ہے جبکہ یہ حدیث زبان رسولؐ سے ثابت ہی نہیں ہے۔ اس حدیث کی تردید خود راوی حدیث حضرت ابوبکر نے وثیقہ تحریر کر کے اور پھر ان کے نامزد حاکم فاروق اہلسنت حضرت عمر بن خطاب نے اس حدیث پر عمل نہ کر کے اپنے پیشرو بادشاہ کے قول کی مخالفت کر دی کیونکہ اگر نبی کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہے تو پھر جناب عمر نے اپنے عہد حکومت میں مدینہ کی مخصوص جائیداد حضرت علیؑ اور حضرت عباسؓ کے حوالہ کیوں کر دی۔ (صحیح بخاری پ ۱۲ ص ۶۱ مطبع احمدی لاہور)

سوال:۔ "وامیر المومنین تیوقع رجوبھا ایہ" یعنی حضرت علی امید رکھتے تھے کہ سیدہ فاطمہ زہرا وہاں سے فارغ ہو کر میرے پاس تشریف لائیں گی۔

کیا اس بالتصریح موجود نہیں کہ وہ ان کے ساتھ بھی نہ تھے اور حمایت میں بھی نہ تھے۔

جواب:۔ عبارت کا حوالہ نامعلوم ہے لہذا جب تک مکمل حوالہ مہیا نہ ہو اس کا جواب نہیں لکھا جاسکتا۔ تاہم اس سے ملتا جلتا مفہوم احتجاج میں بطور احتجاج لکھا گیا ہے اور سُنی خود ساختہ قصہ پر بحث کی گئی ہے۔ ہمارے ہاں حضرت علیؑ کی حمایت اور اعانت مکمل طور پر ثابت ہے۔

سوال:۔ سیدہ فاطمہ نے جب فدک طلب کیا تو خود تشریف لے گئیں یا پنی طرف سے کسی آدمی کو ارسال فرمایا وضاحت مطلوب ہے۔

جواب:۔ بی بی پاک نے براہ راست دعویٰ فدک کر کے فریق مخالف کے اصل مدعا و مقصد کو بے نقاب کر دیا۔ حضرت فاطمہؑ نے بذات خود ایوان حکومت میں اپنا دعویٰ اصالتاً دائر فرما کر بحث کے سارے پہلوؤں کو غیر متعلق بنا دیا اور فریق مخالف کے لئے تمام ممکنہ دفاعی تدابیر کو تہس نہس فرما دیا۔ اپنے دعوے کی ثبوت میں کائنات کی سب سے سچی ہستیاں پیش کیں کہ جن کہ صداقت پر غیر مسلموں نے اعتبار کیا مگر سُنی صدیق اکبر نے ان برحق صدیقین کو جھٹلا کر دعویٰ خارج کر دیا اور یہی غلطی اہل حکومت کے لئے شکست فاش کا سبب بنی ہوئی ہے جس کا آج تک جواب ممکن نہ ہوسکا۔

سوال:۔ سوال فداک برضائے سیدنا علی ہو یا بغیر رضا کے ہر دو شقوں پر روشنی ڈالیے۔

جواب:۔ دعویٰ فدک حضرت علی علیہ السلام کی رضا مندی سے دائر کیا گیا۔ تفصیل آگے ملاحظہ کریں۔

سوال:۔ اگر تشریف لے جانا تسلیم کر لیا جائے تو بروئے کتب اہل تشیع سیدنا علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے اجازت ثابت فرمائیں اور مکمل حوالہ سے مستفیض فرمایئے۔

جواب:۔ حضرت علی علیہ السلام کا سیدہؑ کے دعویٰ ہبہ میں بطور گواہ پیش ہونا اور سیدہؑ کے حق میں بیان دینا ہر شیعہ کتاب سے ثابت ہے ملاحظہ کیجئے سیرۃ فاطمۃ الزہرا مؤلفہ مرزا محمد سلطان صاحب باب چہاردہم ص ۱۹۰ جناب فاطمہ نے اپنے دعویٰ ہبہ کے ثبوت میں حضرت علی، امام ایمن، حضرت ام کلثوم، جناب امام حسن اور جناب امام حسین علیہم السلام کو پیش کیا جنھوں نے بیان دیا کہ واقعی ہمارے روبرو جناب رسولؐ خدا نے اراضیات کو جو فاطمہؑ ہبہ کر کے قبضہ ان کو دے دیا تھا۔ شیعوں کی ساری متعلقہ کتب میں جناب امیرؑ کا سیدہؑ کی جانب سے بطور گواہ پیش ہونا ثابت ہے لیکن ہماری تحریر رافضی تحریر سمجھ کر رد کر دی جائے گی لہذا بہتر ہے کہ یہ حقیقت کتب سنیہ سے بھی ثابت کر دی جائے چنانچہ حضرت علیؑ کا سیدہؑ کے ساتھ بطور گواہ جانا اور بیان دینا علامہ ابن حجر مکی نے اپنی کتاب صواعق محرقہ باب اص ۲۲ پر سید نورالدین سمہودی نے اپنی کتاب وفاء الوفا جز ثانی باب سادس فصل ثانی ص ۱۵۷ میں اور ابراہیم بن عبداللہ الوصابی نے شرح مواقف میں ایسا ہی لکھا ہے پس حضرت علیؑ کا بذات خود بطور گواہ تشریف لے جانا خود بخود ثابت کرتا ہے کہ آپ کی اجازت حاصل تھی۔ ورنہ وہ گواہ نہ بنتے۔ بحار الانوار ص ۱۰۴ پر حضرت علی کا اجازت دینا بھی مرقوم ہے۔

سوال:۔ ورنہ تسلیم کیجئے کہ سیدہ طاہرہ بغیر اجازت تشریف لے گئیں جو کہ ان کی شان کے خلاف ہے اور ایسی روایت جو شان کے خلاف ہو وہ یقیناً نا قابل قبول ہے۔

جواب:۔ کیونکہ بقول شما بھی ایسی روایت جو شان کے خلاف ہو نا قابل قبول ہے لہذا ایسا مفروضہ

جو یہ ظاہر کرے سیدہؑ اپنے شوہر نامدار کی اجازت کے بغیر تشریف لائیں بھی غلط محض ہوگا جبکہ ہم ثابت کر چکے ہیں نہ صرف سیدہ کو حضرت امیرؑ کی اجازت حاصل تھی بلکہ آپ نے خود بنفس نفیس گواہی دی تھی۔

سوال:۔ حضور علیہ السلام سے سند ہبہ کا لکھا جانا اور سیدہ کے حوالے ہونا اور سیدہ کا دربار صدیقی میں پیش کرنا اور حضرت عمرؓ کا پھاڑ ڈالنا صحاح ستہ یا اہل سنت کی کسی مسلمہ کتاب سے ثابت کیجئے بشرطیکہ روایت مستند الی السند الصحیح ہو؟

جواب:۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سند ہبہ تحریر فرمانا مندرجہ ذیل کتب اہل سنت میں تحریر ہے۔

(۱) معارج النبوۃ رکن چہارم جلد ۲ ص ۲۲۱، ص ۳۱۱ مؤلفہ ملا معین۔

(۲) روضۃ الصفاء جلد ۲، ص ۱۳۵۔

(۳) تاریخ حبیب السیر جلد ۱ جز سوم ص ۸۵۔

(۴) تاریخ اسلام علامہ عباسی ص ۱۳۲۔

(۵) الملل والنحل علامہ عبدالکریم شہرستانی وغیرہ مندرجہ بالا تمام کتب اہل سنت مستند اور مسلمہ ہیں۔ جس کتاب کی توثیق درکار ہوں طلب کی جاسکتی ہے۔

درج ذیل کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ نے یہ اشٹام حضرت ابوبکر کو دکھایا مگر انہوں نے نہ مانا۔

(۱) شرح مواقف ص ۷۳۵۔

(۲) فتوح البلدان ص ۳۸۔

(۳) تاریخ یعقوبی جلد ۳، ص ۱۹۶۔

(۴) تفسیر درمنثور علامہ جلال الدین سیوطی الجزء الرابع ص ۱۷۷۔

(۵) ینابیع المودۃ وغیرہ۔

مذکورہ بالا تمام کتابیں اہل سنت کے ہاں معتبر ہیں حسب ضرورت توثیق پیش کی جاسکتی ہے۔

حضرت عمر کا دستاویز کو چھین کر پھاڑنا مندرجہ ذیل کتب میں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) سیر حلبیہ جلد ۳ ص ۴۰۰ علی بن برہان الدین۔

(۲) تذکرہ خواص سبط ابن جوزی۔

یہ روایات ہماری نگاہ میں ٹھیک ہیں اگر مزید تفصیل درکار ہو تو ہماری لاجواب کتاب تشید المطاعن جلد اول کا مطالعہ فرمائیں جو اس موضوع کے لئے مخصوص اور دندان شکن کتاب ہے۔

سوال:۔ سیدہ کو دھکے دے کر واپس لوٹانا اہل سنت کی کس معتبر کتاب میں مذکور ہے عبارت معہ سنہ صحیح ارشاد فرمائیے؟

جواب:۔ ہم نے حضرت ابوبکرؓ پر ایسا الزام عائد نہیں کیا ہے کہ انہوں نے سیدہؑ کو دھکے دے کر واپس لوٹایا۔ تاہم اگر کسی دھکہ شاہی کے تحت کسی شیعہ فرد نے ایسی تقریر کا تاثر دیا ہے تو اس کا معنی یہاں تک ہی ہوگا کہ سیدہ کو مایوس لوٹایا گیا۔

سوال:۔ اعلام الوری باعلام الہدیٰ میں ہے:

انت فاطمه فی مرضه الذی توفی فيه فقالت يا رسول الله هذا ان ابنان لی فورثهما فقال النبی صلی الله عليه وسلم

اما الحسن فله هيبتي وشجاعتي واما الحسين فله جرئي۔

سیدہ فاطمہ زہراؑ حضورﷺ کے پاس اس بیماری کے دوران میں تشریف لائیں جس سے آپ کی وفات ہوئی عرض کیا یہ دونوں صاحبزادے حضرت حسن اور حضرت حسین دربار نبوت میں لائی ہوں انکو ورثہ عنایت فرمایئے پس آپ نے فرمایا میرے حسن کے لئے میری بہادری ہے اور میرے حسین کے لئے میری جرأت ہے۔

اگر مالی طور پر ورثے کے اجراء کے قائل ہوتے تو فرما دیتے کہ وراثت میری وفات کے بعد ملے گی اس کے بعد حق وارث کی تشریح فرما دیتے مگر ایسا نہ کیا۔ فرمایئے ٹھیک ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اس روایت میں مالی ورثہ کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ یہاں روحانی وراثت کی بات ہے اس بات سے آپ بھی متفق ہیں کہ اگر یہاں مالی ورثے کے اجراء کا سوال ہوتا تو حضورؐ کا جواب دوسرا ہوتا۔ لہذا اعتراض بمطابق دعویٰ نہ رہا۔ تاہم بالفرض محال اگر یہ مان لیا جائے کہ سیدہ نے بھولے سے یہ مالی ورثہ کی خواہش فرمائی تو اس موقعہ سے بہتر موقعہ اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا کہ آنحضرتؐ اپنی وارث بیٹی کو حدیث لانورث سنا کر مطمئن فرما دیتے تا کہ وہ بعد از رسولؐ دربار ابوبکر میں مایوس واپس لوٹ آنے سے محفوظ رہیں اس مفروضہ سے طلب میراث کرنا اور آنحضرتؐ کا خاموش رہنا اور حدیث نحن معاشر الانبیاء کا بیان نہ کرنا از خود ثابت کرتا ہے کہ یہ قول رسول نہیں ہے روایت زیر بحث اگر معترض کو قبول ہے تو اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ نہ ہی سیدہؑ اس حدیث سے واقف تھیں اور نہ ہی رسولؐ نے اپنے حقیقی

وارثوں کو یہ حدیث سنائی تھی۔ اگر بھول چوک مان لی جائے تو بھی ایسے وقت مطالبہ پر تو یقیناً یہ محل پیدا ہوجاتا ہے۔ رسولؐ یاددہانی کی خاطر اپنا قول دہرا دیتے تاکہ یہ غلط فہمی دور ہوجائے اور آئندہ کوئی وارث کسی خوش فہمی کی بنا پر خواہ مخواہ خجالت و پریشانی نہ اٹھائے۔ پس معلوم ہوا کہ سیدہؑ کا مطالبہ بالکل جائز تھا اور فریق مخالف کی حُجت باطل تھی۔

سوال:۔ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کا علم سیدنا علی کو تھا یا نہ۔ اگر نہیں تھا تو یہ عقیدہ شیعت کے سراسر خلاف ہے۔

جواب:۔ حضرت امیر المومنینؑ کو علم تھا۔

سوال:۔ اور اگر علم تھا کہ آپ نے چھ ماہ کے بعد بعد از وفات سیدہ جبری طور پر صدیق اکبر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کیوں کی؟

ثُم تناول یدابی بکر و بایعه

(احتجاج طبرسی) اس کے بعد حضرت علی نے ابوبکر صدیق کا ہاتھ پکڑا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

جواب:۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت علیؑ نے سیدہؑ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر کی بیعت کی ہے تو یہ سیدہؑ کی حضرت ابوبکر سے ناراضگی کا ایک اور قوی سبب قرار پائے گا اور یہ بات مکمل طور پر ثابت رہے گی کہ سیدہؑ ابوبکر پر اپنی حیات طیبہ میں خوش نہ ہوئیں اور ناراض ہونے کی حالت ہی میں اس دنیا سے رخصت فرما گئیں تبھی تو جناب امیر علیہ السلام نے چھ ماہ کا عرصہ بغیر بیعت کے گذار

دیا۔ اگر سیدہؑ ابوبکر سے راضی ہو گئی ہوتیں تو پھر اس خاموشی کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ نیکی اور پوچھ پوچھ۔ عمل خیر میں دیر کرنا بھی شر ہوتا ہے۔ حضرت علیؑ کو ہر حالت میں حضرت ابوبکر کی بیعت سیدہؑ کی زندگی میں کر لینا چاہیے تھی جبکہ بقول آپ کے سیدہؑ اور ابوبکر میں کوئی رنجش نہ تھی۔ اب میں یہ کہتا ہوں کہ عمل علیؑ و فاطمہؑ سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت ابوبکر کو تسلیم کرنا دین کے اعتبار سے ضروری نہیں ہے۔ جب سیدہؑ کی ناراضگی کے باعث حضرت علیؑ نے چھ ماہ تک بقول آپ کے توقف فرمایا اور بی بیؑ تو عداوت ابوبکر کی حالت میں ہی فوت ہوئیں تو پھر میں کہتا ہوں کہ میں سیدہ کی مودت کے حقوق کی خاطر حضرت ابوبکر پر خوش نہیں اور اگر یہ ضروری امر ہے کہ ابوبکر سے راضی رہا جائے تو اس سوال کا جواب روز حشر میں بارگاہ خدا میں یہی عرض کروں گا کہ تیرے رسولؐ کی بیٹی کی اتباع کی ہے اور تیرے نبیؐ کے داماد کی چھ ماہ (بقول شما) کی اس زندگی کی سیرت کو نمونہ بنایا ہے جس میں ان کو سیدہؑ کی رفاقت حاصل تھی۔

اگر علیؑ معاذ اللہ چھ ماہ ایک امر ناحق بجالا سکتے ہیں اور ان کی زوجہ ساری عمر وہی عقیدہ راسخ رکھ سکتی ہیں تو پھر بھی جنت کے مالک ہیں تو پھر میں بھی گنہگار نہیں۔ پس اس صورت میں خدا جانے اور میں جانوں۔ یقیناً وہ عادل ہے اور کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے۔ احتجاج کی منقولہ عبارت کا جواب آپ کو "ذکاء الافہام" میں دیا جا چکا ہے اور اُسی کا اعادہ یہ ہے کہ علامہ طبرسی نے احتجاج میں یہ عبارت برائے جرح نقل کی ہے اور علمائے اہل شیعہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ روایت غلط ہے۔ حضرت علیؑ نے کبھی بھی حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی ہے اگر شیعہ حضرات ابوبکر کے حق میں حضرت علیؑ کی بیعت مانتے تو پھر شیعہ سُنی کا اختلاف ہی نہ رہتا۔

سوال:۔ اگر علم تھا کہ صدیق اکبر سیدہ کے دشمن رہے تو آپ نے ان کے پیچھے صف میں کھڑے ہو کر نماز کیوں پڑھی؟

ثم قائم وتهايا الصلوة وحضر المسجد وصلى خلف آبى بكر (احتجاج طبرسی) اس کے بعد کھڑے ہوئے اور نماز کا ارادہ کیا اور مسجد میں تشریف لے گئے اور ابوبکر صدیق کے پیچھے نماز ادا کی۔

جواب:۔ حضرت علی علیہ السلام نے بھی حضرت ابوبکر کے پیچھے ان کو دشمن سمجھ کر ہی نماز پڑھی کیونکہ آپ نے ان کی سازش کو نا کام بنانا تھا اور خالد میاں کو اپنی دو انگلیوں سے دبا کر اس کی دونوں آنکھوں کو باہر لا کر خیبر شکنی کی جھلک کا نظارہ کرانا تھا۔ حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکرؓ کی اقتدار میں ہرگز نماز ادا نہ کی تھی۔ باقی دشمن کے پیچھے نماز پڑھ لینا کوئی حیران کن امر نہیں ہے جبکہ جنگ صفین میں کئی صحابہ مثل ابوہریرہ وغیرہ معاویہ کے ساتھی ہوئے بھی نماز کے وقت حضرت علیؑ کے پیچھے آ کر نماز ادا کرتے تھے۔

سوال:۔ فرمایئے سیدنا حسینؓ کو سیدنا عمرؓ کی سیدہ کے ساتھ عداوت کے متعلق علم تھا یا نہ کہ انہوں نے العیاذ باللہ سند پھاڑ ڈالی تھی نیز دھکے دے کر دربار سے نکال دیا تھا؟

جواب:۔ امام حسینؑ کو جملہ تمام مظالم کا علم تھا۔ تبھی تو کہا تھا کہ میرے بابا کے منبر سے نیچے اُتر آؤ۔ (تاریخ الخلفاء)

سوال:۔ اگر علم نہیں تھا تو علم کلی کا دعویٰ عبث ہے۔

جواب:۔ سب کچھ جانتے تھے۔

سوال:۔ اور اگر علم تھا تو سیدہ شہر بانو کے ساتھ عقد کرنے کے لئے فاروق کے دروازے پر اپنے باپ سیدنا علی کی معیت میں تشریف کیوں لے گئے؟

جواب:۔اس سوال کا جواب بھی ذکاء الافہام میں دیا جاچکا ہے کہ بی بی شہر بانو کا حضرت عمر کے زمانہ میں آنا تاریخ سے ثابت نہیں ہے۔بی بی صاحبہ حضرت علی علیہ السلام کے زمانہ حکومت میں آئی تھیں نیز اگر تاریخ سے آنکھ بند کر کے یہ فرض کرلیا جائے کہ بی بی صاحبہ دورِ عمر ہی میں تشریف لائیں تو بھی امام حسینؑ یا حضرت علیؑ پر کوئی الزام نہیں آسکتا کیونکہ امام برحق کا مالِ غصب پر پورا پورا حق ہوتا ہے۔نیز حضرت ابراہیمؑ نے ایک دشمن و بے دین بادشاہ مصر سے لونڈی قبول کر لی تھی۔

سوال:۔ کیا سیدنا علی اور سیدنا حسین ناراضگی کے سلسلے میں سیدہ کے ہمنوا نہیں تھے اگر تھے تو یہ میل جول کیسا اور اگر نہیں تھے تو آپ کے قولب میں ان سے زیادہ رنج کیوں ہے؟

جواب:۔یہ ان کی سیاسی چال تھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہم محتاج ہدایت ہیں لہذا ذاتی احتیاج اور دنیاداری کی ظاہرہ وضع پسندی کے باعث عموماً اہل بیتؑ سے مطلب پرستی کے مراسم قائم رکھنے کی کوشش کیا کرتے تھے لیکن دل آخری سانس تک کینہ سے پُر تھا چنانچہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ آخروقت میں جب شوریٰ کمیٹی نامزد کی تو نامزدگان میں سے حضرت علی کے بارے میں کہا کہ اگر یہ لوگ علی کو خلیفہ بنالیں تو ان کو حق و صداقت کی راہ پر چلائیں گے۔عبداللہ ابن عمر نے عرض کیا تو پھر ان ہی کو براہ راست خلیفہ مقرر فرما دیجئے چنانچہ حضرت عمر نے جواب دیا۔"اکرہ ان اتحملھا احیا و میتا"یعنی مجھے یہ گوارہ نہیں ہے کہ میں زندگی اور موت دونوں حالتوں میں اس کا بوجھ اٹھاؤں۔(تاریخ کامل جلد۳ ص ۲۰۰)۔

آل محمدؑ سیرت نبوی کے نمونہ تھے۔وہ دشمن کے ساتھ بھی خوش اخلاقی ہی سے پیش آتے تھے۔قاتل تک کو جام شیریں عطا کرتے تھے۔ان کا عناد ذاتیات و فردیات سے مبرہ تھا۔ان کی دشمنی

اصولوں پر ہوا کرتی تھی اور ان کی مخالفت محض دین اسلام کے لئے تھی۔ وہ دشمن کے سینہ پر سے اُتر آیا کرتے تھے کہ دیکھنے والے نفس و ذات کی خاطر اس فعل کو منسوب نہ کر دیں۔ وہ معصوم افراد تھے بلا لحاظ دوست و دشمن اُن کی ہدایات و تعلیمات کا فیض عام تھا۔ جب بھی کبھی ان سے مشورہ لیا جاتا وہ صحیح رائے دیتے تھے۔ اگر ان کا اختلاف تھا تو صرف دین میں تحریف کا تھا۔ مگر ہم شیعہ بچارے نہ ہی معصوم ہیں اور نہ ہی ہماری ریاضت نفس اتنی ہے کہ اس قدر مصائب کے باوجود صبر کریں کہ جو دنوں پر پڑ جاتے تو رات بن جاتے۔ یہ صبر اُن کا حصہ تھا جن کو مل گیا۔ ہم بے صبر گنہگار بندے ہیں لہذا ہمارے رقت بھرے مزاج ہمیں بے بس کر دیتے ہیں اور رنج کا غلبہ ہو جاتا ہے کہ جب شدت ظلم اور صبر مظلوموں کا حال معلوم کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر سنگدلی اور انسانی قساوت قلبی کا اور کیا مظاہرہ ہو سکتا ہے کہ مظلوم کے صبر و تحمل و سکوت کو اس بات کی دلیل بنا لیا جائے کہ ظالم کے ظلم پر خاموشی اختیار کرنا اور مصائب کو انتہائی صبر و استقامت سے برداشت کرنا مظلوم کی خطا کا ثبوت ہے۔

سوال:۔ فرمایئے جس روایت میں جناب سیدہ طاہرہ کی ناراضگی کا ذکر ہے اس کی پوزیشن کیا ہے۔ کیا وہ فرمان رسول مقبول ہے یا اثر ہے جسے تاریخی واقعہ سے تعبیر کرنا بجا ہوگا؟

جواب:۔ ہم نے مان لیا کہ تاریخی واقعہ ہے۔

سوال:۔ اگر فرمان رسول ہے تو سراسر خلاف واقع ہے کیونکہ یہ واقعہ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد کا ہے۔

جواب:۔ جی اس واقعہ کو تاریخ سے تعبیر کرنا بجا ہے۔

سوال:۔ اگر تاریخی واقعہ ہے تو کیا دین میں اس قدر افتراقی عمارت کی بنیاد تاریخی واقعہ پر رکھی جاسکتی ہے۔

جواب:۔ ہاں رکھی جاسکتی ہے جس طرح مذہب سنیہ کی بنیاد دو انتخاب سقیفہ پر قائم ہوئی ہے۔

سوال:۔ کیا قرآن وحدیث کے خلاف تاریخی واقعہ کی کوئی قدر و قیمت باقی رہتی ہے؟

جواب:۔ بیشک قرآن و حدیث کے خلاف تاریخی واقعہ کی اہمیت نہ ہوگی لیکن اگر واقعہ کو قرآن و حدیث کی تائید بھی حاصل ہوجائے تو اس کی قدر و قیمت میں تگنا اضافہ ہوجاتا ہے جس طرح آپ کے ہاں غلبہ روم وفارس کو سنہرے فتوحات کے سہرے لگائے جاتے ہیں۔

سوال:۔ اگر نہیں رہتی اور یقیناً نہیں رہتی تو پھر اس قدر واویلا اور شور و شغب کی وجہ کیا ہے؟

جواب:۔ سیدہؑ کی ناراضگی کے واقعہ کے قرآن وحدیث و تاریخ تینوں کی تائید حاصل ہے جبکہ ابوبکر کے استخلاف سقیفہ بنی ساعدہ کو صرف تاریخ کے ایک واقعہ کی حیثیت نصیب ہے جب اس کے لئے چودہ سو سال سے شور وغوغا ہے جس میں پورا ظلم وجور ہی بھرا ہے تو پھر اس واقعہ مظلومیت کی تشہر کیوں ناگوار ہے۔

سوال:۔ قرآنی آیت سے پتہ چلتا ہے کہ کامل الایمان لوگ ناراضگی کہہ کہا جاتے صرف کھا نہیں لیتے بلکہ معاف بھی کردیتے ہیں صرف معاف نہیں کرتے بلکہ احسان بھی کردیتے ہیں۔

حضرت سیدہ خاتون کا اس آیت پر عمل برقرار رہتا ہے اگر بقول آپ کے تسلیم کرلیا جائے کہ حضرت سیدنا ابی بکر پر آخر دم تک ناراض رہیں۔

والکاظمین الغیظ والعافنین عن الناس والله یحوب المحسنین۔

مومن کی شان یہ ہے کہ پی جانے والے ہوں غصے کو اور معاف کرنے والے لوگوں کی غلطیاں اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

جواب:۔ آپ کی کہی گئی ان سب باتوں سے متفق ہوں مگر یہ کہ سیدہؑ کا ناراض ہونا صحیح بخاری سے پوری طرح ثابت ہے اور خوش قسمتی شیعوں کی یہ ہے کہ یہ عبارت اس ہی روایت کا حصہ ہے جس کے بل بوتے پر حدیث لا نورث کو آپ کے ہاں درجہ تواتر حاصل ہے۔ اب اصولی طور پر اگر آپ ناراضگی سے انکار کرتے ہیں تو پھر حدیث سے بھی انکار کرنا پڑ جائے گا اور اگر حدیث سے انکار کریں گے تو پھر لامحالہ ابوبکر صاحب کی تکذیب ہوگی۔ اب یہ صورت ویسے نا قابل عمل ہے کہ ایک ہی بات کا آدھا حصہ انہی شرائط پر قبول کرلیا جائے جن شرطوں پر بقیہ ترک کیا جائے۔

اب یہ بات آپ کے سوچنے کی ہے کہ یا ناراضگی سے انکار فرمایئے یا لا نورث سے۔ لیکن اب یہاں ایک خاص دلچسپ بحث جنم لیتی ہے کہ اگر حضرت ابوبکر سے غلطی ہوئی اور سیدہؑ ان پر ناراض ہوگئیں تو شان مومنیت یہ ہے کہ مومن غلطیوں کو معاف کر دیتے ہیں اور احسان کرتے ہیں۔ معصومہ و مظلومہ سیدہ طاہرہؑ سلام اللہ علیہا کے بارے میں یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ آپ نے خلاف قرآن کوئی

عمل کیا ہو۔اس لئے یا تو یہ فرض کر لیا جائے کہ آپ نے ناراضگی رفع کر دی اور صلح کر لی مگر اس کا ثبوت نہیں ہے۔دوسری صورت یہ ہوگی کہ سیدہ کی ناراضگی بھی قائم رہے اور قرآنی حکم کی خلاف ورزی بھی نہ ہونے پائے۔چنانچہ ہم قرآن پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ حضرات ایسے بھی ہیں جن سے ناراض رہنا اور عفو نہ فرمانا اور احسان نہ کرنے کا حکم ہے۔بلکہ خدا نے اپنے رسول تک کو ایسے لوگوں کی شفاعت کرنے سے منع فرما دیا ہے اور رسولؐ پر یہ حکم ممانعت صادر فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ لوگ بظاہر امت محمدیہ کے ہی افراد ہیں یعنی کلمہ گو ہیں چنانچہ ارشاد ربانی ہے کہ:

سواء علیھم استغفرت لھم اھم لم تستغفورھم
لن یغفر اللہ لھم۔(المنافقون)

یعنی اے رسولؐ آپ چاہے ان لوگوں کے حق میں بخشش طلب فرمائیں یا نہ فرمائیں یہ برابر ہے کیونکہ اللہ تو اُن کو قطعاً نہیں معاف کرے گا۔

پس معلوم ہوا کہ سیدہؑ نے ان غاصبین کو ایسے ہی لوگوں کے زمرے میں شمار کرتے ہوئے ان سے غضبناک رہیں اور تادم وفات ان سے راضی نہ ہوئیں۔اگر سیدہؑ طاہرہ ان کو اس جماعت سے علیحدہ خیال فرماتیں تو یقیناً معاف کر دیتیں۔لہذا شیعہ موقف ثابت رہا کہ ناراضگی سیدہؑ بھی قائم ہے اور حکم قرآن بھی مخالفت سے محفوظ ہے پس جن لوگوں نے سیدہ کو ناراض کیا حدیث رسول کے مطابق سید المرسلینؐ کو غضبناک کیا" فاطمۃ بضعۃ منی من اغضبھا اغضبنی "یعنی فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے جس نے اس کو غضبناک کیا اس نے مجھے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو غضبناک کیا۔

سوال: اہل سنت الجماعت کی معتبر کتاب عمدۃ القاری شرح بخاری اور فتح

الباری شرح بخاری مطبوعہ مصر میں جب سیدہ کے راضی ہو جانے کی روایات موجود ہیں تو خواہ مخواہ انکار کیوں؟

جواب:۔ اہل سنت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ بعد از قرآن صحاح ستہ کا اقتدار و اعتبار ہے۔ ان چھ میں سے صحیحین کا درجہ بالا ہے اور صحیحین میں بخاری کا مرتبہ اولیٰ ہے۔ عالم طور پر مباحثہ کے دوران یہی حیلہ بروئے کار لاتے ہیں اور صحیحین میں مرقوم بات کو فوقیت دی جاتی ہے اگر دوسری کتب حدیث میں کوئی بات متنازعہ مرقوم ہو تو اس کو محض صحاح ستہ میں عدم موجود کے باعث ٹھکرا دیا جاتا ہے اور تضاد کی صورت میں صحیحین کی بات تسلیم کی جاتی ہے لیکن میرے خیال میں یہ اصول بھی مطلب بر آری کی خاطر ہی وضع کیا گیا ہے حالانکہ مذہب سقیفہ کا اونٹ سی کروٹ بیٹھتا ہے جدھر اس مذہب کی ہوا کا رُخ ہو۔ دنیا میں ہر مسلک کا کچھ نہ کچھ ضابطہ مقرر ہوتا ہے مگر یہ مذہب ایسا ڈھیلا ہے کہ جس طرف مرضی ہے کھینچ لو۔ کبھی تو یہ شور ہوتا ہے کہ فلاں بات صحاح میں نہیں لہذا نا مقبول اور کبھی صحاح میں موجودگی کی تردید بہت ہلکے اقتدار کی تصانیف سے کر دی جاتی ہے اسی طرح صحیح بخاری جیسی اعلیٰ و بلند مرتبہ کتاب سے انکار کر کے اس کی شرحوں پر اعتبار کیا جا رہا ہے جو شکست خوردگی کی علامت ہے۔ اصل کی مخالفت فرع سے کرنا نا معقول حربہ ہے۔

صحیح کی تردید شرح سے نہیں ہو سکتی ہے اور پھر یہ کہ جو روایات راضی ہونے کی شرحین میں لکھی گئی ہیں انتہائی مجروح اور نا قابل قبول ہیں۔ اگر آپ اُن روایتوں کو اپنے اصولوں کے مطابق صحیح الاسناد ثابت کر دیں اور رواۃ کو ثقہ بنا کر دکھا دیں تو ہم آپ کی بات مان لیں گے ورنہ محض قیاس و ظن سے ہر مسئلہ سلجھایا یا الجھایا جا سکتا ہے۔ نیز یہ کہ راضی ہونے کا تعلق صرف تاریخ سے ہے جبکہ ناراضگی کا اثر حدیث رسولؐ پر ہے۔

سوال:۔ اگر تاریخی روایت کو اتنی اہمیت دی جائے جتنا قدر کہ آپ دے رہے ہیں تو کیا اس سے رحماء بینھم کے مفہوم کی تردید نہیں ہوتی؟

جواب:۔ ناراضگی کی روایت تاریخی اہمیت کے ساتھ ساتھ قرآنی و سنتی اقدار کی بھی حامل ہے جبکہ راضی ہونے والی وضعی روایت محض تاریخی من گھڑت قصہ ہے رحماء بینھم کا مفہوم اس وقت قابل توجہ ہوتا جب ھُم کی ضمیر میں غاصبوں کا علیھم، فرمایا ہے اور فرمانِ رسولؐ ہے کہ "یا فاطمہ ان اللہ یغضب لغضبک" یعنی اے فاطمہ بلاشبہ اللہ تیرے غضبناک ہونے پر غضبناک ہوتا ہے (مستدرک حاکم، نزل الابرار)۔ پس خدا کے مغضوب کو رحم کا استحقاق حاصل نہیں ہے۔

سوال:۔ جب سیدنا و مولانا حضرت رسول کریم ﷺ کو حب مال سے خدا تعالیٰ نے پاک کر لیا تھا تو کیا یہ نعمت سیدہ طاہرہ کو نصیب نہیں ہوئی تھی؟

جواب:۔ بیشک سیدہ طاہرہؑ کو حب مال سے کوئی لگاؤ نہ تھا مگر یہاں سوال مال و متاع نہیں بلکہ غصب و استحقاق کا معاملہ ہے۔

سوال:۔ اگر نصیب ہوئی تھی تو فہوالمقصود اس سے مذہب اہل سنت کی تائید ہوتی ہے۔

جواب:۔ یہ غلط ہے کہ سیدہؑ کی اس صفت سے مذہب سنیہ کی تائید ہوتی ہے جبکہ سُنیوں نے شروع سے علیؑ و فاطمہؑ کو معاذ اللہ حریص سمجھا ہے۔

سوال:۔ اگر نصیب نہیں ہوئی معاذاللہ تو لقب بتول کا کیا مطلب ہے۔ ذرا وضاحت سے جواب عنایت فرمائیے۔

جواب:۔ سیدہ مظلومہؑ کا حب مال سے پاک رہنا قرآن مجید کی سورہ دہر سے ثابت ہے اور بتول صرف مال وغیرہ کی حرص سے منزہ ہونا نہیں ہیں بلکہ رسول مقبولؐ نے بتول کے معنی اس طرح بیان فرمائے ہیں۔

عن علی قال ان النبی صلے اللہ علیه وسلم سئل ماالبتول فانا سمعناک یارسول اللہ تقول مریم بتول وفاطمه بتول فقال البتول التی لم ترحمرة قط ای لم تحض فان الحیض مکروہ فی نبات الانبیاء۔

یعنی علی علیہ السلام کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضورؐ سے پوچھا گیا کہ بتول کے کیا معنی ہیں کیونکہ ہم نے آپ کو مریم بتول اور فاطمہؑ بتول فرماتے ہوئے سنا ہے ارشاد فرمایا بتول اسے کہتے ہیں جس نے سرخی کو نہ دیکھا ہو یعنی وہ حیض ونفاس سے پاک ہو کیونکہ انبیا علیہم السلام کی صاحبزادیوں پر حیض مکروہ دیتے۔

(مستدرک الصحیحین امام حاکم۔ ارجح المطالب ص ۳۰۸)

سوال:۔ آپ وہ دلائل پیش کیجئے جن سے ثابت ہوتا ہو کہ سیدہ طاہرہ حضور علیہ السلام کے زمانہ اقدس سے فدک پر قابض تھیں۔

جواب:۔ جناب سیدہ صدیقہ طاہرہ فاطمۃ الزہرا اسلام اللہ علیہا کے اس دعویٰ سے کہ حضورؐ نے فدک مجھے ہبہ کر دیا ہے بڑھ کر اور کوئی دلیل ہو سکتی ہی نہیں کہ سیدہؑ کو اس کا علم تھا کہ بغیر قبضہ کے ہبہ مکمل ہی نہیں ہوتا ہے اگر ان کو قبضہ مل کر مہبہ مکمل نہ ہو گیا تو اپنا دعویٰ ہی نہ کرتیں کیونکہ ایک عام انسان بھی ایسا خلاف واقعہ امر بیان نہیں کرتا جو سب کے علم میں غلط ثابت ہوتا ہو۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر سیدہ فاطمہؑ کا قبضہ نہ ہوتا تو حضرت ابوبکر کو شہادتیں طلب کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ فوراً کہہ دیتے کہ ہبہ نامکمل ہے۔ ابوبکر کا گواہ طلب کرنا قبضہ کی دلیل ہے تیسری دلیل یہ ہے کہ بعض روایات میں یہ الفاظ بالصراحت مرقوم ہیں کہ حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہؑ سے فدک کا قبضہ چھین لیا مثلاً ملاحظہ کیجئے وفاء الوفا باخبار دار المصطفےٰ جلد ۲ باب ۶ ص ۱۶۱ "ان ابا بکر انتزع من فاطمہ فدک" چوتھی دلیل یہ ہے کہ قبضہ کا تنازعہ تو خود حضرت عمر کے قول سے طے ہو جاتا ہے جو صحیح بخاری میں مرقوم ہے پھر خدا نے اپنے نبی کو اپنے جوار رحمت میں بلا لیا۔ پس ابوبکر نے کہا میں رسول خدا کا ولی ہوں اس بنا پر فدک کو انہوں نے اپنے قبضے میں لے لیا (صحیح البخاری باب الخمس۔ الفاروق شبلی حصہ دوم ص ۲۵۸)۔ پانچویں دلیل قبضہ یہ ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے دعویٰ فرمایا ہے کہ فدک پر قابض تھے۔ فرماتے ہیں کہ "ہاں فدک ہمارے قبضہ خاص میں تھا۔ ہمارے سوائے آسمان کے نیچے جو بھی ہے اس کا فدک سے کچھ تعلق مالکانہ نہ تھا پس قوم کے چند لوگوں نے اس کی بابت بخل کیا اور بہتوں کے دل میں آگ لگی اور ہم سے چھین لیا گیا۔ مگر سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا اللہ ہے۔ (نہج البلاغہ) پس مندرجہ بالا پانچ دلائل سیدہ طاہرہؑ کے حیاتِ رسولؐ میں فدک پر قابض ہونے و متصرف ہونے کو ثابت کرتے ہیں۔

سوال:۔ پھر قبضے کے پہلو پر روشنی ڈالی جائے کہ قبضہ تصرف کی بنا پر تھا یا تملیک کی بنا پر؟

جواب:۔ ہبہ تملیک وتصرف دونوں پر حاوی ہوتا ہے اگر قبضہ میں یہ نقص ہوتا تو حضرت ابوبکر اس سوال کو بڑی آسانی سے اٹھا سکتے تھے۔

سوال:۔ اگر تملیک کی بنا پر تھا تو کیا اس قسم کی تملیکیں حضور علیہ السلام نے اصول وارث کے مطابق حضرت عباس اور ان کے صاحبزادے کے لئے بھی کی تھیں یا نہ؟

جواب:۔ حضرت عباس اور ان کے صاحبزادے کے لئے آنحضرتؐ کا ایسا ہبہ فرمانا کوئی ضروری نہ تھا پہلے خصوصاً جناب عباس اور ان کے صاحبزادوں کی تملیک دریافت کرنے کی وجہ بتائی جائے جبکہ ایسی تملیکیں اکثر لوگوں کے لئے ثابت ہیں مثلاً بنی نضیر کی جائیداد جو حضورؐ کی خاص ملکیت تھی آپ نے کچھ لوگوں میں تقسیم کر دیں جن میں سماک بن خرشہ (ابو دجانہ) سہل بن حنیف، حضرت ابوبکر، عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن عوام وغیرہ کو ہبہ کر دیں اس کی تفصیل فتوح البلدان علامہ بلاذری میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ جب ایسے ہبے صحابہ کے لئے ثابت ہیں تو پھر خصوصاً حضرت عباس کے لئے اعتراض کیوں ہے؟

سوال:۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو دلائل درکار ہیں؟

جواب:۔ صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب حکم الفی الخمر الخامس کا مطالعہ کیجئے تا کہ ایسے ہبہ جات آپ کو حضرت ابوبکر، عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ کے لئے ہی مل سکیں۔

سوال:۔ اور اگر جواب نفی میں ہے تو صاحب نبوت کی طرف اس قسم کی ترجیح بلا مرجع کی نسبت کیوں؟

جواب:۔ جواب اثبات میں ہے اور مرجع ثابت ہے۔ فتوح البلدان اور مسلم شریف پڑھ لیجئے۔

سوال:۔ اور اگر تملیک ثابت نہ ہو سکے تو پھر غصب (غصب) کیسے مستحق ہوگا جبکہ غصب (غصب) مملوکہ چیز ہوتا ہے غیر مملوکہ کا نہیں ہوتا۔

جواب:۔ جب ملکیت ثابت کی جا چکی ہے تو پھر غصب از خود ثابت ہو گیا۔

سوال:۔ الدرة النجفیہ شرح نہج البلاغہ میں موجود ہے کہ سیدہ طاہرہ حضرت صدیق اکبر پر راضی ہو گئیں۔ کیا اب بھی آپ لوگ بضد ہیں؟

جواب:۔ "الدارة النجفیہ" کا اقتدار مناظرانہ نہیں ہے اس میں یہ روایت ضعیف برائے نقد جرح اور مفروضہ کے طور پر نقل ہوئی ہے جس کی سند وثقاہت بھی واضح نہیں کی گئی ہے اس سے دلیل قائم کرنا جہالت ہے۔

سوال:۔ ابن میثم بحرانی شرح نہج البلاغتہ میں بھی مثل اول مضمون روایت موجود ہے فرمایئے کیا جواب ہے؟

جواب:۔ ان میثم کی شرح میں یہ روایت بلا تبصرہ نقل کی گئی ہے شارح نے اس کو صحیح تسلیم نہیں کیا اور نہ بمکمل حوالہ مع سیاق وسباق نقل کیا جائے اور شارح کی توثیق روایت بھی ثابت کی جائے۔

سوال:۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ روایات ضعیف ہیں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب یہ روایتیں نص قرآن کے مطابق ہیں تو کیا ان روایات کی تقویت اور قبولیت کے لئے اتنا قدر امر کافی نہیں؟

جواب:۔ یہ روایات نہ ہی قرآن کے مطابق ہیں نہ ہی کسی حدیث کی معتبر کتاب میں ہیں اور نہ ہی تاریخ سے ثابت ہیں لہذا علماء نے ان کو موضوع قرار دے دیا ہے اور تشئید المطاعن میں ان کے بارے میں مکمل بحث ہے اسی طرح رمی الجمرات میں ان غلط روایات کو پوری طرح موضوع ثابت کیا گیا ہے کیا یہ ساری محنت جواب تک لاجواب ہے کافی نہیں ہے۔ اگر سیدہ کے راضی ہو جانے پر آپ کو یقین ہے تو ہمارا چیلنج ہے کہ آپ کسی معصوم ہستی کے صحیح قول سے یہ رضامندی ثابت کر دیں چلئے شیعہ کتابوں کو رہنے دیجئے اپنی ہی کتابوں سے کسی صحیح الاسناد وثقہ روایت سے ایسا ثابت کر دیجئے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ شیعہ قوم بھی حضرت صاحب سے راضی ہو جائے گی۔ بخاری آپ کو صحیح بلکہ اصح مانتے ہیں پھر جھوٹی روایتوں کو پیش کر کے اس کو جھٹلاتے ہیں۔ یہ حرکت اندانہ آپ کو مبارک۔ لیکن خوب یاد رکھئے اصح الکتب کی موجودگی میں آپ کی جھوٹی کوششیں ناکام ہی رہیں گی۔

سوال:۔ سیدنا آدم علیہ السلام پر خدا تعالیٰ راضی تھے لیکن جب ممنوع درخت کے پھل کھانے کے مرتکب ہوئے تو ناراض ہو گئے۔ لیکن بعد میں راضی ہو گئے۔

فرمائے عدم رضاء دور رضاؤں کے درمیان سیدنا آدم علیہ اسلام کی نبوت کے لئے باعث عزل ونقص نہیں تو سیدنا ابی بکر کی خلافت کے لئے باعث عزل یا سبب نااہلبیت کیوں؟

جواب:۔ جب تک قرآن مجید سے حضرت آدمؑ پر خدا کا ناراض ہونا کسی آیت سے بصراحت نہ دکھایا جائے اس وقت تک اعتراض بے اصل ہوگا۔ اور پھر یہ کہ بقول ناراضگی کے بعد رضامندی بھی قبول ہے جبکہ حضرت ابوبکر کے ساتھ سیدہؑ کی ناراضگی تادم وفات قائم رہی اور سیدہؑ نے اُن کو شرکت جنازہ سے بھی محروم رکھنے کی وصیت فرمائی۔ پس نہ ہی آدمؑ پر خدا کا ناراض ہونا ثابت ہے اور نہ ہی سیدہؑ کا حضرت ابوبکر سے راضی ہونا پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ اس لئے حضرا ابوبکر کی خلافت ناقص و باطل ہے۔

سوال:۔ جو عہدہ خلاف حضرت ابوبکر صدیق کو نصیب ہوا اُسی عہدے پر حضرت علی بھی فائز المرام ہوئے کیا انہوں نے اپنے عہد خلافت میں فدک کو اصول وارثت کے مطابق آپ کی ازواج مطہرات اور آپ کی جمیع ورثاء پر جن میں سیدہ کی اولاد خاتون بھی شامل تھیں تقسیم فرمایا۔

جواب:۔ جو عہدہ حضرت علیؑ کو منجانب خدا حاصل ہوا اس پر حضرت ابوبکر کبھی فائز نہ ہوئے ایسے جس حکومت پر حضرت ابوبکر نے قبضہ جمایا بعد میں حضرت علیؑ اس ریاست کے سربراہ مقرر ہوئے فدک چونکہ سیدہؑ طاہرہ کے نام خود حضورؐ نے ہبہ کر دیا تھا اس لئے اس پر کسی دوسرے وارث کا دعویٰ ہی نہ تھا لہذا تقسیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ رہا اولادِ فاطمہؑ کا اپنا تصرف میں لینا تو اس وقت کے سیاسی حالات نے آپ کو ایسا نہ کرنے دیا کیونکہ آپ سے پہلے بادشاہ حضرت عثمان بن عفان نے فدک کی جاگیر مروان بن حکم کو دے دی تھی۔ (تاریخ ابوالفداء)۔ حضرت علی علیہ السلام حریص اور زر پرست خلیفہ نہ تھے جو محض حکومت و اقتدار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس جاگیر کو چھین لیتے آپ کی سیرت گواہ ہے کہ ایک معمولی زرہ جو گم ہوگئی جب ایک ذمہ کے پاس دیکھی تو خلیفہ وقت ہوتے ہوئے بھی اس سے

نہ چھینی بلکہ قاضی شریح کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا اور مولاؑ نے یہ مقدمہ ہار کر اس ذی کا دل جیت لیا۔ جو شخص آئین و دستور کا اس قدر پابند اور محتاط ہو اس کے لئے یہ کس طرح سوچا جا سکتا ہے کہ ایک متنازعہ و مغصوبہ جائداد کو محض شاہی فرمان سے اپنے ذاتی تصرف و ملکیت میں لے لے۔ اگر حالات پرسکون رہتے تو پھر حضرت باقاعدہ آئینی و قانونی چارہ جوئی کے ساتھ اپنی جائیداد واپس لیتے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت نے جب لوگوں سے ناجائز جاگیریں واپس لینے کی مہم چلائی تو ایسے تمام اموال اپنے قبضہ میں کر لئے اور سرمایہ دارانہ رجحان کی حوصلہ شکنی فرمائی۔

سوال:۔ اگر تقسیم فرمایا تو ثبوت مدلل درکار ہے۔

جواب:۔ گزشتہ سوال کے جواب میں عرض کر دیا ہے کہ تقسیم کا سوال غلط ہے۔

سوال:۔ ورنہ صدیقی عمل پر اعتراض بے جا ہوگا۔

جواب:۔ عمل ابوبکر اور عملِ علیؑ میں زمین و آسمان کا فرق ہے اول الذکر کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک ہبہ شدہ جائداد پر غاصبانہ قبضہ کیا اور موخر الذکر کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ مالک و حقدار ہونے کے باوجود اپنے ظاہری اقتدار کی قوت استعمال نہ کی۔ ممکن ہے آپ کی نظر میں یہ دونوں صورتیں یکساں ہوں ورنہ ہر صاحب بصیرت اس میں اندھیرے اور اجالے کا فرق دیکھ رہا ہے۔

سوال:۔ اگر یہ کہا جائے کہ عترت رسول مخصوص چیز کو استعمال میں نہیں لاتے تو بقول شما خلافت بھی غصب کر لی گئی تھی اس کو کیوں اپنا لیا۔

جواب:۔ اس حیلہ جوئی کی ضرورت نہیں ہے کہ عترت مغصوب چیز کو استعمال میں نہیں لاتے حالانکہ مال غصب پڑا امام عادل و برحق کا پورا حق ہے مگر عترت کا یہ شعار رہا ہے کہ انہوں نے اپنے غصب شدہ حقوق کو طاقت کے بل بوتے پر حاصل کرنے کی سعی نہیں کی ہے بلکہ آئینی و دستوری احتجاجات کے ذریعے اپنے حقوق طلب کئے ہیں لہذا اگر کرسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت علیؑ فدک کو اپنے قبضہ میں واپس لیتے تو یہ ان کا حق تھا مگر انہیں ایک اور حق کا بھی احساس تھا کہ یہ جائداد حکومت اور مالک کے مابین متنازعہ ہے اس پر مقدمہ بازی کی جا چکی ہے۔ حکومت نے اس کے مالکوں کے خلاف فیصلہ کیا ہے لہذا معاملہ ضوابط عدالت کے بغیر خود ہی طے کر لینا غیر آئینی قرار پاجاتا ہے۔ اس لئے آپ نے اپنے اس ذاتی مسئلہ کو التوا میں رکھا اور اپنے ملکی معاملات خصوصاً داخلی امن و امان و انتشار سے فراغت پانا چاہی۔ اگر حضرت کو زیادہ وقت حاصل ہوتا اور ان کا زمانہ اندرونی خلفشاروں کی آماجگاہ نہ بنا رہتا تو شاید آپ اس معاملہ کو دستور کے مطابق طے کر کے فدک کی جائداد اولادِ فاطمہؑ کو واپس کرا دیتے۔

امامت و خلافت خدائی عہدہ ہے جس کے لئے حکومت شرط نہیں ہے بلکہ امام برحق کا حق ہے کہ وہ حاکم وقت ہو اور دوسرے اس کی محکومیت قبول کریں۔ حضرت علیؑ جس خلافتِ الٰہیہ و نیابت رسولؐ کے عہدہ پر خدا کی طرف سے مقرر ہوئے ہیں اس کا غصب ناممکن ہے۔ حق حکومت جسے چھینا گیا وہ حق تھا ہی جو واپس لوٹ آیا حکومت حاصل کرنے کے لئے حضرت علیؑ نے سوائے احتجاج کے اور کوئی طریقہ استعمال نہ کیا اور جب آپ کو حکومت کی پیشکش کی گئی تو آپ نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے رسماً انکار تکراری فرمایا مگر عوام نے مجبور کیا۔ خدا اور رسولؐ کے اور دین کے واسطے دیئے تب کہیں حضرت نے اپنی شرائط کو منوا کر یہ مطالبہ منظور فرمایا۔ لہذا جب حضرت علی علیہ السلام کا بذات خود حکومت حاصل کرنے کی کوشش فرمانا ہی ثابت نہیں ہے تو پھر یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے غصب شدہ

خلافت کو اپنا لیا۔ جس طرح حکومت لوگوں نے پیش کی تھی اگر اس وقت کے قابصین فدک فراخدلی سے فدک اولادِ سیدہؑ کے حوالے کر دیتے تو اس حق کو بھی اپنا لیا جاتا خواہ بعد میں اسے حسبِ عادت غریبوں میں ہی بانٹ دیا جاتا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ نہ ہی حضرت علیؑ حکومت کی طرف خود لپکے اور نہ ہی فدک کو حاصل کرنے کا لالچ دل میں لائے۔ حکومت وفاتِ عثمان کے بعد خود ہی قدموں میں آ گری اور فدک مروان کے بعد عمر بن عبدالعزیز نے واپس کر دیا۔ (فتح الباری شرح بخاری) دیر آید درست آید۔ بالآخر حق کا بول بالا ہوتا ہے اور جھوٹ کا سر نیچا ہی رہتا ہے اور اللہ کی سُنت میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔

سوال:۔ اگر یہ شبہ پیش کیا جائے کہ جب سلیمان علیہ اسلام داؤد علیہ السلام کے وارث بنے تھے تو سیدہ وارثِ رسولِ مقبول سے کیوں محروم رہیں۔ پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ سلیمان علیہ اسلام داؤد علیہ اسلام کے مال کے وارث بنے تھے یا دین اور نبوت کے؟

جواب:۔ حضرت سلیمان علیہ اسلام حضرت داؤد علیہ اسلام کے مال کے بھی وارث ہوئے اور نبوت کے بھی۔

سوال:۔ اگر ارشاد یوں ہوں کہ مال کے وارث بنے تھے تو پھر سلیمان علیہ اسلام کی کیا تخصیص داؤد علیہ اسلام کے تو سلیمان کے علاوہ اور بھی بہت سے بیٹے تھے آخر ان کے ذکر اور ان کے عدمِ ذکر کی کیا وجہ؟

جواب:۔ اصول کے مطابق دلیل اس دعویدار کو پیش کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جو اس امر کا دعویٰ کرے جو غیر فطری یا عمومی حالات سے مختلف ہو۔ اب یہ ایک فطری امر ہے اور دنیا اس پر کاربند ہے کہ

کسی کی جائداد اس کے وارثوں میں تقسیم کر دی جاتی ہے۔ اب جبکہ ایسا دعویٰ کیا جائے کہ کچھ مخصوص لوگ ایسے بھی ہیں جو اس رسم زمانہ کے خلاف وارث نہیں ہو سکتے تو پھر اس خلاف معمول بات کا ثبوت دینا بھی ایسے دعویداروں کی ذمہ داری ہے۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ تمام قانون شریعت کے مطابق حضرت سلیمانؑ اپنے والد جناب داؤدؑ کے وارث ہوئے اور اس کا ثبوت اول جاری قانون ہے مگر خلاف قانون آپ کہتے ہیں کہ داؤد کے وارث سلیمانؑ نہ ہوئے لہذا اب یہ آپ کا کام ہے کہ اس محرومی کو ثابت فرمائیں حالانکہ قرآن سے وارث ہونا ثابت ہے۔

حضرت سلیمانؑ چونکہ حضرت داؤد کی ولی عہدی اور جانشینی پر بھی فائض ہے اس لئے مالی وارثت کی بحث میں ان کو تخصیص حاصل ہوئی جبکہ دیگر بیٹوں کو مال کا حصہ ضرور ملا لیکن چونکہ ان کی شہرت نہ ہوئی لہذا ان کا ذکر معلوم نہیں ہوا۔ بعض لوگوں کا ایسا بھی خیال ہے کہ منسوخ شریعت میں صرف بڑا بیٹا ہی وارث قرار پاتا تھا اور وصیت عدم موجودگی میں باقی بیٹے محروم رہ جاتے تھے مگر یہ حکم اسلامی شریعت کے خلاف ہے لہذا ہم اس پر کوئی بحث کرنا نہیں چاہتے اب ایک اور خاص قابل ذکر بات یہ ہے کہ بادشاہ کی جائداد دو قسموں میں قبول کی جاتی ہے۔ ایک مملوکہ خاص اور ایک ریاستی املاک۔ مملوکہ خاص بادشاہ کی ذاتی جائداد ہوتی ہے جو اس کے وارثوں میں تقسیم کر دی جاتی ہے جبکہ حکومتی املاک میں صرف وارث تخت متصرف ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی طرح حضرت سلیمانؑ کو جناب داؤد علیہ السلام کی ذاتی جائیداد سے بحیثیت وارث حصہ ملا جس کا ذکر کتب سنیہ میں موجود ہے مثلاً حضرت سلیمانؑ کو نبوت اور ملک، علم، منطق الطیر اور ہر طرح کا دوسرا سامان دیا گیا۔ تفاسیر سنیہ میں مرقوم ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو داؤد کی وارثت میں سے ایک ہزار گھوڑے ملے۔ ملاحظہ فرمائیے معالم التنزیل علامہ بغوی ص ۵۶۵، تفسیر درمنثور علامہ سیوطی جلد ۵ ص ۱۰۳، تفسیر مدارک، ابوالتاج، نیشاپوری اور ثعلبی وغیرہ میں بھی حضرت سلیمان کا حضرت داؤد کی میراث کا وارث ہونا بالصراحت مرقوم ہے پس

حملو کہ خاص کا یہ قاعدہ دین کا عام اصول بن چکا ہے اور اسے عقل و نقل کی تائید حاصل ہے تو پھر ان ناقابل تردید حقائق کا انکار کرنا محض ہٹ دھرمی ہوگا۔ ورنہ آپ ثابت کر دیجئے کہ جناب سلیمانؑ کو حضرت داؤدؑ کی جائداد سے محروم کر دیا گیا۔ اُن کے کسی اور وارث کو حصہ نہ دیا گیا ہو۔

سوال:۔ اور اگر نبوت کی وارث مراد ہے تو فہو المراد اس سے تو اہل سنت کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔

جواب:۔ آپ تو نبوت کی وارث کے بھی قائل نہیں ہیں اگر آپ کا مذہب یہ ہوتا تو حضرت ابوبکر کو خلیفہ کیوں مانتے جبکہ وہ نہ ہی عترت رسول میں تھے اور نہ ہی حضورؐ نے کوئی ان کی خلافت کے لئے وصیت فرمائی تھی جبکہ سلیمانؑ داؤد علیہ السلام کے اہل بیت میں سے تھے۔

سوال:۔ فرمایئے سیدنا ابوبکر کا یہ فعل کہ متروکہ رسول مقبول میں وارثت جاری نہیں آپ کے نزدیک نیکی پر محمول ہے یا معصیت پر؟

جواب:۔ معصیت پر۔

سوال:۔ اگر نیکی پر محمول ہے تو فہو المقصود اور اگر معصیت پر محمول ہے تو سیدنا علیؓ کی معصیت کو بچایا جائے۔

جواب:۔ حضرت علیؑ کو اس معصیت سے کیا علاقہ ہوسکتا ہے کیا انہوں نے کسی کی املاک پر

غاصبانہ قبضہ کیا ہے؟ اگر کیا ہے تو ثبوت پیش کیجئے پھر جواب بھی عرض کر دیا جائے گا۔ حضرت علیؑ کی معصومیت کے دفاع کی ضرورت نہیں اس وقت اپنا بوجھ ہم پر کیوں ڈال رہے ہیں۔ اٹھایئے پھریے ورنہ اتار پھنکیئے۔

سوال:۔ کوئی اعتراض نہیں ہے۔

جواب:۔ اب اعتراضات کی تعداد ۹۹۳ رہ گئی بجائے ایک ہزار کے۔

سوال:۔ اگر یہ کہا جائے کہ "یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین" میں تو عمومیت کے لحاظ سے حضور بھی شامل ہیں لہذا حجرت کے مال سے وارثت جاری نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح کہنا تو تب بجا ہوگا کہ مال فے کی نفی کر کے حضور علیہ السلام کی ملکیت خاصہ تسلیم کی جائے پس اگر آپ کے پاس اس قسم کا ثبوت ہے تو پیش کیجئے۔

جواب:۔ میرا نظریہ تو یہ ہے کہ مال "فے" حضور کی ملکیت خاصہ ہوتا ہے جیسا کہ "وما افاء اللہ علی رسولہ الخ" کے الفاظ قرآن مجید میں ہیں اور خدا نے کھلے الفاظ میں فرما دیا ہے کہ جو مال خدا نے اپنے رسول کو بے لڑے مفت میں دشمن سے دلوایا ہے اور مسلمانوں نے اس پر کوئی دوڑ دھوپ نہیں کی ہے نہ اونٹ گھوڑے بھگائے ہیں اور نہ ہی کوئی اور محنت کی ہے مگر اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے قابض کر دے یعنی مسلمانوں کا اس پر کوئی حق نہیں ہے رسول مختار ہے اس کو حسب منشا تصرف میں لائے اور پھر تاکید بھی کر دی ہے کہ جو رسولؐ کے حق کا انکار کرے تو اس کے دل کا قفل خدا ہی کھول سکتا ہے

تاہم اگر "فے" کے اموال میں رسولؐ دے لے لیا کرو اور جو نہ دے مت لو اگر اس قدر واضح حکم کو بھی اگر کوئی نہ مانے اور رسولؐ کے حق کا انکار کرے تو اس کے دل کا قفل خدا ہی کھول سکتا ہے تاہم اگر "فے" کے اموال میں رسولؐ کی ملکیت و تصرف سے انکار ہو تو بھی معاملہ فدک میں فدک کا حضورؐ کی ملکیت خاصہ ہونا مکمل طور پر ثابت ہے چنانچہ مولانا شبلی نعمانی آیۃ "ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القریٰ فاللہ الخ" پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اس سے فدک وغیرہ آنحضرتؐ کی خاص جائداد ہونا ثابت ہوتا ہے اور خود حضرت عمر اس کے یہی معنی قرار دیتے تھے"۔ آیت ہے۔ "وما افاء اللہ علی رسولہ منھم ..... علی من لیشاء" اور جو کچھ ان لوگوں سے (یعنی یہودی بنی نضیر سے) خدا نے اپنے پیغمبر کو دلایا تو تم لوگ اس پر چڑھ کر نہیں گئے تھے بلکہ خدا اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کرتا ہے چنانچہ حضرت عمر نے اس آیت کو پڑھ کر کہا تھا کہ "فکانت خالصۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" اور یہ واقع صحیح بخاری باب الخمس اور باب المغازی اور باب المیراث میں بہ تفصیل مذکور ہے۔ (الفارق حصہ دوم ۵۲۱،۵۲۰)

اگر یہ مکر کیا جائے جیسا شبلی نعمانی نے کیا کہ بلاشبہ فدک خالصہ تھا کہ عام حاکموں کی طرح رسولؐ نے ذاتی تصرف میں رکھا ہوا تھا تو میں کہتا ہوں اُسے ہبہ کیوں کیا گیا اور اگر ہبہ نہیں کیا گیا تو وارثوں نے مطالبہ کیوں کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود حضرت عمر نے اپنے دورِ حکومت میں فدک حضرت علیؑ اور عباسؓ کو واپس کر دیا اور حق وارثت تسلیم کر کے قول ابوبکر کی تردید کر دی ص ا۔ (معجم البلدان جلد ۱۴،۲۳۹)

سوال:۔ نیز حدیث عدم توریث جب متواتر المعنی مسلم بین الفریقین دونوں پارٹیوں کی کتب صحاح میں مروی از صحابہ واہل بیت موجود ہے تو تخصیص سے رُو گردانی کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔اس لئے کہ حدیث رسول خلاف قرآن نہیں ہوسکتی اور ہم نے اس حدیث کو صحیح مسلم نہیں کیا ہے کتابیں صحاح میں سے ہوں یا غیر صحاح سے کتاب الٰہی کے سامنے اقتدار نہیں رکھتی ہیں۔ یہ حدیث عقل کے خلاف ہے۔اہل بیتؑ کی شان میں تنقیص پیدا کرتی ہے اور خود رسول کو مخالفِ قرآن قرار دیتی ہے لہذا ہم اس کو نہیں مانتے ہیں۔

سوال:۔ فرمایئے "فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث وربٰع" کے مدلول میں حضور علیہ السلام عمومیت خطاب کے لحاظ سے داخل ہیں یا نہیں اگر داخل ہیں تو سراسر خلاف واقع ہے ورنہ وجہ تخصیص قرآنی آیات سے ثابت کیجئے بصورت عجز اس تخصیص کے تسلیم کرنے اور اس تخصیص کے تسلیم نہ کرنے کے وجوہ بیان کیجئے۔

جواب:۔ جماعت حکومت ہی میں کا ایک گروہ اہل قرآن ہے آج کل عرف عام میں ان لوگوں کو پرویزی بھی کہا جاتا ہے۔اُن کا یہ نظریہ ہے کہ اس حکم کا اطلاق خود ذاتِ رسول اکرمؐ کے لئے بھی تھا کیونکہ جب رسول قرآن کے خلاف ہوگا تو رسالت عبث ٹھہرے گی۔لہذا ان حضرات کا خیال ہے کہ حضرتؐ نے ایک وقت میں چار نکاح سے زیادہ عقد نہ فرمائے۔لہذا سراسر خلاف واقعیت کا دعویٰ آپ کے سُنی بھائیوں ہی نے توڑ دیا لیکن اگر ان کی تحقیق کو قبول کرلیا جائے تو سُنی مذہب کے پیر تو اکھڑ جائیں گے مگر میرے پیر اور ضم جائیں گے کہ میں کہوں گا چلئے چار نکاح ہوئے باقی متعہ لیکن سُنیوں کو اپنے ہم مذہب گروہ کے سامنے لاجواب ہونا پڑے گا یا رسول کو مخالف قرآن ماننا پڑے گا یا قیاس سے تخصیص بنانی پڑے گی یا پھر باقی ازواج کا انکار کرنا پڑے گا لیکن میں سیدھی دوٹوک بات کرکے عصمتِ رسولؐ کے عقیدہ کی حفاظت بھی قائم رکھ جاؤں گا اور وجود ازواج کا بھی مقرر رہوں گا اور ظاہر ہے

متعہ بھی نکاح ہی ہے اور ممنوعہ زوجہ ہے مگر پیغمبر کی ازواج کے لئے نص ہے کہ وہ مائیں ہیں۔ بہر حال یہ تو پرویزی جانیں اور آپ۔

اصل بیان کا مدعا ہے کہ اگر اس حکم کو رسول اللہ سے متعلق نہ سمجھیں تو بھی اس کو وارثت کی نفی کرنے کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا ہے اس لئے کہ "دات ذالقربٰی حقہ" والی آیت میں پیغمبر کو خطاب کرکے حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے قرابتداروں کا حق ادا کریں اور پھر ہے کہ عدم توریث کی حدیث قرآن کے عمومات و خواصات کے خلاف ہے جیسا کہ حکم ہے۔ "ولکل جولنا موالی مماترک الوالدان والا قربون" جوترکہ ماں باپ اور اقرباء چھوڑ جائیں ہم نے ان کے وارث قرار دیے ہیں اور آیت میں "کل" سے حکم عام ثابت ہے کسی کو تخصیص نہیں ہے۔

سوال:۔ اگر یہ کہا جائے کہ جس طرح حجرے حضور کی بیویوں کو دے دیئے گئے اسی طرح فدک بھی سیدہ کا حق تھا تو یہ سوال ہے کہ حجرے ازواج مطہرات کو حضرت کی وفات کے بعد دیئے گئے یا پہلے سے ان کی ملک میں تھے؟

جواب:۔ حضور اکرم کی حیات طیبہ ہی میں ازواج حجروں میں مقیم تھیں۔ لیکن بعد از رسولؐ ان کا قبضہ ہی دلیل ملکیت سمجھ لیا گیا جبکہ سیدۂ طاہرہ کا ہبہ بھی تسلیم نہ کیا گیا کسی زوجہ سے نہ ہی گواہ طلب کیے گئے اور نہ ہی کچھ دلیل ملکیت کا سوال کیا گیا۔ اگر پیغمبر کی متروکات صدقہ ہیں تو پھر یا تو ازواج کی ملک ثابت کی جائے یا وارثت کرکے حدیث کا انکار کر دیا جائے ورنہ جواب دیجئے وہ حجرے اوقاف و صدقات میں کیوں نہ لئے گئے۔

سوال:۔ اگر بعد میں دیئے گئے تو اس کے متعلق تشفی کن دلائل پیش کیجئے۔

جواب:۔ بعد کے دیئے یا پہلے دیئے جب رسولؐ کی وارث ہی سے نفی ہے تو اس بحث کا کیا فائدہ پہلے دیئے تو ہبہ یا وصیت فرمایئے بعد میں دیئے تو وجہ بتایئے وارث سمجھتے ہوئے یا مستحق صدقات گردانتے ہوئے۔

سوال:۔ اور اگر حضور کے زمانہ اقدس میں ان کے سپرد کر دیئے گئے تھے اور تاوفات ان کے قبضے میں رہے تو پھر مسئلہ توریث سے اس کا کیا تعلق ہے واضح کیجئے۔

جواب:۔ اگر ازواج کا قبضہ بحیات رسول قبول ہے تو پھر ہبہ سیدہؑ کیوں منظور نہیں ہے۔

سوال:۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ وات ذالقربٰی حقہ میں سیدہ کا حق مذکور ہے تو سوال یہ ہے کہ یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے یا مدینہ میں؟

جواب:۔ آیت مکہ میں نازل ہوئی یا مدینہ میں اس سے سیدہ کے حق کو چھینا نہیں جا سکتا کیونکہ حکم موجود ہے اسے منسوخ نہیں کیا گیا ہے۔ کئی آیات مکہ بھی نازل ہوئیں اور مدینہ بھی۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ امام فخر الدین رازی نے کہا کہ سورہ فاتحہ مکہ میں بھی نازل ہوئی اور مدینہ میں بھی اور پھر عرض کرتے ہیں کہ امکان ہے کہ یہ آیت مکہ میں بھی اتری اور مدینہ میں بھی اگر صرف مکی بھی کہا جائے تو بھی نزول حکم میں کسی طرح کا کوئی حرج نہیں ہوگا۔

سوال:۔ اگر اس کا نزول مکہ معظمہ میں ہے تو پھر معدوم چیز کا تعلق آرڈر دیئے

کا کیا معنے جبکہ ابھی تک فدک حضور علیہ السلام کے قبضے میں بھی نہ آیا تھا۔

جواب:۔ چونکہ خدائے تعالیٰ کو اپنے علم ازلی سے معلوم تھا کہ پیغمبرؐ خدا کو بعد ہجرت کے مدینہ میں اور بعد فتح خیبر کے جو علیؑ کے ہاتھ سے ہوگی فدک ملے گا حکم اس کا پہلے نازل کر دیا اور نزول حکم میں کسی ایسی چیز کا ذکر کرنا جو آئندہ زمانے میں آئے گی قبل اس کے وقوع کے کچھ حرج نہیں ہے۔ فتاویٰ عزیزیہ میں بھی مکی و مدنی کی بحث موجود ہے اور اس کی بہت سی مثالیں ہیں جیسا کہ تفسیر کبیر میں "وما جعلنا الرؤیا التی ارینک الا فتنۃ للناس" کی تفسیر میں امام فخر رازی لکھتے ہیں کہ حضورؐ نے بنی امیہ کو خواب میں دیکھا تھا کہ بندروں کی طرح منبر پر اچھلتے پھرتے ہیں اور پھر امام رازی کہتے ہیں کہ یہ قول ابن عباس کا ہے مگر مشکل اس میں یہ ہے کہ آیت مکی ہے اور مکے میں منبر نہ تھا اور پھر اس کا جواب دیتے ہیں کہ کچھ بعید نہیں ہے کہ مکہ میں ان کو دکھایا جائے کہ مدینہ میں منبر قائم ہوگا۔ اسی طرح دولت خواہ کب آئے حکم زکوٰۃ قبل از آمد دولت نصابیہ موجود رہتا ہے۔ موت آنے سے قبل ہی حصص کا تعین اور میراث کی تقسیم کے احکام موجود ہیں۔

سوال:۔ اور اگر مدینہ میں ہے تو جمیع ذی القربیٰ پر حضرت نے فدک ٹکڑے ٹکڑے تقسیم کر دیا یا نہ۔ اقرباء کے اسماء اور حصص کی تعین مع دلائل پیش کیجیے؟

جواب:۔ فدک جب حضورؐ نے سیدہؑ کو ہبہ کر دیا تو پھر جائداد میں کسی دوسرے قریبی کا حصہ نہ رہا بلکہ واحد مالک سیدہ طاہرہ صلوٰۃ اللہ علیہا ہی قرار پائیں۔ جب اس جائداد میں کسی دوسرے کا حصہ ہی نہ رہا تو پھر اس کی تقسیم کیسی؟

سوال:۔ اور اگر نہیں کیا تو معاذ اللہ حضور علیہ السلام تعمیل ارشاد سے قاصر ہے جو کہ شان نبوت کے خلاف ہے۔ جواب دیجیے۔

جواب:۔ جب ذی القربیٰ سے مراد ہی مخصوص ہستیاں تھیں اور ان کے علاوہ کوئی نہ تھا جس پر اس حکم کے تعمیل کا اثر ہوتا تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حضورؐ نے تعمیل نہ فرمائی۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل، ابن حاتم، طبرانی، حاکم، دیلمی اور ثعلبی وغیرہم جیسے عظیم الشان علمائے اہل سنۃ نے تسلیم کیا ہے کہ ذی القربیٰ سے مراد صرف سیدہؑ ان کے شوہرؑ اور آپ کے شہزدگان ہیں جیسا کہ علامہ واحدی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ "ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت مودۃ فی القربیٰ نازل ہوئی تو لوگوں نے حضورؐ سے پوچھا کہ وہ کون سے قرابتدار ہیں جن کی محبت ہم پر واجب قرار دی گئی ہے آپ نے فرمایا وہ علیؑ، فاطمہؑ اور ان کے دونوں بیٹے ہیں"۔

سوال:۔ نیز جب حضرت نے اپنی زندگی میں جو کچھ کسی کو دیا اسے ہبہ سے تعبیر کیا جائے گا یا وارثت سے۔ ہر دو شقوں پر دلائل بیان کیا جے۔

جواب:۔ موقع محل کی نزاکت کے مطابق جو کچھ حضورؐ نے کسی کو دیا وہ خیرات وصدقہ ہوگا یا ہبہ۔

سوال:۔ اگر ہبہ ہو تو رعایت حصص کیا معنیٰ؟

جواب:۔ بشکل ہبہ حصص کا کوئی سوال نہیں ہوتا ہے۔

سوال:۔ اگر بطور وارث ہو تو وارثت قبل از وفات کیسی؟

جواب:۔ اگر صاحب املاک چاہے تو اپنی زندگی ہی میں تقسیم کر سکتا ہے مگر فدک کے معاملہ

میں جب دعویٰ ہبہ قبول نہ ہوتو حق وراثت کا دعویٰ کیا گیا جو بعد از وفات تھا۔

سوال:۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ حدیث عدم توریث خبر واحد ہے تو سوال یہ ہے کہ یہی حدیث اہل تشیع اور اہل سنت دونوں کی کتابوں میں مروی ہے یا نہیں۔ اہل تشیع کے جملہ امام اسے مانتے ہیں یا نہ۔ اہل سنت میں سے کسی نے انکار نہیں کیا جملہ صحابہ کرام نے تسلیم کیا آج تک یہ حدیث زبان زد خلائق ہے فرمایئے معنوی طور پر تواتر ثابت ہوا یا نہ؟

جواب:۔ جب یہ حدیث قرآن مجید کے سراسر خلاف ہے خبر واحد بھی ہے خود راوی حدیث اور دیگر اصحاب نے اس کے خلاف عمل کیا ہے آئمہ شیعہ میں سے کسی نے اس کو صحیح نہیں سمجھا ہے تو پھر قرآن کو چھوڑ کر کتابوں کو کیسے ترجیح دی جا سکتی ہے۔ جبکہ شیعوں نے اس موضوع قرار دیا ہے۔ اگر اس قائدہ کو کلیہ بنا کر حق باطل کی تصدیق کی جائے تو پورے مذہب شیعہ کی تائید سنی کتب سے ہوئی ہے جبکہ سنی مذہب کی تصدیق شیعہ کتب سے نہیں ہوتی تو پھر کیوں آپ سنی مذہب ترک نہیں کر دیتے۔ اگر چہ اس حدیث کو معنوی تواتر کا درجہ حاصل ہے مگر ضعف کے ساتھ۔ اہل بیت تو رہے ایک طرف خود ازواج نے اور اکابر اصحاب نے اس حدیث کو نہیں مانا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں بی بی عائشہ کی روایت ہے کہ:

"جب رسول وفات پا گئے تو ازواج نے چاہا کہ عثمان بن عفان کو ابوبکر کے پاس بھیجیں اور ان سے پیغمبر اکرم کی میراث کا مطالبہ کریں۔ عائشہ نے کہا کیا حضور نہیں فرما گئے کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم جو چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔" (**صحیح مسلم جلد۲ ص ۹۱**) اس روایت سے ثابت ہوا کہ عائشہ کے کہنے سے قبل ازواج بھی اس حدیث سے بے خبر تھیں اور حضرت عثمان بھی۔ اسی طرح اگر یہ

حدیث صحیح تھی تو پھر حضرت عمر نے اپنے دور میں اس پر عمل کیوں نہ کیا اور خود حضرت ابوبکر نے سیدہؑ کے حق میں دستاویز کیوں لکھی جسے بعد پھاڑ اگیا اور پھر یہ کہ کم سے کم رسول اللہ کو اپنے وارثوں کو تو یہ پیغام ضرور دینا چاہئے تھا۔ جبکہ یہ حدیث سوائے ابوبکر کے کوئی نہ جانتا تھا۔ جس نے سُنی ابوبکر سے سُنی۔ جبکہ ابوبکر نہ ہی وارث تھے اور نہ ہی اہل بیتؑ۔

سوال:۔ اگر یہ مکر کیا جئے کہ یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ توثیق فدک ص ۲۵ میں کہا گیا ہے تو مراۃ العقول شرح الفراع والاصول ص ۲۴ جلد ا کی اس عبارت کا کیا جواب ہے "**حسن اوموثق لایقصرعن الصحیح**" یہ حدیث حسن اور توثیق یافتہ ہے صحیح سے کم درجہ کی نہیں ہے۔

جواب:۔ مراۃ العقول میں اس حدیث کو حسن وموثق کہا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس روایت کے راوی غیر شیعہ ہیں اور لایقصوعن الصحیح سے مطلب یہ ہے کہ اس کو جڑ صحیح نہیں ہے کیونکہ "قصر" درخت کی جڑ یا بنیاد کو کہتے ہیں۔

سوال:۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۳ ص ۳۴۶ میں ہے۔

"**فان الفقهاء ورثة الا نبياء ان الانبياء لم يورثوا دينا والا درهما ولكنهم ورثوالعلم فمن اخذمنه بحث وافر**" فرمائیے کیا جواب ہے جبکہ یہ ابوالائمہ حضرت علی المرتضیٰ کا قول ہے۔

جواب:۔ اس قول سے مراد یہ ہے کہ انبیاء سرمایہ دارانہ نظام قائم کرنے کے لئے مبعوث نہیں ہوتے ہیں بلکہ علم دین (جو کہ مادیت و روحانیت پر حاوی ہوتا ہے) کی تعلیم کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ جو مال خدا نے ان کے اور ان کی اولاد کے بسر اوقات کے لئے مخصوص کیا ہوتا ہے وہ انبیاء کے بعد ان کی اولاد کو ورثہ میں پہنچتا ہے تاکہ وہ ذلت کی زندگی بسر نہ کریں اور دوسروں کے محتاج بن کر اپنی خودداری اور اپنی روحانی اقتدار کو نہ کھو بیٹھیں۔ ہمارے رسولؐ نے جو ترکہ چھوڑا وہ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے تھا اس فرمان سے حدیث لا نرث ولا نورث کو صحیح تسلیم کیا جائے تو پھر سوال اٹھے گا کہ رسولؐ نے اپنے والد سے ترکہ میں ام ایمن کو کیسے ورثہ میں پایا اور رسولؐ کے ورثہ میں ازواج کو مکانات کی ملکیت کیسے حاصل ہوئی۔ اس ارشاد سے کسی طرح بھی یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ نبیوں کے ورثاء کو ترکہ سے محروم کر دیا جائے اور درہم و دینار کا جو تذکرہ ہے اس کا مطلب یہ ہے اللہ کے رسول دولت اندوزی کر کے درہم و دینار کے خزانے جمع نہیں کرتے ہیں جیسا کہ حضورؐ کی سیرت سے ثابت ہے کہ آپؐ نے بیت المال کا قیام نہ فرمایا بلکہ جب حضورؐ مالک حقیقی کی جانب رخصت ہوئے تو اس وقت وہ مقروض تھے اور یہ قرضے وقت امام حسینؑ تک ڈھنڈورے دے دے کر ادا کئے جاتے رہے پس یہ فرمان علماء کرام کی فضیلت اور زر پرستی کی مذمت کے لئے ہے۔

سوال:۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ یہ حدیث اگرچہ من لا یحضرہ الفقیہ میں درج ہے لیکن پھر بھی غیر صحیح ہے تو سوال یہ ہے صاحب من لا یحضرہ الفقیہ کی اس کلام مندرجہ من لا یحضرہ الفقیہ ص ۳ کا کیا مطلب ہے جبکہ اس نے تصریح کی ہے کہ:۔

بل قصدت الی ایراد ما افتی به واحکم
بصحته واعتقد فیه حجة فیما بینی وبین

ربی وحمبیع مافیه مستخرجة من کتب مشهورة علیها المعقول

بلکہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ من لا یحضرہ الفقیہ میں ایسی چیزیں لاؤں جن سے فتویٰ دے سکوں اور اس کی صحت کا حکم دے سکوں اور میرا اعتقاد ہو کہ یہ میرے اور میرے پروردگار کے درمیان ان مشہور کتابوں سے لیا گیا ہے جن پر اعتماد اور اعتبار ہے۔

جواب:۔ شیخ صدوق صاحب من لا یحضرہ الفقیہ کی محنت قابل قدر اور لائق احسان ہے لیکن آپ نہ ہی امام تھے اور نہ ہی معصوم لہذا ان کے اس تعارفی بیان سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ جو کچھ انہوں نے من لا یحضرہ الفقیہ میں جمع فرمایا اس میں ان سے سہو نہیں ہو سکا البتہ ان کی خلوص نیتی پر شبہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ باقی انہوں نے کہیں بھی وہ حدیث نقل نہیں فرمائی جو جناب ابوبکر سے مروی کی گئی ہے اور جو ارشاد زیر بحث ہے اس سے انبیاء کا مسئلہ ہمارے عقائد کے مطابق طے قرار پاتا ہے۔ یہ علم کی تحصیل اور علماء کی فضیلت سے متعلق ہے اور ہوس زر کی تنقیص کرتی ہے اس حدیث سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی ہے کہ نہ ہی انبیاء کا کوئی وارث ہوتا ہے اور نہ ہی انبیاء کسی کے وارث ہوتے ہیں اور ان کا ترکہ صدقہ ہوتا ہے ورنہ بایں الفاظ دیجیے۔

سوال:۔ جبکہ یہ حدیث اصول کافی ص ۱۹ میں موجود ہے اور اس کی توثیق امام مہدی نے غار شریف میں کر دی ہے تو انکار کیسا؟

جواب:۔ اصول کافی حدیث کا جواب دیا جا چکا ہے کہ وہ ابوالبختری مروی ہے جو دشمن اہل بیت

اور جھوٹا تھا۔امام مہدی کی توثیق امر مسلمہ نہیں ہے البتہ علماء فقہاء کی وراثت علمیہ والی حدیث صحیح ہے۔

سوال:۔ کیا امام مہدی اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ اصولی کافی میں غیر معتبر احادیث شریف بھی موجود ہیں پس اگر یہ قول حقیقت کا ترجمان ہے تو لامحالہ امام مہدی علیہ السلام کے قول کو خلاف واقع کہنا پڑے گا جو کہ مہدویت اور معصومیت کے شان کے خلاف ہے۔

جواب:۔ ہم بار بار اس بات کو دہرا رہے ہیں کہ امام مہدی کی توثیق امر مسلمہ نہیں ہے تو پھر اس تکرار فضول سے کیا حاصل؟

سوال:۔ اگر ایک امام کسی حدیث کی کتاب کو معتبر بتائے اور غیر امام اس کی ایسی تنقیحات پیدا کردے جو کہ شان امام کے خلاف ہو تو فرمایئے غیر امام کا ایمان بحال رہے گا یا نہ۔ ہر دوشقوں پر با دلائل روشنی ڈالیے۔

جواب:۔ جب امام کا کتاب کو معتبر قرار دینا پایہ ثبوت ہی کو نہ پہنچا ہو تو پھر عند التحقیق معاملہ سے دلیل قائم کرنا کس طرح معقول بات ہوسکتی ہے۔اسی اعتراض کی گنجائش اس وقت پیدا ہوسکتی ہے جب ہم امام کی تصدیق کو تسلیم کرتے ہوئے غیر امام کی بات کو قبول کرلیں۔ افسوس ہے کہ محض غیر محقق الزام خواہ مخواہ ہمارے سر منڈھا جا رہا ہے جبکہ خود کلینی نے اپنے مقدمہ میں ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا بلکہ ہر طرح کی احادیث کا مجموعہ قرار دیا ہے۔

سوال:۔ اگر قول وراثت بزعم شیعہ صحیح ہے تو صرف بنت الرسول کی وراثت کا

کیا معنے۔اس لحاظ سے تو جمہ امہات المومنین بالخصوص سیدہ کونین حبیبہ حبیب خدا سیدہ عائشہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہین حضرت عباسؓ وغیرہ کے متعلق وراثت کے لحاظ سے کیوں اغماض سے کام لیا جارہا ہے؟

جواب:۔جب ہم وراثت کے قائل ہیں تو پھر سب کی وراثت تسلیم کرتے ہیں۔کسی سے اغماض نہیں کیا جاتا ہے مگر یہ افسوس ہے کہ حکومت نے دیگر لوگوں کو تو اُن کے حصوں سے بھی زائد ادا کر دیا مگر سیدہ طاہرہؑ سے سب کچھ چھین لیا چونکہ سیدہ پر ظلم ہوا اس لئے مظلومہؑ کی وراثت کو اہمیت حاصل ہے جبکہ ازواج و دیگر لوگوں کو حکومت کی سختیاں برداشت نہیں کرنا پڑی ہیں۔

سوال:۔ معین کیجئے کہ سیدہ کا مطالبہ ہبہ کا تھا یا وراثت کا۔اگر ہبہ کا تھا تو ہبہ بخش ہو جانے کے بعد واہب کی ملک سے نکل جاتا ہے پس اس لحاظ سے فدک حضور علیہ السلام کے قبضے میں نہ رہا اور وفات پائی تو اس مال سے وراثت کا جاری ہونا بعید از قیاس رہیگا۔

جواب:۔دراصل فدک کے بارے میں سیدہؑ کے مطالبہ ہبہ ہی کا تھا اور حضورؐ کی حیات ہی میں سیدہؑ قابض تھیں مگر جب آپ کے ہبہ نامہ کو قبول نہ کیا گیا اور گواہوں کی گواہیاں جھٹلا دی گئیں تو سیدہؑ نے وراثت کا مطالبہ کیا۔حضورؐ تو قبضہ عطا فرما چکے تھے مگر حکومت نے بے دخل کرنے کے اقدام کیے اور وثیقہ تک کو جھوٹا سمجھا۔

سوال:۔ اور اگر وراثت کے طور پر سوال کیا تھا تو وراثت کا تقاضا یہ ہے کہ

مال موروث کے قبضے میں مدۃ العمر تک قبضے میں رہے تو ہبہ کا قول خلاف عقل ہے بہر حال جواب درکار ہے۔

جواب:۔ جب حکومت نے فدک سے سیدہؑ کے وکیل کو نکال دیا اور قبضہ جمایا تو اس کا موقف یہ تھا کہ فدک ہبہ نہیں کیا گیا بلکہ حضورؐ کے قبضہ میں تھا لہذا حکومت کی اس ناانصافی کے خلاف سیدہؑ نے احتجاج کر کے دعویٰ وراثت کیا اور حاکم وقت لاجواب رہ گیا اور سوائے ایک وضعی حدیث کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ جب یہ داؤ بھی نہ چلا تو مجبوراً تحریر لکھ دی مگر مشیر خاص نے اس سے چاک کر دیا۔

سوال:۔ اگر یہ کہا جائے کہ پہلے سیدہ طاہرہ نے ہبہ کا دعویٰ کیا تھا جب سند پھاڑ ڈالی گئی تو پھر وراثت کا دعویٰ کیا تو سوال یہ ہے کہ کیا اس سے سیدہ کے تقویٰ و دیانت نیز علم وفہم پر تو معاذاللہ حرف نہیں آتا جبکہ ہبہ بعد الھبتہ رفع المالک کو مقتضی ہے اور ورثہ بقاء الملک کو۔

جواب:۔ ہبہ کے مطالبہ میں ناکامی کے بعد سیدہ کا دعویٰ وراثت ان کے کمال علم و معاملہ فہمی کی دلیل ہے اور اپنے حقوق کو غاصب سے حدود شرعی میں طلب کرنا تقویٰ و دیانت کے ہرگز منافی نہیں ہوتا ہے۔ جب سیدہؑ کا مطالبہ ہبہ پر جھوٹا قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ ملک واہب کے بقضہ میں تھی تو ورثہ بقاء المالک بزبان غاصب تسلیم ہو گیا لہذا اسی کے قول کے مطابق سیدہؑ نے وراثت کا دعویٰ کیا اور فریق مخالف کی اس ترکیب کو خاک میں ملا دیا کہ نبی کے وارث نہیں ہوتے اگر یہ حدیث درست ہوتی تو سیدہؑ کبھی ایسا مطالبہ نہ کرتیں۔

سوال:۔ اگر یہ کہا جائے کہ ابن قتیبہ نے الامامت والسیاست ص ۱۵ میں سیدہ طاہرہ کا قول نقل کیا ہے:۔

قالت فاطمة لابی بکر وعمر استخطتمانی وما ارضیتمانی ولئن لقیت النبی لاشکونکم الیه

"سیدہ فاطمہ نے ابوبکر و عمر سے فرمایا کہ تم نے مجھے ناراض کیا ہے اور راضی نہیں کیا البتہ اگر میں حضورؐ سے ملی تو تمہاری شکایت کروں گی"

تو سوال یہ ہے کہ کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ مذکورہ کتاب کسی اہل سنت معتبر عالم کی تصنیف ہے نیز یہ ہے کہ جب ابن قتیبہ کے شیعہ ہونے کے متعلق ہمارے علماء نے یہ تصریح فرمادی ہے کہ وہ شیعہ تھا پھر خواہ مخواہ مغالطے میں ڈالنے کا کیا فائدہ۔ ملاحظہ فرمائیے:

"وابن قتیبه صاحب المعارف الذی هو رفضی عنید"

(المنۃ الالہیہ ص ۳۴)

ابن قتیبہ صاحب المعارف کٹر شیعہ ہے۔

جواب: آپ کی طرف سے انکار کتب و علماء کا یہ حال ہے کہ آج بخاری و مسلم جیسے لوگوں کو بھی سبائی کہا جاتا ہے اور تمام اسلامی لٹریچر کو شیعوں کی تصنیف و تالیف قرار دے دیا ہے۔ اب ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں قرآن سے بھی انکار نہ کر دیں۔ رہی بات کتاب "الامامت والسیاست" کی تو اس کتاب کا آغاز ہی حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی فضیلت سے ہوتا ہے اور پہلی روایت ہی جنت کے بڈھوں کے سرداروں سے ہیں والی نقل کی گئی ہے جو شیعہ عقائد کے خلاف ہے لیکن آپ کی عادت ہے کہ جہاں کہیں کسی کے قلم سے کوئی ایسی بات قدرتاً نکل جائے جو آپ کے عقائد کے خلاف ہو تو فوراً اس پر رافضی ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے حالانکہ عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ کی توثیق حضرت عمر کے وکیل

خاص علامہ شبلی نعمانی بایں الفاظ کرتے ہیں:

عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ المتولد ۲۱۳ھ یہ نہایت نامور اور مستند مصنف ہے محدثین بھی اس کے اعتماد اور اعتبار کے قائل ہیں اس کے علاوہ علامہ ابن خلکان نے اپنی وفیات اور الاعیان میں اسے فاضل عالم، ثقہ اور قابل اعتبار لکھا ہے نیز ملاحظہ کیجیے شرح زرقانی علی مواہب لدنیہ الجزء الاول ص ۱۷ وغیرہ۔ اب اگر آپ انکار کتب وعلماء کرتے کرتے یہاں تک آ گئے ہیں کہ متن قرآن بھی آپ کے لئے دلیل نہیں رہا بلکہ صرف ترجمہ کے قائل ہیں جیسا کہ مسٹر محمود عباسی و عزیز احمد صدیقی وغیرہ کا خیال ہے تو پھر اس کا علاج میرے پاس نہیں ہے کہ جہلا کے لئے بہترین جواب خاموشی ہو کرتا ہے۔

سوال:۔ آپ حضرات میں سے کوئی شخص یہ ثابت کر سکتا ہے کہ سیدنا ابی بکر الصدیق نے بنت الرسول سے فدک چھین کر اپنی بیٹی سیدہ عائشہ کے حوالے کیا ہو۔

جواب:۔ حضرت ابوبکر یا حضرت عمر کا سیاسی تدبر ان کے دشمنوں سے بھی خراج تحسین حاصل کیے بغیر نہیں رہ سکتا انہوں نے اپنی سیاسی بنیادیں اس قدر سوچ سمجھ کر استوار کی ہیں کہ انسانی مکر وتفکر حیران رہ جاتے ہیں۔ اگر حضرت ابوبکر سیدہؑ سے چھینا ہوا فدک اپنی کسی بیٹی کو دے دیتے تو یہ ان کی سیاسی فاش غلطی ہوتی اور اس وقت کے سیاسی حالات اسی عمل کو کبھی برداشت نہ کرتے ایک طرف بنی ہاشم کی مخالفت تیز ہو جاتی تو دوسری طرف ان کو اس آمدنی سے ہاتھ دھونا پڑتا جس کے ذریعہ اسے انہوں نے لوگوں کو ہمنوا بنایا اور پھر تاریخ میں ان کی نیک نامی کو مزید دھبہ لگتا۔ لہذا بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے کام لیتا ہے حضرت ابوبکر صاحب نے ایسا قدم نہ اٹھایا مگر انہوں نے اپنی بیٹی کی

معاشی حالت کا خاص خیال رکھا اور یہی عمل ان کی جانشین نے پلے باندھے رکھا۔ لہذا حضرت عائشہ کی مالی حالت بہت مستحکم تھی البتہ زمانہ عثمان میں بی بی صاحبہ کی آمدن میں کمی واقع ہوئی تو آپ نے فتویٰ دیا کہ کہ عثمان کافر ہو گیا ہے اس نعثل کو قتل کرو (احمد بن حنبل) چنانچہ ہم قائیں کو ام المومنین کہ بی بی صاحبہ کس قدر متمول تھیں۔ امام بخاری روایت لکھتے ہیں کہ "اسماء بنت ابوبکر نے قاسم بن محمد اور عبداللہ بن ابی عتیق سے کہا کہ مجھے اپنی بہن عائشہ کے ترکہ میں غابہ میں کچھ جائداد ہاتھ آئی مجھے معاویہ اس کے بدلے میں ایک لاکھ روپیہ دیتے تھے (مگر میں نے نہیں بیچی)" یہ جائداد تم دونوں لے لو۔ (ترجمہ علامہ الحدیث مولوی وحید الزمان صاحب کا ہے) غمابہ ایک گاؤں کا نام ہے جو مدینہ سے متصل تھا وہاں بی بی عائشہ کا کچھ حصہ تھا زمین میں (حاشیہ بخاری)

اب لدھیانوی صاحب بتائیں کہ جب رسولؐ نے کوئی ترکہ نہیں چھوڑا۔ جو کچھ چھوڑا ہوا صدقہ ہوا اور بی بی صاحبہ کو صرف نان ونفقہ ہی ملتا تھا تو یہ ایک لاکھ روپے کی زمین کہاں سے آ گئی اور کون سی شرعی دلیل سے آپ کے قبضہ میں تھی نیز کس شرعی دلیل سے بی بی عائشہ کو دس ہزار درہم کا عطیہ ملا کرتا تھا کہ لانورث والی حدیث جناب بی بی صاحبہ پر حاوی نہ تھی۔ مزید اطمینان کے لئے ملاحظہ کیجیے صحیح بخاری ترجمہ مطبع احمد لاہور کتاب الھبہ باب ہبۃ الواحد للجماعۃ ۴۳ سطر آخر پارہ دسواں۔ تیسیر الباری ترجمہ صحیح البخاری وغیرہ۔ اس روایت میں آپ بی بی عائشہ کی جائداد میں سے کچھ کی مالیت جو کہ ان کی بہن کے ہاتھ آئی کا اندازہ لگایا اب ذرا ان کے (ابوبکر کے) داماد حضرت زبیر کی دولت کا نظارہ فرمائیے صحیح بخاری میں ہے کہ۔ "اس قدر کثرت وفراوانی زر کی صورت میں فدک کا حضرت عائشہ کو دینا بے فائدہ تھا حالانکہ دوسری ذرائع سے ان کی مالی حالت کو مستحکم بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی"

سوال:۔ اگر یہ مکر کیا جائے جیسا کہ فلک النجاۃ ص ۳۹۲ میں کیا گیا ہے کہ

صاحب البیت حدیث عدم توریث کو نہیں جانتے تھے صرف ابوبکر جانتا تھا تو سوال یہ ہے کہ کس نے کہا ہے کہ نہیں جانتے تھے اور کون کہتا ہے کہ اس حدیث کے راوی صرف ابوبکر صدیق ہی ہیں صاحب منتقی نے تصریح فرمائی ہے:

رواہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر وعمہ وعثمان و علی و طلحۃ وزبیر و سعید و عبدالرحمٰن بن عوف و العباس وازواج النبی صلعم و ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم

اس حدیث کو حضور علیہ السلام سے ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ وطلحہؓ زبیرؓ سعید، عبدالرحمٰنؓ بن عوف عباسؓ اور حضور علیہ السلام کی ساری گھر الیوں نے اور حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے۔

پس دروغ بیانی کا کیا فائدہ؟

جواب:۔ اگر یہ مکر ہے کہ اس حدیث کا راوی سوائے حضرت ابوبکر اور کوئی نہیں ہے تو آپ سے گزارش ہے کہ عائشہ وابوبکر کے علاوہ ہر ایک راوی سے سرِدی یہ حدیث مع مکمل حوالہ نقل فرمادیجئے۔ یہ حوالاجات صحاح ستہ میں سے ہونے چاہئیں اور روایت کے لئے ضروری ہے کہ وہ مرفوع ہو اس کے اسناد مکمل ہوں اور تمام راوی ثقہ ہوں ان میں حضرت ابوبکر و عائشہ نہ ہوں اگر آپ ایسی روایات دکھا دیں گے تو ہم فی روایت از مختلف راوی ایک سورو پیہ نقد انعام پیش کریں گے۔ مگر بصورت ناکامی ہم پر

دروغ بیانی کا الزام واپس لے کر اپنے جھوٹ کا اقرار کر لیجئے۔

سوال:۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ ابوبکرؓ نے فدک اس لئے نہیں دیا تھا کہ ان کی قرابت رسول مقبول سناد (سے عناد) تھا تو سوال یہ ہے کہ آخر اس طوطا چشمی کا کیا فائدہ جبکہ کتاب فضائل بخاری ص ۶۲ باب ۱۲ جلد ۴ وص ۲۰۹ وص ۲۱۰ اسی طرح کتاب المغازی باب غزوۂ خیبر ص ۸۲ ج ۵ میں صدیق اکبر کا قول موجود ہے:

فتکلم ابوبکر فقال والذی نفسی بیدہ لقرابة رسول اللہ احب الی ان اصل من قرابتی

"پس ابوبکر نے جواب دیا مجھے اس خدا کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میرے جان ہے کہ حضور علیہ السلام کی قرابت مجھے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ تعلق قائم کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔"

جواب:۔ معترض کا یہ مکر بلکل ایسے ہی ہے کہ کوئی مسلمان کسی منافق کی صفائی پیش کرتے ہوئے کہہ دے کہ آخر اگر اس منافق کو رسول اللہ سے دشمن یا عناد تھا تو پھر اس نے کلمہ رسول کیوں پڑھا۔ نمازیں کیوں ادا کیں اور جہاد میں کیوں گیا بہر حال حضرت ابوبکر نے فدک اور دیگر ذرائع آمدنی اہلبیتؑ میں دخل اندازی اس لئے کی کہ آپ کو اہل بیتؑ میں سے خصوصاً علی علیہ السلام کی طرف سے سیاسی خطرہ تھا اور حضرت نے سب سے پہلے وانائی بھری دشمنی یہ کی اُن کو مالی لحاظ سے مفلوک الحال بنا دینے میں کوئی وقیقہ فروگزاشت نہ کیا لیکن یہ کام بھی سیاست پر گہری نظر رکھتے ہوئے کیا گیا۔ چنانچہ زبانی چکنی چپڑی باتیں بھی کی جاتی رہیں لیکن خفیہ کا نٹا صاف کرنے کی تدابیریں سوچی جایا کرتی تھیں

کبھی احراق خانہ کا منصوبہ بنتا تھا اور کبھی قتل پر کرایہ کے غنڈے خریدے جاتے تھے۔ جیسا موقع ہوتا ویسی چال ہوتی۔ پہلے زخم لگا کر گھائل کیا جاتا پھر آنسو سے بہا کر ہمدردی جتائی جاتی تھی تاکہ ایک تیر سے دو نشانے کرنے میں ہر رکاوٹ دور ہو جائے بس اور کیوں کر کہوں صرف یہ کہتا ہوں کہ حضرت صاحب کا احساس ایسا تھا کہ لینے دینے کے سر میں خاک محبت پاک۔ ایسی ہی محبت تھی کہ رسولؐ کی قرابت داروں سے وقتی طور پر زبانی محبت کا اظہار اور اپنے قرابتداروں کو مالی نوازشات!

سوال:۔ کتاب فرض الخمس صحیح بخاری ب اج ۲ ص ۴۴ میں ابوبکر صدیق کا قول موجود ہے:

میں نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی کہ حضور علیہ السلام اس پر عمل کرتے ہوں تو میں نے کیا ہے مجھے خوف ہے کہ اگر میں نے حضور کے کسی حکم کی تعمیل نہ کی تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔

فرمایئے سیدنا ابوبکر نے بسبب عناد وارثت تقسیم نہ فرمائی یا برعایت حکم رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم۔

جواب:۔ حضرت علی علیہ السلام کا شوریٰ کے وقت سیرت ابوبکر کی پیروی کرنے سے انکار کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ جناب ابوبکر کا قول حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ ہم صرف فدک ہی کو لے لیتے ہیں کہ عمل رسول سے ہبہ بنام سیدہؑ ثابت ہے جبکہ حضرت ابوبکر نے اس کے خلاف عمل کرتے ہوئے سیدہؑ کو بے دخل کیا ورنہ ثابت کیا جائے کہ حضورؐ کی حیات میں فدک کی حیثیت ایسی تھی جس طرح حضرت ابوبکر نے کر لی جبکہ یہ خالصہ رسولؐ تھا اور آپؐ نے اسے سیدہؑ کو بخشا۔ چونکہ وارثت کی تقسیم کا کوئی حکم بزبان رسولؐ ثابت نہیں ہے اس لئے عمل ابوبکر برعایت حکم رسولؐ ہرگز نہ تھا بلکہ بسبب عناد تھا۔

سوال:۔ کیا سیدہ پر یہ بہتان کہ وہ شکایت حضور علیہ السلام کے سامنے کریں

گی نصوص صریحہ کے معارض نہیں کیونکہ قرآن مجید سورہ یوسف میں ہے۔

انما اشکوا بثی وحزنی الی الله

میں اپنے رنج وغم کی شکایت خداتعالیٰ کی طرف کرتا ہوں۔

دعائے موسیٰ علیہ السلام میں ہے۔

اللهم لک الحمد والیک المشتکی انت المستعان وبک المستغاث وعلیک التکلان۔

اے اللہ تیرے لئے حمد ہے تیری طرف ہماری شکایت ہے تو مددگار ہے اور تیری طرف فریاد ہے اور تجھی پر توکل ہے۔

اگر بقول شاسیدہ کا وہ قول مندرالامامۃ والسیاست صحیح ہے تو ان نصوص کا جواب دیجئے۔

جواب:۔ خدا کا حکم ہے کہ تم اپنے باہمی تنازعات خدا اور رسول کی طرف لوٹاؤ اور پھر اللہ کا فیصلہ ہے کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔ پس ثابت ہوا کہ رسول کے سامنے شکایت کرنا دراصل خدا ہی کے سامنے شکایت کرنا ہے کیونکہ سورۂ نساء میں واضح حکم ہے کہ "پس نہیں ہوں گے آپ کے رب کی قسم (لوگ) نہیں ایمان لائے ہوں گے جب تک وہ اپنے باہمی جھگڑوں میں آپ کو حکم نہ تسلیم کرلیں" پس سیدۂ کا اپنے تنازعہ کو عدالت محمدیہؐ میں پیش کرنا بمطابق حکم قرآن ہے اور جناب یعقوبؑ موسیٰؑ سے متعلقہ آیات کے مطابق سیدۂ کا بحضور رسالت مآبؐ شکایت کرنا متعارض نہیں ہے جبکہ پیغمبرؐ کی طرف رجوع دراصل خدا کی طرف رجوع ہے اگر آپ بارگاہ رسالتؐ میں شکایت کرنا خلاف شریعت سمجھتے ہیں تو حکم ممانعت کے ثبوت میں نص پیش کیجئے جبکہ حضور شفیع المزنبین ہیں۔

سوال:۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ صدیق اکبر نے فدک نہ دیکر اتنا گناہ کیا کہ جس کی پاداش میں سیدہ نے اپنے جنازہ میں بھی داخل نہ ہونے دیا تو سوال یہ ہے کہ اگر یہ وصیت تسلیم کرلی جائے تو کیا اسے کمال ستر وحجاب پر محمول کرنا بہتر ہوگا یا اظہار ناراضگی پر۔

جواب:۔ اگر آپ یہ مکر کر لیتے ہیں کہ جنازے پر نہ آنے کی وصیت کمال ستر وحجاب پر محمول ہے تو پھر بتایئے اُم المومنین بی بی عائشہ کیلئے ایسی وصیت کس لئے کی گئی اور دفن ونماز میں حضرت عمارؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت ابوذرؓ، حضرت بریدہؓ، حضرت سلمانؓ وغیرہ کی شرکت پر کیوں پابندی نہ ہوئی۔ خصوصاً شیخین اور ان کے ہم مشربوں کے لئے ایسی وصیت ثابت کرتی ہے کہ اس کا مقصد اظہار ناراضگی تھا۔ کیونکہ دیگر لوگ اصحاب رسول تھے مگر حضرات شیخین کو تو سیدہ کا "نانا" ہونے کا بھی اعزاز حاصل تھا۔

سوال:۔ اگر کمال ستر پر محمول ہے تو وہ مطابق واقع ہے کسی کو اس کے خلاف پر اصرار نہیں ہے اور اگر اظہار ناراضگی پر محمول کیا جائے تو سوال یہ ہے کہ اس قسم کی وصیت کی حضرت سیدہ سے توقع بھی کی جاسکتی ہے۔

جواب:۔ ایسی وصیت جو اظہار ناراضگی پر محمول و مان لینے میں آخر کیا قباحت ہے۔ ایسا سوشل بائیکاٹ تو اللہ نے منافق کے جنازہ میں شرکت سے منع کر کے بتایا ہے اور اگر اسی حکم کو الٹ لیا جائے تو نتیجہ برابر ہوگا۔ یعنی نہ ہی منافق کے جنازے میں شرکت کرو اور نہ ہی اپنے جنازے پر منافق کو آنے دو۔

سوال:۔ کیا یہ وصیت عمل سید الرسل کے خلاف نہں جبکہ آپ نے اپنے جنازے سے کسی کو منع نہیں فرمایا تھا کیا آپ لوگ ایسی خفیف باتیں بھی سیدہ کیطرف منسوب کرنے کے عادی ہیں؟

جواب:۔ کیا آپ کوئی ایسی ممانعت بزبانِ رسولؐ ثابت کر سکتے ہیں کہ جنازہ پر آنے سے منع کرنے کی وصیت شریعت کے خلاف ہے۔ جب حکم امتناع ہی نہیں ہے تو ممانعت کیسی؟ باقی حضورؐ تو علم نبوت سے جانتے تھے کہ لوگ خود ہی آپؐ کا جنازہ چھوڑ کر تخت کے پیچھے بھاگ جائیں گے اس لئے وصیت کی ضرورت ہی نہ رہی۔ بلا وصیت ہی لوگ اس عزت سے محروم ہو گئے۔ کیونکہ ازروئے قرآن رسولؐ اور منافق کا ساتھ دائمہ نہیں ہے۔

سوال:۔ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اگر سیدہ کو حق دینا ناجائز تھا برعایت حدیث الانورث تو ابوبکر صدیق نے خچر تلوار اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمامہ (دستار) حضرت علی کو کیوں دیا تھا۔ تو سوال یہ ہے کہ ذرا تحقیق تو فرمائیے کہ سیدنا ابوبکر صدیق نے سیدنا علی مرتضیٰ کو یہ چیزیں دی تھیں یا ان کے پاس رہنے دی تھیں اور یہ ترک ماترک عند علے برائے تصرف تھا یا برائے تملیک تھا؟

جواب:۔ جس طرح مذکورہ تبرکات حضرت علیؑ کے تصرف وقبضہ میں تھے اسی طرح فدک بھی سیدہؑ کے قبضے میں تھا۔ جس طرح تبرکات رہنے دیئے گئے اسی طرح فدک بھی سیدہؑ کے پاس ہی رہنا چاہیئے تھا۔ حضورؐ نے اپنا عمامہ (تاج) حضرت علیؑ کو دیکر ثابت کیا کہ یہ میرا ولی عہد ہے اور وارث

دستار ہے عمامہ دیکھ کر ہی حضرت ابوبکر کچھ خیال کر لیتے۔ اگر یہ تبرکات برائے تصرف تھے تو پھر حکومت نے صدقہ قرار دیتے ہوئے کیوں نہ واپس لئے۔ اگر یہ چیزیں ترکہ ہو کر صدقہ نہیں ہیں تو پھر فدک کیوں؟ شاید اس کی مالیت زیادہ ہے اس لئے۔

سوال:۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ ثعلبی نے عرائس المجالس میں لکھا ہے کہ ورث سلیمان داود یعنی نبوتہ وحکمتہ علمہ، وملکہ، جیسا کہ فلک النجاۃ ص ۳۹۶ میں کیا گیا ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سے وارثت مالی مراد لینا کیا آپ کے جہل کی دلیل نہیں جب کہ عبارت کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ بیٹا باپ کی طرح بادشاہ بنا اور ساتھ یہ بھی کہ وارثت سیدنا سلیمان علیہ السلام کے بغیر کسی کو نہ ملی؟

جواب:۔ آپ مہربانی کر کے وہ الفاظ بتائیں جن کا مطلب یہ ہے کہ وارثت سیدنا سلیمانؑ کے بغیر کسی کو نہ ملی۔ باقی چونکہ حضرت سلیمانؑ حضرت داوٗدؑ کے بڑے صاحبزادے تھے لہذا نبوت و علم و حکمت اور تختِ حکومت کے وارث آپ ہی قرار پائے اور ہم نے گذشتہ اوراق میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے والد کی ملک خاص سے حصہ دراثت پایا ہے۔

سوال:۔ اگر فلک النجاۃ ص ۳۹۷ ج کا حوالہ دیکر کہا جائے کہ خاف ذکریا ان پر ثوالہ سے معلوم ہوا کہ وارثت مالی مراد ہے تو سوال یہ ہے کہ یہاں کیا یہ مطلب نہیں کہ قوم میرے مال پر قابض ہو جائیگی۔

جواب:۔ چلئے آپ کی بات بڑی صحیح مگر یہ تو بتایئے جب مال صدقہ ہے اور قوم ہی کا ہے تو پھر خوف کی کیا ضرورت ہے۔ قابض ہو جائیگی تو ہوتی ہے ایسا خوف محسوس کرنا دلیل ہے کہ مال نبیؐ پر قبضہ جمانے والی قوم سے اللہ کے نبی کو خدشہ وخوف ہوتا ہے۔ فافہم اگر یہ مکر کیا جائے کہ وہ خدشات حیات نبی کے زمانہ میں متوقع تھا تو پھر اور بھی خطرناک صورت ہوگی کہ نبی جبکہ حق ملکیت ہی نہیں رکھتا بلکہ صرف متصرف ہے اور اصلی مالک قوم ہے تو پھر حقیقی مالکوں سے غصب کا کیا ڈر؟

سوال:۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ جیسا کہ فلک النجاۃ ص ۴۰۲ میں کیا گیا ہے کہ جابر کے کہنے پر تو بلا شہادۃ بحرین کے مال سے صدیق اکبر نے حضرت فاطمہ کو مال کثیر دے دیا تھا لیکن یہاں مسئلہ فدک میں کسی کی بھی گواہی منظور نہیں کی گئی تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہاں جابر کے دعویٰ کے خلاف حضور علیہ السلام کا ارشاد موجود نہیں ہے اور وہاں بطرق کثیرہ سرور کائنات کا ارشاد اجراء سلسلہ توریث سے مانع ہے فرمایئے آپ کے استدلال کی کیا قیمت رہی؟

جواب:۔ فلک النجاۃ حضرت جابر کے کہنے سے بی بی پاک کو مال کثیر دینا تو نہیں لکھا ہے۔ البتہ خود حضرت جابرؓ کو پندرہ سو کی رقم بلا اشتہام وگواہ ادا کرنا قوم ہے اور یہ روایت صحیح بخاری کی ہے۔ اب تقاضا انصاف یہ ہے کہ ایک صحابی کو محض زبان ہی پروان ہو رہا ہے جبکہ سیدہؑ کی دستاویز اور گواہوں کو بھی جھوٹا قرار دیا جاتا ہے۔ اس کی بنیاد ایک حدیث خود ساختہ بنائی جاتی ہے۔ جس کا راوی وہ شخص ہے جو فریق مقدمہ ہے۔ اگر انہیں بنیادوں پر یہ دعویٰ کسی عام عدالت میں پیش کیا جائے تو نتیجتاً حضرت ابوبکر کے انصاف پر عدل وانصاف ماتم کناں ہو جائیں گے ہمارا استدلال تو قرآن پر ہے اور آپ کا حدیث

پر بتایئے فوقیت کس کا حاصل ہے ایک خلاف قرآن حدیث موضوعہ کو یا حکم الٰہی کو۔

سوال:۔ فلک النجاۃ ص ۲۰۶ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے سیدہ کو فدک بطور عطیہ کے دیا تھا تو سوال یہ ہے کہ جب فدک میں جملہ اقرباء یتامیٰ مساکین اور فقراء مہاجرین شریک تھے صرف سیدہ پر مشترک مال کا دان کرنا چہ معنی دارد؟

جواب:۔ جائیداد فدک میں جملہ اقرباء یتامیٰ مساکین و فقراء کا حق ملکیت نہ تھا بلکہ خالصہ رسولؐ تھا۔ جس میں سے حضورؐ ان لوگوں کی امداد فرمایا کرتے تھے۔ اور جب سیدہؑ کے نام ہبہ ہو گیا تو آپ بھی ایسا ہی کرتی تھیں۔ مگر آج تک یہ نہ ہوا کہ مالک جائیداد اگر اس کی آمدن میں سے صدقہ خیرات کرنا شروع کر دے تو محتاجین اس جائیداد کی تملیک میں حصہ دار قرار پا جائیں اگر اس اصول کو مان لیا جائے تو پھر سخاوت کی صفت ختم ہو جائے گی۔ اب اگر بقول شما فدک میں یتیموں مسکینوں اور فقیروں وغیرہ کو ملکیت کا حق تھا تو پھر بتایئے بی بی پاکؑ کے علاوہ بھی کسی شخص نے یتیم، مسکین فقیر نے فدک پر ملکیت کا دعویٰ کیا۔ جب مدعی ہی دعویدار نہیں تو پھر وکیل کی وکالت کا کیا فائدہ ہے جب مال مشترکہ ثابت نہیں بلکہ حضورؐ کی ملکیت ثابت ہے تو پھر اعتراض بے معنی ہے۔

سوال:۔ کہا جاتا ہے کہ ابوبکر صدیقؓ نے ممبر پر فرمایا تھا۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یعتصم بالوحی وان لی شیطان یعرینی فان استقمت فاعینونی زغت فقرمونی

(فقومونی)

بلا شبہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام وحی کے ساتھ تمسک فرمایا کرتے
اور بیشک میرے لئے شیطان ہے اگر میں سیدھا رہوں تو میری
امداد کرنا اور اگر میں ٹیڑھا ہونے لگوں تو مجھے سیدھا کرنا۔

فرمایئے اس پر کیا اعتراض ہے کیا اس بات سے سیدنا صدیق اکبر کا اخلاص ثابت نہیں ہوتا۔

جواب:۔ حضرت ابوبکر کے اس اعتراف پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ یہ انہوں نے بالکل سچ کہا ہے اعتراض مجھے حضرت ابوبکر کے مریدوں پر ہے کہ جو پیر ہدایت کے لئے مریدوں کا محتاج ہو وہ پیر کامل نہیں ہوسکتا ہے۔

سوال:۔ اگر اس جملے پر اعتراض ہے کہ میرے لئے شیطان ...... ہے کو تو کیا حدیث شریف میں وارد نہیں ہے۔

ماھن احدِ الاوقد و کل به قرینه من الجن وقرینه من الملائکة۔

کوئی انسان نہیں مگر اس کا ایک ساتھی جنوں سے بنایا گیا ہے اور ایک ساتھی فرشتوں میں سے۔

جواب:۔ نہ ہی ہم اس جملے پر معترض ہیں اور نہ ہی یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے غلط کہا۔ لہذا آپ کا اعتراض کرنا بے وجہ ہے۔ باقی از روئے قرآن کچھ مخصوص و مصطفیٰ ہستیاں ایسی بھی ہیں جن پر شیطان کا تسلط نہیں ہے جیسا کہ خود خدا نے بوقت اخراج ابلیس وعدہ فرمایا ہے۔

سوال:۔ کیا حضرت نے یوں نہیں فرمایا:

ان الشیطن یجری فی الانسان کمجری الدم

بلاشبہ شیطان میں انسان خون کی طرح چلتا ہے۔

جواب:۔ فرمایا ہے (بخاری)

سوال:۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے بوجہ عدم معصومیت یہ بیان دیا ہے؟

جواب:۔ ہوتا ہے تبھی تو ہم کہتے ہیں معصوم کا نائب معصوم ہونا چاہیے اور حضرت ابوبکر معصوم نہ تھے۔

سوال:۔ اگر سیدنا ابوبکر کا یہ قول پیش کیا جائے۔

اقیلونی فلست بخیر یکم وعلیٌ فیکم

میری بیعت مجھے واپس کر دو پس میں تم میں اچھا نہیں ہوں اور علیؑ تم میں ہے۔

پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ خلیفہ کامل کی یہ پہچان نہیں کہ پبلک زور سے اُسے

خلیفہ منتخب کرے اور اس کے دل میں رائی کے برابر بھی طمع نہ ہوں۔ اگر یہ سچ ہے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیسا؟

جواب:۔ خلیفہ برحق کو پبلک رائے کی احتیاج ہی نہیں ہوتی کیونکہ اس کا تقرر خدا کی طرف سے ہوتا ہے وہ جمہوری رائے کا پابند و محتاج نہیں ہوا کرتا اور اگر حضرت ابوبکر کا مقولہ نا قابل اعتراض ہے تو پھر آپ اس کی تردید کیوں کرتے ہیں اسے قبول کر لینے میں آپ کو کیا عذر ہے؟

سوال:۔ کیا سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ نہیں فرمایا میری وزارت تمہارے لئے میری امارت سے بہتر ہے۔

جواب:۔ حضرت علیؑ کے اس ارشاد اور حضرت ابوبکر کے اس قول میں زمین و آسمان کا فرق ہے حضرت نے ایسا اس وقت فرمایا جب دنیا نے حکومت کا تاج اُن کے قدموں میں مجبور ہو کر رکھ دیا اور حضرت ابوبکر نے وہ بات اس وقت کہی جب وہ تخت پر بیٹھے حکومت کے سربراہ تھے اور لوگ ان کو غاصب سمجھتے تھے اور علیؑ کو حقدار جانتے تھے لہذا یہ تقریر سیاسی حربہ کے تحت کی گئی اور خدا کی قدرت سے سچی بات زبان پر آئی۔ تدبیر الٹی ہو گئی جسے آج کل آپ سیدھا کرنے کی فکر میں ہیں کہ بات بھی معقول مانتے ہیں اور اس سے انکار بھی کرتے ہیں۔

سوال:۔ جب ہمارے حضرات نے اس عبارت کی سند کے لحاظ سے تردید کر دی ہے تو اعتراض کرنے کا کیا فائدہ جیسا کہ المنتہیٰ ص ۲۳۷ میں ہے "ھذا کذب

ولا له اسناد" یہ جھوٹ ہے اور اس کے لئے کوئی اسناد نہیں ہے۔

جواب:۔ آپ حضرات نے کس بات کا انکار نہیں کیا مگر حقیقت صرف انکار کر دینے سے نہیں بدلا کرتی۔ جب جید علماء نے اس روایت کی موجودگی کا اقرار کیا ہے اور کتاب ابطال الباطیل میں فضل ابن روز جیسے عالم نے اسے صحاح میں سے کہا ہے غزالی نے سر العالمین میں تسلیم کیا ہے اور سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامتہ میں لکھا ہے۔ (تشید المطاعن ص ۱۵۰)۔

سوال:۔ اگر یہ کہا جائے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ السلام نے کبھی بھی والی بنا کر نہیں بھیجا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہجرت کے نویں سال حج کا امیر سید الرسل نے کس کو بنا کر فرمایا تھا۔ نیز بتایئے فضیلت امیر بنا کر بھیجنے میں ہے یا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں رہ کر شرف زیارت حاصل کرنے اور جرعہ ہائے وصال پینے اور فیوضات نبوت سے مستفیض ہونے میں۔

جواب:۔ ہمیں ایسا اعتراض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے کئی مواقع پر لوگوں کو امیر یا سردار بنایا ہے ایسی تقرری دلیل خلافت و امامت نہیں ہے۔ باقی رہ گئی فضیلت کی بحث تو فضیلت دراصل اطاعت محبت رسولؐ سے منسلک ہے۔ حضرت کی اطاعت خواہ ان سے بظاہر دور رہ کر کی جائے یا قریب اس اطاعت کا خلوص و تقویٰ ہی باعث فضل ہوگا۔ اگر ایک جانثار رسولؐ کی عدم موجودگی میں حضورؐ کی محبت میں کمال فرمانبرداری کی مثال قائم کرتا ہے تو وہ اس صاحب سے یقیناً افضل ہوگا جو ساتھ رہ کر بھی رات کو رسولؐ کے قتل کے منصوبہ میں ملوث ہوتا ہے پس شرف زیارت پانا اسی

وقت مفید ہوگا جب دل میں محبت اور نیت میں خلوص ہوگا اس لئے فضل کا تعلق ساتھ رہنے یا امیر بننے سے نہیں اطاعت مخلصہ سے ہے۔ (نوٹ:۔ہجرت کے نویں سال حضرت ابوبکر کو حج پر بھیجنا بالکل غلط ہے جبکہ بھیجا ہی نہیں تو میر ابنانا کیسا؟)

سوال:۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق تو عمر فاروقؓ کا قول موجود ہے یعنی ابوبکرؓ کی بیعت جلدی ہوئی تو دریافت طلب امر یہ ہے اس جملہ میں صدیق اکبر کی خلافت کی کس طرح تردید ہو سکتی ہے جبکہ اس کا معنے یہ ہے کہ بیعت بلا پس وپیش ہوئی بغیر کسی انتظار کے ہوئی بغیر کسی تفریق کے ہوئی کیا اس میں صراحۃً صدیق اکبر کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی؟

جواب:۔ پہلے حضرت عمر کا قول سنئے ابوبکر کی بیعت بے سوچے سمجھے ناگہانی طور پر واقعہ ہوگئی تھی! اللہ نے اس کے شر سے بچالیا اگر آئندہ کوئی اس طرح کرے تو اسے قتل کر دینا" (صواعق محرقہ ص ۳۶) اب بتایئے اگر اس قول سے حضرت ابوبکر کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے تو پھر اس میں شائبہ شر کیوں مانا گیا اور اگر یہ بیعت دستوری جمہوری یا صحیح طریقہ پر عمل میں آئی تھی تو پھر اس کے اعادہ پر قتل کرنے کا فتویٰ حضرت عمر نے کیوں دے دیا! حضرت عمر کا قتل کرنے کا حکم دینا ثابت کرتا ہے کہ بیعت ابوبکر فلتہ تھا اور اس کا ارتکاب مستوجب سزائے موت ہے الہذا تنقیص ثابت ہوئی نہ کوئی فضیلت"۔

سوال:۔ آپ کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہمیشہ کہا کرتے تھے! لیتنی کنت سالت رسول اللہ ملا نصار فی ھذا الامر ح کاش کہ میں انصار کے

متعلق حضورؐ سے پوچھ لیتا کہ امر خلافت میں کچھ ان کا بھی حق ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس میں خلافت صدیقی کی تردید ہوتی ہے کیا مطلب ظاہر نہیں کہ ابوبکر صدیق نے حضور سے پوچھا نہیں اور حضور نے از سرِ خود بتایا نہیں اگر ضروری ہوتا تو حضورؐ اس مسلئے کو ہرگز ہرگز مخفی نہ رکھتے جب کہ نبوت چھپانے کا نام نہیں بلکہ ظاہر کرنے کا نام ہے۔

جواب:۔ اگر حضرت ابوبکر حضورؐ سے پوچھے بغیر خود تخت حکومت پر قابض ہو سکتے تھے تو پھر آخر انصار کے لئے حکم ممانعت کی عدم موجودگی میں کون سی ایسی بات تھی جو وہ امر حکومت سے محروم رہ گئے جب کہ حضورؐ نے نہ ہی کسی مہاجر کو اپنا خلیفہ نامزد فرمایا اور نہ ہی انصار میں سے کسی کو بلکہ ہمیشہ حضرت علی کو اپنا قائم مقام بناتے رہے دعوت ذوالعشیرہ کے موقعہ پر ہی خلافت علویہ کا اعلان فرمایا اور پھر اکثر وہ لفظ حضرت علیؑ کے لئے ارشاد فرمایا جس سے آپ کا خلیفہ بلا فصل ہونا ثابت ہوتا ہے اور کار رسالت کا آخری کام حکم خدا سے علیؑ کو نامزد فرمانا ہوا۔ لوگوں نے عہد غدیر کی خلاف ورزی کرتے ہوئے حضرت علیؑ کو حکومت سے محروم کر دیا حضورؐ نے اپنا فرض پورا کیا اور اُمت کو ثقلین کتاب واہلبیت کے سپرد کیا مگر اُمت نے حضورؐ کے اس حکم کو فراموش کر کے ہدایت کو چھوڑ دیا اور ضلالت کے گڑھے میں گر گئی!

سوال:۔ اگر یہ عبارت تسلیم کر لی جائے تو کیا اس میں سے صدیق اکبرؓ کے خلوص کا ثبوت نہیں ملتا۔

جواب:۔ اس عبارت سے حضرت ابوبکر کے خلوص کا ثبوت اسی صورت میں مل سکتا ہے جب وہ کوئی ایسا ثبوت پیش کرتے کہ حضورؐ نے مجھے تو اپنا خلیفہ بنایا ہے مگر انصار کو اس شرف سے محروم رکھا ہے

حالاں کہ نہ ہی کوئی حکم حضرت ابوبکر کے لئے تھا اور نہ ہی انصار کے لئے لہذا دونوں کا پلہ خالی اور برابر تھا البتہ انصار کے ساتھ یہ خلوص اس طرح ہوتا کہ انہیں بھی برابر کا شریک کار کیا جاتا جیسا کہ حضورؐ نے رشتہ اخوت قائم کر کے مساوات کا درس دیا تھا۔ لیکن یہاں تو انصار و مہاجرین میں سے کسی کو اختیار نہ تھا کہ معصوم نبی کا قائم مقام غیر معصوم شخص کو چن لیتے جب کہ یہ کام ہی خدا اور رسول کا تھا امت کو خواہ مخواہ ٹانگ پھنسانے کی ضرورت ہی نہ تھی:

سوال:۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو بوقت وفات فرمایا تھا! لیت امی لم تلد لی کاش کہ میری ماں نے مجھے نہ جنا ہوتا! تو کیا مجھے دریافت کرنے کی اجازت ہے کہ آپ ذرا صدیق اکبر کے متعلق بوقت وفات یہی جملہ بروایت صحیحہ وسند مستند ثابت تو کر دکھایئے۔

جواب:۔ اگر یہ قول صحیح اور مستند نہیں ہے تو پھر اگلے اعتراض ہی میں آپ نے اسے تقویٰ کی علامت کیوں قرار دیا ہے! اب اگر آپ حضرت ابوبکر کو صفت تقویٰ سے خارج کرنے ہی پر آمادہ ہیں تو میں مان لیتا ہوں کہ یہ انہوں نے نہیں کہا ہوگا! باقی اس کی روایت و درایت کے چکر میں مغز ماری کرنا وقت کو ضائع کرنا ہے! کیوں کہ اس فقر کو ہمارے ہاں کوئی اہمیت ہی حاصل نہیں ہے البتہ تشئید المطاعن میں یہ جملہ لکھا گیا ہے تفصیل اصل کتاب میں ملاحظہ فرمالیجیے۔

:۔ نیز اگر تسلیم کر لیا جائے تو کیا۔

ان کرمکم عنداللہ اتقکم! بے شک خدا تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزت والا ہی ہے جو تم میں سے خدا کا خوف زیادہ رکھتا ہو کا نمونہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے ان

کلمات سے پیش نہیں فرمایا آخر بات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب:۔ جب آپ اس بات ہی کو نہیں مانتے تقویٰ کا نمونہ کیوں کہتے ہیں! ہاں اگر صحیح مان لیں تو پھر جواب یہ ہے کہ کسر نفسی کا مظاہرہ اس وقت نظر آتا ہے جب پشیمانی کوئی فائدہ نہیں دیتی اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت! ہمیں بات کو توڑنے مروڑنے سے کیا حاصل آپ کی تو پوری کل خود بخود مڑی ہوئی ہے کیا فرعون کا اقرار ایمان مفید ہوا؟

سوال:۔ اگر یہ کہا جائے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارہا اپنے گناہوں کا اقرار کیا اس لئے وہ خلافت کے مستحق نہیں تھے تو سوال یہ ہے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حسب ذیل ارشاد کا کیا جواب ہے؟ لیجئے چنانچہ صحیفہ کاملہ سجادیہ ص ۸۲ مطبوعہ طہران بازار سلطانی۔

ھا انا ذا یارب مطروح بین یدیک انا الذی اوقرت الخطایا ظھرہ وانا الذی افنت الذنوب۔ اے میرے رب میں آپکے سامنے پڑا ہوا ہوں میں وہ ہوں جس کی پیٹھ کو گناہوں نے بٹھا دیا ہے اور میں وہ ہوں جس کی عمر کو گناہوں نے فنا کر دیا ہے اگر حضرت سجاد معصوم ہو کر اقرار معصیت کر سکتے ہیں تو غیر معصوم ہو کر اقرار ذنوب کیوں نہیں کر سکتے۔

جواب:۔ ہمیں کسی پر اس وجہ سے کوئی اعتراض نہیں ہے کہ اس نے اپنے گناہوں کا اقرار کیوں کیا نہ ہی یہ صفت مذموم ہے! لہذا جب ہم معترض ہی نہیں تو پھر بلاوجہ الزام کیوں لگایا جاتا ہے! باقی معصوم نے جو مناجات بارگاہ الٰہی میں عرض کی ہیں تو وہ امت کی تعلیم کے لئے ہے نہ کہ فی الحقیقت

معاذ اللہ حضرت سجاد ایسے گنہگار تھے! ان کی عصمت اس کی قوی دلیل ہے۔

سوال:۔ اگر باایں ہمہ معصوم ہو کر امامیت کے فرائض انجام دے سکتے ہیں تو وہ باایں اقرار غیر معصوم ہو کر خلافت کا کام کیوں نہیں کر سکتے۔

جواب:۔ خلافت و امامت کے لئے نص درکار ہوتی ہے، معصوم منصوص ہوتا ہے اور غیر معصوم غیر منصوص پس محرومیٔ عصمت کی وجہ سے غیر معصوم منصب خلافت الٰہیہ کے اہل نہیں ہوتا ہے! ایک شبہ کا ازالہ کر دینا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمام بری صفات سے پاک ہے مگر مجازی معنوں میں خود خدا نے اپنے کو مکار۔ جبار قہار وغیرہ کہا ہے حالانکہ نہ ہی وہ ذات کسی سے مکر کرتی ہے نہ کسی پر جبر کرتی ہے اور نہ ہی قہر و ظلم جسطرح خدا نے یہ صفات مجازاً ارشاد فرمائی ہیں اس طرح آئمہ برحق نے مجازاً خود کو خاطی و گنہگار کہہ کر بندگی خدا کی تعلیم دی ہے۔

سوال:۔ صحیفہ کاملہ سجادیہ ص ۸۰ میں ہے۔

لما ثقل علی ظھری من الخطیات! گناہوں کی وجہ سے میری پیٹھ پر بوجھ آپڑا ہے

فرمایئے کیا خیال ہے اب بھی صدیقی ارشادات پر اعتراض کرنے کی جرات ہے انکار خلافت صدیقی کے لئے اگر یہ مکر کیا جائے کہ وہ تو مسائل شرعیہ ہی نہیں جانتے تھے۔

(۱) انہوں نے چور کے بائیں ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔ (۲) ایک شخص نے لواطت کی تو اسے آگ میں جلا دیا۔ (۳) جدہ اور کلالہ کے مسئلے کو نہ جانتے تھے:۔ اگر تسلیم کر لیا جائے تو

فرمایئے دوسری مرتبہ چوری کی پاداش میں یدیسری کے کاٹنے کا حکم دیا تھا یا پہلی دفعہ کے جرم میں ہے کوئی ماں کا لال جو پہلی مرتبہ کی سرقت کے جرم کی پاداش میں ثابت کر سکے۔

جواب:۔ ہمیں حضرت ابوبکر کے ایسے اقوال پر کوئی بھی اعتراض نہیں ہے جن میں انہوں نے خود گنہگار اور غیر معصوم ہونے کا اقرار کیا ہے۔ کیوں کہ ان باتوں کا ان کی خلافت سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے اس لیے کہ خلافت حقہ کے لئے عصمت شرط ہے اور حضرت ابوبکر اسی لئے کہا کرتے تھے کہ میں خلیفہ نہیں ہوں بلکہ خالفہ ہوں جب حضرت صاحب خود ہی حقیقت کے مقر تھے اور اپنے کو خلیفہ نہیں سمجھتے تھے تو پھر ان کی نام نہاد خلافت کا انکار کرنا کوئی جرم نہیں ہے چوں کہ خلیفہ کے لئے عالم ہونا ضروری ہے جیسا کہ اللہ نے اپنے پہلے ارضی خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام کو تقرر علم ہی کیوجہ و باعث سے کیا اس لئے خلیفہ کا جاہل ہونا براہ راست عجز خدا کا سبب ٹھہرتا ہے! لہذا آپ کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے ہم وہ اثبات پیش کر رہے ہیں جس سے حضرت ابوبکر کی قلت علم واضح ہوجاتی ہے، حضرت ابوبکر نے چوری کی سزا میں چور کا بایاں ہاتھ کٹوایا وہ پہلی مرتبہ کی غلطی مانی ہے! تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں! نہایت العقول علامہ اہل سنتہ امام فخر الدین رازی! اور تحفہ اثناء عشریہ وغیرہ۔

سوال:۔ کیا علم الھدیٰ فی کتاب تنزیہ الانبیاء والائمہ میں مذکور نہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ نے ایک لوطی مرد کو جلا دیا تھا۔

جواب:۔ تنزیہ الانبیاء مصنفہ سید مرتضےٰ علم الھدیٰ رحمتہ اللہ علیہ میں یہ واقعہ ہمیں نہیں ملا ہے! مفصل حوالہ درکار ہے جب کہ حضرت ابوبکر پر جو الزام ہے وہ فجارہ سلمیٰ کو آگ میں جلا دینے کا ہے جس

کالوطی ہونا ثابت نہیں ہے بلکہ اس نے حضرت ابوبکر کی اطاعت نہ کی تھی۔

سوال:۔ اگر کسی مسئلے میں شک ہو اور کسی واقف سے پوچھ لیا جائے تو کیا یہ مدحت ومنقبت میں داخل ہے یا جہل اور انکار میں۔

جواب:۔ ایسی تحصیل علم عام انسان کے لئے قابل تعریف ہے لیکن نائب رسول حامل علم وہی ہونا چاہیے اور اسے اپنے زمانے کے سب نفوس پر علمی فوقیت حاصل ہونا ضروری ہے کیوں کہ عالم جاہل سے افضل ہوتا ہے۔

سوال:۔ اگر یہ پیش کیا جائے کہ لشکر اسامہ میں حضرت علیہ السلام نے ابوبکرؓ کو بھیجا اور وہ نہیں گئے تھے تو سوال یہ ہے کہ اگر یہ صحیح ہو تو امامت صلوۃ کا حکم کس کیلئے تھا اور اگر امامت کا حکم حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تھا تو آپ کے سوال کی کیا وقعت رہتی ہے۔

جواب:۔ کوئی ماں کا لال یہ ثابت نہیں کر سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر کو جیش اسامہ میں ساتھ جانے کا حکم رسول نے نہیں دیا تھا اور امامت نماز کی حقیقت ہم پہلے ہی واضح کر چکے ہیں پس جب حضرت ابوبکر کو اسامہ کے ماتحت جانے کا حکم ثابت ہے اور امامت نماز کا حکم متنازعہ ہے تو پھر ہمارے سوال کی وقعت کیسے کم ہو سکتی ہے۔

عظمت حضرت فاروق اعظم کے تسلیم کرانے کے سلسلے میں چند سوالات

سوال:۔ قرآن مجید میں ہے

ھُو الذی ارسل رسُوله بالھدے ودین الحق لیظھر علی الذین کُله وکفی باللہ شھیداً

اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کوہدایت اوردین حق کیسا بھیجا تا کہ دین کوتمام ادیان پر غالب کردے اوراللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے خدا تعالیٰ نے بعثت نبوی کی علت غائی غلبہ دین کو قراردیا ہے۔

ظاہر ہے مصر شام اور ملک فارس پر غلبہ حضرت علیہﷺ کے زمانہ اقدس میں حاصل نہ ہوسکا پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس قسم کا غلبہ کس کے عہد نصیب ہوا۔

جواب:۔ آیت موصوفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ، وہ ہی ذات تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب رکھے اور گواہی کے لئے تو بس خدا کافی ہے، الفتح پ ۲۸) چوں کہ آیت صیغہ ماضی استعمال ہوا ہے اور اس سے پہلے فتح مکہ کا بیان ہے اس لئے اس کا تعلق حضرت رسولؐ خدا علیہﷺ سے ہے کہ خدا نے دین کو غالب رکھنے کا وعدہ کیا ہے اور گفتگو مضارعی ہے۔ جو حال اور مستقبل پر حاوی ہے کیوں کہ کہ حیات رسولؐ میں دین مکمل ہوگیا لہذا تکمیل دین کا تقاضا ہے کہ اسے غلبہ بھی حاصل ہو، غلبہ دین سے مراد غلبہ زمین لینا یا کثرت امت سمجھنا ہرگز درست نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود و تعلیم دین ہے جو ہر باطل دین پر غالب و فاتح ہے: اگر کچھ رقبہ پر مسلمانوں کے تسلط کو غلبہ دین قرار دے دیا جائے تو تاریخ اسلام میں ایک لمحہ بھی ایسا نہ مل سکے گا جب اسلام کی حکمرانی ساری دنیا پر ہوئی ہو" مسلمان اگر غالب

آئے تو مغلوب بھی ہوئے اگر ان کا غلبہ دین کا غلبہ مانیں گے تو ان کی شکست بھی معاذ اللہ دین کی شکست ماننا پڑے گی پس غلبہ دین کو فتوحات سے ذرا سا تعلق بھی نہیں ہے!

اگر مصر شام فارس پر غلبہ کو دین کا غلبہ کہا جائے تو پھر باقی کرہ ارض پر جو اس وقت کے زیر اثر مسلمین رقبہ سے کئی گناہ زیادہ تھا دین کو غلبہ حاصل نہ تھا۔ یعنی قلیل رقبہ پر غلبہ تھا اور کثیر رقبہ مغلوب تھا۔ ایسی صورت حقانیت دین کی تنقیص ظاہر کرتی ہے: اس لئے ماننا پڑے گا کہ غلبہ دین سے مراد تسلط الارض نہیں ہے بلکہ اس غلبہ سے مطلب دین کی وہ عالمگیر تعلیم ہے جو تمام مادی اور روحانی مسائل کا حل پیش کرتی ہے اسی لئے ہمارے ہاں تفسیر قمی میں ہے کہ اس غلبہ سے مراد امام سے، اور مہدی علیہ السلام تمام دنیا کو عدل و انصاف سے پر کردیں گے جسطرح وہ ظلم و جور سے ہو چکی ہو اس وقت دنیا کے چپہ چپہ میں دین کی حکومت ظاہری ہوگی ابھی تو آج کے زمانہ کا یہ حال ہے کہ مسلمانوں کو کسی جگہ بھی صحیح غلبہ حاصل نہیں ہے، جو بظاہر آزاد مسلم مملکتیں ہیں وہ بھی غیر مسلموں کی محتاج دوست نگر ہیں، کیا غلبہ کا وعدہ خدا نے صرف چند سالوں کے لئے کیا تھا کہ جس وقت مسلمانوں کی تلوار تیز تھی اور جب کند ہو گئی تو معاذ اللہ خدا بھی اپنے وعدہ سے پھر گیا، نہیں ہرگز ایسا نہیں ہے۔

بلکہ غلبہ سے مطلب یہی ہے کہ باطل خواہ کتنا ہی مادی لحاظ سے طاقتور و عالی شان ہو حق ہمیشہ غالب رہتا ہے یعنی اسلام کو تمام دیگر نظریات و ادیان پر فوقیت حاصل ہے کیوں کہ یہ ایک فطری و عالمگیر ضابطہ حیات ہے کیا کوئی مسلمان یہ سوچ بھی سکتا ہے کہ حضورؐ کے زمانہ میں دین غالب نہ تھا جب کہ مصر شام و ایران وغیرہ بھی مسلمانوں کے زیر امارت نہ تھے۔ جس طرح حضور تھوڑا رقبہ زیر اثر رکھتے ہوئے دین کے لحاظ سے غالب تھے اسی طرح اللہ کا دین ہر وقت اور ہر لحاظ غالب ہے، بلکہ اگر دنیا میں ایک بھی مومن باقی ہے تو بھی دین غالب ہی غالب ہے فتوحات کو غلبہ دین سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

سوال: کیا یہ سچ ہے کہ یہ عہد فاروقی دور میں پورا ہوا اور ان کے زمانہ میں ہی دین کو مکمل تسلط نصیب ہوا۔

جواب:۔ بالکل سفید جھوٹ ہے حالاں کہ دین حضورؐ ہی کے زمانہ میں مکمل ہوا اور اسے ہر وقت غلبہ حاصل ہے، حضرت عمر کی فتوحات محدود تھیں، اور دنیا کی آبادی کا کثیر حصہ اسلامی تسلط سے باہر تھا۔ اگر حدود سلطنت ہی کو غلبہ سمجھ لیا جائے تب بھی مزعومہ غلبہ ثابت نہیں ہو سکتا! جب کہ عہد عمر میں نصف ایشیاء بھی مسلمانوں کے زیر اثر نہ تھا، جب کہ غلبہ دین تمام کائنات کے لئے ہے نہ کہ اس کرہ کے لئے جو مسلمانوں کی زیر حکمرانی ہے۔

سوال: اور اگر ہماری یہ تعبیر خلاف واقعہ ہے تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے جب کہ حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غزوہ خندق کے موقع پر پہلا وار کیا تو فرمایا خدا تعالیٰ نے میرے ہاتھ پر فتح کر دیا گیا۔

جواب:۔ ہماری روایات میں ہے کہ حضورؐ نے جب روز خندق پہلا کدال مارا تو کچھ حصہ پتھر کا ٹوٹ گیا آپؐ نے فرمایا خدا نے شام کی کنجیاں مجھ کو عطا فرمائیں، اس سے مطلب صاف ظاہر ہے شام کی فتح کا اشارہ ہے۔

سوال: تفسیر صافی میں ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی۔ "اللھم اعز السلام باحد العمرین بعمر بن الخطاب او بابی" یعنی

یا اللہ اسلام کو یا تو عمر بن الخطاب سے عزت وغلبہ عنایت فرما اور یا ابو جہل سے فرمایئے۔
خدا تعالیٰ نے حضورؐ علیہ اسلام کی یہ دعا، قبول فرمائی یا نہ؟

جواب:۔ علمائے شیعہ کے نزدیک مذکورہ روایت درست نہیں ہے کیوں کہ حضرت عمر کی عرب میں کوئی عزت نہ تھی اور آپ کے اسلام لانے سے اسلام کو عزت دینے کی دعا، والی روایت سنی علماء نے خود گھڑی ہے اور اس قسم کی دعا جو عقل ونقل کے سراسر خلاف ہے حاشا وکلا رسول اکرمؐ کی زبان مبارک سے ادا نہیں ہوئی پھر بھی اگر بالفرض یہ حدیث صحیح سمجھ لی جائے تو سنی زعم ثابت نہیں ہوسکتا حضور کی ہر دعا قبول ہوئی ہے۔

سوال:۔ اگر قبول نہ ہوئی تو کیا حضور علیہ السلام کی یہ دعا کتب حدیث میں موجود نہیں! "**اللھم انی اعذ بک من دعاء لا یستجاب**" یا اللہ بے شک میں تیری پناہ میں آتا ہوں ایسی دعا سے جو قبول نہ ہو۔

جواب:۔ حضورﷺ کی ہر دعا مستجاب ہوئی۔

سوال:۔ اور اگر قبول ہوئی تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری سے یقیناً دین کو عزت وسطوت نصیب ہوئی فرمائے کیا جواب ہے۔

جواب:۔ اللہ کی یہ قدرت ہے کہ وہ شخص فاجر سے بھی اپنے دین کی تائید کر سکتا ہے، بخاری ملاحظہ فرلیجئے"۔

سوال:۔ غزوات حیدری ترجمہ حملہ حیدری میں ہے کہ بیت اللہ شریف کے درودیوار فاروق اعظم کی تشریف آوری پر فخر میں آئے پس اگر ان کا ایمان قابل افتخار نہیں تھا تو درودیوار نے فخر کیوں کیا؟

جواب:۔ جملہ حیدری نامی کتاب ہمارے لئے حجت نہیں ہے اس کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے باقی جب شکاری خود ہی اپنے جال میں پھنس جاتا ہے تو اس کی بے بسی پر جال کی تار تار رقصاں ہوتی ہے۔

سوال:۔ مذکورہ کتاب میں یہ بھی ہے کہ بیرزم زم کے پانی نے فرط مسرت میں سل سبیل کو ذائقہ حلاوت بخشا اگر فاروقی ایمان قابل اعتبار نہ تھا تو اس قدر انقلاب کیوں؟

جواب:۔ خود مولوی رفیع باذل نے اپنی کتاب کو غیر معتبر کہا ہے لہذا یہ شاعری ہمارے لئے دلیل قرار نہیں پا سکتی۔

سوال:۔ کیا یہ سچ ہے کہ فاروق اعظمؓ کے اظہار ایمان سے پہلے حضور اکرم بمع جماعت اپنے گھر میں نماز ادا کرتے تھے لیکن جب فاروقؓ نے ایمان کا اظہار فرمایا تو پوری جماعت لے حرم کعبہ میں نماز ادا کی اور سب کو جماعت سے نماز نصیب ہوئی۔

جواب:۔ جی نہیں یہ جھوٹ ہے، حضرت عمر کے مسلمان ہونے سے قبل بھی نماز علانیہ ادا کی جاتی تھی۔

سوال:۔ اگر غلط ہے تو غزوات حیدری کی اس عبارت کا کیا جواب ہے؟

"آگے آگے سب کے عمر تیغ بکف با جماعت وافر ساتھ انکے اصحاب نجستہ باتیں کرتے بے خوف وخطر داخل خانہ وارد ہوئے"۔

جواب:۔ غزوات حیدری ہماری مستند کتاب ہی نہیں ہے، باقی یہ واقعہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت پیش آیا تھا۔

سوال:۔ اگر یوں تعبیر کیا جائے کہ فاروق اعظمؓ کے آنے سے کعبہ کا در کھلا اور نماز با جماعت نصیب ہوئی پس جب تک کعبے کا در کھلا اور نماز با جماعت نصیب ہوئی پس جب تک کعبے کا در کھلا رہے گا فاروقی یادتازہ رہے گی فرمایئے اس میں کیا حرج ہے؟

جواب:۔ ایسی تعبیر حقائق سے بہت ہی دور ہوگی کیوں کہ جس دن سے حضرت عمر اسلام میں داخل ہوئے اس کے بعد مصائب کا دور شدت آمیز ہو گیا اور تھوڑے ہی عرصے کے بعد حضور کو شہر بدر ہو جانا پڑا۔ اگر عمر کا دبدبہ ایسا ہوتا تو مسلمانوں کو ہجرت نہ کرنا پڑتی۔

سوال:۔ اگر آپ فاروقی دور میں غلبہ دین سے انکار ہے تو سیدنا علی المرتضیٰ کے اس ارشاد کا جواب دیجئے جس کو آپ نے سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طلب مشورہ کے جواب میں فرمایا بحوالہ نہج البلاغۃ!

ان ھذا الامر لم یکن و نصرہ ولا خذلانہ بکثرۃ ولا قلتہ وھو دین اللہ الذی اظھرہ ۔ بے شک یہ دین کا کام اس کا غلبہ اور اس کا خسارہ

فوج کی کثرت اور قلت پر موقوف نہیں ہے اور یہ خدا کا دین ہے جس دین کو خدا تعالیٰ نے غالب کر دیا ہے۔

جواب:۔ اس کا جواب بھی ہم نے ذکا الافہام میں عرض کر دیا ہے اس سے مراد دین کا غلبہ ہے نہ کہ اس فرمان میں حضرت عمر کی کوئی تعریف ہے اللہ کا دین ہر دور میں غالب ہے خواہ وہ دور عمر ہو یا دور یزید دین کا مغلوب ہونا امر محال ہے: مولا علیؑ کے اس فرمان سے دراصل حضرت امیر علیہ السلام کی شان ولایت ظاہر ہوتی ہے کہ فرمایا، اللہ کا دین ہے جسے اس نے ظاہر کیا ہے یعنی باوجود تصرف حکومت کے حاکم صاحب تخت وتاج و اقتدار مجبور ہے کہ وہ ہادی برحق سے مشورہ لے۔ اگر حضرت علیؑ کا مقصود حضرت عمر کی خلافت وحکومت کی حقانیت کی تائید ہوتا تو آپ حکومت یا حکمران کی شان وتعریف کرتے نہ کہ اظہار دین کی ضرورت محسوس کرتے۔ دراصل ارشاد مولا کے معنی یہ ہیں کہ اللہ حق کو ظاہر و غالب کیا ہے۔ دین حقہ کو غلبہ عطا کیا ہے کہ حاکم غاصب مجبور ہو کر جاہ و حشم کے باوجود حجت خدا جو کہ گوشہ نشین ہے، کی چوکھٹ پر سر نیاز تسلیم خم کر رہا ہے اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کا دین غالب ہے اور حکومت مذکور وارث دین کے سامنے مغلوب ہے۔

سوال:۔ اگر فاروقی غلبے کو مذہب حق کا غلبہ تسلیم نہ کیا جائے تو فرمایئے سیدنا علی المرتضیٰ نے فوج فاروقی کو فوج خداوندی قرار کیوں دیا، جواب دیجئے چنانچہ نہج البلاغتہ میں ہے۔

رجندہ الذی اعدہ وامدہ حتیٰ بلغ حیث مابلغ

اور فاروقی لشکر خدا کا لشکر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے خود تیار کیا ہے اور خود پھیلایا ہے حتیٰ کہ جہاں پہنچا تھا پہنچ گیا"۔

جواب:۔ حضرت امیر المومنین نے یہ ارشاد لشکر عمر کے لئے نہیں بلکہ لشکر اسلام کے لئے فرمایا حضرت کے کلام کا مرتبہ اُس طرح ہے جو نہج البلاغہ کے ارشاد ص ۱۴۶ میں مرقوم ہیں۔ اسلام کی نصرت اور خذلان کا انحصار فوج کی کمی زیادتی پر نہیں ہے، یہ خدا کا دین وہ دین ہے جس سے تمام ادیان پر اس نے غلبہ عطا فرمایا اگر حکومت کا غلبہ مراد لیا جائیگا تو خلاف واقع ہوگا کیوں کہ تاریخ میں ایک منٹ بھی ایسا نہیں آسکا ہے کہ حکومتی لحاظ سے اسلام کو غلبہ حاصل ہو سکا ہو اور اس کا وہ لشکر ہے (دین کا لشکر نہ کہ افواج حکومت اسلامیہ) جسے اس نے مہیا کیا ہے اس کی اعانت کی ہے، یہاں تک کہ یہ یہاں تک پہنچا اور اس نے کہاں تک ترقی کر لی؟ ہمیں خدا کے وعدے پر بھروسہ ہے اور بلاشبہ خدا اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا اور اپنے لشکر کا مددگار و ناصر ہے"۔ اس کلام کا تعلق حضرت عمر سے یا ان کے لشکر سے نہیں ہے کیوں کہ گفتگو ماضی کے صیغہ میں کی گئی ہے اور بشارت دین کے غلبے کی ہے، حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ارشاد ۲۱۹ میں فرمایا ہے کہ "عمر اس دنیا سے اس حال میں رخصت ہوا کہ لوگوں کو نا گوں راستوں پر ڈال دیا، جن گمراہ راہ یاب نہیں ہو سکتے اور راہ یافتہ یقین پر قائم نہیں رہ سکتے" نہج البلاغۃ ص ۶۴۸۔

سوال:۔ فرمایئے فتوحات فاروق اعظم اسلامی فتوحات تھے یا نہ اگر نہیں تھے تو امتناعی وجوہ بیان کیجئے؟

جوابُ:۔ حضرت عمر کی فتوحات کو اسلامی فتوحات نہیں کہا جاسکتا ہے کیوں کہ اسلام کا نظام توسیع مملکت اور جارحانہ کاروائیوں کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ اسلام صرف دفاعی جہاد کی اجازت دیتا ہے اور جب ہم اسلام کے معیار جہاد پر حضرت عمر کے عہد کی فتوحات کو جانچتے ہیں تو یہ جنگیں جہاد تو درکنار صریحاً خلاف اسلام لڑائیاں ثابت ہوئی ہیں یہی وجہ ہے کہ اہل سنۃ علماء نے شریعت پر غور و خوص

کے بعد اس لشکر کشی کو نا جائز قرار دیا ہے اور اس یورش سے جو ممالک فتح ہوئے ہیں انہیں غصب شدہ جائیداد سمجھ کرنا جائز تسلیم کیا ہے جیسا کہ خطیب بغدادی مشہور سنی عالم نے اپنی کتاب بغداد جلد ا، ص ۴ میں لکھا ہے کہ بغداد کی زمین کے متعلق علماء کے اقوال کا ذکر اس کی خرید وفروخت کی کراہت کی نسبت ان سب علما کا قول ہے کہ بغداد دار غصب ہے اُن کی جائیداد اور ارضیات مکانات کی خرید وفروخت نا جائز ہے۔ پس جب یہ فتوحات اصول اسلامیہ کے خلاف ہیں اور ان کی وجہ سے مسلمانوں کو رسوائی اٹھانا پڑی ہے کہ غیر مسلم آج تک کہتے ہیں، اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے اور مسلمان علماء نے ان کو نا جائز قرار دیا ہے اس لئے ان فتوحات کو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔

سوال:۔ برتقدیر عدم تسلیم سیدہ شہر بانو کے نکاح کے متعلق جناب کا کیا خیال ہے اور سیدنا زین العابدین کی ذات گرامی کے ساتھ جناب کی عقیدت ومحبت کا رنگ کیسا ہے؟

جواب:۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ بی بی شہر بانو کا حضرت عمر کے عہد سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے اور اگر ہو بھی تو امام برحق کا مال غصب پر پورا پورا حق ہوتا ہے، لہذا ہمارے مذہب کو دونوں صورتوں سے کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال:۔ کیا جناب رہنمائی فرما سکتے ہیں کہ وہ کون سی کتاب ہے جس میں سیدنا علی نے سیدنا عمر کے متعلق مثابتہ ہملین .... فرمایا ہے، نیز ان جملوں کا کیا معنےٰ؟

جواب:۔ حضرت علی علیہ السلام نے متذکرہ بالا الفاظ حضرت عمر کے لئے ارشاد ہی نہیں فرمائے ہیں یہ کسی کتاب میں نہیں ہیں، اگر آپ کو معلوم ہو تو مہربانی کر کے بندہ کم علم کی رہنمائی فرما دیجئے۔

سوال:۔ کیا آپ کے نزدیک مسلمانوں کے لئے جائے پناہ اور ملجاء وماوی کسی غیر مسلم کو قرار دینا جائز ہے۔

جواب:۔ اگر حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان کو آپ مان لیں تو پھر ہمیں اس اعتراض پر غور کرنا ہوگا، جب آپ کے مذہب کے مطابق جناب ابوطالب معاذ اللہ غیر مومن ہوتے ہوئے مسلمانوں کے رسول کی جائے پناہ ہو سکتے ہیں تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کی جائے پناہ ہو سکے باقی یہ تو خدا کی قدرت ہے وہ چاہے تو کافر ہی سے اپنے دین کی مدد کروا دے جسطرح حضرت موسیٰ پناہگاہ فرعون ملعون ہی کو بنا دیا گیا نیز اشارہ یہ ہے کہ مثابتہ کے معنی شکاری کا جال بھی ہے۔

سوال:۔ فرمایئے حضرت سیدنا علیؓ سیدنا حسینؓ کو لے کر سیدنا عمرؓ کے دروازے پر سیدہ شہربانو سے نکاح کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو بتایئے وہاں نکاح کا خطبہ کس صاحب ایمان نے پڑھا اور گواہی دینے والے کون سے صاحب ایمان تھے ان کے اسما گرامی سے مطالع فرمایئے۔

جواب:۔ مشہور سنی کتاب حبیب السیر کے مطابق نہ ہی بی بی شہربانو حضرت عمر کے دور میں آئیں اور نہ ہی نکاح ہوا لہذا عدم وقوع پر اعتراض کیسا اور جواب کیسا۔

سوال:۔ فاروقی دور میں سیدنا علیؓ جماعت سے نمازیں ادا فرماتے تھے یا خلوت میں دلائل قویہ سے ثابت کیجئے۔

جواب:۔ حضرت امیرالمومنین باجماعت نماز بھی ادا فرماتے رہے اور خلوت میں اکیلے بھی لیکن کوئی ایک بھی روایت کسی کتاب شیعہ میں نہیں ہے جس سے ثابت ہو سکے کہ حضرت امیرؑ نے حضرت عمر کو امام مان کر ان کے پیچھے نماز ادا کی ہو ایسی روایت صحیح ثابت کرنے والے کو منہ مانگا انعام دونگا۔

سوال:۔ اگر خلوت میں پڑھتے تھے کسی مسجد میں یا گھر میں دلائل بیان کیجیے؟

جواب:۔ آپ نے مسجد میں بھی نمازیں ادا کی ہیں اور گھر میں بھی مگر نیت کیساتھ فرادی۔

سوال:۔ اگر جماعت سے نمازیں پڑھتے تھے تو امام کے مذہب کے متعلق ان کا کیا عقیدہ تھا واضح کیجیے؟ مذکورہ بالا دلائل بھی ضرور پیش نظر رہیں جبکہ ان سے عقیت اور محبت کا بدر لامع نظر آ رہا ہے۔

جواب:۔ کسی بھی مسلمان کے پیچھے نماز پڑھ لینے کی اجازت ہے بشرطیکہ نیت فردی ہو اور اقتدا نہ کیا جائے اور اس مسئلہ پر ہم نے حضرت ابوبکر کی بارے میں اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے سیر حاصل و مدلل بحث کی ہے اعادہ فضول ہے صرف اتنا یاد دلا دیتے ہیں اگر نماز پڑھی تو کظ و کذا سمجھ کر بخاری شریف دیکھیے۔

سوال:۔ کیا یہ سچ ہے کہ احتجاج طبرسی میں موجود ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے نہاوند کے لشکر کو فرمایا۔

سادیتا بجبل اور وہاں انہوں نے سن لیا کیا یہ سارا واقعہ ان کی کرامت پر محمول نہیں۔

جواب:۔ یہ واقعہ موضوع ہے علامہ طبرسی نے اسے احتجاج میں بطور احتجاج درج کیا اور اسے درست تسلیم نہیں کیا ہے پھر علمائے اہل سنیۃ کی کثیر تعداد نے اس قصہ کو من گھڑت و نا قابل اعتبار قرار دیا ہے اسکی پوری تفصیل تشید المطاعن میں ملاحظہ فرمالیجیے۔

سوال:۔ کیا یہ سچ ہے کہ بیت المقدس (پہلا کعبہ) بھی فاروق اعظم نے فتح کیا؟

جواب:۔ جی ہاں بیت المقدس حضرت عمر کے زمانہ ہی میں فتح ہوا۔

سوال:۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ممالک فتح کر کے کتنی مسجدیں تعمیر کرائیں۔ اگر آپ کے علم میں ہیں تو ضرور مطلع فرمادیں

جواب:۔ عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ حکومت میں چار ہزار کے قریب مساجد تعمیر کی گئیں۔ لیکن راتوں رات مسجد بنا دینا اور ہوتا ہے اور حرارت ایمانی اور شئے ہے،

مسجد تو بنادی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

سوال:۔ مراۃ العقول شرح الفروع والاصول میں ہے کہ سیدہ شہر بانو نے بیان کیا کہ میں نیند میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہوئی تو آپ نے فرمایا عنقریب مسلمانوں کا لشکر تم کو فتح کریگا فرمادیئے! کیا جواب ہے؟

جواب:۔ مسلمانوں کے لشکر کی فتح سے ہمیں انکار نہیں ہے۔ باقی یہ ایک تاریخی واقعہ ہے!

دین میں حجت قرار نہیں دیا جاسکتا جب کہ یہ تحقیق ہو چکا ہے کہ بی بی شہر بانو حضرت علی علیہ السلام کے دور میں آئی تھیں نہ کہ حضرت عمر کے زمانے میں بی بی شہر بانو حضرت علی علیہ السلام کے دور میں آئی تھیں نہ کہ حضرت عمر کے زمانے میں۔

سوال:۔ احتجاج طبرسی میں معصوم عندکم کا قول موجود ہے کہ **لست بمنکر فضل عمر ولکن ابابکر افضل منہ**، میں عمر فاروق کی فضیلت کا منکر نہیں ہوں لیکن ابوبکر صدیق حضرت عمر سے افضل ہیں!

جواب:۔ اس بات کو شیعہ بھی مانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کو حضرت عمر پر فضیلت حاصل ہے

سوال:۔ کیا آپ یہ بتلانے کی زحمت گوارہ فرمائیں گے کہ خلفائے اربعہ میں سے سب سے زیادہ فتح کرکے اسلام کے قبضے میں کس نے دیئے۔

جواب:۔ غیر اسلامی فتوحات کے ذریعہ کثیر رقبہ ارض کو مسلمانوں کے قبضے میں دینے کا سہرا حضرت عمر ہی کے سر ہے۔

سوال:۔ اور ساتھ ساتھ یہ بتلانے کی تکلیف فرمائیں گے کہ سب کم ملک کس نے فتح کئے اور خلیفہ وقت کا نام کیا ہے جس کے ہاتھ سے ایک ملک بھی فتح نہیں ہوا۔

جواب:۔ اسلامی اصول جہاد کے مطابق کے سب سے زیادہ فتوحات حضرت علیؑ نے کیں؛ جب کہ غیر اسلامی فتوحات آپ نے بالکل ہی نہیں کیں؛ اربعہ میں ایسا کوئی بھی خلیفہ نہیں ہے جس کے

ہاتھ سے کوئی ملک فتح نہ ہوا ہو! تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت علیؑ کے عہد میں مسلمان گجرات کاٹھیاوار سندھ اور افغانستان وغیرہ تک پہنچ گیا تھا درہ خیبر میں علی مسجد کا ہونا مدائن میں امیر المومنین کے مصلے کی موجودگی اور حیدر آباد میں حضرت کے قدم کا نشان آج بھی ان کے جہاد فی سبیل اللہ کی گواہی دے رہے ہیں۔ مگر جہاد علویہ اور فتوحات ثلاثہ میں فرق ہے!

سوال:۔ سیدنا علی المرتضیٰؑ سیدنا حسنؑ اور سیدنا حسین علیہ سلام کے فرزندوں میں کسی کا نام عمر بھی ہے! باحوالہ جواب درکار ہے!

جواب:۔ جی ہاں مگر امام حسینؑ کے کسی فرزند کا نام عمر نہیں تھا!

سوال:۔ خلفائے اربعہ میں سے اس خلیفہ وقت کا اسم گرامی بیان فرمائیے جسکے عدل کی شہرت چاردانگ عالم میں ہے!

جواب:۔ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام جن کے بارے میں حضرت عمر کہا کرتے تھے اقضانا علی! طبقات ابن سعد

سوال:۔ وہ کونسا خلیفہ تھا جو رات کو رعیت پر چوکیداروں کی طرح پہرہ دار کیا کرتا ہے!

جواب:۔ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام!

سوال:۔ وہ کونسے خلیفہ وقت تھے جن کے متعلق سیدنا علی کا بیان ہے! خدا

البدعة واتا مالسنة: اپنے پیچھے ڈالا بدعت کو اور قائم کیا سنت رسول صلعم کو!

جواب:۔ حضرت علی نے حضرت عمر کے متعلق فرمایا! **خلف البدعة واقام السنة!**

مطلب اس سے یہ ہے کہ عمر نے بدعت کو پیچھے چھوڑا اور سنت کو اٹھایا! چنانچہ اس کلام کو حضرت امیر اس طرح ختم فرماتے ہیں کہ وہ (عمر) اس حالت میں انتقال کر گئے کے لوگوں کو مختلف راہوں میں ڈال گئے جن میں گمراہ ہدایت نہیں پا سکتے اور راہ یافتہ اپنے یقین پر قائم نہیں رہ سکتے۔

سوال:۔ اس حضرت کا اسم گرامی کیا ہے جنکا وجود باوجود سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بعد روضہ اقدس میں وفات کے بعد سپرد روضہ کیا گیا!

جواب:۔ حضرت عمر بن خطاب!

سوال:۔ کیا یہ سچ ہے کہ جس عمر میں سید الرسل نے وفات پائی اس عمر میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عمر نے وفات پائی۔

جواب:۔ یہ صحیح ہے کہ حضورؐ کی عمر ۶۳ سال تھی اسی طرح حضرت ابوبکر و عمر کی عمریں بھی ۶۳ سال تھیں! مگر ابوجہل کی عمر بھی تقریباً اتنی ہی تھی!

سوال:۔ کیا یہ سچ ہے کہ حضرت عمر کو حالت نماز میں ایک غلام نے قیام کی حالت میں زخمی کیا جو ان کی موت کا سبب بن گیا! فردی الخولصیرہ جیسے خارجی و منافق صحابی کو حضورؐ نے حالت نماز میں قتل کر دینے کا حکم دیا تھا لہذا صرف حالت نماز میں قتل ہو جانا

باعث عزت وشرف نہیں جب ایمان خالص و مستحکم نہ ہو!

مسئلہ قرطاس

سوال:۔ حدیث قرطاس کو کتب اہل السنّت میں کسی صحابی نے روایت کیا ہے! اور بوقت واقعہ ان کی عمر کیا تھا!

کیا ان کے علاوہ کسی اور نے بھی اسے روایت کیا ہے یا نہ!

جواب:۔ گو کہ حدیث قرطاس کتب صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جن کی عمر اس وقت: ۱۴، ۱۵ برس تھی سے مروی ہے لیکن دیگر کتب احادیث میں یہ روایت خود حضرت خود حضرت عمر سے روایت کی گئی ہے۔

سوال:۔ اگر کیا ہے تو اس کی نشان دہی کیجئے اور کتاب کا نام مع صفحہ ذکر فرمایئے!

جواب:۔ طبرانی نے حضرت عمر سے روایت کی ہے حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ جناب رسولؐ خدا نے بحالت مرض ارشاد فرمایا۔ کہ کاغذ و دوات میرے پاس لاؤ تا کہ میں ایک ایسا نوشتہ لکھدوں کہ جس کی وجہ سے تم لوگ اس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گئے! ازواج رسولؐ میں سے چند نے پردہ میں کہا کیا تم لوگ جناب رسول خدا کا ارشاد نہیں سنتے ہو میں نے اپنے بیبیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ تم صواحبات یوسف کی طرح ہو جب رسولؐ خدا بیمار ہوتے ہیں تو تم روتی ہو اور صحت کی حالت میں اُن کی گردن پر سوار ہو جاتی ہو۔ یہ سن کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو وہ تم سے بہتر ہیں: کنز العمال ملا علی متقی جو ثالث ص ۱۳۸ حدیث ۲۳۲۲ جز الرابع ص ۵۲ حدیث ۱۰۸۸

سوال:۔ یہ واقعہ قرطاس کس دن پیش آیا اور حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسکے

بعد کتنے دن تک دنیا میں رہے۔

جواب:۔ یہ واقعہ جمعرات کو پیش آیا اور حضورؐ کی رحلت سوموار کو ہوئی یعنی پانچویں دن

سوال:۔ قرطاس لانے کا حکم اجمالی طور پر حاضرین سے تھا یا خصوصی طور پر حضرت عمرؓ سے تھا؟

جواب:۔ حاضرین میں حضرت عمر نمایاں تھے وہ قریب تھے اور حضور کا حکم اجمالا تھا مگر حکم عدولی خصوصی ہوئی!

سوال:۔ اگر خطاب حضرت عمرؓ سے تھا تو اہل سنت کی کسی معتبر یا غیر معتبر کتاب میں ثابت کیجئے؟

جواب:۔ چوں کہ حضرت عمر حاضرین میں موجود تھے حضورؐ کے قریب بیٹھے تھے اور ان کی حیثیت بھی نمایاں تھی لہذا وہ اس خطاب سے خارج نہیں کئے جا سکتے پھر حضرت صاحب کا جوابی ردعمل اس بات کی دلیل ہے وہ بھی مخاطب تھے، تاہم صیغہ حاضر واحد کا کلام حضرت عمر کیلئے ثابت نہیں ہے!

سوال:۔ اور اگر خطاب سب سے تھا جو کہ بیت رسول مقبول میں موجود تھے تو کیا ان میں حضرت علی بھی موجود تھے یا نہ؟

جواب:۔ قضیہ قرطاس کے وقت حضرت علی علیہ السلام ان حاضرین میں موجود نہیں تھے!

سوال:۔ کیا یہ سچ ہے کہ سیدنا علی المرتضٰی حضور علیہ السلام کے کاتب الوحی

تھے اور متبادر طور پر یہی سمجھنا مطابق واقع ہے کہ بقرینہ مذکورہ خطاب بھی ان سے تھا؟

جواب:۔ جب کسی شیعہ کتاب سے حضرت علیؑ کی اس مجلس میں موجودگی ثابت نہیں تو قرینہ خطاب کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؟

سوال:۔ اگر باوجود قرینہ مثبتہ محققہ حضرت علی مخاطب نہیں تھے تو حضرت عمر کیسے ہوسکتے ہیں جب کہ وہ صرف حضور علیہ السلام کی طبع پرسی کیلئے بیت رسول میں تشریف لائے تھے۔

جواب:۔ حضرت علی علیہ السلام کا اس موقع پر موجود ہونا ثابت نہیں جب حضرت عمر وہاں حاضر تھے اور انہوں نے جواب بھی دیا اگر وہ مخاطب نہیں تھے تو پھر ان کو جواب دینے اور بارگاہ رسالت میں گستاخی کرنے اور دنگا فساد مچا کر حضورؐ کو اذیت پہنچانے کی کیا ضرورت تھی اگر وہ خلوص نیتی سے صرف حضورؐ کی عیادت کیلئے آئے تھے تو صرف طبع پرسی کرتے نہ کہ ہنگامہ آرائی کرکے خلاف قرآن نبی کی آواز سے اپنی آواز بلند کرتے اور حضور کیلئے باعث پریشانی بنتے؟

سوال:۔ فاروق اعظم سے کونسا لفظ علی سبیل التعین ثابت ہو حسبکم **کتاب اللہ یا حسبنا کتاب** اللہ یہ جملہ آپ کے نزدیک قابل اعتراض ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس جملے کو جب حضرت عمر نے دربار نبوت میں ذکر کیا تو کیا حضور علیہ السلام نے ان کی تغلیط و تکذیب کی؟

جواب:۔ سنی و شیعہ علما نے زیادہ تر حسبنا کتاب اللہ کا جملہ لکھا ہے باقی معنی و مفہوم کے اعتبار سے دونوں جملوں میں کوئی فرق نہیں ہے حضورؐ کی اس جملے پر ناراضگی اس سے ثابت ہوتی ہے کہ آپ

نے فرمایا: **قوموا عنی** میرے پاس سے دور ہو جاؤ، یعنی دفعہ ہو جاؤ اُٹھ جاؤ، باہر چلے جاؤ۔ Get Out اگر حضورؐ اس جملہ کو صحیح وسچا سمجھتے تو پھر اس قدر رنجیدہ ہو کر اپنے پاس سے کیوں اٹھا دیتے؟

سوال:۔ اسی طرح سیدنا علی اور سید طاہرہ نے فاروق اعظم کی تردید کی:

جواب:۔ جب خود قرآن حضرت عمر کے اس جملے کی تردید کرتا ہے تو پھر حضرت علیؑ یا سیدہ طاہرہؑ کس طرح تائید کر سکتے ہیں، قرآن مجید میں ہے کہ اس قرآن مجید میں ہے کہ اس قرآن مجید ہی سے خدا بہتوں کو گمراہ کرتا ہے! سورۃ البقرہ ع! جب اکیلا قرآن کافی ہی نہیں ہے تو پھر خلاف قرآن عمر کی تائید کیوں کر کی جا سکتی ہے؟

سوال:۔ اگر حضور علیہ السلام یا عترت مقبول سے تردید لفظی ثابت ہے تو نشان دہی فرمایئے اور اگر ثابت نہیں تو پھر آپ کو تغلیط وتکذیب کا کیا حق ہے:

جواب:۔ حضور اکرمؐ نے امت کو بار بار متمسک بالثقلین ہونے کی ہدایت فرمائی اور دونوں ثقلوں کو ایک دوسرے کے ساتھ اسطرح چسپاں فرمایا کہ دونوں میں جدائی ممکن نہیں تاوقتیکہ حوض کوثر پر اکٹھے وارد نہ ہوا اب جب کوئی شخص دونوں میں جدائی پیدا کرے ایک کو تو کافی کہے اور دوسرے کو نا کافی سمجھ کر ٹھکرا دے وہ حکم عدل پیغمبرؐ ہو گا پس ایسے شخص کی تغلیط وتکذیب نہ کرنا بالواسطہ رسول کی نافرمانی ہو گا اس لیئے حدیث ثقلین حضرت عمر کے قول کی مکمل تردید کرتی ہے۔ اور حضورؐ علیہ السلام اور عترت طاہرہ کی جانب سے لفظی ومعنوی تردید کا مکمل اور ناقابل انکار ثبوت ہے اس لئے محدث عبد العزیز دہلوی جیسے شیعہ دشمن نے بھی علانیہ اقبال کیا ہے کہ حضورؐ نے امت کو قرآن پاک واہل بیتؑ کے حوالے

کیا ہے اور ان میں سے کسی ایک کا منکر کافر ہے۔(تحفہ اثنا عشریہ)

سوال:۔ قالوا ھجر استفھمو کہنے لگے کیا حضور شریف لے جا رہے ہیں پوچھ تو لو میں جب قالوا بصیغہ جمع ہے تو اس قول کو حضرت عمر فاروق کی طرح منسوب کیوں کیا جاتا ہے؟

جواب:۔ اس اعتراض کے جواب سے پہلے اس غم اندوز اور دل سوز سچی کہانی کو صحیحین کے اماموں سے سنئے صحیح بخاری میں یہ روایت سات جگہ دوہرائی گئی ہے ہم یہ عبارت کتاب الجہاد والسیر باب ھل یستشفع الی اھل الذمۃ و معاملتھم سے نقل کرتے ہیں۔

عن ابن عباس انه قال يوم الخميس وما يو الخميس ثم بكى حتى خضب دمعه العصياء فقال اشتد برسو الله صلى عليه وسلم وجعه يوم الخميس فقال ائتونى بكتاب اكتب لكم كتابا لن تضلو ابعده ابدً افتنازعو اولا ينبغي عندبني تنازع فقالو هجر رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال الدعونى والذى انانيه خير مماتد عونى اليه واوصى عند مرته بثلاثه اخرجو المشركين من جزيرة العرب اجيزئو الوفد ينجو ما كنت اجيزهم ونسيت الثلاثه۔

عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہا انہوں نے کہ جمعرات کا دن کیا افسوسناک تھا جمعرات کا دن پھر رونے لگے یہاں تک کے ان کے

آنسو نے زمین کو کنکریوں کا رنگ بدل دیا کہا کہ جمعرات کے دن حضورؐ کا مرض زیادہ تیز ہوگیا تو آپؐ نے فرمایا میرے پاس لکھنے کا سامان لاؤ تاکہ میں تمہارے لئے ایسا صحیفہ لکھ دوں کہ پھر اس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے لوگوں نے اختلاف و تنازعہ کیا، حالاں کہ نبیؐ کے پاس جھگڑا مناسب نہیں ان لوگوں نے کہا کہ رسولؐ ہذیان بک رہے ہیں آں حضرتؐ نے فرمایا مجھے رہنے دو جس حالت میں ہوں وہ بہتر ہے اس سے جس حالت کی طرف تم مجھکو بلاتے ہو! اور آنخضرت نے اپنی وفات کے قریب تین نصیحتیں کیں۔ (۱) مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ (۲) وفود کے ساتھ اسی طرح سلوک کرو جس طرح میں نے کیا ہے۔ تیسری وصیت راوی بھول گیا۔

بخاری کی اس روایت میں حضرت عمر کا نام موجود نہیں ہے لیکن یہی روایت امام بخاری نے کتاب الاعتصام میں یوں لکھی ہے۔

عن ابن عباس قال لما حضر النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال نی البیت رجال منھم عمر بن الخطاب قل ھلم الکتب لکم کتاباً لن تضلوابعدہ قال عمران النبی صلی اللہ علیہ وسلیم غلبہ الوجع وعندکم القرآن فحسبنا کتاب اللہ واختلف اھل البیت واختصمو افمن ھم من یقول قربوا یکتب لکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کتاباً لن تضلوا بعده و منهم من یقول قال عمر فلما اکثر و اللغو و الاختلاف عندالنبی صلی الله علیه وسلم قال قوموا عنی قال عبدالله فکان بن عباس یقول ان لرزیة کل الرزیة ماحال بین الرسول الله صل الله علیه وسلم وبین ان یکتب لهم ذالک الکتاب من اختلافهم و لغطهم

ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ جب رسول خداؐ کا وقت رحلت آ گیا اور اس وقت دولت کدہ میں لوگ بہت سے تھے جن سے ایک عمر بن خطاب تھے تو حضورؐ نے فرمایا آ ؤمیں تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھدوں کہ پھر جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے حضرت عمر نے کہا کہ رسول خداؐ پر اس وقت بیماری کا غلبہ ہے! اور تمہارے پاس قرآن ہے ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے وہ لوگ جو وہاں جمع تھے آپس میں جھگڑنے لگے کچھ تو ان میں سے ایسے تھے جو کہتے تھے کہ سامان کتابت لاؤ، حضورؐ تمہیں ایسا صحیفہ لکھ دیں گے کہ جس کی وجہ سے تم کبھی گمراہ نہ ہو گے جب انہوں نے بیہودہ کلامی زیادہ کی اور رسولؐ کے پاس شور و غل بڑھ گیا تو حضورؐ نے فرمایا، میرے پاس سے دور ہو جاؤ عبیداللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ وہ سخت مصیبت تھی جو آنحضرتؐ اور ان کے کتابت صحیفہ کے درمیان اس وجہ سے حائل ہو گئی کہ لوگوں نے بیہودہ کلامی کی۔

صحیح بخاری کی اس روایت میں حضرت عمرؓ کا نام بالصراحت موجود ہے اب صحیح مسلم کے اقتباسات ملاحظہ فرمائیے!

عن ابن عباس انه قال يوم الخميس وما يومه الخميس ثم جعل تسيل موعه حتى رايت على خديه كانها نظام اللؤلوء قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ائتونى بالكتف والدواة دواللوح والدواة كتب لكم كتاباً لن تضلوا بعده بدا فقالوا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يهجر

ابن عباس سے مروی ہے وہ کہتے تھے جمعرات ہائے جمعرات کا دن پھر ابن عباس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے میں دیکھتا تھا کہ گویا موتیوں کی لڑی ہے! ابن عباس نے کہا کہ حضورؐ نے فرمایا کا غذ و دوات یا تختی و دوات لاؤ میں ایک ایسا وثیقہ لکھدوں کہ پھر تم اس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے لیکن لوگوں نے کہا کہ رسولؐ اللہ ہذیان بک رہے ہیں (صحیح مسلم کتاب الوصیت)

صحیح مسلم کی منقولہ روایت میں حضرت عمرؓ کا نام موجود نہیں ہے لہذا ایسی روایت امام مسلم نے اپنی صحیح میں بایں الفاظ نقل کی ہے؟

عن ابن عباس قال لما حجور رسول الله صلى الله عليه وسلم ونى بيت رجال فيهم عمر ابن الخطاب فقال النبى صلى الله عليه وسلم هلم

اکتب لکھ کتاب بالا تضلون بده نقال عمران
رسول اللہ قدغلب علیہ الوجع وعند کم القرآن
حسبنا کتاب اللہ فاختلف اھل البیت
فاختصمو فمن ھم من یقول قرلوایکتب لکھ
رسول اللہ صلے علیہ وسلم لتنا بالن تضلوا
بعدہ و منھم من یقول ماقال عمر فلما اکثر
واللغووالاختلاف عند رسول اللہ صلعم قال
رسول اللہ صلعم قوموا قال عبداللہ فکان ابن
عباس یقول ان لالرزیۃ کل الرذیۃ ماحال بین
الرسول اللہ صلعم وبین ان یکتب لھم ذلک
الکتب من اختلافھم ولعظھم

ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جب رسولؐ خدا کا وقت احتضار ہوا تو دوالتسر لائے نبوت میں عمر بن الخطاب اور دیگر حضرات موجود تھے حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ آؤ میں تمہارے لئے ایسا وثیقہ لکھ دوں کہ اس کے بعد تم کبھی نہ گمراہ ہو حضرت عمر بولے کہ یہ بات تو حضورؐ غلبہ مرض کی وجہ سے کہہ رہے ہیں ورنہ تمہارے پاس تو قرآن مجید موجود ہے اور کتاب اللہ ہی محض ہمارے لئے کافی ہے اس پر حضار خانہ میں اختلاف ہوا ان میں سے بعض تو یہ کہتے تھے کہ رسولؐ خدا کے حکم کی تعمیل کرو اکثر وہ کہتے تھے جو عمر نے کہا تھا جب بہت غل مچا تو حضورؐ نے فرمایا میرے پاس سے ہٹ جاؤ پس ابن عباس ہمیشہ کہا کرتے تھے مصیبت

اور سخت مصیبت تھی وہ بات جوان لوگوں کے شور ولغو کی وجہ سے رسولؐ کے ارادہ کتابت وثیقہ میں حائل ہوئی اور جس کی وجہ سے حضورؐ کچھ نہ لکھ سکے!

(صحیح مسلم کتاب الوصیۃ)

صحیح مسلم کی اس روایت میں حضرت عمر کا نام بالصراحت موجود ہے۔ چوں کہ یہ یہ واقعہ صحیحین میں ہے اس لیے محدثین اہل سنتہ کے مطابق یہ واقعہ متفق علیہ ہے! قالوا ھجر استفھموہ کے الفاظ ان روایت میں موجود نہیں ہیں۔ البتہ قالوا بصیغہ جمع کا غدر رد کیا جاتا ہے کہ اس جمع کے صیغے میں سے حضرت عمر کو خارج نہیں کیا جاسکتا ہے! کیوں کہ وہ وہاں موجود تھے اوران کے حامی ورفقاء وہاں حاضر تھے لہذا ایسے موقع پر جب رائے میں زیادہ افراد حامی کار ہوں تو فرد واحد جمع کے صیغہ کا متحمل ہوتا ہے پھر یہ کہ روایت میں حضرت عمر کے مکالمات کو خصوصی اہمیت حاصل ہے اوران کا نام واضح طور پر مرقوم ہے! " کہنے لگے کیا حضور تشریف لے جارہے ہیں پوچھ تو لو " کا ترجمہ کسی بھی روایت میں مربوط نہیں ہوسکتا ہے کیوں کہ جب خود حضور قلم دوات طلب فرمارہے ہیں تو پھر پوچھ لو کا قرینہ مہمل ہے، نیز یہ کہ انتقال کیلئے ہجر کا لفظ لغوی لحاظ سے بے معنی ہے اور نہ ہی ایسا کوئی محاورہ زبان عرب میں استعمال ہوتا تھا پھر روایات میں حضرت ابن عباسؓ کی غمگین وتاسف انگیز کیفیت حضورؐ کی ناراضگی حاضرین کا اخراج اور شور شرابا ایسے قرائن مہیا کرتے ہیں کہ مذعومہ مطلب کسی صورت اخذ نہیں کیا جاسکتا ہے۔

سوال:۔ ہجر جب ہجرت کے معنے میں بھی مستعمل ہے تو افتراق وانشقاق پیدا کرنے کی غرض سے خوامخواہ دوسرا معنی مراد کیوں لیا جاتا ہے!

جواب:۔ سنی تاویلات بھی عجیب ہیں لیکن جب کبھی وہ اپنے بزرگوں کے کسی فعل یا قول کی

حمایت یا تشریح کرتے ہیں تو ان سنی علماء کا منطق و ذہن کام نہیں کر سکتا، ایک جھوٹ کو چھپانے کی خاطر سینکڑوں جھوٹی تاویلیں بنانی پڑتی ہیں مگر بات پھر بھی بن نہیں پڑتی ہے، اس میں سنی حضرات کی منطقی قابلیت کا قصور نہیں بلکہ یہ اعجاز خداوندی ہے کہ وہ فعل و قول ہی ایسا نامراد ہوتا ہے کہ جو شرمندہ توجیہ و تشریح نہیں ہونا چاہتا۔ پہلے قریشی صاحب نے استفہام کا جملہ استعمال کیا حالاں کہ آنحضرتؐ کے قول میں کوئی ایسی گنجائش نہیں ہے جس سے ہذیان کا شبہ ہوتا اگر استفہام تھا تو پھر بتائیے ازواج نے پردہ میں سے کیوں آوازیں دیں کہ حکم رسولؐ کی تعمیل کرو امہات المومنین نے پردہ میں سمجھ لیا لیکن قریب بیٹھے حضرات مغالطہ میں رہ گئے! اگر انداز استفہامی تھا تو پھر ازواج کو صحابیات یوسف کہنے کی ضرورت کس لئے محسوس ہوئی! اس قدر رنجیدہ ہو کر ماؤں سے ناراضگی کا اظہار کیوں کر دیا! اگر شبہ تھا تو کیا تھا اور یہ شبہ کونسی تحقیقات سے دور ہوا پھر آخروہ کیا سبب تھا کہ حضورؐ پر غلط و لغو گفتگو کا یقین کیا اور قلم دوات پیش نہ کی اگر استفہام ہوتا تو آنحضرتؐ اتنے ناراض ہو کر دفعہ دور کیوں کرتے آپ کیوں فرماتے کہ مجھے میرے حال پر رہنے دو! یہ حالت اس حالت سے بہت بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو! دلیل و منطق تو ملاحظہ کر لیجئے! چونکہ اس گستاخی کے مرتکب حضرت عمر ہیں! لہذا حقائق کو نظر انداز کر کے بھی اس طرح تاویل بے بنیاد کی جاتی ہے کہ وہ فقرہ استفہامیہ تھا! لیکن میں کہتا ہوں کہ پھر بھی ہمارا دعویٰ ثابت ہوتا ہے کہ وکلا حضرت عمر واقعات صحیحہ کی بنا پر اپنا اعتقاد قائم نہیں کرتے۔

بلکہ اعتقاد کے تعصب کی وجہ سے کتر بیونت و تحریف کرتے ہیں! علاوہ اس کے جب خود حضرت عمر کا فعل معرض بحث میں ہو تو اس وقت یہ دلیل کیا کام کر سکتی ہے چلئے ان سے اتنا تو آپ مان گئے کہ ان کلمات کے کہنے والے حضرت عمر ہی ہیں! چنانچہ ابن اثیر اور ابن تیمیہ جیسے متعصب و شیعہ دشمن علما نے بھی اسے کلام عمر تسلیم کیا ہے اب ھجر کے معنی کی طرف آئیے! اگر اسے ہجرت کے معنی میں لیا جائے تو بالکل بے معنی عبارت ہو جاتی ہے! کیوں کہ مرنے والے کو مہاجر نہیں کہا جاتا ہے! ورنہ پھر

مہاجرین کو یہی معنی دے دیجئے ہجر کے معنی فحش کلامی یا ہذیان ہر لغت میں عام ہیں اور عام معنی چھوڑ کرتا دیلی معنی کیوں کر لئے جاسکتے ہیں! پھر یہ کہ روایت مین غلبہ مرض کی وجہ سے کلام کے الفاظ بھی ہیں جو ان معنی کے قریب تر ہیں کیوں کہ ہجر کے معنی خبط و مخلط ہونے کے ہیں پس پاس عمرؓ کی خاطر لغت تبدیل نہیں کی جاسکتی ہے۔

سوال:۔ خدانخواستہ اگر تسلیم کرلیا جائے کہ فاروق اعظم نے بغرض بے ادبی اس قسم کا لفظ حضور علیہ السلام کے حق میں استعمال کیا تھا تو فرمایئے! سیدنا علی نے اس کا ردعمل کیا فرمایا الفاظ حدیث سے ثابت کیجئے؟

جواب:۔ حضرت امیر علیہ السلام اس وقت موجود ہی نہ تھے لہذا ردعمل کیسا پھر موجودگی رسولؐ میں اپنی طرف سے کوئی ردعمل کرنا بھی گستاخی رسولؐ ہوتا! کیوں کہ حضور کی موجودگی میں ان کی آواز سے اپنی آواز بلند تک کرنا شان مومنیت کے خلاف ہے!

سوال:۔ اگر سیدنا علی نے حضور کی عمر کے آخری لحات میں حضور کی طرف داری نہ کرتے ہوئے حضرت عمر کی تردید نہیں فرمائی تو کیا اسے بے وفائی پر محمول نہ کہا جائے گا؟

جواب:۔ جب حضرت علیؑ وہاں موجود ہی نہ تھے تو پھر یہ اعتراض فضول ہے: البتہ بعد میں حضرت امیرؑ نے حضرت عمر کو ہمیشہ جھوٹا خائن۔ غادر اور آثم سمجھا۔ صحیح مسلم ملاحظہ کر لیجئے! واضح ہو کہ حضرت علی حکم رسولؐ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے۔

سوال:۔ فرمایئے حضور کی قدر کیا رہتی ہے! جب کہ نبوت کا دعویٰ فرمایا تو

ابولہب نے سب وشتم کیا اور وفات پانے لگے تو حضرت عمرؓ نے اور فدائیوں کی یہ حالت کو نہ روز اول فدا ہوئے اور نہ روز آخر روز اول تو خیر ابھی تک کوئی شخص بھی دولت ایمان سے سرفراز نہ ہوا تھا! لیکن اس مجلس میں تو ایسی شخصیت موجود تھی جو شجاعت میں بھی نامور تھے اور فراست میں بھی یکتا داماد بھی تھے اور چچازاد بھائی بھی؟

جواب:۔ مخالفین اور دوست نما دشمنوں کے مظالم کے صبر وتحمل سے برداشت کرنا انبیاء مظلومین کا شیوا ہے اس صبر واستقامت سے ان کے درجات میں ترقی ہوتی ہے جس طرح اصحاب عیسیٰؑ میں کے صاحب کا ستارہ مقدر ڈوب گیا اور اس نے عیسیٰؑ سے وفا نہ کی لیکن جناب عیسیٰؑ کی قدر ومنزلت میں کوئی فرق نہ آیا! اسی طرح نہ ہی ابولہب کی گستاخی سے حضورؐ کی شان میں کوئی کمی واقع ہوئی اور نہ ہی حضرت عمر کے بے ادبی آپ کی قدر ومنزلت پر اثر انداز ہوئی! اگر یہودہ عسکریوتی کی بغاوت جناب عیسیٰؑ کے لئے کوئی بے قدری کا سبب بن سکتی ہے تو پھر یہ بات ابولہب وعمر کے معاملہ میں سوچی جا سکے گی! باقی جو شیدائی اور فدائی حقیقی تھے انہوں نے ہر مقام پر اپنی وفاؤں کے جھنڈے گاڑے ہوئے ہیں اسی لئے ان ذوات پر ایسے مطاعن دشمن بھی پیش نہ کر سکے کہ کبھی بے وفائی کا مظاہرہ کیا ہو! لیکن جو لوگ فدائی نہیں بلکہ حکومت کے سودائی تھے ان کی عادت تھی کہ ہر وقت مخالفت رسول کرتے تھے خواہ جنگ ہو یا امن گھر ہو یا میدان! میدان سے خود بھاگتے رہے مگر گھر سے رسولؐ بھگاتے رہے! حضرت علی علیہ السلام تو اس مجلس میں موجود ہی نہ تھے البتہ ازواج مخدرات نے پردہ میں سے تعمیل حکم کی تلقین کی اور حاضرین میں سے کچھ اصحاب نے ایسی ہی رائے دی لہذا تکرار وتنازعہ بڑھ گیا اور حضورؐ نے اپنے پاس سے اٹھا دیا!

سوال:۔ اگر معاذ اللہ حضورؐ کی یہی کیفیت تصور کی جائے تو فرمایئے لوگوں

کے سامنے ایسے پیغمبر کو کس رنگ میں پیش کرو گے۔

جواب:۔ مجھ سے یہ اگر پوچھا جائے تو میں یہ کہوں گا میرے رسولؐ سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی مظلوم نہیں گذرا ہے جس قدر بے وفائی اُمت نبیؐ نے میرے نبیؐ سے کی اس کی مثال ملنا محال ہے! ساری زندگی جس صابر دامین پیغمبرؐ نے اُمت کے لئے ہر طرح کی صعوبت برداشت کی اُمت نے اس رسولؐ کو آخر دم تک اذیت پہنچائی اور آج تک اس کی روح کو تکلیف دینے کی ناکام کوششیں جاری ہیں! جس رسولؐ نے لوگوں کو حیوان سے انسان بننے کی تعلیم دی دنیا کی غلامی سے نجات دلائی آزادی کی نعمت عطا کی۔

اُمت نے اس رسولؐ کو اس قدر بے قدر جانا کہ اس کی آخری خواہش بھی پوری نہ کی اور اس کا لاش بے گور و کفن چھوڑ کر اپنی ہوا و حرص کے پیچھے بھاگ گئے اس کے ہر حکم کو تبدیل کیا اس کی ہر محبوب چیز سے عداوت رکھی اور خفیہ و علانیہ تمام عناصر بروئے کار لائے گئے جس سے حضورؐ کو اذیت دی جا سکتی تھی ظاہری دشمن تو علانیہ دشمنی رکھتے تھے لہذا افسوس کم ہے مگر دوست نما دشمنوں کی تدابیر قابل صد افسوس اور لائق مذمت ہیں! لیکن یہ کیفیت اور صورت حال صرف آنحضرتؐ ہی کے لئے نہ تھی بلکہ اکثر نبیوں سے ان کے صحابہ نے ایسا ہی کیا! بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو اذیتیں دیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خود ان کے صحابیوں کے ہاتھوں ظلم و ستم کا نشانہ بن جانا پڑا!! اگر وہ کیفیت موسیٰ و عیسیٰ کے لئے باعث تنقیص نہیں بلکہ باعث عزت ہے تو پھر حضورؐ کے لئے ایسی کیفیت کا امکان کیونکہ بعید از قیاس اور سبب تنقیص ہو سکتا ہے ان واقعات سے رسولؐ کی مظلومیت ثابت ہوتی ہے اور آپ کا صبر و استقلال ابھر کر سامنے آ جاتا ہے! جس اُمت کی بھلائی کی خاطر رسولؐ نے کسی قربانی سے دریغ نہ کیا اسی اُمت نے رسولؐ کے زبان وحی بیان پر نازیبا حملہ کیا اور آپ کی آخری وصیت کی آڑ بن گئی رسول کی شان ہر حالت بلند رہتی ہے اور اُمت کے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے!

سوال:۔ اگر تسلیم کرلیا جائے کہ قلم دوات لانے میں مانع حضرت عمر کی ذات تھی تو سوال یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی وفات پیر کے دن ہوئی۔ ان پانچ دونوں میں رکاوٹ کرنے والا کون تھا؟

جواب:۔ قضیہ قرطاس میں اختیار کی گئی تدبیر ناقص الایمان لوگوں کی وہ زبردست ترکیب تھی جس کو استعمال کرنے سے ان کو اپنے عزائم میں کامیابی ہوگئی مگر سیاہ چہروں پر پڑے ہوئے نقاب خود بخود اٹھ گئے اعلان غدیر کے بعد کی کارروائیوں سے جب رسول اکرم صلے اللہ علیہ والہ وسلم کو اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ بعض مسلمان حضرت علیؑ کی خلافت قبول کرنے کے لئے دل سے تیار نہیں ہیں اور ان کی اپنی نگاہیں مسند حکومت پر جمی ہوئی ہیں تو حضورؐ نے آخری حجت پورا کرنا چاہی تاکہ لوگوں کو اپنی دلی حالت کے چھپانے کا موقع ہی نہ ملے حجت بھی پوری ہوجائے اور کج افراد کی کیفیت قلبی بھی عریاں ہوجائے اگر موجودہ افراد کو یہ لوگ اپنی چالاکیوں کے ذریعے سے حرص ولالچ فریب کے دوام میں پھنسا کر اپنی طرف کھینچ بھی لیں تب بھی آئندہ محققین پر یہ آسانی سے ظاہر ہوجائے کہ جن لوگوں نے علیؑ کی مخالفت کی تھی وہ اپنے رسولؐ کے بھی تابیدار نہ تھے! اور ان لوگوں کے دلوں میں اپنے نبی کی وقعت کچھ نہ تھی! حضورؐ نے **قوموا عنی!** کہہ کر ہمیشہ کے لئے ان اشخاص کو اپنے حلقہ رحمت سے خارج فرمادیا۔

اس متفق علیہ واقعہ منع تحریر وصیت کے بعد جب آنحضرتؐ کو مشہور صحابہ کی طرف سے ناامیدی ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ یہ ضرور تنازعہ پیدا کریں گے تو آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو بلا کر بہت دیر تک رازکی باتیں کیں اور صبر کی تلقین فرمائی! علامہ طبری لکھتے ہیں کہ "ابن عباس کہتے ہیں کہ اسی مرض کے دوران حضورؐ نے فرمایا علیؑ کو میرے پاس بلواؤ بی بی عائشہ نے کہا کاش آپ ابوبکرؓ کو بلاتے اور حفصہ نے کہا کاش آپ عمرؓ کو بلاتے پس اتنے میں وہ حضرات وہاں جمع ہوگئے حضورؐ نے جب علیؑ کو نہ دیکھا تو فرمایا کہ تم لوگ واپس چلے

جاؤ" ابو جعفر محمد بن جریر الطبری! تاریخ الامم والملوک! الجزء الثالث (ص ۱۹۵)

یہ غیر جانبدار محققین کے نزدیک بہت اہمیت رکھتا ہے اور ہمارے مدعا پر بہت اچھی روشنی ڈالتا ہے! حکومت پر قبضہ جمانے کی جو تدبیریں کی جاری تھیں ان میں ان دونوں بیبیوں کا بہت بڑا حصہ ہے! کسی موقعہ کو یہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھیں اور حضورؐ کو ایک عام انسان سمجھ کر آپکی جسمانی کمزوری و بیماری کا فائدہ اٹھانا چاہتی تھیں اپنی رائے کے مطابق عمل کرانا چاہتی تھیں جب حضورؐ نے نہ مانا تو خود ہی دونوں نے اپنے اپنے باپ کو بلایا لیکن چوں کہ حضورؐ کو وہ حضرات مطلوب نہ تھے لہذا آپؐ نے واپس کر دیا ظاہر ہے کہ حضرت علیؑ کو آنحضرتؐ نے اہم کام کے لئے طلب فرمایا تھا اور واقعات بتاتے ہیں کہ حضورؐ جناب امیر کو صحابہ کی کیفیت بیان کر کے صبر کی تلقین کرنا چاہتے تھے اور ساتھ ہی ان کو امامت نماز کے لئے مقرر فرمانا چاہتے تھے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ مطلب سمجھ گئی تھیں اپنے اپنے والد کو بلایا جب حضورؐ نے ان سے کوئی بات نہ کی اور واپس کر دیا تو خود ہی بی بی عائشہ نے اپنے والد صاحب کو امامت نماز پر کھڑا کر دیا! بالآخر علیؑ کو بلایا گیا چنانچہ صاحب روضۃ الاحباب لکھتے ہیں کہ!

"آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے بھائی علیؑ کو بلاؤ۔ حضرت علیؑ آئے اور آپ کے سرہانے بیٹھے آنحضرتؐ نے اپنا سر تکیہ سے اٹھایا اور حضرت علیؑ کو اپنی بغل میں لے لیا اور آنحضرتؐ کا سر حضرت علیؑ کے بازو پر تھا! آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ فلاں یہودی سے میں نے تجہیز جیش اسامہ کے لئے کچھ قرض لیا تھا دیکھو ضرور بالضرور اس کو میری طرف سے ادا کر دینا! اے علیؑ تم پہلے وہ شخص ہو گے جو حوض کوثر پر میرے پاس پہنچو گے! میرے بعد تم کو بہت سے مصائب و تکالیف پہنچیں گے تم کو چاہیے کہ دل تنگ نہ ہو اور صبر کرو! اور جب دیکھو لوگوں نے دنیا اختیار کی تو تم آخرت تیار کرنا" (روضۃ الاصباب محدث شیرازی)

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ جمعرات سے پیر تک کے دوران کیا باتیں تھیں جو رکاوٹ تحریر ہوئیں حضرت علیؑ کو ویسے ہی دور رکھا گیا اور جب آنحضرتؐ نے دیکھا کہ امت اس نوشتہ کو قلمبند کرنے پر راضی نہیں ہے تو پھر حضورؐ نے وہ تحریر نہ لکھوائی کیوں کہ گمراہی کا خدشہ ان ہی لوگوں سے تھا! اگر وہ تحریر آپ علیؑ سے لکھوا لیتے تو اس کا حشر بھی وہی ہوتا جو فدک کی دستاویز کا ہوا تھا! لہذا حضورؐ نے حضرت علیؑ کو زبانی وصیت فرمائی اور صبر کی تلقین کی اور حضورؐ نے امت کی زبانی وصیت فرمائی کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں اللہ کی کتاب اور اور میری عترت میرے اہل بیت۔ (الخ) حضورؐ نے تمام اسرار ووصایا حضرت علیؑ سے خلوت میں فرمائے!

سوال:۔ اگر کوئی رکاوٹ کرنے والا نہیں تھا تو حضور علیہ السلام نے معاذ اللہ اُمت کو کس حالت میں چھوڑا جب کہ حدیث موجود ہے: تا کہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جاؤ!

جواب:۔ ہادی عظیم رحمۃ للعالمین رسول الثقلین صلے اللہ علیہ وسلم نے اُمت کی شدید مزاحمت کے باوجود اپنی آخری وصیت حدیث ثقلین کی شکل میں چھوڑی اور اُمت کو ثقلین کے سپرد کر کے یہ ضمانت دی کہ تمام گمراہوں سے نجات کا صرف ایک راستہ تمسک بالثقلین ہے! رسولؐ اکرم کا آخری حکم یہ ہے کہ تحقیق میں تم لوگوں میں دو ایسی عالی قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم ان کو پکڑے رکھو گے تو ہر گز گمراہ نہیں ہوگے ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے سے بڑی چیز ہے اللہ کی کتاب جبل ممدود ہے اور دوسری میری عترت میرے اہل بیت خبردار (یاد رکھو) کہ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہوں گی! حتی کہ حوض کوثر پر میرے پاس دونوں اکٹھی وارد ہوں گی (متفق بین الفریقین)

سوال:۔ کیا حضور علیہ السلام کی ذات جو مدت العمر تک کسی کا فر اور ملحد سے

نہ ڈر سکے وہ حضرت عمر کے جواب سے ہراساں ہو گئے! العیاذ باللہ!

جواب:۔ رسول خدا کبھی کسی سے نہ ڈرے! عمر سے حضورؐ اس وقت بھی خوفزدہ نہ ہوئے جب ہوہ برہنہ تلوار ہاتھ میں لئے ارادہ قتل پیغمبرؐ کے لئے آئے تو اس وقت کیسے ڈر سکتے تھے حضورؐ نے بلا خوف وخطر پیغام حدیث ثقلین کی وصیت فرمادی!

سوال:۔ جب حضورؐ علیہ السلام بار ہا! من یهد الله فلا مضل له: فرما چکے تھے اور ہدایت کی تکمیل کے لئے آیت الیوم؛ اکملت لکم دینکم؛ نازل ہو چکی تھی تو حضور علیہ السلام کے آخری ارشاد کو امتحان پر محمول کیوں کیا جائے!

جواب:۔ حضورؐ کے ارشاد کو امتحان پر محمول کریں یا ہدایت کیلئے معاملہ تعمیل ارشاد پیغمبرؐ کا ہے کہ حضورؐ کی خواہش پوری نہ کی گئی اور انکے بارے میں نازیبا کلمات کہے گئے اس نافرمانی سے گستاخی پیغمبر ثابت ہوتی ہے اور نقص اطاعت ظاہر ہوتا ہے جو مومنیت کی شان کے خلاف ہے ارشاد کا مقصد کچھ بھی ہو یہ ضمنی معاملہ ہے اصل اعتراض حکم عدولی اور بے ادبی سے متعلق ہے جس کا ارتکاب قابل مذمت ہے۔

سوال:۔ سیدنا عمر کا قول کیا حضرت عمر کے کمالات عالیہ میں سے آخری کمال نہیں جبکہ حضرت عمر نے ایسا جواب دیا جس کو سنکر حضورؐ نے سکوت اختیار فرمالیا اور ظاہر کہ حضور علیہ السلام کا کسی امر پر سکوت اختیار فرمانا اس امر کے مستحسن ہونے پر دلالت کرتا ہے؛

جواب:۔ معترض کی اس بات کو اور کوئی شیعہ مانے چاہے نہ مانے لیکن مجیب یہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے کہ بلاشبہ یہ حضرت عمر کے مذعومہ کمالات کا آخری کمال تھا کہ اس حربہ میں کامیاب ہوئے اور بڑی آسانی سے اقتدار پر قبضہ جمالیا اور لوگوں میں اپنی حیثیت رسولؐ سے بھی بڑھائی

کیوں کہ حضورؐ کو لاجواب کر کے خاموش کر دیا اللہ کے سچے نبی کے لبوں پر مہر سکوت لگا کر ثابت کیا کہ میرا کمال یہ ہے کہ میں رسولؐ کو اپنے سے بالا نہیں سمجھتا ہوں! مگر اللہ کا رسولؐ بھی بالکل خاموش نہیں رہا ہے بلکہ فوراً پکار کر فرمایا! دفع ہو جاؤ نکل جاؤ پس اگر لدھیانوی صاحب ایسے سکوت کو مستحسن سمجھتے ہیں تو سمجھتے رہیں ورنہ میرے نزدیک یہ سکوت ویسا ہی ہے جیسا خدا کو خلقت آدمؑ کے وقت دربارہ ابلیس ہوا جس طرح اللہ نے اپنے خلیفہ کے مخالف کو راندہ درگاہ قرار دے دیا اسی طرح اللہ کے رسولؐ نے اپنے وصی کے مخالفین کو اپنی بارگاہ رسالت سے نکال کر مردود قرار دیا! جسطرح خدا نے شیطان کو ڈھیل دی قوت وغلبہ اختیار دیا اسی طرح گستاخ رسولؐ کو مطلوبہ مرادیں حاصل ہوگئیں اور جو انجام ابلیس کا ہوا وہی انجام مطیع شیطان ہوگا۔

سوال:۔ قرطاس نہ دینے سے حیات القلوب ج ۲ ص ۸۴۲ میں ملا باقر مجلسی نے یوں یاوہ گوئی کی ہے ہیچ عاقل را مجال آں نیست کہ شک کند در کفر عمر کفر کسے کہ عمر را مسلمان گردان! ترجمہ بوجہ غیرت ایمانی نہیں لکھا جا سکتا! معذور ہوں، بتایئے آپ کا اس عبارت سے اتفاق ہے یا نہ؟

جواب:۔ جب رسولؐ خدا چاہتے ہوں کہ ایسی وصیت قلمبند فرمائیں جس میں تمام اُمت کی بھلائی اور ہر گمراہی کا علاج ہو اگر کوئی امتی مانع ہو جائے اور ایسی حالت میں حضورؐ کو رنجیدہ کرے اور حضرت کو ہذیان سے نسبت دے ایسے گستاخ وموذی رسولؐ کیلئے ایک صحیح مسلمان اُمتی کی کیا رائے ہوسکتی ہے حضورؐ اکرم کے مقابلے میں کسی شخص کا کوئی اقتدار نہیں ہے، اگر علامہ مجلسی نے کسی گستاخ رسولؐ اور ایذا دہندہ پیغمبرؐ اور راندہ درگاہ؛

نبوی کے لئے ایسی رائے قائم کرلی ہے تو یہ محبت و اطاعت رسولؐ کی علامت ہے آپ کی غیرت ایمانی نے جس بات کو چھپایا ہے میر غیرت ایمانی اسے ظاہر کرنے پر مجبور کرتی ہے علامہ مجلسی کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ کسی عاقل کی مجال نہیں ہے کہ عمر کے کفر میں شک کرے اور اس کے کفر میں جوان کو مسلمان قرار دے! یہ عمر بن خطاب کی بات ہے اگر یہی الزام (نعوذ باللہ) اگر کسی اور بزرگ پر بھی ثابت ہو جائے کہ انہوں نے حضورؐ کی آخری وصیت پوری نہ کی اور آپؐ کی بے ادبی و گستاخی کا ارتکاب کیا تو اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ ان کے بارے میں کہدوں کیوں کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم کی توہین کے سامنے ہر کسی کی تعظیم ہیچ ہے پس مجھے علامہ مجلسی کے ایمانی جذبات سے کوئی اختلاف نہیں ہے کیوں کہ انہوں نے کوئی خلاف عقیدہ یا ناجائز بات نہیں لکھی ہے۔

سوال:۔ اگر اتفاق نہیں ہے تو ملا باقر مجلسی آپ کے نزدیک مسلمان ہے یا کافر اگر مسلمان ہے تو کیوں اور اگر کافر ہے تو اس کی مصنفات آپ کے نزدیک قابل قبول ہیں یا نہ ہر دو شقوں کو وضاحت سے بیان کیجئے!

جواب:۔ مذہب سنیہ کے مطابق اور ملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر کی رو سے خلفاء اربعہ کے قاتل تک پر فتوئ کفر عائد نہیں کیا جاسکتا ہے جبکہ علامہ مجلسی نے اپنے اجتہاد و اعتقاد کے مطابق محض محبت رسولؐ میں ایک گستاخ رسولؐ کی بابت اپنے جذبات ایمانیہ کا اظہار کیا جس سے مجھے بھی اتفاق ہے اس لئے علامہ موصوف مومن تھے! کیونکہ حضرت عمر نہ ہی منصوص ہستی تھے اور نہ ہی ان پر ایمان لانا ضروری ہے جب حضرت عمر پر تنقید کرنا کسی اصل دین کی مخالفت نہیں ہے تو پھر معاذ اللہ ان کو کافر کس طرح سمجھا جاسکتا ہے ان کے مومن و مجاہد ہونے کا بین ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے حمایت رسولؐ میں ایک حکم عدول صحابی کے شنیع و قبیح فعل کا اظہار کرتے ہوئے اپنی بے باک رائے لکھدی ہے اور کسی خطرہ کی پرواہ

نہیں کی یہ شان مومنیت ہے اگر علامہ مجلسی کسی اصل دین کی تکذیب کرتے تو پھر دائرہ ایمان سے خارج تھے جب کہ انہوں نے اشاعت دین حقہ کیلئے وہ نمایاں خدمات انجام دین ہیں۔ جو رہتی دنیا تک قائم رہیں گی اور ان کی بدولت ہزاروں متلاشیان حق کو راہ ہدایت نصیب ہوئی ہے: اللہ ان کے مراتب جلیلہ میں اضافہ کرتا رہے۔ (آمین)

سوال:۔ اور اتفاق ہے تو آپ کا سیدنا علیؓ اور سیدنا حسینؓ کے ساتھ کیسے ایمان وابستہ رہ سکتا ہے جب کہ انہوں نے سیدنا عمرؓ کو مسلمان سمجھ کر سیدہ شہر بانو کو طلب فرمایا!

جواب:۔ اتفاق کی صورت میں حضرت عمر سے امام علیؑ اور امام حسینؑ کا بی بی شہر بانو کو قبول کر لینا اس لئے وابستگی ایمان کو مانع نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بی بی ہاجرہ کو ایک کافر بادشاہ سے قبول کر لیا تھا جب یہ بات جناب خلیل اللہ کے لئے باعث اعتراض نہ ہو سکی تو خلیل کربلا اور ان کے والد محترم کیلئے کیسے معارض ہو سکتی ہے حالاں کہ ہم نے بار بار اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ بی بی شہر بانو ہرگز حضرت عمر کے زمانے میں تشریف نہیں لائی ہیں اور یہ قصہ من گھڑت ہے جب حضرت ابراہیم منکر خدا کا فر مطلق فرعون مصر سے لونڈی قبول کر لی اور گنہگار نہ ہوئے تو پھر حضرت عمر جو کلمہ گو مسلمان تھے ان کے بارے میں ایسے اعتراض کی کیا وقعت ہو گی۔

سوال:۔ کیا معاذ اللہ ان حضرات کو آپ جتنا بھی علم نہیں تھا۔

جواب:۔ کیوں نہیں تھا وہ تو علم و حکمت کے دروازے ہیں مگر ان کے علم میں یہ بات قابل اعتراض ہی نہ تھی۔

سوال: لولا علی لھلک عمر سے استدلال اس رنگ میں کیوں نہ لیا جئے کہ یہ جملہ ان کے باہمی تعلقات کی پیوستگی پر دلالت کرتا ہے؛ نیز چند ذرائع سے اس واقعہ کی حقیقت سے حضرت علیؑ باخبر تھے اور اور حضرت عمرؓ کو خبر نہیں تھی اور ظاہر ہے کہ عالم الغیب خدا تعالےٰ کے بغیر کوئی نہیں ہے!

جواب: جسطرح کفارہ مشرکین حضورؐ کو صادق و امین مانتے ہوئے بھی آپ کی رسالت کے منکر رہے اور ان کا یہ اقرار باہمی تعلقات کی پیوستگی پر دلالت نہیں کرتا ہے اسی طرح حضرت عمر کا یہ اعتراف بھی ان کے کردار کی روشن میں باہمی تعلقات کی کشیدگی ثابت کرتا ہے بے خبری قلت علم کی دلیل ہے اور باخبری فضل علم کی علامت ہے؛ لہذا چوں کہ حقیقی خلیفہ کے لئے علم شرط خلافت ہے اور حضرت علیؑ حضرت عمر سے زیادہ عالم تھے اس لئے استحقاق خلافت حضرت علیؑ کے لئے ثابت ہوتا ہے؛ اور حضرت عمر کے متعدد اقوال شاہد ہیں کہ حضرت علیؑ ان سے علم میں بہت ہی بلند مرتبہ پر فائز تھے اور حضورؐ نے آپ کو باب مدینہ العلم و باب حکمت فرمایا تھا۔

سوال: جب سیدنا عمر خلیفہ وقت تھے اور نا علیؓ ابھی خلیفہ نہیں بنے تھے؛ اور اس حالت میں غیر خلیفہ کا خلیفہ وقت کو ایک امر سے باخبر کرنا اور خلیفہ وقت کا تسلیم کر لینا کیا اس کے کمال تقویٰ اور دیانت پر دلالت نہیں کرتا!

جواب: دراصل اس مقام پر معترض کے انداز فکر اور مجیب کے اعتقاد نظریات و سوچ و بچار میں ٹکراؤ ہے؛ معترض کے مطابق ہر وہ شخص خلیفہ رسولؐ ہونے کا اہل ہے جسے لوگ منتخب کر لیں یا وہ خود

کسی محلاتی سازش سے برسرِ اقتدار آ جائے، ایسے شخص کے لئے جو جمہوری خلیفہ بن جائے یا پیشرو کی نامزدگی سے برسرِ مسند آ جائے یا کسی اور تدبیر سے تخت نشین ہو جائے حقیقت کا اعتراف کرنا دیانت پر محمول کیا جا سکتا ہے لیکن مجیب کے نظریات کے تحت خلیفہ رسولؐ کے لئے معصوم و علیم ہونا اشد ضروری ہے لہٰذا جب اس کو امتحان علم میں ناکامی ہو گی تو وہ شخص خلافت کے لائق نہیں ہے اور اگر وہ اس نااہلیت کے باوجود بھی کرسی پر قابض ہے تو غاصب اور خائن ہونے کے ساتھ کاذب واثم بھی ہے اسلئے اس کا اقرار و اقبال اس کی دیانت پر دلالت نہیں کریگا بلکہ سیاسی مصلحت اور موقع پرستی یا مطلب برآری کے مترادف ہوگا! کمال تقویٰ و دیانت کی اشکال اس وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب وہ اعتراف حقیقت کرتے ہوئے غصب شدہ مقام کو چھوڑ دے اور حقدار کو اس کا حق لوٹا کر اپنی ندامت غلطی کا اظہار کر کے آئندہ کیلئے تائب ہو جائے اور اطاعت کلی کا عہد کر لے ورنہ محض ذاتی منفعت کی خاطر اقبال حقیقت و تسلیم رائے تقویٰ دیانت کے زمرہ میں داخل نہ ہونگی!

کیا فاروق اعظمؓ نے سیدہ کا گھر جلایا تھا

سوال:۔ فاروق اعظم کے متعلق شیعی حلقے میں یہ مشہور کیا جا رہا ہے کہ آپ نے (معاذ اللہ) سیدہ فاطمۃ الزہرا کا گھر جلایا سیدہ کے مبارک پہلو پر تلوار ماری تو اسقاط حمل ہو گیا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہے کوئی ماں کا لال جو اہل سنت کی کتب معتبرہ سے بسند۔ صحیح اس روایت کو پیش کر سکے؟

جواب:۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے احراق خانہ سیدہ طاہرہ کا قصد کیا؛ دھمکیاں دیں اور بی بی پاکؑ کے پہلو پر دروازہ گرایا جس کی وجہ سے اسقاط محسنؑ ہوا؛ حضرت ابوبکر کا حضرت عمر کو بھیجنا

حضرت عمر کا اپنے ہواخواہوں کی جماعت کو خانہ فاطمہؑ الزہرا پر چڑھا کر لانا۔ جناب عمر کا بی بی پاک کے گھر کو جلانے کے لئے آگ ولکڑیاں جمع کرنا اور دھمکیاں دینا نیز حضرت علیؑ کے دوستوں کو بیعت کے لئے لے جانے کا ذکر بہت سے مورخین نے کیا ہے۔ مثلاً کتاب الامت والسیاست الجزاول ص ۱۴/۱۳ تاریخ طبری الجز الثالث ص ۱۹۸؛ عقد الفرید جلد ۲، ص ۱۷۹ تاریخ المختصر فی اخبار البشر الجزالاول ص ۱۵۶؛ روضتہ المناظر برحاشیہ، جلد یازدہم تاریخ الکامل ص ۱۱۳، مروج الذہب جلد ثالث ص ۲۴ ازالتہ الخفا مقصد دوم ص ۲۲۶ استیعاب جز الاول ص ۳۴۵ تحفہ اثناء عشریہ ص ۲۹۲ وغیرہ وغیرہ۔ ابن قتیبہ، علامہ طبری، امام عبدربد اندلسی، ابوالولید ابن اشیر علامہ مسعودی، شاہ ولی اللہ محدث دہولی علامہ ابن عبدالبر اور شاہ عبدالعزیز جیسے بلند پائیہ علمائے اہل سنت کیا قبال واقعہ کے بعد کوئی صورت باقی نہیں رہ جاتی کہ اس واقعہ کو غیر مستند وغیر معتبر قرار دیا جاسکے باقی یہ تو اہل سنتہ والجماعتہ حضرات کی عادت فطری ہے کہ وہ ہر اس واقعہ کا انکار کردیتے ہیں جو ان کے مذہب کے لئے مضر ثابت ہوتا ہو، ہم کہتے ہیں کہ ہے کوئی مائی کالال جو منقولہ بالاحوالہ جات کی موجودگی میں اس واقعہ کا انکار کرے اور اپنے جلیل القدر علماء کی تکذیب کرے!

سوال:۔ کیا اہل سنت کے علمانے اس کی تردید نہیں کی

(۱) ان هذه القصته محض هذيان وزور من القولوبهتان المنخنه الا الٰهيته (مصریہ ص ۲۵۲)

بلاشبہ یہ واقعہ محض ہذیان ہے اور جھوٹ ہے اور سراسر بہتان ہے

جواب:۔ یہ تردید صرف ظنی ہے اور محض اعتقادی خوش فہمی ہے کہ منکر کو غافل یعنی حضرت

عمر سے ایسی توقع وامید نہ تھی۔ لیکن تاریخی حقائق کا انکار واقعات کی روشنی میں کیا جاتا ہے نہ کہ خوش عقیدگی سے اسی لئے علمائے سنیہ کی کثیر تعداد نے اس واقعہ کو درست تسلیم کیا اور اس کی وہ وکالت اس طرح کی ہے کہ سیاست کے مذہب میں یہ سختی بالکل جائز تھی، نظم ونسق کی خاطر یہ دھمکی ایک انتظامی تدبیر تھی اور یہی موقف معترض نے خود بھی اختیار کیا ہے جیسا کہ آئندہ اعتراضات سے ظاہر ہوگا؟

سوال:۔ فلک النجات ج ا ص ۲۴۰ باب انعقاد خلافت میں ہے! ولقد احرق الخلیفۃ الثانی ثانی الثقلین، یعنی حضرت عمر نے دوسرے ثقل اہل بیت کو جلایا۔

والانكار انكار المتواترات لانه هذا روى بطرق كثيرة واسانيد شبهيرة!

اس واقعہ کا انکار متواترات کا انکار ہے کیونکہ بہت طریقوں اور مشہور سندات کے ساتھ روائتیں موجود ہیں۔

۲ نیچے حاشیہ ا پر لکھا ہے اگر چہ سند کے اعتبار سے ہم ان کا اعتبار نہیں کر سکتے کیوں کہ کہ اس روایت کے رواۃ کا حال ہمیں معلوم نہیں کیا ان سب عبارتوں میں تعارض نہیں اور جملہ ضدی را فضول اور مؤلفین فلک النجات کی اندرونی کیفیت طشت از بام نہیں ہوگی پہلی عبارت میں روایت کے تواتر کا دعویٰ آخر میں سند سے جہالت کیا اس بل بوتے پر اہل سنت کے مذہب پر طرح طرح کے اعتراضات کیے جاتے ہیں؟

جواب:۔ بلاشبہ حضرت ثانی نے نہ صرف ثقل دوم کے دل جلائے بلکہ مقام نزول ملائکہ کے

آگے آگ روشن کرنے کی جسارت کی۔ واقعہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے اس قدر منفرد تھا کہ اسے متواترات مین کہا گیا ہے اور مختلف حیلوں سے وکالت کر کے آج تک مرتکب کو اس الزام سے بری الذمہ قرار دینے کی کوشش جاری ہیں؛ اس دلسوز واقعہ کو اتنی شہرت ہوئی ہے کہ اسے اسناد کی احتیاج ہی نہیں رہی اور اسکا چرچا اتنا عام ہے کہ اس کی تشہیر بذات خود اسے مستند کرتی ہے ایسے اہم واقعات کو محض اس لئے نہیں جھٹلایا جاسکتا ہے کہ اس کے اسناد معتبر نہیں ہیں کیونکہ چاند چڑھتا ہے تو زمانہ دیکھتا ہے اور جب حضرت عمر نے یہ چاند چڑھایا تو سارے مدینہ نے دیکھا لوگ چاند پر پہنچے لیکن ہم اس واقعہ کو صرف اسناد کی بحث سے جھوٹا قرار نہیں دے سکتے صاحب فلک النجاۃ کی متنی عبارت اور حاشیہ میں قطعاً کوئی تعارض وتضاد نہیں ہے کیوں کہ متن میں انہوں نے اسانید شہیدہ کہا ہے اسناد کے معتبر ہونے کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ اس واقعہ کی شہرت کو سند مانا ہے ایسے مشہور واقعہ کو غلط قرار دینے کیلئے صرف دو راستے ہو سکتے ہیں ایک ظنی اور دوسرا عقلی یا درایتی۔ ظنی راہ فریق مقابل کیلئے قابل قبول نہ ہوگی اور درایتی راستہ خود علماء سنیہ نے اختیار کر کے اس واقعہ کا انعقاد تو تسلیم کیا ہے۔

لیکن اسے اپنی تاویل کا تابع کرنے کی کوشش کی ہے جس پر مفصل بحث آگے آرہی ہے اس واقعہ کا تواتر بھی ثابت ہے اور سند سے جہالت کا عذر اس کی شہرت عامہ سے دور ہو جاتا ہے ہمیں نہ ہی ضد اور نہ ہی کوئی ذاتی عناد ہماری اندرونی کیفیت صاف ظاہر ہے کہ اگر یہ عمل حضرت عمر نے کیا ہے تو یہ نہ صرف قابل مذمت ہوئی ہے اس کو خارج کر دینے کے لئے صرف احراق خانہ بتولؑ کا قصد ہی کافی ہے؛ باقی مولاؑ کے فضل سے اہل سنتہ کے مذہب پر تو جاہل راقم الحروف کم سے کم ایک کروڑ اعتراضات کر سکتا ہے اور دعویٰ مولائی ہے کہ دس لاکھ اعتراضات صرف سنی عقیدہ توحید کے بطلان میں ہوں گے اگر کوئی ناصبی فقیر آل محمدؐ علیہ السلام کی حاصل کردہ وہ خیرات جو اسے در مدینۃ العلم سے بخشش مین ملی کا نظارہ چاہئے تو میدان میں آجائے! العلیؑ مدد

سوال:۔ کیا حقیقت میں واقعہ یوں نہیں ہے کہ بعد از انعقاد خلافت کچھ لوگ سیدنا علیؓ کے مکان میں امور خلافت کے متعلق مختلف تبادلہ خیالات کرنے لگے جس پر حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو آپ تشریف لائے اور فرمایا ان کو نکال دو! اور یہ بھی فرمایا

یابنت رسول اللہ مامن الخلق احب الیٰ من ابیک ومن احد احب الینا بعد ابیک منک

اے رسول خدا کی صاحبزادی مخلوق میں سے کوئی مجھے تیرے باپ سے زیادہ محبوب نہیں انکے بعد مجھ سے زیادہ میرے نزدیک صاحب توقیر نہیں (کنز العمال ج ۳، ص ۱۳۹)۔

جب یہی روایت فلک النجاۃ میں نقل کی گئی ہے تو کیا اس سے قلب فارروقی میں حضرت سیدہ کی عزت مرکوز و مصون نظر نہیں آئی اور مصنف فلک النجاۃ نے جو زہر اگلی ہے (۱) عمرؓ نے اہل بیت کو جلا دیا (۲) گھر کو جلا دیا سے توہین کا پروپگنڈا نہیں ہے فرمایئے آپ کے ہاں کچھ ایمان کا مقام بھی ہے یا نہیں؟ کیا سی کتاب پر دنیائے شیعت کو ناز ہے! اف لکم وماتعبدون

جواب:۔ علامہ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر در منثور میں حضرت انس بن مالک اور بریدہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے اس آیت کو پڑھا بیوت اذن اللہ ان ترفع گھروں کے اندر اللہ نے حکم کیا ہے کہ بلند کیا جائے پس ایک شخص کھڑا ہوا پھر اس نے پوچھا یہ گھر کون ہے حضورؐ نے فرمایا کہ انبیا کے گھر ہیں پھر ابوبکر نے کھڑے ہو کر پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم یہ گھر علیؑ و فاطمہؑ کا

انہیں گھروں سے ہے حضور اکرمؐ نے فرمایا ہاں یہ گھر ان گھروں سے فاضل تر ہے، یہ وہ گھر جونبیوں کے گھروں سے افضل ہے، جس کے بارے میں لدھیانوی صاحب نے زعم کیا ہے وہاں سیاسی سازش بن رہی تھی اور عمر کو اس کی اطلاع ہوئی لہٰذا لوگوں کو نکالنے کے لئے وہاں چڑھ آئے اب کنز العمال کی پوری روایت سینئے مزعومہ قلب فاروقی میں بی بیؑ پاک کی عزت کا مرکز نظری آ جائے!

عن زید بن أسلم انه حسین بویم لابی بکر بعد رسول الله صلعم کان علی والزبیم فی بیت علی و فاطمه بنت رسول الله صلعم ولیشا ورو نها دیر تحیون فی امرهم فلما بلغ ذلک عم ابن الخطاب خرج حتی دخل علی فاطمه فقال یا بنت رسول الله والله مامن الخلق احداحب الخه من ابیک وما من حدا احب الینا بعد ابیک منک دائم الله مان ذالک بما نعی ن اجتمع هولا ایفزعنک ان امیر هولا الیفزعنک ان امیرهم ان تخرق علیهم الباب فلما خرج عمر جا وها قالت تعلمون ان عمر قد جاءتی قد حلف الله لن عدتم لمتحرقین علیکم البیت الخ۔

زید بن اسلم سے روایت ہے بعد رسولؐ جب ابوبکر سے بیعت کی گئی حضرت علی و زبیر جناب فاطمہؑ کے گھر میں خلافت کے خلاف مشورہ کر رہے تھے عمر یہ خبر جان کر خانہ سیدہؑ پر گئے اور کہا اے دختر رسولؐ آپ کے باپ سے بڑھ کر مجھے مخلوق میں کوئی پیارا نہیں نہ تھا ان کے بعد مجھے

حقیقی محبت آپ سے ہے کسی سے نہیں مگر یہ بات مجھے اس بات سے روکے گی کہ یہ لوگ (علی وزبیر) جرم مشورت کریں بے شک میں پھونک دوں گا ان کو اس گھر میں۔

کنز العمال کی منقولہ روایت سے حضرت عمر کا کردار نکھر کر سامنے آجاتا ہے کہ باوجود یہ کہ وہ نبیؐ و بنت رسولؐ کے مقامات سے بخوبی واقف تھے پھر بھی اس محبت کو نظر انداز کرتے ہوئے آگ لگانے کے قاصد تھے۔ اور جو لوگ امور خلافت پر تبادلہ خیالات کر رہے تھے ان میں صرف علی وزبیر کا نام صاحب کنز العمال نے لکھا ہے اور اخرج صاحب خانہ علی اور زبیر کے لئے مطلوب تھا مصنف فلک النجاۃ نے لکھا ہے کہ عمر نے اہل بیت کو جلا دیا تو اس سے مراد یہ ہے کہ ان کو رنجیدہ کیا تکلیف دی ان کا دل جلایا کیوں کہ محاورہ میں یہ معنی عام گفتگو میں مستعمل ہوتے ہیں کہ جیسے کہتے ہیں کہ اس نے تو مجھے جلا دیا فلک النجاۃ میں یہ نہیں لکھا گیا ہے کہ گھر کو جلا دیا، بلکہ الفاظ یہ ہیں کہ اہل بیت کو جلا دیا لہذا یہ کوئی جھوٹا پروپیگنڈا نہیں ہے ملا علی متقی کی منقولہ روایت سے بھی حضرت عمر کا ارادہ وقصد ان کی اپنی زبان سے ثابت ہے اور یہ جارحانہ قدم اس اعتراف کے باوجود ہے کہ مرتکب مراتب خانہ سیدہؑ کو تسلیم کر کے کہہ رہا ہے کہ میرے قصد احرق میں یہ توقیر حائل نہیں ہو سکے گی۔

اگر کسی عزت دار سے یہ کہا جائے کہ بے شک آپ معزز ہیں لیکن میں تو آپ کو ذلیل کروں گا تو اگر یہ رویہ عزت کی طرف مرکوز ہو سکتا ہے تو ہم حضرت عمر کے لئے بھی سمجھ لیں گے حالاں کہ اس روایت سے حضرت عمر پر دوہرا الزام آتا ہے کہ ایک طرف معظمہ کی عزت وتوقیر جانتے ہوئے اور مانتے ہوئے بھی ان کو بے عزت کرنے کا مذموم فعل کیا اور ہتک کی اور دوسری طرف جبری بیعت حاصل کرنے کے لئے دھمکایا اور آگ لگانے کیلئے بندوبست کیا، نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت علی ابوبکر کی خلافت پر

راضی نہ تھے اور سیدہؑ طاہرہ بھی حضرت ابوبکر کے انتخاب سے خوش نہ تھیں۔ حضرت عمر خانہ اہل بیت کو سازش کا گھر سمجھتے تھے اسے پھونک دینا چاہتے تھے اس ارادہ میں مقام سیدہؑ و مقام رسول کو بھی نظر انداز کر دینے پر آمادہ تھے، یہی وجہ ہے شبلی جیسے مداح عمر نے اعتراف کیا ہے کہ حضرت عمر کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں۔ (الفاروق حصہ اول ص ۷۱)۔

سوال:۔ کیا ہے کوئی شیعی دنگل کا پہلوان جو فاروق اعظم کا قول بہ ایں الفاظ ثابت کر دے۔

لا خرتن علیک بیتک یابنت رسول اللہ یا

لا حرقنک یا بغت رسول اللہ

اے رسول خدا کی بیٹی میں تیرے اوپر تیرے گھر کو ضرور جلا دونگا یا

میں ضرور تجھے جلا دونگا

ثابت کیجئے اور منہ مانگا انعام لیجئے ورنہ اس ذات اقدس پر بہتان طرازیوں سے بچیے اور اپنا مقام جہنم میں نہ بنایئے؟

جواب:۔ حضرت عمر کا بی بی پاک کو یہ دھمکی دینا کہ میں ان کا گھر ضرور جلا دوں گا کتب تاریخ سے مکمل طور پر ثابت ہے، جو الفاظ لدھیانوی صاحب نے رقم کیے ہیں ان ہی مطالب کو پورا کرتی ہوئی عبارت درج ذیل ہے۔

وکذالک تخلف عن بیتہ ابی بکر ابوسفیان من بنی امیہ ثم ابابکر بعث عمر بن الخطاب الی

علی ومن معه لیخرجهم من بیت فاطمه رضی الله عنها و قال ان ابراعلیک فقاتلهم فاقبل عمر بشی من نار علی ان یعزم الدار فلقیة فاطمه رضی الله عنها وقالت ابی این یا این الخطاب اجئت لتمحرق دار ناقال نعم او تدخلوا فیها دخل فیه الامته

اسی طرح ابوبکر کی بیعت سے ابوسفیان اموی نے تخلف کیا پھر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو حضرت علی کی طرف یہ حکم دے کر بھیجا کہ علی کو اور انکے ساتھیوں کو خانہ فاطمہ سے نکال دیں اور اگر وہ انکار کریں تو ان سے جنگ کریں پس حضرت عمر خانہ فاطمہ کو جلانے کیلئے آگ لے کر آئے۔ ان سے حضرت فاطمہ نے ملاقات کی اور کہا اے خطاب کے بیٹے کیسے آئے ہو کیا تم ہمارا گھر جلانے کیلئے آئے ہو حضرت عمر نے جواب دیا ہاں تمہارا گھر جلا دوں گا ورنہ تم سب ابھی ابوبکر کی بیعت کرلو جس طرح اور لوگوں نے کی ہے۔

(ا تاریخ ابوالفدا الجزا لاول ص ۱۵۶ عماالدین ابوالفداء)

اب جب کہ ہم نے معترض کا مدعا پورا کردیا ہے ہم حق رکھتے ہیں کہ انعام طلب کریں وہ یہ ہے کہ لدھیانوی صاحب صرف ایسے موذی لوگوں سے بیزاری اختیار کرلیں جنہوں نے محض دنیوی اقتدار کی خاطر اپنے نبیؐ کے اہل بیتؑ کو ستایا اور اپنا مقام جہنم میں بنالیا یہی انعام ہمارے لئے اس قدر انمول ہوگا کہ زاد آخرت بھی بن جائے گا اور اس دنیا میں بھی لازوال متاع عظیم ہوگا، مگر یہ امید ہمیں کم ہے کہ لدھیانوی صاحب بات کے پکے ثابت ہوں، کیوں کہ ایفائے عہد تو ان کے اماموں نے بھی نہ کیا

لہذا ہم ان کی وعدہ خلافی پر بھی افسردہ نہ ہونگے بلکہ اتباع آئمہ ضالین سمجھیں گے۔

سوال:۔ فلک النجاۃ میں جن کتابوں

(۱) الامامتہ والسیاستہ، (۲) مروج الذھب، (۳) رسالتہ الزہرا، (۴) النار الموقدہ والنار الحاطمہ، (۵) تشید المطالمن، کی عبارتیں نقل کی گئی ہیں کیا یہ کتابیں شیعوں کی تصنیف شدہ نہیں اور جاہلوں کو ورغلانے کے لئے یہ سارا سامان نہیں کیا گیا تا کہ ان کے سامنے کتابوں کا نام آجائیگا تو مرعوب ہو کر ہمارا مذہب قبول کریں گے کسی کو کیا خبر کہ یہ کتابیں اہل سنت کی ہیں یا شیعوں کی اور نیز یہ کہ معتبر ہیں یا غیر معتبر آخر دین کے پیش کرنے میں کچھ تو دیانت چاہیے۔

جواب:۔ فلک النجاۃ میں دونوں مسالک کی کتاب سے عبدتیں درج کی گئی ہیں تا کہ واقعہ زیر بحث متفق بین الفریقین قرار پائے ہم ایسے لغوہ کچے طریقوں سے تبلیغ حق کرنے کے قائل نہیں ہیں کہ خواہ مخواہ اپنی کتابوں کو دوسروں کی تصانیف ظاہر کرتے پھریں تمام اہل علم جانتے ہیں کہ رسالتہ الزہرا النار الموقدہ والنار الحاطمہ اور تشید المطالمن ہماری کتب ہیں مگر الامامتہ والسیاست اور مروج الذہب ہرگز ہماری کتب نہیں ہیں ابن قتیبہ مصنف الامامات والسیاست کی توثیق ہم گذشتہ اوراق میں پیش کر چکے ہیں مروج الذہب مشہور مصنف اہل سنتہ علامہ مسعودی کی ہے ان کی توثیق حاضر خدمت ہے حضرت عمر کے مشہور وکیل شمس العلماء علامہ شبلی اپنی کتاب الفاروق کے دیباچہ میں امام مسعودی کے متعلق یوں لکھتے ہیں۔ ابوالحسن علی بن حسین مسعود التوفی سنہ ۳۸۶ھ سنہ ۳۴۶ھ مطابق فوات الوفیات ابن شاکر، فن تاریخ کا امام ہے اسلام میں آج تک اسکے برابر کوئی وسیع النظر مورخ پیدا نہیں ہوا وہ دنیا کی اور قوموں کی تواریخ

کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اسکی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی کچھ حاجت نہ ہوتی لیکن افسوس ہے کہ قوم کی بدمذاقی سے اس کی اکثر تصنیفات ناپید ہوگئیں یورپ نے بڑی تلاس سے دو کتابیں مہیا کیں ایک مروج الذہب اور دوسری کتاب الاشراف والتنبیہ مروج الذہب مصر میں چھپ گئی ہے اس قدر پرزور توثیق کے بعد مسعودی کو غیر معتبر قرار دینا اور اسے سنی المذہب نہ ماننا ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ تو صرف دو کتابوں کی بات ہے ورنہ یہ واقعہ اہل سنت کی بیسوں کتب میں مرقوم ہے چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

(۱) امام اہل سنت ابوجعفر محمد بن جریر طرح تاریخ الامم والملوک جلد ۳ ص ۱۹۸ مطبوعہ مصر۔

(۲) امام اہلسنت شہاب الدین احمد المعروف بابن عبدربہ اندلسی عقد الفرید جلد ۲ ص ۱۷۶ مطبوعہ مصر۔

(۳) امام اہلسنت ملک المؤید عماد الدین اسمعیل ابوالفدا تاریخ المختصر فی اخبار البشر جلد ۱ ص ۱۵۶۔

(۴) علامہ اہل سنت ابوالولید محمد بن سحنہ روضۃ المناظر بر حاشیہ تاریخ کامل جلد ۱۱ ص ۱۱۳۔

(۵) امام اہلسنت ابوالفتح محمد بن عبدالکریم شہرستانی الملل والنحل جلد ۱ ص ۳۵ مطبوعہ بمبئی۔

(۶) امام اہل سنت ابن عبدالبر استیعاف فی معرفۃ الاصحاب جلد ۱ ص ۳۴۵ مطبوعہ حیدرآباد دکن۔

(۷) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۹۲ مطبوعہ نولکشور۔

(۸) مولوی شبلی نعمانی شمس العلما الفاروق حصہ اول ص ۷۱۔

(۹) مولوی وحید الدین خان حد تحقیق بمشرب سنی ص ۱۱۰ مطبوعہ لکھنو۔

(۱۰) مولوی حافظ عبدالرحمن حنی سنی المرتضی ص ۴۵ مطبوعہ امرتسر۔

(۱۱) شاہ ولی اللہ دھلوی ازالۃ الخفا مقصد دوم ماثر ابوبکرؓ۔

کیا یہ ساری کتب شیعہ تصنیفات ہیں اور ان کے مؤلفین شیعہ المذہب تھے اس قدر شواہد کی

موجودگی میں لدھیانوی صاحب کی یہ یاوہ گوئی کہ یہ سارا سامان جاہلوں کے ورغلانے کے لئے کیا گیا ہے صریحاً ان کے جاہل ہونے کا ثبوت ہے اگر کسی سنی میں کوئی دم خم ہے تو اپنے ان بزرگ علماء کی تکذیب کر کے دکھائے کہ یہ سنی نہیں تھے۔ ورنہ ایسے اوچھے ہتھیار کبھی کارآمد نہ ہوں گے ہماری دیانت داری کو ثابت کرنے اور معترض کے کذاب و دغاباز ہونے کیلئے متذکرہ بالا کتب کافی ثبوت ہیں اب یہ فیصلہ ناظرین خود فرمالیں کہ معترض بددیانتی سے کام لے رہے ہیں یا مجیب۔

سوال:۔ آخر وجہ کیا ہے کہ اگر جنگ جمل میں سیدنا علی بزعم شما سیدہ عائشہ اہل بیت نبیؐ (اولاً) کی بے حرمتی کریں ان کو بے پردہ اونٹ سے گرائیں ان کی فوج کو قتل کریں تو بجا اور حضرت عمر اہل بیت علی کے دروازے پر جا کر امور خلافت کے نظم و نسق کو بحال رکھنے اور اختلافات کو مٹانے اور دین اسلام کے رشتہ کو مضبوط بنانے کیلئے چھپ کر مخالفانہ مشورے کرنے والوں کو تنبیہ فرمائیں تو بے جا، آخر اس قدر طوطا چشمی اور اعراض عن الحق کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ اس واقعہ کو جنگ جمل کے واقعہ سے مماثلت دینا انتہائی جاہلانہ حرکت ہو گی کیوں کہ بی بی عائشہ میدان جنگ میں سپہ سالار بن کر برسر پیکار تھیں اور میدان جنگ میں ان کی حیثیت ایک امام عادل کے خلاف بغاوت کے سرغنہ کی تھی لیکن باوجود اس کے کہ جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز کہا جاتا ہے حضرت علیؑ نے بی بی عائشہ کی پوری پوری حفاظت و توقیر کی پورے اہتمام کے ساتھ مدینہ روانہ کیا مگر سیدہؑ کا گھر میدان جنگ ہرگز نہ تھا بی بی عائشہ براہ راست اس بغاوت میں شریک تھیں اور میدان جنگ ہرگز نہ تھا بی بی عائشہ براہ راست اس بغاوت میں شریک تھیں اور میدان جنگ میں جارین کی قیادت کر رہی تھیں۔ بی بی صاحبہ نے تمام اسلامی اصول فراموش کر کے خلاف قرآن صف آرائی کی

تھی اور حضورؐ کے آگاہ کر دینے کے باوجود اس مقام پر آ پہنچی تھیں جہاں کتے بھونکے لہذا امام عادل کا فرض منصبی تھا کہ وہ اس خلاف دین و ایمان وغیر قرآنی بغاوت کچل دیتے جب کہ (نعوذ باللہ) سیدہ طاہرہؑ سے ایسی کوئی حرکت سرزد نہ ہوئی تھی گھر اور میدان جنگ میں کوئی مطابقت نہیں ہے حضرت ابوبکر ناحق امام بنے تھے اور اہل بیتؑ خلافت کو اپنا حق قدرتی سمجھتے تھے۔

لہذا محض ایک امر ناحق کی خاطر مسجود ملائکہ گھر پر دھاوا بولنا اور بات ہے اور میدان کارزار میں ایک علانیہ باغیہ کو قابو میں لینا اور بات ہے پھر اس تشدد کا مقصد دین اسلام کی مضبوطی نہ تھا بلکہ اتحاد و ملت کو تباہ کرنا اور حقداروں کو ہراساں کرنا تھا۔ صرف بیعت ابوبکر حاصل کرنے کی وجہ سے یہ سنگین اقدام کیے گئے بی بی عائشہ کے گھر کے متعلق حضورؐ نے اشارہ کر کے فرمایا تھ کہ فتنے یہاں سے سر اٹھائیںگے جب کہ سیدہؑ کے گھر کو نبیوں کے گھر سے افضل قرار دیا تھا، کہاں بی بی عائشہ کو سورہ تحریم ان کی مذمت میں نازل ہوا اور کہاں بی بی بتول کہ سورہ دہر شان سیدہ طاہرہؑ میں اترا اہم طوطا چشمی نہیں کرتے صاف لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے ابوبکر کو حاکم تسلیم نہ کیا جس کی وجہ سے ان پر مصائب کے پہاڑ توڑے گئے اور حکومت نے وہ تمام حربے آزمائے جو ایک غاصب حاکم سے ممکن ہو سکتے تھے جب کہ امام عادل علیؑ ابن ابی طالب نے بغاوت کی سرکردہ لیڈر کو فتح یاب ہونے کے بعد باعزت رہا کیا۔ اس شکل کے سامنے آنے سے ایک اور بات بھی ثابت ہوگئی کہ اہل بیتؑ حضرت ابوبکر کو خلیفہ ماننے پر راضی نہ تھے لہذا ان کو ڈرا دھمکا کر جبری بیعت لینے کی کوشش کی گئی۔

جس سے نہ ہی اختلافات مٹائے جا سکتے تھے اور نہ دین اسلام کے رشتے مضبوط ہو سکتے تھے کیوں کہ دین ایسی بیعت کو مستحسن قرار نہیں دیتا ہے پس اگر ابوبکر خلیفہ برحق ہوتے تو حضرت علیؑ بلا توقف ان کی اطاعت قبول کر لیتے اور بادشاہ کو احکام قتل صادر کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی نہ ہی

حضرت عمر کو دروازہ بتول ؑ پر آگ روشن کرنا پڑتی پس اگر علیؑ فاطمہ ؑ نے انکار خلافت کر کے کوئی گناہ نہیں کیا تو پھر شیعہ بھی ابوبکر کے منکر ہونے پر بے گناہ ہیں چھپ کر مخالفانہ مشورے کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ اہل بیت رسول حضرت ابوبکر کو غاصب سمجھتے تھے جو شیعہ عقیدہ ہے۔

سوال:۔ شیعی کتاب مروج الذہب کے حوالے سے فلک النجات حصہ اول ص ۲۴۱ میں یہ عبارت موجود ہے انمار اد بذلک ھابھم یعنی فاروق اعظمؓ کا منشا گھر جلانا نہیں تھا بلکہ مشورہ کرنے والوں کو ڈرانا تھا! کیا اس سے مسئلے کی حقیقت کھل نہیں گئی؟

جواب:۔ مروج الذہب ہرگز شیعہ کتاب نہیں ہے کیا مسعودی کا وہی عقیدہ تھا جو شیعوں کا ہے عوام کو کیوں دھوکہ دے رہے ہو اس کی توثیق ہم گذشتہ صفحات میں نقل کر چکے ہیں یہ علامہ مسعودی کا حسن ظن ہوگا ان کا ارادہ تھا یا نہ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے البتہ قصد ثابت ہے چلو ڈرانے پر ہی جم جاؤ تمہاری اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حکومت میں اور حضرت علیؑ میں شدید مخالفت تھی حضرت علیؑ حضرت ابوبکر کو قطعاً خلیفہ رسول ؐ نہ مانتے تھے بنگاہ علیؑ یہ حکومت الہیہ نہ تھی اس کی بنا غصب و ظلم و جور پر تھی حضور ؐ کا ارشاد ہے کہ حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ حق کے ساتھ ہے آنحضرؐ نے فرمایا کہ علیؑ اور قرآن قیامت تک ساتھ رہیں گے! پس معلوم ہوا کہ مخالفین علیؑ حق و قرآن کے مخالفین ہوئے۔

ارشاد رسول ؐ ہے علیؑ کی رضا میری رضا ہے جو علیؑ کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے لہذا مخالفین علیؑ مخالفین رسول ؐ قرار پائے۔ آنحضرت ؐ کا قول تھا کہ جس نے اپنے وقت کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت علیؑ ایک دوسرے کے مخالف تھے یا ابوبکر جائز امام نہ تھے یا معاذ اللہ حضرت

ابوبکر کو نہ پہچان کر حضرت علیؑ نے کفر کیا تھا۔ اگر آپ یہ مفروضہ بحث کرتے ہیں تو آپ کے مذہب کی ساری ومتزلزل ہو جائے گی۔ ایسی بحث تو غیر مسلم کر سکتا ہے جو خدا اور رسولؐ و اسلام سے نا آشنا ہو۔ ایک طرف آپ کے مذہب کی بنا یہ ہے کہ چاروں یار ایک جان اور چار قالب تھے ایک دوسرے کے خیر خواہ تھے۔ ان میں رشک و حسد نام کو نہ تھا جناب امیرؑ حضرت ابوبکر کو جائز خلیفہ خدا اور اپنے سے افضل جانتے تھے اور دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ آپؑ کے گھر مخالفت کے مشورے ہوتے تھے لہٰذا استحکام حکومت کے لئے یہ ضروری تھا کہ ایسی دھمکی دی جائے، آخر مرغا ایک ٹانگ پر کتنی دیر تک کھڑا رہ سکے گا۔

سوال:۔ فرمایئے آگ سے جلانا نا جائز تھا یا دھمکی دینا اگر جلانا نا جائز تھا تو وہ ثابت نہیں اور اگر دھمکی دینا نا جائز تھی تو نماز میں سستی کرنے والوں کیلئے حضور علیہ السلام نے بھی گھروں کے جلانے کی دھمکی دی تھی۔

جواب:۔ نہ ہی آگ میں جلانا جائز تھا اور نہ ہی ایسی دھمکی دینا نماز ایک فریضہ ہے اور حضورؐ نے اس سے سستی و کاہلی دور کرنے کے لئے ایسی دھمکی دی تا کہ لوگ اس فریضہ کی اہمیت جان جائیں اور غفلت نہ کریں۔ جبکہ حصول بیعت کوئی فریضہ تھا نہ ہی مخالفین سے کوئی سازش ظاہر ہوئی تھی جس سے امن عامہ یا استحکام حکومت کو نقصان پہنچانا مقصود ہوتا۔ دھمکی صرف اور صرف رائے حاصل کرنے کے لئے دی گئی۔ اور اسلامی شریعت آزادی رائے پر عائد کردہ ہر پابندی اور جبر و ظلم کی مخالفت کرتی ہے۔ پس غیر شرعی امر پر ایسی دھمکی کو شرعی امر پر دی گئی دھمکی سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی ہے۔

سوال:۔ فرمایئے حضرت عمر کو بدنام کرنے کے لئے نہج البلاغہ کی شرح ابن

ابی الحدید روضۃ المناظر جیسی کتابوں کے حوالے بغیر تصریح مذہب مصنف کیوں دیئے گئے ہیں جبکہ یہ کتابیں شیعوں کی ہیں۔

جواب:۔ ابن ابی الحدید کی شرح ہرگز شیعہ کتاب نہیں ہے۔ کیونکہ شارع کا تعلق اہل سنۃ والجماعت کے ایک فرقہ معتزلہ سے ہے اسی لئے اس نے اپنی شرح نہج البلاغہ میں اکثر خلفاء ثلاثہ کی خلافت کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو عقیدہ شیعہ کے صریحاً خلاف ہے مشہور امام اہل سنت حُجت الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ شیعہ عالم کا یہ دعویٰ کہ تمام اہل سُنت و جماعت خلفاء ثلاثہ کی امامت قیاس سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں غلط ہے کیونکہ اہل سنت و جماعت میں بہت سے فرقے مثلاً معتزلہ فقہا بغدادیہ، ظاہریہ مثل داؤد ابن حزم وغیرھما کے ان کی امامت قیاس سے نہیں ثابت کرتے۔ (منہاج السنۃ الجز الثانی ص ۸۹)۔

علامہ اہل سُنت محمد ابن شاکر بن احمد اپنی کتاب فوات الوفیات ج ص ۲۴۸ میں لکھتے ہیں کہ (ابن ابی الحدید) کا شمار بہت بڑے شعرا میں ہوتا ہے ان کا دیوان مشہور ہے ان سے روایت حدیث علامہ دمیاطی نے کی ہے۔ مذہب کے متعلق ان کو معتزلہ لکھا ہے علامہ کمال الدین عبدالرزاق بن احمد بن المعالی الشیبانی اپنی کتاب مجمع الادب فی ملجم الالقاب میں لکھتے ہیں کہ علامہ ابن ابی الحدید حکیم اصولی تھا۔ وہ بہت بڑے علماء اور افاضل میں سے تھا حکیم صاحب علم کامل اصول کلام جاننے والا مذہباً معتزلہ تھا اس کی تصانیف میں سے شرح نہج البلاغہ ہے۔

اسی طرح روضۃ المناظر بھی شیعہ کتاب نہیں ہے اس کے مصنف محب الدین ابوالولید محمد بن محمد الشہری ابن شحنۃ الجل الحنفی ہیں۔ مولوی عبدالحئی لکھنوی اپنی کتاب "تعلیقات السنیہ" میں لکھتے ہیں۔

"یعنی محب الدین محمد بن محمد الشیر ابن شحنہ حلبی حنفی یہ سُنت اور اہل سُنت کے عاشق تھے سنہ ۸۱۷ھ میں انتقال ہوا۔ان کی تصنیف سیرۃ النبو یہ بہت اچھی ہے"۔اسی طرح کتاب حدائق الحنفیہ میں ہے کہ محمد بن محمد شحنہ محب الدین سنہ ۷۴۹ھ میں پیدا ہوئے۔علم حدیث کے بہت محبّ تھے امام ہمام نے آپ سے پڑھا۔کتاب روضۃ المناظر تصنیف کی پس جب یہ کُتب شیعہ کی نہیں بلکہ مشہور سُنی کتابین میں تو پھر تصریح کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

سوال:۔ جب مخالفین اور استیصال کنندگان فیصلہ شوری نے بیت سیدنا علی کو اپنے سر چھپانے کی جگہ بنالیا تو اس سے یقیناً عترت رسولؐ کے حصہ دار بننے کا شُبہ گذرتا تھا پس حضرت عمر نے دھمکا کر سیدہ کے گھر کو ایسی سازشوں سے پاک بنانے کا قصد کیا فرمایئے اس میں اظہار اخلاص ہے یا اظہار عداوت۔

جواب:۔کوئی بھی شریف النفس اور منصف مزاج شخص یہ حرکت علامت اظہار اخلاص قرار نہیں دے سکتا ہے کہ کسی معزز گھرانے کے دروازے پر آگ جمع کر کے اس کو دھمکایا جائے۔اگر حکومت کو کوئی ایسا شبہ گذرا تھا تو اُسے آئینی طریقوں سے دور کرنے کی کوشش کی جاسکتی تھی نہ کہ ابتدا ہی میں انتہائی قدم اٹھالیا جاتا۔حکومت کو عترتِ رسُول کی دیانت، شرافت اور حُب دینی پر شبہ کرنا ہی اُن کے متخلف الثقلین ہونے کا کھلا ہوا ثبوت ہے مرعوم متمسک بالثقلین ہونے کی صورت میں ان لوگوں کو چاہیے تھا کہ ثقل دوم کے قائد سے مذاکرات کرتے اور اگر پھر بھی اہل بیت مخالفت کرتے تو وہ حکومت چھوڑ دیتے۔حضرت عمرؓ کی ایسی وکالت ثابت کرتی ہے کہ حضرتِ علیؑ حکومت کے مخالف تھے اور حکومت ان کو مُشتبہ تصور کرتی تھی۔پس مخالفت اور شُبہ دونوں اخلاف پر مبنی نہیں ہوتے بلکہ عداوت کی دلیل بنتے

ہیں پس ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر عمر اور عترت رسولؐ میں باہمی تعلقات مخالفت وشبہ پر استوار تھے جسے دوسرے الفاظ میں عداوت کہتے ہیں نہ کہ اخلاص۔ یہ بات عقلا محال ہے کہ مخلص دوست بلا مسلمہ وجہ محض شبہ کی بنا پر دوسرے مخلص دوست کے گھر کو جلانے کے لئے آ پنچے اور محض اپنی رائے مسلط کرنے کی خاطر دھمکانہ ڈرانا شروع کرے۔ ایسی دوستی واخلاص ہم نے دنیا میں اور کہیں نہیں دیکھی ہے۔

سوال:۔ فرمایئے جب ریاست ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں تھی اور حضرت علی کا وظیفہ تقیہ تھا۔ ذرا بتایئے تو سہی کہ عمر فاروق کو آگ لگانے سے کس نے منع کیا اور وہاں کون تھا جو منع کرسکتا۔

جواب:۔ وہ لوگ جنہوں نے ابوبکر کو خلیفہ ماننے سے انکار کر دیا تھا جب انہوں نے یہ حالات دیکھے تو ان کی غیرت نے یہ گوارہ نہ کیا کہ اس گھر کو نذر آتش دیکھ سکیں جہاں حوران جنت کا نزول ہوتا تھا اور فرشتے آ کر چکیاں پیسا کرتے تھے لہذا وہ باہر آ گئے اور عمر کا مقصد پورا نہ ہوسکا۔ قابل افسوس مقام ہے کہ خانہ سیدہؑ کی بے حرمتی تو صرف شک وشبہ پر کی جائے لیکن سعد بن عبادہ کی علانیہ مخالفت شدید کے باوجود اس کے گھر ایسی کارروائی نہ کی جائے۔

سوال:۔ اگر یہ ارتکاب ارتکاب معصیت تھا تو سیدنا علیؑ نے ان کے دور خلافت میں ان کے متعلق پاکیزہ اور مصلحانہ خیالات کا اظہار کیوں فرمایا۔

جواب:۔ اگر یہ ارتکاب معصیت نہ ہوتا تو صاحب عمر اور ابوبکر معافی مانگنے کے لئے سیدہؑ

کے ہاں آئے تو سیدہؑ یہ ہرگز نہ فرماتیں "قسم بخدا ہر ایک نماز میں جو پڑھوں گی تمہارے لئے بددعا کروں گی" (الامامت والسیاست ج ا ص ۱۴)۔اور حضرت علیؑ ان کے بارے میں کاذب، غادر، خائن اور آثم کے القابات تجویز نہ فرماتے۔(مسلم شریف) شیخین کا معذرت طلبی کے لئے حاضر ہونا از خود دلیل ہے کہ یہ ارتکاب معصیت تھا ورنہ معافی کی کیا ضرورت تھی؟

سوال:۔ کیا سیدنا حسین کو اس دشمنی کا پتہ نہ تھا جبکہ سیدہ شہر بانو کے ساتھ نکاح کرنے کے لئے اپنے باپ کو لے کر سیدنا عمر کے دروازے پر آئے تھے؟

جواب:۔حضرت امام حسینؑ کو یہ سب کچھ معلوم تھا اور ان کا بی بی شہر بانو کے لئے اپنے والد کے ساتھ دروازہ عمر پر آنا تاریخ سے ہرگز ثابت نہیں ہے۔یہ بات ہم پیچھے دہراتے آ رہے ہیں۔

سوال:۔ امام دو قسم ہیں ایک امام نماز دوسرا امام رعیت جب امام صلوٰۃ کے پیچھے تساہل والوں کو حضور علیہ اسلام گھر جلا دینے کی دھمکی دے سکتے ہیں جس میں صرف جماعتوں کا وقتی طور پر نظم و نسق قائم کیا جاتا ہے تو امام رعیت کے پیچھے اتباع نہ کرنے والے بلکہ مخالفت کرنے والے اور سستی کرنے والوں کو فاروق اعظم اس قسم کی دھمکی کیوں نہیں دے سکتے جس پر مملکت اسلامیہ کے پورے نظم و نسق کا مدار ہے۔

جواب:۔حضور سرور کائنات ہادی برحق منصوص و معصوم تھے۔لہذا الفاظ شریعت کی خاطر ایسے احکام کا اجراء کر سکتے تھے جبکہ حضرت عمر نہ ہی امام معصوم و منصوص تھے اور نہ ہی امام مزعوم تھے۔کیونکہ جب یہ واقعہ رونما ہوا اس وقت صاحب حکومت ابوبکر تھے۔حضرت ابوبکر کا ایسا حکم ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے سیدہ کے

گھر کو جلا دینے کی دھمکی دینے کی ہدایت جاری کی پس جب حضرت عمر امام ہی نہ تھے تو انہوں نے اپنے امام کیخلاف مرضی یہ قدم کیوں اٹھایا۔ نیز اس بحث سے ثابت ہوا کہ اہل سُنت کے اعتقاد کے مطابق حضرت علیؑ سیدہ فاطمہؑ اور ان کے اصحاب و رفقاء و ہمخیال حکومت ابوبکر کے غیر مطیع بلکہ مخالف تھے۔ پس حکومت ابوبکر کے لئے اہل بیتؑ کی رضامندی ہی ثابت نہیں تو پھر یہ مزعوم خلافت برحق کیسے ہو سکتی ہے۔ کیونکہ علماء سُنیہ کا اقرار ہے بلاشرکت اہل بیتؑ اجماع جائز نہیں ہے اور علیؑ و دیگر اہلبیتؑ کی مخالفت، سُستی اور عدم اتباع بقول شما بھی ثابت ہے تو پھر حضرت ابوبکر کو جائز امام کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اگر ان کی مخالفت اہل بیتؑ کے لئے مضر نہیں ہے تو پھر شیعان اہل بیتؑ کے لئے کیوں ہو؟

تراویح میں جماعت کی تحقیق

سوال:۔ کیا آپ اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ اہل سنۃ کی کتابیں اس سے لبریز ہیں کہ حضور علیہ السلام نے تین دن تراویح کی جماعت فرمائی۔

جواب:۔ ہم پوری ذمہ داری سے اس بات کا انکار کر سکتے ہیں کہ مذہب اہل سُنۃ والجماعۃ کی کتابوں میں ایک روایت بھی ایسی موجود نہیں ہے جس سے بایں الفاظ ثابت ہو جائے کہ حضور نے "تین دن تراویح کی جماعت فرمائی"۔

سوال:۔ حضور علیہ السلام نے چوتھے روز ترک جماعت کی وجہ یہی بیان فرمائی تھی تاہم تم پر فرض نہ ہو جائے۔ کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ترک جماعت خوف فرض کی وجہ سے تھا اور نہ قلبی آرزو اور ذاتی تمنا یہی تھی کہ جماعت ہونی چاہیے۔

جواب:۔ایسی تمام روایات غیر مرفوع اور غیر ثقہ ہونے کی وجہ سے مجروح میں اور سنی اصول حدیث کے مطابق قرار نہیں پاتی ہیں یہ بحث تو رہی ایک طرف جب تین دن تراویح کی جماعت فرمایا ہی ثابت نہیں ہے اور ایک روایت بھی اس مقصود کو پورا نہیں کرتی ہے۔تو پھر چوتھے دن کی بات ہی بے بنیاد ہے۔اور پھر یہ کہ حضورؐ تو چاہتے ہی وہ تھے جو خدا چاہے ان کی ذاتی تمنا و قلبی آرزو یقیناً منشاء خداوندی کے خلاف نہ ہوسکتی تھی۔

سوال:۔ بعد از وفات جب خوف فرضیت نہ رہا تو فاروق اعظمؓ نے جماعت پر عمل کروا کر کیا نبی تمنا کو پورا نہ کیا؟

جواب:۔ذرا یہ تو بتایئے کیا حضرت ابوبکرؓ رسولؐ کی اس تمنا کا کوئی احساس نہ ہو جو ہر حال حضرت عمرؓ سے زیادہ برعم شما عاشق رسول تھے اور آخر اس معاملہ میں جناب عمرؓ کو حضورؐ کی تمنا پوری کرنے کا شوق کیوں ہو گیا جب یہ تمنا پوری کرنا خدا کو منظور نہ ہوا حالانکہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ کی آخری تمنا پوری نہ کی جیسا کہ انہوں نے خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا۔بے شک حضورؐ سے علیؑ کے بارے میں چند ایسی باتیں ہوتی تھیں جن سے کوئی حجت (عدم استخلاف) ثابت نہیں ہوتی تھی نہ عذر (عدم استخلاف) قطعی ہوتا تھا۔بسا اوقات تو جناب رسولؐ خدا علیؑ کے امر میں حق سے باطل کی طرف مائل ہو جانا چاہتے تھے اور بہت مبالغہ کرتے تھے اور یہ بھی امر واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے مرض موت میں علیؑ کے نام تصریح خلافت کے بارے میں کرنی چاہی مگر میں نے ان کو اس سے روک دیا جس سے میری غرض محض اسلام کی ہمدردی تھی کعبہ کے رب کی قسم علیؑ کے بارے میں کبھی قریش کا اجماع نہ ہوگا اگر وہ خلیفہ ہو گئے تو ہر طرف سے عرب ان پر یورش کریں گے۔بس رسولؐ اللہ سمجھ گئے کہ میں نے ان

کے دل کی بات تاڑ لی اور وہ رک گئے۔ (شرح، نہج البلاغہ علامہ ابن ابی الحدید ج ا ص ۹۷) اسی طرح کا ایک مکالمہ صاحب تاریخ بغداد علامہ احمد ابن ابی طاہر نے نقل کیا ہے کہ جناب عمر نے کہا۔

اے ابن عباس یہ تو درست ہے کہ جناب رسُولؐ خدا کا یہی ارادہ تھا کہ خلافت علیؑ کو ملے لیکن جناب رسُولِ خدا کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے جب خدا نے نہ چاہا کہ خلافت علیؑ کو ملے۔ خدا نے اس کے خلاف چاہا اور خدا کی مراد جاری ہوگئی اور رسُولؐ خدا کی خواہش پوری نہ ہوئی۔ دیکھو رسُول خدا نے بہت چاہا کہ انکا چچا ایمان لائے لیکن وہ ایمان نہ لایا کیونکہ خُدا نے نہ چاہا کہ وہ ایمان لائے رسُول خدا نے تو یہ بھی چاہا تھا کہ مرض موت میں خلافت کی وصیت علی کے نام کر دی۔ لیکن میں نے فتنہ وامر اسلام کی پراگندگی کے خوف نے روک دیا۔ رسُولؐ اللہ بھی میرے دل کی بات سمجھ گئے اور رُک گئے اور اللہ نے جو مقدر تھا وہی ہوا۔ (شرح، نہج البلاغۃ الجز الثالث ص ۱۱۴)۔ اب ان عبارتوں کی روشنی میں ناظرین کرام خود اندازہ لگالیں کہ جناب عمر رسولؐ اللہ کے ارادوں، خواہشوں اور تمناؤں کو کیا وقعت دیتے تھے۔ ایسی ظاہر خواہش وتمنا وآرزوئے رسُولؐ کی تو ابن خطاب پرواہ نہ کریں اور محض قیاسی وظنی خواہش کا احساس کر کے ایک بدعت کے اجرا کو تکمیل تمنائے رسُولؐ قرار دیں۔ یہ خلوص ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ باقی تراویح کی تردید کے لیے تو بی بی عائشہ کی منقولہ ذیل روایت کافی ہے جو متفق علیہ ہے۔

ابو سلمہ بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ رسُولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز رمضان میں کس طرح ہوتی تھی؟ انہوں نے کہا کہ آپؐ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نماز نہ پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری پ ۸ ج ا ص ۴۴۸ حدیث ۱۸۵۷) (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۲۷)۔ پس جب حضورؐ کا یہ عمل ہی ثابت نہیں ہوتا ہے تو پھر غیر نبوی عمل کو جاری کروا کر نبوی تمنا پورا کرنا کس طرح صحیح سمجھا جائے۔

سوال:۔ ہم پر تو طرح طرح کے اعتراضات کئے جاتے ہیں۔اور کہا جاتا ہے کہ تراویح کی با لجماعت کا کوئی اصل نہیں لہذا بدعت ہے لیکن ذرا جناب تو ارشاد فرمائیں۔

(۱) ربیع الاول کی نویں تاریخ کو حضرت عمر شہید ہوئے ہیں تم اسی دن صلوٰۃ تشکر پڑھتے ہو۔

(۲) یوم نیروز مناتے ہو حالانکہ یہ مجوس کی عید کا دن ہے۔

جن کی اصل بھی شریعت میں نہیں ہے ان کو بدعت کیوں نہیں کہتے ہیں۔

جواب:۔آپ کی تراویح پر کیے جانے والے سارے اعتراضات ہم واپس لے لیتے ہیں اوران کے بدلے میں صرف ایک اعتراض کرتے ہیں کہ اگر تراویح با جماعت کی کوئی شئے زمانہ رسولؐ میں تھی تو اآپ ازراہ نوازش اپنی کس معتبر یا غیر معتبر کتاب میں صحیح حدیث سے یا غلط روایت سے لفظ "تراویح" بزبان رسولؐ دکھا دیجیے۔مہربانی کر کے حوالہ مکمل دیجیے گا۔۹ ربیع الاول کا جو نماز شکرانہ پڑھی جاتی ہے وہ شکرانہ نافلہ نماز ہے جسے ہر وقت پڑھا جا سکتا ہے اور تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت عمر ۹ ربیع الاول کو فوت نہیں ہوئے بلکہ ۲۶ ذی الحجہ کو انتقال کیا اور علامہ سیوطی کے مطابق غرہ محرم کو تدفین ہوئی۔ (تاریخ الخلفا) ہماری کُتب میں ۹ ربیع الاول کے فضائل درج ہیں جس نے تفصیلات دیکھنا ہوں زاد المعاد از علامہ مجلسی کا مطالعہ کرے۔حضرت حذیفہؓ سے ایک طویل حدیث نقل کی گئی ہے جس میں رسُولؐ خدا نے اسؔ دن کو روز عید قرار دیا ہے۔پس جب سُنت سے ثابت ہے تو بدعت کیونکر ہوا؟

اسی طرح روز نوروز کی فضیلت میں کافی احادیث ہماری کتب میں ہیں۔اور نوروز کو تو آپ مشاہدے سے بھی خود روز سعید ثابت کر سکتے ہیں کہ گل گلاب وقت تحویل پانی میں خود بخود حرکت کتان

ہو جاتا ہے۔ یہ سرسوں تو ہتھیلی پر جمائی جاسکتی ہے تجربہ کر لیجئے گا۔ ورنہ اس روز کے فضائل کس منجم و ماہر فلکیات سے دریافت فرمالیجئے گا۔

سوال:۔ اگر اہل السنّت کے اس مسلک اور ادائے تراویح با لجماعت پر اعتراض ہے تو بروئے مسلک اہل السنّت یا بروئے مسلک اہل تشیع

جواب:۔ دونوں مسالک کی رو سے ہمیں اس بدعت پر اعتراض ہے۔

سوال:۔ اگر بروئے مسلک اہل السنّت اعتراض ہے تو سراسر لغو ہے کیونکہ حسب ذیل روائتیں صراحتاً مسلک اہل سنت کی تائید میں موجود ہیں۔

من عبدالرحمن ابن القاری قال محرجت مع عمر لیلة فی رمضان الی المسجد فاذالناس اوزاع متفرقون یصلی الرجل بنفسه فقال عمرانی لاری لوجمعت هولاء علی قاری واحد لکان امثل هولاء علی قاری واحد لکان امثل ثم عزم ذجمعهم علی ابی ابن کعب ثم خرجت معه لیلة اخری والناس یصولن بصلوة قارئهم فقال نعمة البدعة هذه (المنتقی مطبوعہ مصر)

عبدالرحمن بن قاری کہتے ہیں کہ میں رمضان میں ایک دفعہ مسجد کو حضرت عمر کیساتھ چلا گیا ناگہاں لوگ علیحدہ علیحدہ نمازیں پڑھ رہے تھے پس حضرت عمر نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ ان کو ایک قاری پر جمع کردوں تو بہتر رہے گا۔ پھر ارادہ کیا پھر ان کو ابی ابن کعب پر جمع کیا پھر دوسری رات ان کے ساتھ مسجد میں آیا تو لوگ جماعت کے ساتھ تراویح پڑھ رہے تھے پس حضرت عمر نے فرمایا یہ نیا طریقہ بہتر ہے۔ (المنتقی ص ۵۲۲ مطبوعہ مصر)

فرمایئے طبیعت مطمئن ہوئی نہیں؟

جواب:۔ اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ اس رات کی آمد عمر سے قبل اصحابی مصلین با جماعت نماز پر عامل نہ تھے۔ بلکہ یہ حضرت عمر کی خواہش میں بہتر ہوا کہ وہ ایک قاری پر جمع ہو جائیں۔ یعنی حالت مقدم جناب عمر کی نگاہ میں بہتر نہ تھی چنانچہ حکم عمر کیمطابق جب لوگوں نے ان کی تعمیل کی تو اگلی رات انہوں نے خود اقرار کیا "البدعتہ ہذا" یہ نیا طریقہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ سُنت تھی تو پھر عمر صاحب نے لفظ "بدعتہ" کیوں استعمال کیا اور نعمتہ کی صفت استعمال کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

اب چونکہ غیر نبی کو کر ہرگز اختیار نہیں کہ غیر معصوم ہوتے ہوئے امور شریعت میں دخل اندازی کرے اور احکام میں ردوبدل کرے اس لئے ہم حضرت عمر کا یہ حکم تسلیم نہیں کرتے ہیں کیونکہ حکم قرآن ہے کہ جو رسولؐ دے لے لو اور جو نہ دے نہ لو چونکہ تراویح کا حکم رسولؐ نے نہیں دیا اس لئے ہم اسے قبول نہیں کرتے۔ اور نہ ہی حضرت عمر کو اس کا مجاز مانتے ہیں کہ وہ دینی احکام میں ترمیم و اضافہ

کریں۔ پس محولہ روایت سے صریحاً ثابت ہوا کہ یہ بدعت حضرت عمر کے حکم سے جاری ہوئی اور چونکہ ہم عمر کو نبی نہیں مانتے ہیں اور نہ ہی امام تسلیم کرتے ہیں اس لئے ان کا یہ ذاتی حکم جس کو صادر کرنے کے وہ مختار بھی نہ تھے ہمارے لئے نا قابل قبول پھر یہ کہ اس روایت میں بھی "تراویح" کا لفظ یا "سُنت" کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے۔

سوال: جب حضرت علی المرتضیٰؑ نے بیس تراویح با لجماعۃ کی تردید نہیں فرمائی بلکہ ایسے کلمات استعمال فرمائے ہیں جن سے مدح و منقبت معلوم ہوتی ہے تو بتایئے آپ کو کیوں اعتراض ہے۔

(۱) قال علی نورالله علی عمر قبره کما نور علینا مساجدنا

حضرت علیؑ نے فرمایا خدا تعالیٰ پر اس کی قبر کو منور فرمائے جیسا کہ اس نے (ادائے تراویح با لجماعتہ سے) ہماری مسجدوں کو منور فرمایا

(۲) عن ابی عبدالرحمن السلمی ان علیا دعا القراء فی رمضان فامر منهم رجلا یصلی بالناس اس عشرین رکعة قال دکان علی یوتربهم

ابوعبدالرحمٰن سلمی سے روایت ہے کہ حضرت علیؑ نے رمضان میں

قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک قاری کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھاتا رہے اور حضرت علیؑ وتر پڑھا دیتے تھے۔

(۳) وعن عرفجة الثقفی قال کان علی ابن ابی طالب یامر بقیام رمضان ویجعل للرجال اماما و للنساء اماما کنت انا امام النساء۔

حضرت عرفجہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی مرتضےٰ رمضان کی تراویح کا حکم فرماتے اور مردوں اور عورتوں کے لئے امام کا اہتمام فرماتے تھے اور میں عورتوں کا امام بنتا تھا۔ (بحوالہ المنتقی منہاج الاعتدال ص ۵۴۳)

اس قدر دلائل کے باوجود انکار کے وجود کیا ہیں؟

جواب:۔ تراویح کے باطل ہونے کا اول ثبوت ہے کہ خود اہل سنت میں اس کی رکعتوں میں اختلاف ہے۔ کچھ آٹھ رکعت کے قائل ہیں اور کچھ بیس رکعت کے جب تک سنی آپس کا یہ اختلاف دور نہ کر لیں تب تک وہ اس پر حجت قائم نہیں کر سکتے معترض کی نقل کردہ تینوں روایات شیعہ کے لئے دلیل نہیں بن سکتی ہیں کیونکہ یہ روایتیں اہل سنت میں پھر بھی ہم عبوری طور پر ان پر حرج کرتے ہیں۔ روایت ا میں عربی متن میں ایسے کوئی الفاظ نہیں جن سے نماز تراویح باالجماعتہ کا مطلب نکل سکے ترجمہ میں یہ کلمہ خطوط وحدانی لکھا گیا ہے روایت ۲ غیر مستند بھی ہے اور غیر معتبر بھی اس کی تفصیل ملاحظہ کر لیجیے تمام اہل حدیث کی کتب میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس روایت میں تراویح باالجماعتہ کا قطعاً ذکر نہیں ہے صرف بیس رکعتیں پڑھانے کا تذکرہ ہے جو پنجگانہ کی سترہ رکعتیں اور تین رکعت وتر

کی بھی ہوسکتی ہے اس طرح ۳ میں جو معترض نے ترجمہ میں "رمضان کی تراویح کا حکم فرماتے ہیں" کا جملہ لکھا ہے عربی متن میں اس کے ہم معنی عبارت قطعاً موجود نہیں ہے۔ نیز سُنی علم الرجال کے مطابق یہ روایت بھی صحیح الاسناد اور معتبر نہیں ہے۔ جب یہ روایت خود اہل سنّت کے ہاں مجروح ہیں تو پھر ہمارے لئے دلیل کیسے ہوسکتی ہیں۔ ہم نے سیدھی بات کی ہے کہ یا تو کوئی مرفوع حدیث پیش کردو یا پھر "تراویح" کا لفظ زبان حضورؐ سے ثابت کردو۔

سوال:۔ اور اگر شیعی کتب سے ثبوت درکار ہے تو براہ کرم شیعی کتب سے ثابت فرمایئے کہ فاروق پر سیدنا علی نے اعتراض کیا ہو ثبوت مستند الی السند الصحیح درکار ہے؟

جواب:۔ اصولاً ثبوت پیش کرنا آپ کی ذمہ داری ہے کہ دعویدار آپ ہیں۔ ہم تو مجموعی طور پر بزبان علیؑ ثابت کردیں گے کہ جناب امیر حضرت عمرؓ کو "بدعت کو جاری کرنے والا" کہا کرتے تھے۔ نہج البلاغۃ پڑھ لیجئے کہ ثابت ہوگا کہ حضرت علیؑ کے نزدیک وہ سُنت کو پس پشت ڈالنے والے اور بدعت کو قائم کرنے والا ہے یہ حوالہ ہم نے گزشتہ صفحات میں تفصیل سے نقل کردیا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا اعتراض حضرت علیؑ کی طرف سے ہوسکتا تھا۔ واضح ہو کہ خلفائے اربعہ کے زمانے میں تراویح کا رواج بہت ہی کم تھا۔

سوال:۔ آپکی جماعت میں سُنا کہ سیدنا عمر پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کا انکار کیا تھا پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایک زبردست واقعہ ہائلہ فاجعہ کیوجہ سے طبیعت کے متاثر ہوجیکا آپ انکار کرسکتے ہیں؟

کیا حضورؐ علیہ السلام کا داغ مفارقت دے جانا اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جدائی دل و دماغ پر صدمے کا باعث نہیں تھا؟ اگر یہ سب واقع کیمطابق ہے تو اُسے مدح وتوصیف میں شمار کیا جانا چاہیے یا توہین وتذلیل میں۔

جواب:۔ وفات رسولؐ کے جانکاہ حادثۂ عظیم کے موقعہ پر ان کے اکابرین و متعلقین کی طبائع نیک کا متاثر ہونا امر ناگزیر تھا۔ بے شک عاشقان رسولؐ کے لئے یہ داغ مفارقت داغ جگر تھا اور یہ جدائی کا صدمہ ناقابل برداشت تھا۔ لیکن جس عنوان سے حضرت عمر نے انکار وفات کیا وہ اپنی حیثیت کا واحد واقعہ ہے۔ متوفی کے لواحقین یقیناً دل برداشتہ ہوتے ہیں۔ وہ روتے پیٹتے ہیں۔ بے ہوش ہوجاتے ہیں الغرض جو بھی غم کی کیفیات ممکن ہوسکتی ہیں ان کا طاری ہونا بعید نہیں سمجھا جاتا۔ ہم نے آج تک نہ ہی سنا یا پڑھا ہے اور نہ ہی دیکھا ہے کہ جس طرح حضرت عمر کی طبیعت متاثر ہوئی ویسی کسی اور صاحب کی بھی ہوئی ہو۔

اگر کسی اور صاحب کی نگاہ دور بین نے ایسا نظارہ کیا ہو تو ناقص الفہم کو بھی مطلع کردیں۔ طبیعت کا متاثر ہونا اس طرح کبھی نہیں ہوتا ہے جس طرح جناب عمر کی طبیعت متاثر ہوئی صاحبان غور وفکر جانتے ہیں کہ اظہار محبت و جوش عشق کے طریقے ایسے نہیں ہوتے اپنی زندگی کے آخری دونوں میں حضورؐ نے وصیت لکھوانی چاہی تو وہ لکھنے نہ دی اور کہدیا کہ یہ شخص معاذ اللہ ہذیان بک رہا ہے کیا محبت بھری گفتگو ہے اور تو مواغنی اس محبت کا جواب پایا۔ رنج کی علامت ہے کہ آدمی آہ وزاری کرتا ہے سینہ منہ اور سر پیٹا ہے گریبان چاک کرتا ہے سر میں خاک ڈالتا ہے میت پر جا کر بیٹھتا ہے۔ حضرت عمر کی کیفیت سے تو رنج کی ایک کیفیت بھی ظاہر نہ ہوئی ان کی آنکھ سے تو ایک قطرہ اشک بھی نہ ٹپکا۔ خود تو محبوب کے ساتھ مرنے کا جذبہ پیدا نہ ہوا۔ لوگوں کو ننگی تلوار سے قتل کرنے کا خیال آ گیا۔ جب روز اُحد کی شہادت کی جھوٹی خبر اڑی۔ اس وقت جناب عمر کی

دیگ محبت میں ایسا اُبال کیوں نہ آیا وہاں تو موقع تھا تلوار ہاتھ میں لے کر لکارتے اور کہتے کہ جو کہے گا کہ رسولؐ وفات پائی تو میں اسکا سر قلم کر دوں گا۔ اچھا چلیے بالفرض محال مان لیا کہ آں جناب مدہوش رنج و غم تھے اور عقل گم ہوگئی تھی لیکن یہ اثر کم سے کم کچھ دیر تو قائم رہتا جونہی حضرت ابوبکر صاحب آئے جناب عمر کی عقل بھی ساتھ لیتے آئے اگر محبت کا جوش تھا تو ابوبکر کو دیکھتے ہی ان سے گلے لگ کر روتے اظہار رنج و غم فرماتے میت کے پاس تشریف لے جاتے رخ محبوب کا آخری دیدار کرتے لیکن کچھ نہ کیا بلکہ جسد اطہر کو بے غسل و کفن چھوڑ کر بٹوارے کے منصوبے کی تکمیل کے پیچھے سقیفہ بنی ساعدہ روانہ ہوگئے اور شبلی نعمانی کے بقول اس طرح کھسکے کہ گویا کوئی حادثہ ہی پیش نہ آیا تھا۔ یہی وہ عشق تھا جس کا نشہ چند لمحات میں ہی اُتر گیا اور شمع گل دیکھتے ہی پروانے رفو چکر ہوگئے۔ لاکھ چھپاؤ۔ یہ جنون میں کیا پنہاں تھا اور اس راز کا ہلکا سا افشا شبلی نعمانی سے سُن لیجیے۔

"ہمارے نزدیک چونکہ مدینہ میں کثرت سے منافقین کا گروہ موجود تھا۔ جو فتنہ پردازی کے لئے آنحضرتؐ کی وفات کا منتظر تھا اس لئے حضرت عمر نے مصلحۃً اس خبر کو پھیلنے سے روکا ہوگا" پس اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ عشق عمر کا پردہ چاک ہوا اور خود وکیل عمر نے تسلیم کیا کہ حضرت عمر نے مصلحت وقت کیوجہ سے حضورؐ کی موت کی خبر کو روکا اور اس کو روکنے کے لئے یہ ڈھونگ یا بہروپ اختیار کیا۔ اگر شبلی منافقین کے ساتھ منافقین رسولؐ بھی کہہ دیتے تو یہ بہت ہی مطابق واقعہ ہوتا۔ ورنہ ایسے بڑے حادثہ کا صدمہ چند منٹوں تک نہیں ہوتا بلکہ اس کا اثر طویل المدت رہتا ہے جیسا کہ سیدہؑ کی وفات کا باعث اذل یہ حادثہ عظیم ہوا اور حضرت علیؑ نے سانحہ کو زندگی کا سب سے بڑا المیہ سمجھا۔

سوال:۔ بوجوہ چند در چند اگر طبیعت کا متاثر ہو جانا قابل تردید ہے تو حضرت

موسےٰ علیہ السلام کے متعلق جواب کا کیا خیال ہے جبکہ اُن کو خضر علیہ السلام کے سامنے وعدہ صبر کے باوجود وعدے کا خیال نہ رہا۔

جواب:۔ حضرت عمر کے اس واقعہ انکار وفات رسولؐ کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ کسی طرح کوئی مشابہت ہی نہیں رکھتا ہے۔ حضرت عمر نے انکار وفات رسولؐ کر کے کوئی وعدہ خلافی نہ کی تھی بلکہ ایک سوچی سمجھی تدبیر حصول اقتدار تھی جبکہ برعم شما جناب موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے سامنے وعدہ صبر کے باوجود سہواً وعدہ خلافی کی۔ شعیہ عقیدہ کے مطابق حضرت موسیٰ معصوم نبی تھے لہذا اُن سے کوئی خطا سہواً یا قصداً سرزد نہ ہوئی اور جس وعدہ صبر کا تذکرہ معترض نے کیا ہے حضرت موسیٰ کا حضرت خضرؑ سے مشروط وعدہ تھا جبکہ مطلق وعدہ انہوں نے اطاعت کا فرمایا تھا۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ "**ستجدنی انشاالله صابراً و لا اعصی لک امرا**" یعنی اگر اللہ نے چاہا تو تم مجھکو صابر پاؤ گے اور میں کسی امر میں تمہاری نافرمانی نہ کروں گا۔ صبر کے لئے جناب موسیٰ نے مشیت الہٰی کی شرط عائد فرمائی ہے مگر اطاعت گذاری اور نافرمانی سے بچے رہنے کو مطلق طور پر بیان کیا ہے اور اس میں کچھ قید و شرط نہیں لگائی۔ پس جناب موسیٰ سے کوئی وعدہ خلافی نہ ہوئی۔ جبکہ حضرت عمر نے رسول اللہؐ کے ہر وعدہ کی خلاف ورزی کی۔

سوال:۔ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق جناب کا کیا فتویٰ ہے جبکہ اکل شجر کے خیال میں بزعم (شما) شجر ذہن سے منع خداوندی کا تصور نہ رہا۔

جواب:۔ حضرت آدم علیہ اسلام کے پاس بشکل دیگر آ کر شیطان نے حق تعالیٰ کی قسم کھائی لہذا ان سے ترک اولیٰ ہوا۔ جبکہ حضرت عمر کی بھول یا وعدہ خلافی کا اعتراض ہی نہیں کیا جاتا ہے کیونکہ وہ معصوم نہ تھے۔ پس یہ مماثلت ہی غیر معقول ہے۔

اختلاف امت کے اسباب اور اُن کی وجوہات

مسئلہ متعہ کے متعلق سیدنا عمر پر حرمت کا الزام

سوال:۔ اہل تشیع میں آیات زبان زد خواص وعوام ہے کہ حضرت عمر نے متعہ کو اپنے زمانہ میں حرام کر دیا تھا اور نہ حضور علیہ السلام سے اس کی کوئی ممانعت ثابت نہیں ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سے آپکا مقصد کیا؟ ایجا منع یا اظہار منع۔

جواب:۔ ایجاد منع

سوال:۔ اگر ایجاد منع ہے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خلیفہ وامام تو مانتے ہیں لیکن حلت وحرمت پر مختار نہیں مانتے لہذا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے کسی چیز کا حرام ہونا ہمارے مذہب کیخلاف ہے اگر طاقت ہے تو ثابت کیجیے۔

جواب:۔ آپ کے مذہب کے ہوائی قلعہ کو مسمار کرنے کے لئے کسی طاقت کی ضرورت ہی نہیں ہے اسے تو صرف نعرہ حیدریؑ کی صدا سے ڈھیر کیا جا سکتا ہے تو پہلے آپ خود حضرت عمر کا اقرار ملاحظہ کریں۔ "۲ دو متعہ تھے جو رسول اللہ کے زمانے میں رائج تھے لیکن میں میں انہیں بند کرتا ہوں ایک

متعہ حج اور دوسرا عورتوں کے ساتھ متعہ" (زراوالمعادابن قیم جلد اص ۲۴۳) علامہ حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ وہ حضرت عمر سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے متعہ کو حرام کیا" (اول من حرمت المتعمۃ، تاریخ الخلفا ص ۹۷)

سوال:۔ اور اگر اظہار منع ہے تو کس طرح قابل اعتراض ہے۔ وضاحت کیجئے۔

جواب:۔ جی نہیں یہ ایجاد منع ہے جو قابل اعتراض ہے۔

سوال:۔ آپ کا اگر یہ خیال ہے کہ متعہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جائز تھا اس پر دلائل قائم کیجئے جبکہ صحیح مسلم باب المتعہ کتاب النکاح میں موجود ہے۔

عن ایاس بن سلمة الاکوع من ابیه قال رخصص رسول الله صلى الله علیه وسلم عام اوطاس فی المتعته ثلاثم نهی عنها

ایاس بن سلمہ ابن اکوع کے باپ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے اوطاس کے سال متعے کی تین مرتبہ رخصت دی تھی پھر منع فرمادیا تھا۔

جواب:۔ زمانہ رسولؐ میں متعہ کے جائز ہونے کے لاکھوں پر بھاری دلیل آیت متعہ کی قرآن میں موجودگی ہے جس کی آیت ناسختہ ثابت کرنا جوئے شیر لانا ہے۔ کیا قرآن کے مقابلے میں حدیث پیش کی جاسکتی ہے۔ جب تک آیت متعہ موجود ہے حرمت متعہ ثابت نہیں ہوسکتی ہے۔ روایت

منقولہ مرفوع نہیں ہے۔ اور حلت و حرمت کے نزاع میں غیر مرفوع احادیث دلیل نہیں ہوسکتی ہیں جب کہ مقابلہ میں قرآنی استدلال بھی موجود ہو۔ باقی ہم نے اس مسئلہ پر علیحدہ رسالہ موسومہ "ہم متعہ کیوں کرتے ہیں؟" میں تفصیلی گفتگو کی ہے شائقین مطالعہ فرماسکتے ہیں۔ تفسیر کشاف، تفسیر بیضادی، تفسیر معالم التنزیل تفسیر ثعلبی، تفسیر درمنثور اور مسند احمد بن حنبل وغیرہ سے پوری طرح ثابت ہے کہ آیت متعہ محکمات میں سے ہے اور منسوخ نہیں ہے نیز زمانہ عمر تک اصحاب رسولؐ متعہ النساء پر عامل رہے اور بعد کے علمائے حرمت متعہ کو اولیات عمر میں شمار کیا ہے۔

سوال:۔ کیا مسلم شریف کی یہ حدیث آپ کی نظر سے نہیں گذری

عن الربیع بن سبرة الجهنی عن ابیه سبره ابن معید قال اذن لنا رسول الله صلی الله علیه وسلم بالمتعة ثم ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من کان عنده شئی من هذه النساء یتمتع قلیخل سیدها

حضرت ربیع فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ہمیں متعہ کی اجازت دیدی تھی اس کے بعد حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کے پاس متعہ والی عورتیں ہوں وہ ان کا راستہ چھوڑ دے۔

جب تحریم موبداً لے یوم القیامہ کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد موجود ہے تو حلت متعہ پر اصرار کیسا جد

عن الربیع سبره الجهنی ان اباه حدثه انه کان مع الرسول الله صلی علیه وسلم فقال یاایها الناس انی قد اذیت لکم فی الاستمتاع من النساء وان الله قدحرم ذلک الیٰ یوم القیامته فمن کان عده منهن شیئ فلیخل سبیله ولا تاخذوامما ایتتمواهن شیئا۔

حضرت ربیع کو ان کے باپ نے بتایا کہ وہ حضور علیہ السلام کے ساتھ تھی تو آپؐ نے فرمایا اے لوگوں بلاشبہ میں تم کو متعے کی اجازت دی تھی اب اللہ تعالیٰ نے قیامت تک متعے کو حرام کردیا ہے جس کے پاس متعہ والی عورتیں ہوں وہ ان سے علیحدہ ہوجائے اور جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے وہ واپس نہ کرو

فرمایئے فاروق اعظم نے متعہ کو حرام کیا ہے یا بلیسان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خداتعالےٰ نے؟

جواب:۔ مسلم شریف اور دیگر کتب اہل سنت میں مرقوم تمام احادیث جو ممانعت میں درج کی گئی ہیں ہماری نظر سے گذری ہیں۔ ان روایات کا اضطراب اور درایت وروایات کے معیار پر ان کی شکست پر طائرانہ نظر ہم آئندہ اعتراض کے جواب پیش کریں گے تاکہ احقاق حق کی راہ ہموار ہوجائے۔

سوال:۔ حضرت علی مرتضٰی کا فرمان النحتہ الالہتہ ص ۲۵۷ میں ہے

حضرت علیؑ نے فرمایا۔

امرنی رسول اللہ ان انادی بتحریم المتعۃ حضور علیہ السلام نے مجھے حکم فرمایا تھا کہ میں حرمت متعہ کا اعلان کر دوں۔

فرمائیے اب بھی فاروق اعظم کے فرمان پر اعتراض ہو سکتا ہے؟

جواب:۔ دونوں اعتراضات میں منقولہ روایات کتب اہل سنت سے ہیں۔ لہذا اصولاً ہم اُن کو قبول کرنے کے پابند نہیں ہیں۔ تاہم ان پر مفصل جرح سنی قواعد کے مطابق کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی آیت متعہ پانچویں پارے کے ابتداء میں موجود ہے۔ سُنی علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ متعہ صدر اسلام میں جائز تھا جیسا کہ محولہ روایات سے ثابت ہے۔ قرآن وحدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ متعہ شرع کی جانب سے حلال ہوا اور حضورؐ نے اس کی اجازت مسلمانوں کو دی۔ اب متعہ کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف یہ ہے کہ یہ حکم بعد میں واپس لے لیا گیا یا حلال رہا۔ مسلمانوں کے بڑے گروہ کا خیال ہے کہ حکم واپس لے لیا گیا اکثریت کو اپنی بات رکھنے کے لئے ضرورت ہوئی کہ کچھ احادیث ایسی پیدا کی جائیں جن میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے صریحی طور پر متعہ کی ممانعت مذکورہ ہوتا کہ اپنے مذہب کا بھرم قائم رہے۔

کیونکہ قرآن میں کوئی آیت ایسی موجود نہیں جس سے تحریم متعہ ثابت کی جا سکے جبکہ حلت کی شاہد آیت موجود ہے لہذا بھائی لوگوں نے اپنی بات بنانے کی خاطر یہ راہ آسان پائی کہ کچھ احادیث گھڑ لی جائیں اور ایک معمولی سی غلط فہمی پر جس کا بیان آگے آئے گا اپنا مقصد پانے کی

کوشش کی حدیثیں حسب منشاء وضع کی گئیں لیکن کیا کریں کاغذ کے پھولوں سے پھر بھی خوشبو نہ آسکی۔ سچائی بناوٹ کے اصولوں سے کبھی بھی چھپ نہیں سکتی ہے دل کی دھڑکن چہرہ کی رنگت، زبان کی لکنت، آواز کی تھراہٹ یہ سب عوارض گواہ کی شہادت کو مشکوک کردیتے ہیں۔ اسی اضطراب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیانمیں یک رنگی و یکجہتی پیدا نہیں ہوتی۔ متضاد بیانی زبان کو لڑکھڑا دیتی ہے۔ پھر اس صورت میں مختلف گواہوں کے بیانات تو بہت کم ایک نکتہ پر متفق ہوتے ہیں۔ ممانعت متعہ کی احادیث میں یہ منظر سامنے آتا ہے۔

یہ امر سب کے نزدیک مسلم ہے کہ متعہ ایک وقت میں حلال تھا اور حضورؐ نے بحکم خدا اجازت دی تھی لیکن ممانعت کے متعلق سخت اختلاف اور ہنگامہ آرائی ہے کوئی صاحب کہتے ہیں متعہ کو جنگ خیبر میں حرام قرار دیا دوسرے صاحب کہتے ہیں کہ نہیں فتح مکہ میں حضورؐ نے صحابہ کو متعہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ ہم نے متعہ کیا خیبر میں تو عورتیں یہودی تھی ہم ان سے متعہ کیونکر کرتے۔ تیسرے صاحب فرماتے ہیں فتح مکہ کے بعد جنگ اوطاس (حنین) ہے جس میں آنحضرتؐ نے متعہ کی اجازت دی پھر فتح مکہ میں ممانعت کیونکہ ہوسکتی ہے۔ چوتھے حضرت ارشاد فرماتے ہیں اوطاس وطاس نہیں یہ راویوں کی گڑبڑ ہے انہوں نے اوطاس کہا ہے دراصل فتح مکہ مراد ہے کیونکہ دونوں ایک سال ہوئی ہیں۔

پانچویں جناب حسن بصری ہیں اور کہتے ہیں کہ تم سارے باتیں بناتے ہو متعہ کی حلت و حرمت جو کچھ بھی ہے وہ عمرۃ القضا میں نہ اس سے پہلے متعہ حلال ہوا نہ بعد اب حضرت اول فرماتے ہیں کہ یہ تو آپ نے بالکل نئی کہی ہرگز نہیں تمام دیگر راوی آپ کے خلاف ہیں خیبر میں نہیں ہوئی ہوتو وہ اس کے پہلے ہے فتح مکہ میں ہوتو وہ اس کے بعد تو پھر آپکا کہنا کیسا ٹھیک ہی ہے کہ ممانعت فتح مکہ میں ہے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اس راوی کا اعتبار نہیں ہے اسی نے تو یہ کہا تھا کہ فتح مکہ میں ممانعت

ہوئی۔ پھر اب یہی کہہ رہا ہے حجتہ الوداع میں تو اب بتایئے اس کی کونسی صحیح مانی جائے۔ کچھ عقل سے کام لیں حجتہ میں اکثر اصحاب اپنی ازواج کے ساتھ لے کر آئے تھے انہیں کیا ضرورت تھی کہ وہ متعہ کریں۔ یقیناً یہ اس راوی کا دھوکا ہے اس نے فتح مکہ کی بجائے حجتہ الوداع کر دیا۔ اب امام شافعی فیصلہ فرماتے ہیں کہ لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں یہ سارے راوی ٹھیک کہتے ہیں۔ دراصل بات یوں ہے کہ نکاح متعہ دو تین مرتبہ مباح ہوا ہے اور دو تین دفعہ حرام یعنی کسی طرح رائے قائم ہوئی ہی نہ تھی۔ پہلے سے تو یہ حلال تھا خدا نے اس کی حلیت کو منسوخ کر دیا حرام ہو گیا پھر کچھ سوچ کر اس کی حرمت کو منسوخ کیا حلال ہو گیا اور آخری میں اس کی حلیت کو پھر منسوخ کیا اور اسی طرح چند مرتبہ اتفاق ہوا ہے اس پر علامہ ابن قیم برہم ہو گئے اور فرمایا چند دفعہ منسوخ ہونے کی اچھی کہی شریعت نہ ہوئی بچوں کا کھیل ہوا آج بنایا کل بگاڑ دیا آخر اس کی نظیر بھی ہے ہرگز نہیں۔

ان علامہ صاحب کی تائید میں امام فخر الدین رازی کھڑے ہوئے اور کہنے لگے تین مرتبہ حرام ہونے کا قول بالکل ضعیف ہے۔ کسی معتبر آدمی نے نہیں کہا یہ فقط راویوں کے اختلاف بیانی پر پردہ ڈالنے کے لئے ایسا کیا گیا اصل کچھ نہیں۔ یہ ایک سطحی نظارہ ہے۔ (ان اختلاف) کا جو عقد متعہ سے ممانعت کے بارے میں پایا جاتا ہے۔ روایت پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو ایک راوی کے متضاد بیانات اور مختلف رواۃ کے مختلف روایات نظر آتے ہیں چنانچہ ہم سب سے پہلے سبرہ جہنی کو لیتے ہیں جن کی روایات اعتراض میں نقل کی گئی ہیں۔ علا علی متقی نے کنز العمال جلد ۸ ص ۲۹۵ پر سبرۃ سے تین روایات درج کی ہیں۔ پہلی میں سبرۃ نے کہا ہے کہ نکاح متعہ کی ممانعت خیبر کے دن ہوئی۔ دوسری میں کہا ہے فتح مکہ کے دن ہوئی۔ تیسری میں کہا کہ حجتہ الوداع کو ممنوع کیا گیا۔ اب آپ خود اندازہ فرمائیں ایک راوی ایک ہی کتاب (ایک ہی مخرخ و محدث ابن جریر طبری کی) آلا ثار ایک ہی ناقل صاحب کنز العمال لیکن روایت میں اس قدر تضاد و اختلاف ہے۔ اب ہم علامہ نووی کی عبارت نقل کرتے ہیں کہ

اس مسئلہ میں سنی علماء کے آراء خیالات کیا ہے تا کہ ہمارے معروضات کی تائید ہو سکے ملاحظہ فرمایئے شرح صحیح مسلم محمد الدین ابی ذکریا یحیٰی بن شرف نودی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی جلد اص ۴۵۰ امام نوری قاضی عیاض کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ مسلم نے سلمہ بن اکوع سے متعہ کے مباح ہونے کا اوطاس کے دن تذکرہ کیا ہے اور سبر کی روایت میں ہے اس کا مباح ہونا فتح مکہ کے دن لیکن یہ دونوں ایک ہی ہیں پھر وہ حرام کر دیا گیا۔ اور حضرت علی کی روایت میں اس کا حرام ہونا خیبر کے دن مذکور ہے۔

اور وہ فتح مکہ سے قبل ہے اور مسلم کے علاوہ دوسرے بعض اشخاص نے حضرت علی کی روایت ذکر کی ہے کہ آنحضرتؐ نے متعہ سے حجتہ الوداع میں ممانعت فرمائی یہ اسحاق بن راشد کی روایت ہے لیکن کسی نے ان سے اتفاق نہیں کیا ہے۔ اور یہ ان کی ایک غلطی ہے اور حضرت علیؑ کی حدیث کو مالک نے موطا میں اور سفیان بن عینیہ اور عمر اور یونس وغیرہ نے بھی زہری سے نقل کیا ہے لیکن اس میں خیبر ہی کا دن ہے اور اسی طرح سے مُسلم نے ایک جماعت کی زبانی زہری سے روایت کی ہے اور یہی صحیح ہے اور ابوداؤد نے ربیع بن سبرہ کی زبان ان کے باپ سبرہ سے حجتہ الوداع میں متعہ کے مباح ہونگی حدیث نقل کی ہے اور پھر یہ کہ اس سے قیامت تک کیلئے ممانعت ہوگئی اور حسن بصری کی روایت ہے کہ متعہ کبھی حلال نہیں ہوا۔ سوائے عمرۃ القضاء کے اور یہ روایت سبرہ جہنی سے بھی نقل ہوئی ہے اور مسلم نے سبرہ سے جو روائتیں نقل کی ہیں۔ ان میں کسی وقت کا تعین نہیں مگر روایت محمد بن سعید داری اور اسحاق بن ابراہیم اور یحیٰی بن یحیٰی میں فتح مکہ کا تذکرہ ہے۔

علما کا خیال ہے کہ حجتہ الوداع میں متعہ کا مباح ہونا روایتاً غلط ہے اس لئے کہ اس میں کوئی ضرورت نہ تھی اور نہ صحابہ بغیر عورتوں کے تھے بلکہ اکثر عورتوں کے ساتھ آئے تھے اور صحیح یہ ہیکہ حجتہ الوداع میں صرف ممانعت ہوئی تھی جیسا کہ اکثر روایت میں ہے اور ممانعت کی تجدید اس لئے کی گئی تھی

کہ لوگ مجتمع تھے اور جو غیر حاضر تھے ان کی جانب بھی حاضر الوقت اشخاص تبلیغ کر سکتے تھے نیز دین پورا اور شریعت مکمل ہو رہی تھی۔ جسطرح بہت سے احکام حلال وحرام کی اس دن تبلیغ کی گئی اور متعہ کو الی یوم القیاضہ کہہ کر حرام کر دیا گیا۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ جو متعہ کا حرام ہونا خیبر میں اور عمرۃ القضا میں اور فتح مکہ میں اور اوطاس میں وارد ہوا ہے تو ممکن ہے کہ ان مقامات پر ممانعت کی تجدید کی گئی ہو۔ اور حقیقتاً ممانعت خیبر میں ہوئی ہو۔ اس لئے کہ خیبر میں متعہ کے حرام ہونے کی روایت صحیح السند ہے جس میں کوئی طعن نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ ثقات اور معتبر اشخاص کی روایت سے ثابت ہے لیکن سیفان کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت نے متعہ سے ممانعت فرمائی اور حمر اہلی کے گوشت سے خیبر کے دن بعض علما نے کہا ہے کہ اس کلام میں دو ٹکڑے ہیں متعہ حرام کیا گیا اس میں کسی زمانہ کی تخصیص نہیں ہے اور حمر کا گوشت حرام کیا گیا خیبر کے دن۔ اسی میں یوم خیبر کی تخصیص ہے۔

اور حمر اہلی کی ممانعت وہ یقیناً خیبر میں تھی۔ قاضی نے کہا ہے کہ یہ تاویل درست ہے اگر دوسری روائتیں جو سیفان کے علاوہ دوسرے راویوں کی ہیں۔ وہ اس کی موافقت کریں قاضی نے کہا ہے کہ بہتر وہی ہے جو ہم نے کہا ہے کہ ممانعت متعہ کی چند مرتبہ ہوئی ہے۔ تاکید کے طور پر اور اصل ممانعت خیبر کے دن تھی لیکن اس میں یہ سوال رہ جاتا ہے کہ روایات میں متعہ کے مباح ہونے کا بھی ذکر ہے عمرۃ القضاء میں اور فتح مکہ کے دن اور اوطاس میں پھر یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ وہ خیبر کے دن ہمیشہ کے لئے حرام ہوا تھا اس صورت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ حرام ہو جانے کے بعد پھر بضرورت اسے مباح قرار دیا۔ اور اس کے بعد اسے ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا تو صورت یہ ہوئی کہ حضرتؐ نے خیبر میں اور پھر عمرۃ القضاء میں ممانعت فرمائی اور اس کے بعد فتح مکہ میں بضرورت اسے مباح قرار دیا اور پھر یوم فتح مکہ ہی اس کو ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا اور وہ روایت جس میں ہے کہ حجۃ الوداع میں اجازت دی تھی وہ ساقط ہو جائیں گی۔ اس لئے کہ وہ سبرہ جہنی سے منقول ہے اور خود سبرہ

سے معتبر اشخاص نے روایت کی ہے کہ وہ فتح مکہ میں مباح ہوا تھا اور حجتہ الوداع میں جو کچھ بھی تھا وہ صرف ممانعت لہذا ان کی روایات سے اتنا حصہ لے لیا جائے گا جس پر جمہور رواۃ اور دیگر صحابہ متفق ہیں کہ ممانعت روز فتح مکہ ہوئی تھی۔ اور حجتہ الوداع میں ممانعت صرف تاکید اور سابقہ ممانعت کی اشاعت کے لئے تھی رہ گیا حسن کا قول کو متعہ کی ممانعت عمرۃ القضاء میں تھی نہ اس کے قبل تھی اور نہ اس کے بعد تو اس کے رد کے لئے وہ معتبر احادیث کافی ہیں جن میں خیبر میں اس کے حرام ہونے کا تذکرہ ہے اور وہ عمرۃ القضاء کے قبل ہے۔ اور جن میں فتح مکہ واطاس کیدن مباح ہونے کا ذکر ہے اور وہ عمرۃ القضاء کے بعد میں اور پھر یہ روایت سبزہ جہنی سے منقول ہے اور یہی ان دوسری روایات کے بھی راوی ہیں اور وہ روایات اصح ہیں؛ نہ ایہ روایات ترک کی جائے گی اور بعض علماء نے کہا ہے کہ متعہ دو مرتبہ مباح اور دو دو مرتبہ حرام ہوا ہے واللہ اعلم "یہ تھی قاضی عیاض کی عبارت جسے علامہ نودی نے نقل کیا اس کے بعد علامہ موصوف خود اظہار خیال رہیں کہ۔

"قول مختار اور صحیح ہمارے نزدیک یہ ہے کہ متعہ کی ممانعت اور اس کی اجازت دو مرتبہ تھی وہ خیبر سے پہلے حلال تھا خیبر کیدن اس کی ممانعت ہوئی پھر وہ فتح کے دن جو یوم اوطاس بھی کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ دونوں متصل میں مباح کیا گیا پھر تین دن کے بعد وہ ہمیشہ کیلئے حرام ہو گیا۔ اور تاکید و تجدید حرمت باقی رہی اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حکم جواز بن خیبر کے قبل تھا اور خیبر کے دن ہی وہ بیشتر کیلئے حرام ہوا اور فتح مکہ کیدن صرف ممانعت کی تاکید و تجدید تھی جیسا کہ بازری و قاضی کا مختار ہے اسی لئے کہ وہ روایات جنہیں مسلم نے ذکر کیا ہے ان میں صریحی طور پر ثابت ہے کہ فتح مکہ کے دن متعہ مباح کیا گیا تھا۔ لہذا ان روایات کا اسقاط جائز نہیں ہے اور اس میں کوئی مانع نہیں کہ متعہ دو مرتبہ مباح کیا گیا ہو واللہ علم"۔

ان عبارات سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

(۱) اوطاس (حنین) کی لڑائی جو فتح مکہ کے بعد ہوئی تھی لیکن جس روایت میں یہ ہے کہ اوطاس میں متعہ کا حکم ہوا تھا اس سے مراد فتح مکہ ہی ہے تاکہ فتح مکہ والی روایت کیساتھ تصادم نہ ہو۔

(۲) یہ روایت کی غزوہ تبوک میں متعہ جائز ہوا تھا موجود ہے لیکن قابل تسلیم نہیں راوی نے غلطی سے خیبر کو تبوک کر دیا ہے۔

(۳) یہ روایت کہ حجتہ الوداع میں متعہ جائز ہوا تھا اور پھر حرام ہوا یہ بھی ہے لیکن تسلیم نہیں اس لئے کہ خود اسی راوی کی دوسری روایت میں ہے کہ متعہ کی اجازت و ممانعت فتح مکہ میں ہوئی تھی۔

(۴) یہ روایت کہ عمرۃ القضا میں متعہ مباح ہوا تھا حسن بصری سے منقول ہے اور سبرۃ جہنی سے بھی ہے کہ جو حجتہ الوداع اور فتح مکہ والی روایتوں کے راوی ہیں مگر انہی روایات سے تصادم کے باعث یہ بھی قابل قبول نہیں۔

(۵) قاضی عیاض کی رائے یہ ہے کہ ممانعت درحقیقت خیبر کی جنگ میں ہوئی ہے اور اس کے بعد سے جو کچھ بھی تھا وہ اس حرمت کی تاکید و تجدید تھا۔

(۶) علامہ نوی کی رائے اس کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر خیبر میں ہمیشہ کے لئے ممانعت ہوئی تھی تو مکہ والے روایات کو کیا کہا جائے جن میں فتح مکہ میں متعہ کے مباح ہونے کی تفریح ہے لہذا احق یہ ہے کہ متعہ ایک مرتبہ حرام کیا گیا پھر فتح مکہ میں مباح ہوا اور دوسری مرتبہ ہمیشہ کے لئے حرام ہوا۔

حقیقتاً یہ خیال علامہ نووی کا وہ ہے جس کا خود امام مسلم نے اس کا افتتاح کرتے ہوتے اظہار کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے سُرخی اس باب کی مندرجہ ذیل الفاظ کو قرار دیا ہے کہ "باب نکاح متعہ اس امر کے بیان میں کہ وہ مباح تھا پھر منسوخ ہوا اور پھر مباح ہوا اور اس کے بعد پھر منسوخ ہوا اور قیامت تک کے لئے اس کی حرمت برقرار رہی"۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مُسلم سے پہلے اس رائے کا

اظہار امام شافعی نے بھی کیا ہے جیسا کہ تفسیر مظہری ص ۲/۷۵ میں ہے کہ "امام شافعی کا قول تھا کہ مجھے اسلام میں کسی ایسی چیز کا علم نہیں جو ایک مرتبہ حلال ہو اور پھر حرام ہوئی ہو اور پھر حلال ہوئی ہو اور پھر حرام سوائے متعہ کے بعض علما نے کہا کہ وہ تین مرتبہ منسوخ ہوا ہے اور بعض نے کہا اس سے زیادہ"۔علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی شرح بخاری فتح الباری جلد ۹ ص ۱۳۴ پر لکھتے ہیں۔

سہیلی نے کہا ہے کہ نکاح متعہ کے متعلق اختلاف ہوا ہے سب سے زیادہ عجیب روایت یہ ہے کہ وہ غزوہ تبوک میں ممنوع قرار پایا ہے۔دوسرے نمبر پر جس کی روایت ہے کہ عمرۃ ملقضا میں ایسا ہوا ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ اس کی ممانعت غزوہ فتح میں ہوئی ہے جیسا کہ مسلم کی روایات میں سبرہ جہنی سے مذکورہ ہے دوسری روایت ہے انہی سبرہ کی جو ابوداود نے نقل کی ہے یہ ہے کہ حجۃ الوداع کا موقعہ ہے رہ گئی یہ روایت کہ غزوہ اوطاس کا قبضہ ہے تو وہ فتح مکہ کی روایت کے بالکل منافی ہے اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ممانعت متعہ کے متعلق چھ مواقع بیان کئے جاتے ہیں۔خیبر عمرۃ القضا فتح مکہ اوطاس، تبوک، حجۃ الوداع اس میں حنین کا تذکرہ باقی رہ گیا کیونکہ یہ بھی ایک روایت میں موجود ہے اب یا تو علامہ سہیلی کو اس کے ذکر کا خیال نہ رہا یا اس لئے چھوڑ دیا کہ اس کے راوی نے غلطی کی ہے یا اس لئے کہ اوطاس وحنین دونوں ایک ہی ہیں تبوک والی روایات جس کا تذکرہ کیا گیا ہے اسے اسحاق بن راھو یہ اور ابن حبان نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔

اور حسن بصری کی روایت کو عبدالرزاق نے اپنے طریق روایت سے درج نہ کیا ہے اور اتنی زیادتی کی ہے کہ نہ متعہ اس کے قبل تھا۔اور نہ اس کے بعد لیکن یہ زیادتی اس کے راوی عمرو بن عبید کی قابل اعتراض غلطی ہے اور یہ شخص حدیث میں غیر معتبر ہے اور سعید بن منصور نے صحیح طریق سے اس کی روایت بغیر اس زیادتی کے کی ہے۔غزوہ فتح والی روایت صحیح مسلم میں پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے اور اوطاس

کی روایت بھی صحیح مسلم میں مسلم ابن اکوع سے منقول ہے رہ گیا حجۃ الوداع وہ ابوداود کی روایت میں سبرہ جہنی سے منقول ہے ان بیانات سے معلوم ہوا کہ تمام روایتوں میں جو بغیر کسی کمزوری کے پایۂ ثبوت تک صحیح طور سے پہنچی ہوئی ہے وہ صرف غزوہ فتح مکہ والی حدیث ہے جنگ خیبر والی روایت اگر چہ صحیح السند نہیں ہے اس لئے کہ وہ حسن بصری کا مرسلہ ہے اور ان کے مرسلہ رویات سب ضعیف ہیں کیونکہ ہر شخص سے روایت لے لیا کرتے تھے اور اگر روایت درست نہیں ہو تو ممکن ہے کہ عمرۃ القضاء سے خیبر مراد لیا جائے اس لئے کہ دونوں ایک ہی سال میں ہیں۔ رہ گیا تبوک کا قصہ تو ابو ہریرہ کے روایات میں تو ہے نہیں کہ صحابہ نے وہاں متعہ کیا تھا۔

لہذا ممکن ہے کہ یہ کسی قدیم زمانہ میں ہوا ہو۔ اور عورتوں سے جدائی اس وقت ہوئی ہو یا یہ کہ ممانعت پہلے ہو چکی ہو اور بعض صحابہ کو اس کا علم نہ ہوا ہو۔ لہذا وہ لوگ اسے سمجھ کر کرتے رہے ہوں۔ اور اسی لئے ممانعت غصہ وغضب کے ساتھ ساتھ ہے اس کے علاوہ ابوہریرہ کی روایت میں کلام بھی ہے اس لئے کہ وہ موصل بن اسماعیل کے واسطہ سے عکرمہ بن عمار سے ہے۔ ان دونوں میں کلام ہے اور جابر کی حدیث صحیح ہیں ہے اس لئے کہ وہ عباد بن کثیر کے طریق سے ہے اور وہ متروک ہے اور حجۃ الوداع والی روایت بھی ربیع بن سبرہ کی دوسری روایتوں کے خلاف ہے اور فتح مکہ والی روایت ان کی زیادہ صحیح ہے اور پھر ابوداؤد والی روایت میں تو صرف ممانعت ہے لہذا ممکن ہے تنہا ممانعت ہوئی ہو اشاعت وتاکید کے لئے جیسا کہ ہم نے کہا ان مقررات میں سے صحیح وصریح سوائے غزوہ خیبر اور فتح مکہ کے کوئی باقی نہیں ہے۔

اس عبارت میں بھی احادیث کا بہت فراخ حوصلگی سے قلع قمع کیا گیا ہے۔ عمرۃ القضاء والی روایت غلط مردود وغیر معتبر، تبوک حجۃ الوداع والی روایت غلط۔ فتح مکہ والی روایت کے مقابل اوطاس والی روایات مسترد اور نامنظور نتیجے میں وہ روایتیں کہ جو صحیح السند اور معتبر سمجھی جاسکتی ہیں جن میں کسی

حدیث سے سند کے اعتبار سے کمزوری نہیں ہے وہ دو باقی ہیں ایک غزوہ خیبر اور دوسرے فتح مکہ۔ ان دونوں روایتوں کے تسلیم کرنے کا نتیجہ یہی ہے کہ متعہ دومرتبہ مباح ہوا اور دومرتبہ حرام لیکن علامہ ابن قیم اس کے سختی سے مخالف ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔ "اختلاف ہوا ہے اس وقت کے متعلق کہ جس میں متعہ حرام ہوا ہے چار قولوں پر پہلے یہ کہ وہ خیبر کا دن ہے یہ قول ہے ایک جماعت کا علما میں سے کہ جن میں شافعی وغیرہ شامل ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ سال فتح مکہ ہے یہ ابن عنیہ اور ایک جماعت کا قول ہے تیسرے یہ کہ وہ جنگ حنین والا سال ہے اور حقیقتاً وہی دوسرا قول ہے۔

اس لئے کہ حنین فتح مکہ کے بعد ہی اس سے متصل تھی اور چوتھے یہ کہ حجتہ الوداع ہے یہ حقیقتاً غلطی بعض روایوں کی ہے کہ خیال ان کا فتح مکہ سے حجتہ الوداع کی طرف منتقل ہو گیا جیسا کہ معاویہ کا خیال عمرہ جعرانہ سے حجتہ الوداع کی طرف منتقل ہوا۔ قصر والی روایت میں جس کا کتاب حج میں تذکرہ ہوا ہے اور خیال کا ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ مالک مکان سے دوسرے مکان کی طرف دھوکے سے منتقل ہو جانا اکثر حفاظ اور حفاظ سے کم درجہ کے محدثین کو پیش آیا کرتا ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ متعہ فتح مکہ والے سال حرام ہوا ہے اس لئے صحیح مسلم سے ثابت ہے کہ صحابہ نے فتح مکہ میں حضورؐ کی معیت میں حضرت کی اجازت سے متعہ کیا ہے اور اگر ممانعت متعہ خیبر میں ہوئی ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ متعہ دومرتبہ منسوخ ہوا۔ اور یہ ایسی بات ہے جس کی نظیر شرع میں ملنا ناممکن ہے اور ایسا شریعت میں ہوتا بھی نہیں ہے نیز خیبر میں مسلمان عورتیں نہ تھیں اور اہل کتاب کے ساتھ نکاح اس وقت تک جائز نہ ہوا تھا۔ (زاد المعاد فی ہدی خیر العباد جلد نمبر ا ص ۴۴۲ مطبوعہ مصر)۔

علامہ ابن قیم نے اس عبارت میں صاف طور پر اس خیال کی کمزوری ظاہر کی ہے۔ کہ متعہ چند مرتبہ حلال ہوا اور چند مرتبہ حرام ان کا خیال ہے کہ اس قسم کے الٹے پلٹے شریعت میں ہوا نہیں کرتے

اور نہ ان کی نظیر کوئی دستیاب ہوسکتی ہے اسی طرح امام فخر الدین رازی اس خیال کی مخالفت یوں کرتے ہیں۔ یہ قول کہ متعہ چند مرتبہ حلال اور چند مرتبہ منسوخ ہوا ضعیف ہے۔ کسی معتبر آدمی نے نہیں کیا ہے مگر وہ جنہوں نے صرف اس تناقص کو جو روایات میں ہے دور کرنا چاہا۔ (تفسیر کبیر جلد نمبر ۳ ص ۱۹۲) علامہ شیخ عبدالرحمان بن شیخ محمد بن سلیمان واماد۔۔۔ نے مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر مطبوعہ قسطنطنیہ جلد نمبر ا ص ۳۲۱ میں سے سب الگ بات کہی ہے وہ کہتے ہیں۔

"نکاح متعہ خیبر اور فتح مکہ کے درمیانی زمانہ میں مباح تھا لیکن یہ کہ وہ منسوخ ہوگیا با جماع صحابہ یہاں تک کہ اگر کوئی قاضی اس کے جواز کا فیصلہ کرے تو وہ جائز نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی اسے مباح سمجھے تو وہ کافر سمجھا جائیگا"۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ نکاح متعہ جنگ خیبر میں حرام نہیں بلکہ مباح ہوا تھا۔ اور اباحت فتح مکہ تک قائم رہی یہ تھے چند علماء اہل سنت کے اقوال کہ وہ روایات کے اختلاف و پراگندگی کے باعث سراسیمہ و مضطرب ہیں اور کوئی بات طے نہیں کر سکتے حجۃ الوداع میں اباحت و تحریم کے روایات بجائے خود مثل روایات فتح مکہ کے صحیح السند ہیں راوی دونوں کے یکساں بلکہ متحد ہیں۔ لیکن وہ یہ کہہ کر مسترد کر دیے جاتے ہیں کہ حقیقتاً فتح مکہ کی حکایت ہے جو راوی نے دھوکہ سے حجۃ الوداع کے متعلق نقل کر دی ہے۔ علامہ ابن قیتم نے صاف لکھا ہے کہ "وہم کا ایک موقع سے دوسرے موقعہ پر دھوکے سے منتقل ہوجانا اکثر حفاظ کے لئے ہوا کرتا ہے"۔

یہاں بھی دراصل بات یہی ہے کہ جو واقعہ فتح مکہ کا تھا کہ وہ غلطی سے راوی نے حجۃ الوداع کے متعلق نقل کر دیا۔ اور اسی لئے جو روایت اس سلسلہ میں مذکورہ ہے وہ بالکل اس مضمون کی ہے جو فتح مکہ کے متعلق نقل کی ہے یعنی سبرہ جہنی کا بیان کہ وہ ایک دوست کی معیت میں گیا اور چادر کے عوض اس نے عورت سے متعہ کیا۔ لیکن تین دن بعد حضورؐ نے متعہ سے ممانعت فرمادی اور وہ اس ممنوعہ سے علیحدہ

ہوگیا۔ یہ بہت بعید ہے کہ بالکل ایک ہی نوعیت کا واقعہ ایک ہی راوی کے فتح مکہ اور حجتہ الوداع دونوں موقعوں پر پیش آیا۔ لہذا یقیناً یہ واقعہ فتح مکہ تھا لیکن غلطی سے راوی نے ایک موقعہ پر حجتہ الودہ کہ دیا اور اسے محدیث نے نقل کرلیا یہ علامہ ابن قیتم کا خیال قرین قیاس معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے بعد ان روایات کی بھی قدر و قیمت نہیں پر رہتی۔ جن میں حجتہ الوداع میں متعہ سے ممانعت فرمائی۔ اس لیئے کہ جب وہ پورا واقعہ جو فتح مکہ میں اباحت وتحریم کا تھا راوی نے فتح مکہ کی بجائے دھوکہ سے حجتہ الوداع کا نام لے کر نقل کردیا تو ممانعت کی تاریخ میں بھی یہی غلطی واقعہ قرین قیاس ہے۔

اور معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے فتح مکہ کے بجائے غلطی سے حجتہ الوداع واقع قرین قیاس ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ راوی نے فتح مکہ کے بجائے غلطی سے حجتہ الوداع کہہ دیا ہے جبکہ اسکا بھی راوی وہی ہے جو فتح مکہ والی روایت اور اس روایت کا جس میں پورا واقعہ فتح مکہ کا حجتہ الوداع کی طرف منسوب کر کے لکھ دیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے اور ابن حجر عسقلانی کی تحریر کے مطابق بالصراحت معلوم ہوتا ہے کہ ممانعت متعہ کے متعلق اگر صحیح وصریح روائتیں کچھ موجود ہیں۔ وہ صرف خیبر اور فتح مکہ کے متعلق ہیں خیبر کے متعلق علامہ ابن قیم کا اختلاف مان لینے کے بعد بہر حال فتح مکہ آخری وہ تاریخ ہے جس سے متعلق موجودہ روایات کی بنا پر رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ اس میں متعہ حرام کیا گیا۔

لیکن یہ امر قارئین کے لئے اور بھی زیادہ حیرت انگیز ثابت ہوگا۔ کہ جب ہم آیت متعہ کے تاریخ نزول پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ باعتبار زمانہ فتح مکہ سے موخر اور اس کے بعد ہے جس کا پتہ علامہ حافظ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب لباب النقول فی الباب النزول مطبوعہ مصر برحاشیہ تنویر المقیاس ص ۷۷ میں لکھا ہے۔ آیت والمحصنات الخ مسلم وابوداؤد و ترمذی ونسائی نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ اوطاس میں کچھ عورتیں ہماری قید میں آئیں جو شوہر دار تھیں۔ اس کی

وجہ سے ہم کو برا معلوم ہوا کہ ہم ان کے ساتھ مباشرت کریں۔ لہذا ہم نے حضور سے دریافت کیا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی **والمحصنات من النساء الا ماملکت ایما نکم** اس کے معنی یہ ہیں کہ شوہر دار عورتیں تمام حرام ہیں مگر وہ جنہیں خدا نے تمہیں مال غنیمت میں دیا ہے۔ اس کے بعد ہم نے ان عورتوں کو اپنے لئے حلال سمجھا اور طبرائی نے ابن عاص سے روایت کی ہے کہ یہ آیت حنین میں نازل ہوئی۔ جب حنین فتح ہوا تو مسلمانوں کو بہت سی عورتیں اہل کتاب میں سے دستیاب ہوئیں مگر جب کوئی شخص ان میں سے کسی کے پاس جاتا تھا وہ کہتی تھیں کہ میں شوہر دار ہوں۔ لوگوں نے حضورؐ سے دریافت کیا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

درحقیقت آیت متعہ کے طرز عبارت پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں شروع شروع میں متعہ کی اباحت کا حکم نہیں دیا جارہا ہے بلکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ ایک مباح و جائز مقررہ طریقہ نکاح ہے جس کا تذکرہ ضمنی حیثیت سے کردیا گیا ہے اور اصل کسی اور حکم کا بیان کرنا منظور ہے مذکورہ بالا شان نزول کی روشنی میں جو ابو سعید خدری اور ابن عباس کی کی روایت میں مذکور ہے جب آیت کے معنی پر نظر کی جاتی ہے تو یہ امر صاف طور سے نمایاں نظر آتا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ شوہر دار عورتوں سے جو تمہارے ملک یمین کے علاوہ ہوں تمہارے لئے عقد جائز نہیں ہے اور یہ خدا کی مقررہ شریعت ہے تمہارے اوپر اور جو اُن کے علاوہ ہوں وہ تمہارے لئے جائز ہیں یہ کہ تم اپنے اموال کے ذریعہ سے ان کے ساتھ عقد کرو ان کو اپنا پابند بناتے ہوئے نہ حرامکاری کے طور پر تو اب جن عورتوں سے تم نے متعہ کیا ان کی اجرتیں ان کو ادا کرو اور پھر مقررہ شرائط کے بعد بھی آپس میں زیادہ مدت کرنا چاہو تو جائز ہے (النسآ)

اس آیت کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود بالذات اس میں متعہ کے جواز کا حکم دینا

نہیں بلکہ غیر ملک میں شوہر دار عورتوں کی ممانعت کے ساتھ ان کے علاوہ عورتوں کے ساتھ نکاح کے جواز بتلانے کے لئے وارد ہوئی ہے جس کے سلسلے میں نکاح متعہ کا یہ حکم ذکر کردیا گیا ہے کہ اگر نکاح متعہ کرو تو اجرت دیدو اور بعد میں چاہو تو از سر نو قرارداد کر کے کمی یا زیادتی کرو۔ اب اس روایت میں یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اوطاس سے مراد فتح مکہ ہے اس لئے کہ فتح مکہ میں نساء اہل کتاب یا سبایائے غنیمت کا وجود نہ تھا۔ ماننا پڑے گا کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے اور اس آیت قرآن سے حلیت متعہ ثابت ہونے کے بعد پھر خیبر یا فتح مکہ میں جو اس سے پہلے کے واقعات ہیں اگر متعہ حرام بھی ہوا تو بھی اس کا کچھ اعتبار نہیں ہوگا پھر یہ کہ آیت میں متعہ کا خصوصی حکم نہیں دیا گیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سے پہلے نہ ہی حرام ہوا اور نہ ہی بعد میں مباح ہوا بلکہ اس میں متعہ کی حلیت کو ایک مفروضہ ثابت شدہ شے کی صورت میں پیش کرتے ہوئے اس کے احکام کا ذکر کیا گیا ہے پس از روئے قرآن ثابت ہوا کہ وہ تمام احادیث جن میں ممانعت متعہ کا مختلف ہے تمام روایات کی تحقیق پیش کردی ہے تا کہ کسی قسم کی گنجائش اعتراض ہی باقی نہ رہے۔ مجھے احساس ہے کہ یہ مضمون طویل ہوگیا ہے لیکن اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کی طوالت نظر انداز کردی جائے۔

یہاں ایک اور سوال ابھرتا ہے کہ روایات مجموعی طور پر کثیر تعداد میں ہیں متعدد رواۃ سے منقول ہیں اور کافی محدثین نے تخریج کی ہے۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا ہے ان میں کوئی بھی اصلیت نہیں ہے پھر ان کا آپس میں تصادم شکوک پیدا کرتا ہے۔ لہذا اس دورخی صورت حال میں آخر کیا حل ہوسکتا ہے تو اس گتھی کو سلجھانے کی ایک ترکیب ہے وہ یہ کہ اس سلسلہ میں صرف دو روایات ایسی ہیں جن سے متعہ کی حرمت تا قیامت ثابت ہے۔ باقی روایات میں ایسا نہیں ہے۔ جب ہم ان سب کو یکجا کر کے غور کرتے ہیں تو ہماری سمجھ میں مندرجہ ذیل باتیں آتی ہیں۔

(۱) قرآن کی آیت متعہ جو فتح مکہ کے بعد اوطاس میں نازل ہوئی متعہ کو ایک ثابت و

مروج جائز و شروع طریقہ نکاح کی صورت میں پیش کرتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سے قبل متعہ حرام نہ تھا۔

(۲) صحابہ کرام برابر وفات رسولؐ کے بعد متعہ پر عامل رہے مثلاً صحیح مسلم ہی میں ہے کہ "عطاء کی روایت جابر ابن عبداللہ عمرہ کے ارادہ سے مکہ معظمہ آئے تو ہم ان کی ملاقات کو گئے اور مختلف لوگوں نے ان سے مختلف مسائل دریافت کیئے پھر متعہ کا تذکرہ ہوا۔ انہوں نے (جابرؓ) نے کہا کہ ہاں ہم لوگوں (صحابہ نے عہد رسولؐ اور پھر ابوبکر و عمر کے زمانہ میں برابر متعہ کیا ہے)" (**صحیح مسلم جلد نمبر ۱ ص ۴۵۱**) اسی طرح مسلم شریف میں ہے کہ "ابوالزبیر کا بیان ہے میں نے جابر بن عبداللہ کو کہتے سنا کہ ہم لوگ برابر ایک مٹھی جو یا آٹے کے عوض میں متعہ کرتے رہے ہیں۔ حضورؐ کے عہد میں اور پھر ابوبکر کے زمانہ میں یہاں تک کے حضرت عمر نے عمرو ابن حریث والے واقعہ میں اس سے ممانعت کی" (**صحیح مسلم جلد ۱ ص ۴۵۲**)

(۳) خلیفہ دوم عمر بن الخطاب کا متعہ کی ممانعت کو اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے یہ تصریح کرنا کہ وہ حضورؐ کے سامنے جائز تھا۔

حضرت عمر سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا دو قسم کے متعہ حضورؐ کے زمانہ میں موجود تھے میں ان دونوں کی ممانعت کرتا ہوں۔ ایک متعہ النساء دوسرے متعہ الحج (**کنز العمال جلد ۸ ص ۲۹۳**)

(۴) شریعت کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جسے کبھی حلال قرار دیا گیا ہو اور پھر حرام اور پھر حلال اور بعد میں حرام یہ واحد امر ہے جو طریقہ شرع کے بالکل خلاف ہے۔

پس معلوم ہوا کہ یہ روایات غلط ہیں اور متعہ کی حرمت کا اعلان صرف فرمان عمری کے تحت ہوا۔

سوال: اگر متعہ آپ حضرات کے نزدیک مستحسن امر ہے تو ان حضرات کے اسماء گرامی کی نشان دہی فرمایئے جن کی ولادت باسعادت ابوین کے اس مستحسن فعل سے ہو۔

جواب :۔ علامہ ابن حجہ عقلانی اور صاحب صابر نے تحریر کیا ہے کہ ابن مسلم بن اُمیہ کی تولید متعہ سے ہوئی۔ "عمر دین شیبہ کا بیان ہے کہ سلمہ بن اُمیہ نے متعہ کیا سلمٰہ کنیز حکیم ابن امیہ اسلمی اور اس سے فرزند کی ولادت ہوئی" **(فتح الباری جلد ۹ ص ۱۳۹، اصابہ معرفتہ الصحابہ جلد نمبر ۲ ص ۶۳۔ موصوف کو ابن خیاط نے ان صحابہ میں شمار کیا ہے جو مکہ میں مقیم تھے)** "سعید بن سیب کا بیان ہے کہ متعہ کیا ابن حریث اور فلاں صاحب کے صاحبزادے دونوں آدمیوں نے اور دونوں کی اولاد ہوئی۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے زمانہ میں" **(کنز العمال جلد ۸ ص ۲۹۳ فلاح شخص سے ممتاز ہستی مراد ہے)** تفسیر مظہری ص ۵۷۶ میں ہے کہ حضرت ابوبکر کی صاحبزادی اسماء بنت ابوبکر نے کہا کہ "انہی عارضی تعلقات میں عبداللہ بن زبیر کی ولادت ہوئی ہو اسی بناء پر حضرت عمروہ بن زبیر نے عبداللہ بن عباس سے کہا "**الا تتقی اللہ ترخص فی المعتہ** "یعنی تم کو خدا کا خوف نہیں ہے متعہ کی اجازت دیتے ہو۔ تو ابن عباس نے فرمایا "**ھل اُمک یا عرتیہ** "یعنی ذرا جا کر اپنی والدہ سے تو دریافت کرو **(زاد المعاد ابن قیم جلد ا ص ۲۱۹)**

سوال :۔ اگر آئمہ کرام اور ان کے پسماندگان سے یہ فعل ثابت ہے اور ان کا اپنا اقرار اور یہ تصریح کہ میری فلاح اور لوالعزم اولاد اس مستحسن فعل سے ہے۔ کہیں معتبر کتاب میں موجود ہے۔

جواب :۔ بلا ضرورت متعہ کرنے کی ممانعت کتب سے ثابت ہے اور یہ کوئی فرض نہیں ہے کہ اس پر عمل کرنا ہر ایک پر واجب ہو۔ لہذا اگر آئمہ نے عقد متعہ نہ بھی کیا تو یہ ہرگز دلیل نہیں ہوگا۔ کہ متعہ حرام قرار دیا گیا جب تک حکم ثابت نہ ہو۔ طلاق دینا جائز ہے جبکہ بظاہر حضورؐ نے کسی زوجہ کو طلاق نہ دی حلالہ آپ کے مذہب میں حلال ہے مگر یہ فعل نہ نبی رسولؐ کی سنت سے ثابت ہے اور نہ ہی خلفاء

اربعہ کی سیرتوں سے متعہ خاص ضرورت و حالات کے تحت جائز کیا گیا ہے۔ اب آئمہ کو ایسے حالات درپیش نہ آئے تو یہ کوئی ضروری نہیں ہے وہ بلا وجہ متعہ کرتے تاہم ان کی احادیث متعہ کی تائید میں کتابوں میں محفوظ ہیں۔ ہم اماموں کے امام سید الانبیاء حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ والہ وسلم کا متعہ آپ ہی کی کتب سے ثابت کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب حضورؐ نے متعہ فرمایا تو آئمہ اپنے نانا کی سُنت کے خلاف کبھی نہیں ہو سکتے ہیں۔ اہل سنت کے آئمہ اربعہ میں امام احمد حنبل لکھتے ہیں کہ "ابن عباس کہتے ہیں کہ جناب رسول مقبول نے متعہ کیا تھا" (**مسند احمد حنبل الجزء الاولی ص ۳۴۷**) اسی طرح ابو آلائمہ حضرت علی ابی طالب علیہ السلام کا متعہ حضرت عمر کی خواہر سے ملاحظہ کریں (**سبائی سبز باغ ص ۲۸۲**) اب جب کہ عقد متعہ ثابت ہو گیا تو ضروری نہین ہے کہ اولا بھی ہو کیوں کہ اکثر لوگ عمر رسیدہ عورتوں سے عقد متعہ کرتے تھے بہر حال ہمیں صرف عقد ثابت کرنا ہے نہ کہ اولاد ثابت کرنا ہے۔

سوال:۔ اس امام کا اسم گرامی بیان فرمایئے جس کے سامنے متعہ کا ذکر کیا گیا اور جب مطالبہ کیا گیا کہ کیا عترت سے بھی یہ فعل ثابت ہے تو آپ نے ازروئے کراہت منہ پھیر لیا۔ کیا یہ واقعہ اصولی کافی میں موجود ہے۔

جواب:۔ ایسا کوئی واقعہ اصولی کافی میں موجود نہیں ہے اگر کوئی شخص ایسا واقعہ اصول کافی میں ثابت کردے تو منہ مانگا انعام دیا جائے گا باقی یہاں صرف اتنا عرض کردوں گا کہ اگر کوئی شخص معترض کو بھرے مجمع میں یہ کہے کہ مولوی صاحب کیا میں آپ کی بیٹی یا بہن سے نکاح کر سکتا ہوں؟ تو اس وقت فطرۃً معترض کی کیفیات کیا ہوں گی۔ حالانکہ قائل کوئی خلاف شرع بات نہیں کہے گا۔ عاقل را اشارہ کافی است۔ ہم نے عقد متعہ پر ایک مختصر رسالہ الگ سے شائع کیا ہے جس کا عرفی نام

"ہم متعہ کیوں کرتے ہیں؟" قارئین اس کا مطالبہ فرمائیں تاکہ تفصیلات سے آگاہی ہو جائے۔

فاروقی فتوحات

سوال:۔ کیا سچ ہے کہ سیدنا فاروق اعظم کے مساعی جمیلہ سے دولاکھ پچیس ہزار ایک سو تین مربع میل رقبہ اسلام اور مسلمانوں کے قبضہ میں آیا؟

جواب:۔ جی بجا ہے۔

سوال:۔ فرمایئے قادسیہ جلولا، جلوان، تکریت خورستان، ایران، اصفہان، طبرستان، آذربائجان، آرمینیہ، فارس، سیستان، مکران، خراسان، اُردن، حمص، یرموک، بیت المقدس، اسکندریہ، طرابلس، کو فتح کر کے اسلام کے قبضے میں کس نے دیا؟

جواب:۔ یہ سارے علاقے حضرت عمر کے زمانہ میں فتح ہوئے۔

سوال:۔ فرمایئے مسلمانوں کو خوش حال بنانے کے لئے 99 میل نہر پہاڑوں میں کھدوا کر دریائے نیل کو بحیرہ قلزم سے کس نے ملایا؟

جواب:۔ جی یہ کام بھی جناب عمر ہی کی حکومت میں ہوا۔

سوال:۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان مسافروں کے لئے سرائیں چوکیاں حوض کس نے تعمیر کرائے؟

جواب:۔ حکومت عمر نے

سوال:۔ کس کے دورِ خلافت میں احکامِ الٰہی کے یاد کرنے کے لئے یہ قانون بنادیا گیا کہ ہر شخص سورہ بقرہ سورہ نساء سورہ مائدہ حج اور سورہ نور کو یاد کرے؟

جواب:۔ کہا گیا ہے کہ یہ ہدایت بھی دورِ عمر میں جاری کی گئی لیکن کیا یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ خود حضرت عمر کو یہ سورتیں زبانی یاد تھیں اگر کوئی سنی المذہب صحاح ستہ میں سے صحیح الاسناد ایک بھی روایت دکھادے جس میں یہ زبان عمر یہ ثابت ہو کہ آپ کو یہ سورتیں زبانی یاد تھیں تو جو صفحہ نمبر ہوگا اُتنی رقم بطورِ انعام دوں گا۔

سوال:۔ مسلمانوں کے اس بادشاہ کا نام بتایئے۔ جنہوں نے ملکی سیاست کو قائم رکھنے کے لئے فوج کا اسٹاف افسر خزانہ ترجمان طبیب و جراح مقرر کئے ہوں۔

جواب:۔ یہ سہرا بھی شہنشاہ عمر اعظم ہی کے سر ہے جنہوں نے اسلام میں ان اقدام سے امپیریلزم کی راہ ہموار کردی۔

سوال:۔ کس کو غیرت کے اظہار کی برکت سے بے پردہ عورتوں کو پردہ ملا؟

جواب:۔ حضور اکرمؐ کی غیرت کے اظہار سے پردہ کا حکم نازل ہوا مجاہد نے روایت ہے کہ آنحضرتؐ ایک دفعہ بی بی عائشہ کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ حضرت عمر آ گئے حضورؐ نے صلح طعام کی۔ جناب عمر بیٹھ گئے اتفاقاً حضرت عمر کی انگلی حضرت عائشہ کی انگلی سے لگ گئی تو حضورؐ کو ناگوار گذرا۔ اسی وقت آیت حجاب نازل ہوئی۔ (تفسیر درمنثور نمبر ۵ ص ۲۱۴)

سوال:۔ خلفائے اربعہ میں سے کسی نے بیت المقدس فتح کرتے وقت پیدل چلنا منظور کیا؟

جواب:۔ یہ اتفاق بھی جناب عمر سے پیش آیا ہے کیوں کہ معاہدہ کی تکمیل کے بعد جب حضرت صاحب نے بیت المقدس کا ارادہ کیا تو اس وقت ان کے گھوڑے کے سم گھس کر بیکار ہو گئے تھے۔ جناب عمر یہ دیکھ کر اُتر گئے دوسرا ترکی نسل کا ایک گھوڑا جو بہت عمدہ قسم کا تھا حاضر کیا گیا۔ گھوڑا شیوخ و چالاک تھا مگر حضرت عمر نا تجربہ کار شہسوار تھے اُسے قابو میں لانا ممکن نہ ہوا۔ مجبوراً پیدل چلنا منظور کر لیا ورنہ ممکن تھا کہ گھوڑا صحیح و سالم نہ پہنچا تا کھسیانے ہو کر کہا" کمبخت یہ غرور کی چال تو نے کہاں سے سیکھی" (الفاروق حصہ اول ص ۲۰۲)

سوال:۔ اس خلیفے کا نام بتائے جو راتوں کو رعیت پر پہرہ دیا کرتا تھا۔

جواب:۔ ویسے تو سب خلیفے ایسے ہی تھے مگر حضرت عمر کا پہرہ ایک خاص مقصد کے لئے تھا کہ مخالفت حکومت معلوم ہو جائے۔

سوال:۔ کعبہ کے غلاف کو اعلےٰ درجہ کا حسین غلاف سے کس نے بدل دیا تھا۔

جواب:۔ اگر سُنت کے خلاف بدلا تو بدعت قرار پایا ورنہ غلاف تو زمانہ جاہلیت میں بھی بدل جاتا تھا باقی مصریوں نے قباطی کا غلاف بنا کر دیا حضرت نے چڑھا دیا۔ کوئی امر فضلیت نہ ہوا۔

سوال:۔ اس خلیفہ رسولؐ کے نام کی تصریح فرمایئے جس نے متعدد ممالک فتح کر کے ان میں چار ہزار مسجدیں تعمیر کرائیں؟

جواب:۔ دنیا میں اسلام کے طلوع سے قبل اور حضرت عمر کے بعد کئی فاتح گذرے ہیں

جنھوں نے حضرت عمر سے زیادہ فتوحات کی ہیں اور مسلمانوں میں لاتعداد حاکم ہوئے ہیں جنھوں نے ہزاروں مساجد بنوادی ہیں۔ دور کیوں جاتے ہیں صرف فیلڈ مارشل ایوب خان مرحوم کے دور حکومت میں محتاط انداز کے مطابق پاکستان میں ہزاروں مساجد تعمیر کی گئی ہیں۔ اسی طرح انگریز ہی دور حکومت میں بھی مساجد بنوائی گئی ہیں صرف ملک فتح کرنا اسلامی ارضی فتوحات کی اجازت ہی نہیں دیتا بلکہ صرف دفاعی جہاد کا حکم دیتا ہے کوئی کارنامہ نہیں ہے اور مساجد تعمیر کرانا کارنیک ضرور ہے لیکن دار غصب او غیر شرعی طریقہ سے حاصل کردہ زمین پر مسجد بنانا شرعاً مستحسن نہیں ہے۔

سوال:۔ سب سے پہلے کس مسلمان بادشاہ نے رعیت میں مردم شماری کی رسم ڈالی تھی۔

جواب:۔ یہ کام بھی ایک خلاف شرعی امر کے تحت سرانجام پایا تھا مفتوحہ اراضی کی تقسیم معاملہ میں ایک غلط پالیسی کے تحفظ کے لئے ایسا کیا گیا اس پر تفصیلی بحث "البلاغ المبین" میں ملاحظہ جائے یہ کام بھی حضورؐ نے نہیں کیا تھا۔

ملا باقر مجلسی کے وہ مطاعن جو اس نے فاروق اعظمؓ کی نسبت حق الیقین میں پیش کیے ہیں

سوال:۔ ملا باقر مجلسی نے حق الیقین ص ۲۵۸ مطبوعہ تہران میں فاق اع کے متعلق لکھا کہ۔

عمر گفت کہ تو نگفتی کہ ماداخل مکہ

خاهیم شده طواف خواهیم کرد چرانشد حضرت فرمود که من نگفتم امسال خواهد شد بعد ازیں خواهد شد پس غضبناک برخاست و گفت اگر باورے می یافتم با انیها جنگ می کردم و نزد ابوبکر آمد و شکایت آنحضرت کرد ابوبکر اور امنع کرد چوں روز فتح مکه شد و رسول خدا کا ید را گرفت حضرت فرمود عمر را بطلبید چوں آمد حضرت فرمود ایں است آنچه خدا مرا وعده داده بود

عمر نے کہا کیا تو نے نہ کہا تھا کہ ہم مکہ میں داخل ہوں گے اور طواف کریں گے کیوں نہ ہوا۔ حضرت نے فرمایا، کہ میں نے یہ تو نہ کہا تھا کہ اس سال ہوگا، پس عمر غضبناک ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا اگر کوئی میرا امدادی ہوتا تو میں کفار سے ضرور لڑتا جنگ کرتا ابو بکر کے پاس آیا اور حضرت کی شکایت کی ابو بکر نے اسے منع کیا جب فتح مکہ کا دن ہوا اور رسولؐ خدا نے کعبے کی چابیاں ہاتھ میں لے کر عمر کو طلب کیا اور فرمایا یہ ہے وہ عدہ جو کہ خُدا نے میرے ساتھ کیا ہوا تھا

یہ واقعہ لکھ کر پھر آیت چپاں کی ہے۔

"فلا وربک لایومنون حتی یحکموک فینما شجر بینھم ثم لایجدوانی انفسھم حرجا فضیت ویسلمواتسلیماً"

اہل سُنت کی کسی معتبر کتاب میں اگر طاقت ہے تو یہ پہلا مضمون بایں الفاظ ثابت کیجئے اور منہ مانگا انعام حاصل کیجئے۔

جواب:۔ جواب اعتراض سے قبل یہ وضاحت ضروری ہے کہ علامہ مجلسیؒ نے یہ عبارت اپنی نہیں لکھی ہے بلکہ اس تحریر سے قبل لکھا ہے کہ بخاری و مسلم وابن ابی لاالحدید (معتزلی) اور تمام مورخین و محدثین نے روایت کی ہے کہ جب صلحنامہ حدیبیہ میں یہ لکھا کہ اہل اسلام سے جو مشرکوں کی طرف جائے اس کو وہ لوگ نہ پھیر دیں۔ اور مشرکوں سے جو اہل اسلام کے پاس آئے یہ لوگ اس کو پھیر دیں۔ حضرت عمر غضبناک ہوئے اور حضرت رسالتؐ مآب کے پاس آ کر پوچھا کہ آپ خدا کے رسولؐ ہیں فرمایا ہاں پھر پوچھا ہم مسلمان ہیں اور وہ کافر آپؐ نے فرمایا ہاں حضرت عمر نے کہا پھر ہم اس ذلت کو اپنے دین میں کیوں قرار دیں پس حضور رسالتؐ مآب نے فرمایا مجھے خدا نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ کرتا ہوں اور خدا مجھے ضائع نہ کرے گا۔ بلکہ میری مدد کرے گا حضرت عمر نے کہا اس کے بعد منقولہ عبارت کا بیان ہے۔ پس اس تمہید کی موجودگی میں علامہ مجلسی ذاتی طور پر بری الذمہ ہیں۔ اب ہم معترض کے مطالبہ کے مطابق یہی عبارا اہل سنتہ والجماعت کی بہت ہی معتبر کتاب سے دوبارہ نقل کرتے ہیں اور راوی خود عمر ہیں۔

"حضرت عمر کہتے ہیں یہ حال دیکھ میں حضورؐ کے پاس آیا۔ میں نے کہا کیا آپؐ اللہ کے سچے

پیغمبر نہیں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں۔ میں نے کہا کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن ناحق پر نہیں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا بے شک میں نے کہا تو پھر ہم اپنے دین کو کیوں ذلیل کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا۔ وہ میری مدد کرے گا میں نے کہا آپؐ فرماتے تھے کہ ہم کعبہ کے پاس پہنچیں گے اور طواف کریں گے آپؐ نے فرمایا بے شک مگر میں نے یہ کب کہا تھا کہ اسی سال ہوگا۔ میں نے کہا حقیقت میں آپ نے یہ تو نہیں فرمایا تھا آپؐ نے تو فرمایا تھا تم کعبے کے پاس ایک دن ضرور پہنچو گے اور اس کا طواف کرو گے۔ حضرت عمر نے کہا اور پھر میں ابوبکر کے پاس گیا اور میں نے کہا کیا آپؐ اللہ کے سچے پیغمبر نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بے شک ہیں۔ میں نے کہا کیا ہم حق اور ہمارے دشمن ناحق پر نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں (الاخرہ)" (تیسیر الباری ترجمہ صحیح بخاری کتاب الشرط مع الناس پ ۱۱ص ۱۰ مطبع احمد لاہور) بحوالہ ثبوت خلافت حصہ دوم ص ۱۰۱-۱۰۰

اس عبارت میں صرف "اگر کوئی میرا امدادی ہوتا تو میں کفار سے ضرور جنگ کرتا" کی عبارت موجود نہیں ہے جسے ابن ابی الحدید نے نقل کیا ہے۔ اب جبکہ تمام مطالب اہل سنت کی معتبر کتب سے ثابت ہیں۔ تو ہم یہ حق رکھتے ہیں کہ انعام کا مطالبہ کریں اور ہمارے لئے صرف یہی انعام کافی ہوگا کہ معترض اس گستاخی گفتگو کو تسلیم کرتے ہوئے گستاخ رسولؐ سے اپنی عقیدت کا رشتہ توڑ کر متمسک بالثقلین ہونے کا اعلان کردے"

سوال:۔ اہل سنت کی معتبر کتاب سیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد نمبر ۳ ص ۳۳۱ مطبوعہ مصر میں متفقہ طور پر واقعہ نقل کیا گیا ہے مگر اس بناوٹی جسارت کا کہیں بھی ذکر نہیں وہاں تو صاف لفظ موجود ہیں۔

انا اشهد انه رسول الله ثم اتى رسول الله فقال يارسولَ الله الست رسولَ الله قال بلىٰ قال اولسنا بالمسلمين قال بلكى قال اويسوا بالشركين قال بلىٰ قال فعلى مانعطى الدنية في اذيننا (بحوالہ تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۹۶، ص ۹۹)

میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ واقعی حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول ہیں پس عرض کیا کیا آپ خدا کے رسول نہیں فرمایا ہاں رسول ہوں عرض کیا گیا ہم مسلمان نہیں ہیں فرمایا بلاشبہ تم مسلمان ہو عرض کیا کیا وہ مشرک نہیں ہیں فرمایا ہاں وہ مشرک ہیں بس عرض کیا کہ کس لئے ہم دین میں نقصان برداشت کریں۔

کیا اس اظہار تاسف اور فرط احساس کا جذبہ معلوم نہیں ہوتا جیسا کہ سوال و جواب سے واضح ہے۔

جواب:۔ جواب اعتراض سے قبل ہم حضرت عمر کے وکیل خاص شمس العلماء شبلی نعمانی کی رائے سپرد قلم کرنا مناسب سمجھتے ہیں شبلی لکھتے ہیں۔ "حضرت عمر کی یہ گفتگو اور خصوصاً انداز گفتگو اگرچہ خلاف ادب تھا چنانچہ بعد میں ان کو سخت ندامت ہوئی اور اس کے کفارہ کے لئے روزے رکھے۔ نفلیں پڑھیں خیرات دی غلام آزاد کئے تاہم سوال و جواب کی اصل بنیاد اس نکتہ پر تھی کہ رسول اللہ کے کون سے افعال انسانی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور کون سے رسالت کے منصب سے" (الفاروق حصہ اول ص ۹۴)

اب سوال یہ ہے کہ اگر حضرت عمر کا یہ کلام گستاخانہ نہ تھا تو پھر کفارے ادا کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اور شبلی نے اعتراف خط کرتے ہوئے رسولؐ کی حیثیت کا بٹوارا کرنا کیوں ضروری سمجھا۔ یقیناً یہ گفتگو پر بنائے تشکیک نبوت تھی جسکا اعتراف خود حضرت عمر نے بایں الفاظ کیا، **قال عمر ابن الخطاب واللہ ماشککت منذ اسلمت الایومئذ** "حضرت عمر ابن الخطاب نے کہا کہ قسم ہے خدا کی ایسا شک (نبوت محمدؐیہ پر) مجھے کبھی نہ ہوا جب سے میں مسلمان ہوا ہوں مگر آج کیدن زیادہ شک ہوا۔

(تفسیر ابن جریر جز دساریں والعشر ون ص ۵۸ نادالمعاواین قیم جلد ا ص ۳۷۶ تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۲۲ وغیرہ) ابن ہشام کی سیرت میں پورے واقعات کا اندراج نہ ہونا ہرگز دلیل نہیں ہوسکتا ہے کہ واقعہ رونما ہی نہ ہوا جبکہ کردار کی اپنی شہادتیں پایہ ثبوت تک پہنچی ہوئی۔ میں پس ایسے احساسات اظہار بے ثباتی کم ایمانی اور عدم یقین کی علامات ہیں اگر یہ گفتگو نا قابل اعتراض ہوتی تو نہ ہی حضرت عمر اس کی تلافی میں کفارے ادا کرتے اور نہ ہی شبلی رسول کی زندگی کے دو حصے بنانے پر مجبور ہوتے۔

سوال:۔ کیا آپ کو اس علم نہیں کہ جب دستخط نہیں لگے تھے تو حضور علیہ السلام نے بطور شہادت حضرت عمر کا نام بھی لکھوا دیا تھا۔ کیا منکر کو بھی کبھی اپنی تائید میں گواہ کے طور پر لیا جاتا ہے۔

جواب:۔ جب معاہدہ صلح لکھا گیا تو اس پر بہت سے بڑے بڑے صحابہ جن میں حضرت عمر بھی داخل تھے کے دستخط ثبت ہوئے جیسا کہ شبلی نے لکھا ہے۔ لیکن یہ ثبتی کسی فضیلت کا باعث نہیں ہوسکتی ہے۔ اور نہ ہی ثبوت ایمان بن سکتی ہے۔ کیونکہ فریق مخالف کے افراد نے بھی دستخط کیے تھے اور

معاہدہ دونوں کے مابین اور مساوی حیثیت رکھتا ہے جس طرح دشمنی کے دستخط ثبوت ایمان نہیں ہو سکتے ہیں اُسی طرح مسلمانوں کے دستخط دلیل ایمان قرار نہیں دیئے جا سکتے ہیں۔

سوال:۔ احتجاج طبرسی ص ۲۵۰ میں ان السکینتہ تنطق علی لسان کم (یعنی اللہ کی رحمت فاروق اعظم کی زبان پر بولتی ہے) فرمایئے اگر یہ قول مبنی برصدق ہے تو تمہارے نزدیک وہ روایت کیوں قابل اعتبار ہے اگر وہ روایت قابل اعتبار ہے تو اس روایت کا کیا جواب ہے۔

جواب:۔ جس طرح روایت سنی کتب میں موجود ہے اسی طرح یہ روایت بھی سینوں کی ہے اور علامہ طبرسیؒ نے اس روایت کو بطور احتجاج لکھ کر جرح کی ہے طبرسی نے اس روایت کو صحیح تسلیم نہیں کیا ہے اور اہل سنت میں بھی یہ روایت موضوع سمجھی گئی ہے اور کتب شیعہ سے یہ روایت ثابت نہیں ہے۔ پہلی روایت کے بارے میں خود حضرت عمر کی شہادت اور دونوں مذاہب کی کتب میں موجودگی اس کو قبول کرنے پر مجبور کرتی ہے جبکہ دوسری روایت کا ذکر شیعہ کتب میں موجود نہیں اور سنی کتب میں یہ روایت قابل اعتبار قرار نہیں دی گئی ہے پس نا قابل قبول ہے۔ کسی روایت کے ناقل کے لئے یہ ضروری نہیں ہوتا ہے کہ وہ اس روایت کو صحیح بھی مانتا ہے طبرسیؒ نے اسے محض نقل کیا ہے اور اس پر احتجاج کیا ہے۔

سوال:۔ کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فاروق اعظم کے اس قول کے بعد مغضوبانہ نگاہوں سے دیکھا ہو تصریحی عبارت درکار ہے۔

جواب:۔ اگر رسولؐ اکرم حضرت عمر کی اس گفتگو سے ناراض نہ تھے۔ بلکہ راضی تھے تو پھر

حضرت عمر نے بقول شبلی کفارے کے روزے کیوں رکھے؟ نفلیں کیوں پڑھیں خیرات کیوں دی، غلام کیوں آزاد کیے؟ کیا یہ سب کچھ راضی ہونے کا شکرانہ تھا یا ناراض کرنے کا کفارہ؟ اگر رسولؐ ناراض نہ ہوتے اور عمر کے دل میں شک نبوت پیدا نہ ہوا تو پھر حضرت ابوبکر نے جناب عمر سے یہ کیوں کہا کہ

یا عمر الزم عرزہ فانی اشھدانہ رسول اللہ (تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۸۰)

اے عمر تم ان کی رکاب تھامے رہو میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ یقیناً رسولؐ ہیں

نیز حضرت عمر خود فرماتے ہیں کہ ایک مدت گذر چکی ہے کہ میں اس وسوسہ شیطانی اور نفس کے فریب سے جو اس روز میں نے کھایا تھا توبہ استغفار کر رہا ہوں اور اپنے اعمال صالحہ و صدقہ خیرات کو میں نے وسیلہ بنایا ہے تاکہ اس گناہ سے مجھے برات حاصل ہو سکے۔ **(ترجمہ مدارج ج ۲ ص ۲۰۴ مترجمہ شمس صاحب بریلوی)** جب عمل عمر بزبان عمر یہ گفتگو آداب ثابت ہے تو پھر حضورؐ کی گواہی کی کیا ضرورت رہ گئی۔ اس موقع پر تو ناراضگی صحابہ کی تھی اور طبری کے مطابق ان کا یہ عالم تھا کہ حضورؐ کے تین مرتبہ حکم دینے کے باوجود کوئی تعمیل کے لئے کھڑا نہ ہوا تھا **(طبری جلد ۲، ص ۲۸۳)** حضورؐ تو اس صورت حال سے بار خاطر ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُم المومنین حضرت ام سلمہؓ کے خیمہ میں خاموشی کے ساتھ بیٹھ گئے۔ بی بی اُم سلمہؓ نے پیغمبرؐ کے چہرے پر آثار ملال دیکھے تو وجہ پوچھا آپؐ نے صحابہ کی نافرمانی اور بے اعتنائی کا شکوہ کیا۔ یہ تمام تفصیلات تاریخ طبری کی دوسری جلد میں معاہدہ حدیبیہ کے واقعات کے بیان میں محفوظ ہیں مطالعہ کی جا سکتی ہیں۔

سوال:۔ لقد رضی اللہ عن المومنین۔ میں فاروق اعظم بھی شامل تھے یا نہ؟ اگر شامل تھے تو یہ روایت قرآن مجید کی نص کے خلاف ہے جواب درکار ہے۔

جواب:۔ لقد رضی اللہ عن المومنین میں حضرت عمر کا شمولیت ہمارے نزدیک مسلمہ نہیں ہے۔ پس روایت و آیت کا تناقص جاتا رہا۔

سوال:۔ جب اہل سنت کے تمام تفسیروں میں یہ بات موجود ہے کہ فاروق اعظم نے یہ ساری کلام تحقیق کے طور پر کی تھی معاذ اللہ آپ کو نہ ہی نبوت پر شک تھا اور نہ اخبار غیب پر ورنہ آپ اشھداللہ رسول اللہ منہ فرماتے تو خواہ مخواہ آپ لوگ ان کی کلام کو انکار پر کیو محمول کرتے ہیں؟

جواب:۔ اہل سنت کی تمام تفسیروں میں یہ بات ہرگز مرقوم نہیں کہ حضرت عمر نے یہ ساری گفتگو تحقیق کے طور پر کی تھی۔ بلکہ تفاسیر کی کثیر تعداد اس موقف کے برخلاف ہے۔ یہ ظنی توضیح آج وضع کی جاری ہے لیکن جب خود حضرت عمر کا اقرار دربارہ شک موجود ہے۔ اور حضرت ابوبکر کا مشورہ محفوظ ہے کہ رکاب رسولؐ تھامے رکھو اور سب سے بڑھ کر کفارات کی ادائیگی کا عمل شاہد ہے کہ یہ کلام تحقیق کے طور پر نہ تھا بلکہ اشھد انہ رسول اللہ کا فرمان ہرگز دلیل ایمان نہیں ہوسکتا ہے کیوں کہ قرآن مجید میں ہے کہ۔ "اے رسولؐ جب تمہارے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ آپؐ یقیناً خدا کے رسولؐ ہیں۔ مگر اللہ ظاہر کئے دیتا ہے کہ یہ منافقین ضرور جھوٹے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے (غلط) ایمان کو سپر بنا رکھا ہے" (المنافقون ۱) پس از روئے قرآن زبان شہادت رسالت بھی کذب و انکار کی گنجائش روکنے کے لئے کافی نہیں ہے۔

سوال:۔ شیعی دارالاستفتاء سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کیو فتویٰ عائد

ہوتا ہے جبکہ انہوں نے بھی اس قسم کے سوالات بارگاہ ربوبیت میں کئے تھے خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا تھا (یعنی اے ابراہیم علیک السلام کیا آپ ایمان نہیں لائے؟) تو آپ نے جواب دیا بلاشبہ ایمان لایا ہوں لیکن یہ ساری تحقیق اطمینان قلب کے لئے کر رہا ہوں۔

جواب:۔ حضرت ابراہیمؑ کے کلام کا انداز ہی طالبانہ ہے اور طرز گفتگو محققانہ ہے جبکہ حضرت عمر کے کلام میں گستاخی و بے ادبی نمایاں ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے خود کہا ہے کہ میں اطمینان قلب کی خاطر علم حاصل کرنا چاہتا ہوں جبکہ حضرت عمر نے اقرار کیا ہے کہ اتنا شک مجھے پہلے کبھی نہیں ہوا ہے چلئے اس بات کو ہم مان لیں گے اگر زبان عمر سے اپنی کسی حدیث کی کتاب (صحاح وستہ مشکوٰہ موطاء) سے کوئی ایک صحیح الاسناد روایت ثابت کر دیں کہ انہوں نے خود کہا ہو کہ میں نے یہ سوال جواب تحقیق کے لئے کئے تھے میرے بھائی حضرت ابراہیمؑ نے حصول علم کی خاطر پوچھا اللہ نے جواب دیا مشاہدہ کروا دیا اور حضرت ابراہیمؑ نے اظہار تشکر کیا نہ کہ کفارے ادا کئے جبکہ جناب عمر کو کئی کفارے بڑے بڑے ادا کرنے پڑے اگر یہ طلب علم کی خاطر تھا تو پھر جرمانے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ تو عمر کے وکلاء کی بھاگ دوڑ ہے کسی نے رسول کی حیات کو دو حصوں میں کو تقسیم کرنے میں دفاع امر سمجھا ہے۔ اور کسی نے محض خیال وظن کے تحت تحقیق کا پہلو وضع کر لیا مگر بندوبست خدا ایسا ہے کہ ہر راہ بند ہے سوائے تسلیم تشکیک کے اب کوئی اور حیلہ ڈھونڈے۔

سوال:۔ فرمایئے ابراہیم علیہ السلام خدا تعالیٰ کے سامنے برائے تحقیق سوال کریں تو جائز اور فاروق اعظم نبوی دربار میں سوال کریں تو قابل گرفت۔

جواب:۔ ابراہیمؑ اللہ کے معصوم اولی نبی میں اور حضرت عمر نومسلم غیر معصوم اُمتی دونوں میں کیا مقابلہ خلیل اللہ نے برائے تحقیق سوال کیا اور حضرت عمر نے بر بنائے تشکیک سوال کیا جتنا فرق

ابراہیمؑ اور عمر کی ذاتوں میں ہے اتنا ہی فرق دونوں سوالات ہے اولذکر سوال جواب پاکر شکرانہ ادا کرنا پڑا موخرالذکر کو کفارات کی سزا بھگتنا پڑی حضرت ابراہیمؑ نے بارگاہ ایزدی میں مودبانہ سوال کیا اور حضرت عمر نے بارگاہ رسالتؐ میں گستاخانہ استفسارات کیئے۔

کیا عمر فاروق نے وفات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا

سوال:۔ سنا ہے کہ فاروق اعظم کے اس قول پر بھی آپ لوگ اعتراض کرتے ہیں جبکہ فاروق اعظم نے (کہا) حضورؐ نے وفات نہیں پائی گویا کہ حضرت عمر نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کا انکار کیا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا کوئی شخص دیدہ دانستہ بھی وفات کا انکار کرسکتا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ فاروق اعظم نے یہ کلمات فرط محبت اور صدمہ جدائی اور انقلاب طبیعت کی وجہ سے کہے تھے۔

جواب:۔ سیاسی اغراض کو پانے کی خاطر لوگ ایسا بھی کرنا گوارہ کر لیتے ہیں۔ حضرت عمر کے انکار کو اہم واقعات کپس منظر اور آئندہ ردعمل کی روشنی میں جب دیکھتے ہیں تو ہمیں افسوس ہے نہ ہی فرط محبت کے جذبات نظر آتے ہیں اور نہ صدمہ وجدائی کے اثرات البتہ انقلابی طبیعت کسی حد تک درست ہے مگر یہ انقلاب سیاسی تھا نہ کی جذباتی۔

سوال:۔ بزعم شما شہادت حسینؑ پر اگر سیدہ زینب نوحہ ماتم واویلا اور گریبان چاک کرسکتی ہیں جن کے متعلق صراحتاً حضور علیہ صلوۃ والسلام سے منع ثابت ہے تو اس واقعہ

جانکاہ کی وجہ سے فاروق اعظم سے اس قسم کے الفاظ سرزد کیوں نہیں ہو سکتے۔

جواب:۔ بی بی زینب صلوٰۃ اللہ علیہا عرصہ دراز تک سوگوار رہیں اور وہ تمام رسومات ادا کرتی رہیں جو کوئی عزادار کیا کرتا ہے۔ لیکن حضرت عمر کا یہ نام نہاد صدمہ ایک گھنٹہ بھی جاری نہ رہا۔ نہ ہی ان کی آنکھوں سے آنسو بہے اور نہ ہی انہوں نے ماتم کیا نہ ہی حضورؐ کی تدفین میں شرکت کی بلکہ سقیفہ جا کر ایک پہلے سے مرتب کردہ تقریر کرنا چاہی حضرت عمر کی مبینہ صدماتی کیفیت اس قدر عجیب و مختلف ہے کہ اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

سوال:۔ فرمایئے حضرت عمر پر یہ کیفیت ہمیشہ تک کے لئے رہی یا وقتی طور پر اگر وقتی طور پر یہ کیفیت رہی تو کیوں قابل اعتراض ہے کیا وقتی طور پر کیفیات کا ظہور فطرت انسانی میں داخل نہیں؟

جواب:۔ حضرت عمر کی یہ کیفیت صرف اتنی دیر رہی جب تک ان کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی اور حضرت ابوبکر کے آتے ہی۔ ان کا صدمہ جاتا رہا۔ اور دفن و کفن کا انتظار کئے بغیر اپنے حصول اقتدار کی کوشش میں مصروف ہو گئے اور سقیفہ کے اکھاڑا میں دنگل کرنے چلے گئے فطری کیفیات کا ظہور عین ممکن ہے مگر جو کیفیت حضرت عمر پر طاری تھی اُسے فطری کہنا خلاف فطرت ہوگا۔ کیونکہ اس کیفیت کے اثرات اور بعد کے واقعات ثابت کرتے ہیں۔ کہ یہ ڈھونگ بھی ان سیاسی تدبیر میں سے ایک تھی جو حصول اقتدار کے لئے اختیار کی گئی تھیں ورنہ صدمے اس قدر عارضی نہیں ہوتے ہیں اور نہ ہی عزاداروں کے تیور ایسے ہوتے ہیں۔

سوال: اور اگر ہمیشہ تک فاروق اعظم پر یہ اثر رہا اور وہ اس کے قائل رہے تو کیا یہ قول روایات صحیحہ کے خلاف نہیں۔ جبکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے یہ آیت پڑھی۔ **وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل** تو فاروق اعظم نے فرمایا؛ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت آج نازل ہو رہی ہے۔ فاروق اعظم کے اس قول سے کیا آپ کے شبہات کی تردید نہیں ہوئی۔

جواب:۔ اس اثر کی ضرورت صرف آمد ابوبکر تک ہی تھی۔ لہذا اب ہم حضرت ابوبکر کے خطبے پر غور کرتے ہیں اس سے بھی ہماری دعوی کی تائید ہوتی ہے اور آپ کے شبہات کی تردید ہوتی ہے۔ کارکنان سقیفہ کا مقصد اول حصول اقتدار تھا لہذا انہوں نے تدبیر تفرقہ اختیار کی تاکہ اُمت میں پھوٹ پڑے اور اس میں ایک جماعت ان کی حامی کار بن جائے چنانچہ جونہی حضرت ابوبکر آئے تو حضرت عمر کو اشارہ کیا وہ خاموش ہوئے اور ابوبکر نے خطبہ دیا۔ علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ۔ حضرت ابوبکر خطبے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا اے لوگو تم میں سے جو محمدؐ کی عبادت کرتا تھا اسے جاننا چاہیئے کہ محمدؐ مر گئے اور جو خدا کی عبادت کرتا ہے وہ معلوم کرے کے خدا زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا اس امر کے لئے ضروری ہے کہ کوئی حاکم مقرر کیا جائے پس آؤ اور اپنی رائیں دو لوگوں نے کہا تم نے یہ درست کہا۔ ہم اس میں مشورہ کرتے ہیں۔ (صواعق محرقہ المقدمتہ الثانیہ ص ۵)

اب یہ تدبیر بھی بغور دیکھئے کہ حضرت ابوبکر نے اُمت کی تقسیم کر دی ایک طبقہ وہ قرار دیا جو سوگوار تھا اور موت رسولؐ پر رنجیدہ تھا۔ دوسرا وہ جوان حضرات کے ہمراہ تکمیل مقصد میں شریک کار تھا۔ ماتم داروں سے علیحدہ تھا۔ ان کا انہماک ہی دوسری طرف تھا اور جو طبقہ تخت پر نگاہ رکھے ہوئے تھے

حضرت ابوبکر نے ان کو خدا کا عبادت گذار کہا ہے کیونکہ خود سے متعلقہ تھا دوسرا عزادار گروہ کو محمدؐ کا پرستار قرار دیا تا کہ لوگوں کو ادھر شامل ہونے میں تامل ہو جائے اس میں ایک راز مضمر تھا فطرت انسانی ہے کہ مرنے والے کیساتھ ہمدردی ہو جاتی ہے اور وہ ہمدردی و محبت اس کی اولاد و اقرباء کی طرف عود کر جاتی ہے۔ اُمت میں رحلت رسولؐ نے کہرام پیدا کر دیا لوگ محبوب رسولؐ کے احسانات یاد کر کے رو پیٹ رہے تھے بڑا نازک وقت تھا کھٹکا لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ متوفی کے اہل بیت کی طرف جذبات محبت و ہمدردی انتقال کر جائیں حضرت ابوبکر نے فوراً محبت رسول کو عبادت سے تعبیر کر کے اسے مکروہ بنانے کی کوشش کی اور اس کی کراہیت میں اضافہ یوں کیا۔ کہ اسے عبادت الٰہی کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا جس سے اتحاد مجروح ہوا۔ اختلاف نے جنم لیا اور اس طرح سوچا سمجھا منصوبہ کامیاب ہو گیا پس یہی اس آیت کی تلاوت کا راز تھا ورنہ آیت عمر کو بھی یاد تھی۔

فضائل سیدنا عثمان کے متعلق بحث!

سوال:۔ فرمایئے سیدنا عثمان کے متعلق آپ حضرات کا کیا عقیدہ ہے کیا آپ کے نزدیک وہ صاحب ایمان تھے یا نہ اور وہ دنیا کے اندر صادقین کے گروہ سے تھے یا نہ اگر جواب اثبات میں ہے تو فہو المقصود۔

جواب:۔ ہر وہ شخص جس نے ثقلین سے تخلف کیا ہمارے نزدیک کامل الایمان ہر گز نہیں ہے حضرت عثمان بن عفان کے متعلق ام المومنین بی بی عائشہ کا فتویٰ اب تک مسند احمد حنبل میں موجود ہے کہ وہ کیا کرتی تھیں کہ "اس نعثل کو قتل کر دو یہ کافر ہو گیا" بہر حال ہمارا جواب اثبات میں نہیں ہے۔

سوال:۔ اگر جواب نفی میں ہے تو فرمایئے فروع کافی کتاب الروضہ ج ۳

ص ۹۹ کی ذیل کی عبارت کا کیا جواب ہے؟

دنیاوی منادفی اخرالنهار الاان عثمان و شعیته هم الفائزون

اور ندا دینے والا دن کے آخر حصے میں نداز دیتا ہے خبر دار حضرت عثمان اور اسکے تابعدار وہی کامیاب ہیں

جواب:۔ اس عبارت کا جواب ہم نے ذکاء الافہما میں پہلے ہی دیدیا ہے کہ یہاں عثمان بن عفان مراد نہیں ہیں۔

سوال:۔ جب امام معصوم نے سیدنا عثمان اور ان کی جماعت کے فائز المرام ہونے کے متعلق فرمادیا اور قرآن مجید میں اصحابہ الجنۃ کو فائزین قرار دیا گیا ہے کو (تو) نص قرآن یہ ثابت نہ ہوا کہ سیدنا عثمان اور ان کا گروہ خالص جنتی ہیں

جواب:۔ امام معصوم نے ہرگز حضرت عثمان اور ان کی جماعت کے فائز المرام ہونے کے متعلق نہیں فرمایا ہے جب قول بمطابق واقعہ ہی نہیں تو کیسے ثابت ہو گیا کہ عثمان اور ان کا گروہ خالص جنتی ہے ہم آئندہ اعتراض کے جواب میں پوری روایت نقل کر رہے ہیں تا کہ ناظرین پر حقیقت آشکار ہو سکے۔

سوال:۔ فروع کافی کی مذکورہ عبارت میں جہاں سیدنا علی اور ان کی جماعت کو کامیاب کہا گیا ہے وہاں حضرت عثمان اور ان کی جماعت کو بھی کامیاب کہا گیا ہے فرق

صرف اتنا ہے کہ سیدنا علیؓ اوران کی پارٹی کی کامیابی کا اعلان ہر صبح کو ہوتا ہے اور سیدنا عثمان اوران کی پارٹی کی کامیابی کا اعلان دن کے آخری حصے میں تو فرمایئے ایک پارٹی کے ایمان کا اقرار کیوں اور دوسری پارٹی کے ایمان کا اقرار (انکار) کیوں؟

جواب:۔ پہلے گذارش یہ ہے کہ یہ روایت فروع کافی میں موجود نہیں ہے بلکہ کتاب الروضہ میں ہے جو الگ کتاب ہے۔ اور روایت میں یہ الفاظ علامات قیامت کے سلسلے میں لکھے گئے ہیں کہ قریب ظہور امام مہدی علیہ السلام آسمان میں منادی یہ ندا کریگا دن کے پہلے حصہ میں کہ بے شک علی علیہ السلام اور ان کے شیعہ کامران ہیں لیکن دن کے آخری حصہ میں ایک ندا کرنے والا یہ ندا کرے گا عثمان اور اس کے شیعہ کامیاب ہیں۔ اگر اس روایت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ اور ان کے شیعوں کی کامیابی کا اعلان آسمان میں دن کے ابتدائی وقت میں منجانب خدا ہوگا۔ لیکن حضرت عثمان کی پارٹی (بزعم شما) کی کامیابی کا اعلان شام کو ہوگا اور یہ ندا آسمان سے نہ آئے گی روایت کے الفاظ یوں ہیں۔

"محمد بن یحییٰ عن احمد بن محمدؒ عن ابن فضال عن ابی جمیلہ عن محمد بن علی الحلبی قال سمعت ابا عبداللہ علیہ السلام یقول اختلاف نبی العباس من المحتوم وخروج القائم من المحتوم قلت وکیف الندأ قال ینادی منادمن السماء اول النہار الا ان علیا علیہ السلام و شعیتہ ھم الفائزون قال وینادی منادا خرا لنہارالا ان عثمان و شیعتہ ھم الفائزون عدہ من اصحابنا"

پس معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ اور ان کے شیعوں کی کامیابی کا اعلان آسمان میں خدا کی طرف

ہوگا۔ جبکہ حضرت عثمان کا اعلان منجانب خدا نہ ہوگا لہذا کامیاب پارٹی شیعان علیؑ قرار پائے۔

سوال:۔ شیعہ جماعت متبعین اور مطیعین کو کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ متبعین کی تصریح سے متبوع کی امامت اور ان کے مقتدا ہونیکا اعلان ہوتا ہے پس اس روایت سے آپ کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ جس طرح سیدنا علی امام مقتدا رہبر اور پیشوا تھے اسی طرح سیدنا عثمان بھی ہادی مُرشد اور رہنما تھے۔

جواب:۔ اس بات کا جواب یہ ہے کہ احادیث رسولؐ سے ثابت ہے کہ علی علیہ السلام متقیوں کے امام مومنوں کے امیر اور مسلمانوں کے سردار ہوں گے جبکہ دوسری طرف حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کے مطیعین وہ لوگ ہوں گے جو دجال کے گروہ سے وابستہ ہوں گے۔ جیسا کہ امام اہلسنت علامہ ذہبی نے اپنی کتاب "میزان الاعتدال" میں حضرت حذیفہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جبکہ دجال خروج کریگا تو اس کے ساتھی حضرت عثمان کے متبعین و مطیعین یعنی شیعان عثمان ہوں گے۔ **"عن حذیفه قال رسول الله صلعم ازا اخرج الدجال تبعه من کان یحب عثمان"** (الا آیا ص ۱۶۹) پس شیعہ علیؑ اور شیعہ عثمان کا فرق بقول رسولؐ بشہادت راز دار رسولؐ حضرت حذیفہؓ بذریعہ امام ذہبی واضح ہو گیا کہ علیؑ کا گروہ فائزون کا ہوگا اور عثمان کا گروہ دجال کا ہوگا۔ فافہم۔

سوال:۔ بعض عالم نما جاہل یہ تاویل کرتے ہیں کہ سیدنا علیؑ اور ان کی جماعت کی کامیابی کا اعلان فرشتہ کرتا ہے اور سیدنا عثمان اور ان کی جماعت کے فائز المرام ہونیکا اعلان شیطان کرتا ہے پس اگر یہ تاویل مبنی بر صدق ہے تو میرا چیلنج ہے کہ فروع کافی کی

اسی روایت میں بقول امام معصوم ثابت کیا جائے اور منہ مانگا انعام لیا جائے۔

جواب:۔ روایت میں مرقوم الفاظ "من السماء" حضرت علیؑ کی پارٹی کے لئے ہیں اور حضرت عثمان کے متعلق ایسی آواز کا آسمان سے آنا ثابت نہیں ہے لہذا صاف معلوم ہوا کہ یہ آواز شیطانی ہی ہوگی خواہ وہ شیطان نبی آدمؑ سے ہوا یا غیر بنی آدمؑ سے پھر "**عدة من اصحابنا**" کے الفاظ سے فیصلہ ہوجاتا ہے کہ وعدہ (کامرانی) ہمارے اصحاب کے لئے ہے۔ پس جب وعدہ فائز المرا اصحاب آل محمد علیہم السلام سے مخصوص ہے تو ان کے غیر کا اخراج خود بخود ثابت ہوگیا۔ لہذا اسی روایت ہی سے ثابت ہوگیا کہ عثمان کے بارے میں آنے والی ندا صدائے شیطانی ہوگی۔ جبکہ بر ادیت اہل سنتہ بھی یہ ثابت ہے کہ جماعت عثمان کو گروہ دجال کی حمایت و تائید حاصل ہوگی۔ پس آپکا چیلنج ٹوٹ گیا اور مدعا ثابت ہوگیا اس لئے ہم اپنا انعام آپ سے یہی طلب کرتے ہیں کہ خدارا اس گروہ میں شامل نہ رہئے جو دجال کا گروہ ہے اور اپنی عاقبت اندیشی کا خیال کرتے ہوئے شیعان علیؑ میں آکر ٹکٹ حاصل کر لیجئے جو بقول حضرت ابوبکر پروانہ راہداری پل سراط ہے اللہ آپ کو ہدایت بخشے (آمین)

سوال:۔ برتقدیر کیا اس سے یہ ثابت نہ ہوا کہ شیطان بھی سیدنا عثمان اور ان کی پارٹی کی کامیابی کے اعلان پر مجبور ہوگیا اور اس کا ان کے ورغلانے کے متعلق کوئی داؤ نہ چل سکا جیسا کہ جنگ کے موقعہ پر جب شیطان نے ملائکہ کی فوجوں کو آسمان سے اترتا ہوا دیکھا تھا تو فوراً اس امر کا اعلان کردیا کہ اے میرے متبعین۔

انی اری مالا ترون انی اخاف اللہ و اللہ شدید العقاب

بلاشبہ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جسے تم نہیں دیکھ رہے میں خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سخت گیر ہے۔

جواب:۔ جب شیطان کے حسب خواہ اس کے چیلے یہ کام بطریق احسن سرانجام دے رہے ہیں تو پھر اس کو کیا ضرورت کو ورغلائے بلکہ وہ تو خوش ہے اور کامیابی کے نعرے اپنے گروہ کے متعلق لگا رہا ہے ورغلانے کی ضرورت تب ہوتی جب شیطان کی اپنی جماعت نہ ہوتی۔ البتہ ان نعروں سے دیگر لوگ ورغلائے جائیں گے جو ابھی تک اس جماعت سے لاتعلق ہیں۔

سوال:۔ کیا آپ شیطان کے اس اعلان کو مبنی برصدق سمجھتے ہیں یا مبنی بر کذب اگر یہ اعلان مبنی برصدق ہے تو وہ اعلان مبنی برصدق کیوں نہیں جب کہ حدیث شریف میں سیدنا عثمان کے فائز ہونے پر پورے قرائن موجود ہیں۔

جواب:۔ جس طرح منافق کی شہادت رسالت محمدؐ یہ مبنی برصدق ہونے کے باوجود خدا کے نزدیک کذب ہے اسی طرح ہم شیطان کی سچی بات کو بھی مبنی برصدق نہیں سمجھتے بلکہ یوں جانتے کہ "بغل میں چھری اور منہ میں رام رام" جب نیت میں فتور ہے تو سچ بھی جھوٹ ہی ہوتا ہے اور سچ کا تعلق سچے دل سے ہے حدیث میں حضرت عثمان کے فائز ہونے پر سوائے نام "عثمان" کے اور کوئی بھی قرینہ نہیں پایا جاتا ہے جبکہ علامات قیامت ہی میں ہے کہ ایک شخص منحوس از اولاد ابوسفیان بن حرب جسکا نام عثمان ہوگا۔ ظہور امام مہدیؑ کے وقت خروج کریگا اور وہ آٹھ ماہ تک برسراقتدار بھی رہیگا ہوسکتا ہے کہ یہ منادی اسی ملعون کے بارے میں ہو۔ واللہ اعلم۔

سوال:۔ کیا یہ ٹھیک ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ الصلوۃ

والسلام نے اپنی طرف سے وکیل اور ترجمان بنا کر بھیجا تھا یا نہ؟

جواب:۔ جی ہاں یہ ٹھیک ہے کہ حضورؐ نے حضرت عثمان کو اس کام پر مامور فرمایا مگر یہ حکم اولاً حضرت عمر کے لئے تھا مگر انہوں نے معذوری کا اظہار کر دیا اور سفارش کی کہ حضرت عثمان کو بھیجا جائے کیونکہ حضرت عثمان ان سے زیادہ با اثر تھے۔ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ اس وقت حضرت عمر نے بارگاہ رسالتؐ میں یوں عرض کیا۔ "مکہ میں میرے قبیلہ بنی عدی کی کوئی ایسی فرد نہیں ہے جو میری حفاظت کا ذمہ لے اور قریش سے میری عداوت اور ان کے خلاف میری سختی و تشدد پسندی ڈھکی چھپی ہوئی نہیں ہے مجھے تو ان سے اپنی جانی کا خطرہ ہے آپ عثمان کو بھیج دیجئے وہ مجھ سے زیادہ با اثر ہیں" تاریخ کامل جلد ۲ ص ۱۳۸ پس عثمان کے تعلقات کی وجہ سے ان کو بھیجا گیا۔

سوال:۔ اگر جواب نفی میں ہے تو اعلام الوریٰ غزوات حیدری، تفسیر کبیر کی روایات کا کیا جواب ہے؟

جواب:۔ جواب اثبات میں ہے۔

سوال:۔ اور اگر جواب اثبات میں ہے تو فرمایئے حضور علیہ السلام نے حضرت عثمان کو منتخب کس مصلحت کے پیش نظر فرمایا۔

جواب:۔ انتخاب نہیں فرمایا عمر کے بدلے قبول فرمایا چونکہ حضرت عثمان اور قریش کے باہمی تعلقات کشیدہ نہ تھے دونوں باہم شیر و شکر تھے۔ اور عثمان کو خطرہ جان نہ تھا لہذا حضورؐ نے ان کو بھیجا۔

سوال:۔ فرمائیے کہ سیدنا عثمان نے حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیغام کو پوری دیانت داری سے پہنچایا مداہنت سے کام لیا؟

جواب:۔ حضرت عثمان کے عقب میں آنحضرتؐ نے دس مہاجرین کا ایک اور وفد ارسال فرمایا۔ جب یہ لوگ مکہ میں پہنچے تو حضرت عثمان نے ابوسفیان اور دیگر قریش سرداروں کو آنحضرتؐ کا پیغام دیا مگر قریش نے ایک نہ سُنی اُن سب کو روک لیا۔ حضرت عثمان نے اپنے ایک عزیز ابان ابن سعید کے ہاں پناہ پائی باقی ماندہ اصحاب قریش کے رحم وکرم پر رہ گئے۔

سوال:۔ برسبیل شق ثانی ثبوت درکار ہے برسبیل شق اول آپ کے نزدیک غیر معتمد علیہ کیوں ہیں؟

جواب:۔ شق ثانی کو چھوڑیئے شق اول کے تحت غور کیجئے دس مہاجرین کا حضرت عثمان کے پیچھے روانہ کرنا کس مصلحت کے تحت تھا جبکہ ان افراد کو در اصل موت کے کنویں میں دھکیلنے کے مترادف تھا۔ ہم اس سے زیادہ کچھ کہنا پسند نہیں کرتے ہیں عمل رسولؐ اور دس آدمیوں کی یہ خطرناک مہم اعتراض کے لئے جواب مہیا کرتے ہیں۔ بس ذرا عقیدت کی پٹی اتار کر تحقیق فرمالیجیے۔

سوال:۔ بروئے کتب روافض مشرکین مکہ نے کیا جواب دیا اور حضرت عثمانؓ نے کیا کہا؟

جواب:۔ پیغام رسول مقبول سنکر قریش نے حضرت عثمان کو کہا کہ اگر تم طواف کعبہ کرنا چاہو تو کرلو لیکن حضرت عثمان نے کہا کہ میں رسول اللہ کے بغیر ایسا نہیں کرسکتا۔

سوال:۔ کیا یہ سچ ہے کہ حضرت عثمان نے حضورؑ علیہ السلام کی عدم موجودگی کے باعث طواف نہ کیا۔

جواب:۔ جی ہاں یہ بات صحیح مگر شاید دس مزید اصحاب کی موجودگی اس کا سبب بنی ورنہ لدھنیاوی عثمان کے دشمن نہ تھے۔

سوال:۔ کیا یہ صحیح ہے کہ قتل عثمان کی خبر کی بنا پر حضور علیہ السلام نے چودہ سو صحابہ کو بیعت کے لئے جمع فرمایا تا کہ قصاص عثمان کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے کیلئے تیار ہو جائیں۔

جواب:۔ جب حضرت عثمان اور دس دیگر اصحاب مکہ میں روک لئے گئے تو مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی حضرت عثمان اور دوسرے مہاجر قتل کر دیئے گئے ہیں چونکہ یہ لوگ نبی اکرمؐ کی طرف سے بسلسلہ سفارت بھیجے گئے تھے اور سفیروں کا قتل مسلمہ بین الاقوامی آئین کے خلاف تھا اس لئے اس غیر آئینی قتل پر مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور کہنے لگے ہم اس قتل کا بدلہ لئے بغیر مدینہ واپس نہیں ہوں گے حضورؐ نے مسلمانوں کو جنگ پر مصر دیکھا تو اس خیال سے کہ کہیں یہ وقتی و ہنگامی جوش اور ولولہ نہ ہو انہیں ایک ببول کے درخت کے نیچے جمع کیا اور ان سے اس امر پر بیعت لی کہ وہ جنگ چھڑ جانے کی صورت میں میدان سے منہ نہیں موڑیں گے اور پورے ثبات قدم کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ چنانچہ جابر بن عبداللہ کہتے ہیں "ہم سے رسول خداؐ نے اس بات پر بیعت لی کہ ہم فرار اختیار نہیں کریں گے" (تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۷۹) پس یہ بیعت ثابت قدمی اور استقامت جہاد کے لئے تھی نہ کہ قصاص عثمان کے لئے۔

سوال:۔ سیدنا علی مرتضٰے نے سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق فرمایا ہے۔

واللہ ما اقول للک ما اعرف شیا تجھلہ

ولااولک علی شی الاتعرفہ

خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ میں اپ سے کیا کہوں میں نہیں جانتا

کوئی ایسی چیز جس کو آپ نہ جانتے ہوں اور نہ ایسی چیز کی

راہنمائی کرسکتا ہوں جسکا آپکو علم نہ ہو۔

(بحوالہ نہج البلاغۃ جز ۲ ص ۸۴ مطبوعہ انقامیہ مصریہ)

کیا اس سے مساوات فی العلم والمعرفت ثابت نہیں ہوتی اگر ہمارا یہ استدلال واقع کیمابق ہے تو سیدنا علی کے اس ارشاد کا جواب دیجئے یا تو ان کی تکذیب کیجئے عثمان کو تسلیم کیجئے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

جواب:۔ یہ عبارت ان کلمات میں سے ہے جو عہد فتن میں حضرت عثمان کی وفات سے پہلے حضرت علی علیہ السلام نے سفیر کی حیثیت سے حضرت عثمان سے ارشاد فرمائے۔ ان الفاظ میں جو خلوص جھلکتا ہے اور جو محبت نظر آتی ہے اس کا رنگ ہستی وہی سمجھ سکتا ہے جو آداب سفارت سے آشنا ہو اس عبارت میں جناب امیر علیہ السلام نے انتہائی عمدہ طرز بیان میں تمام ہنگاموں اور شورشوں کی ذمہ داری حضرت عثمان کے سر مہذب الفاظ کے ساتھ رکھی ہے اور ان پر واضح کیا ہے کہ مجھے مکمل حالات سے بخوبی آشنائی ہے اور باوجود یہ کہ آپ پوری واقفیت رکھتے ہیں پھر بھی ان کا تدارک کرنے میں غفلت سے کام لے رہے ہیں۔ لہذا قوم کو فتنوں سے نجات دینے کے لئے عملی اقدام کیجئے کیونکہ آپ یہ کہنے

کے مجاز نہیں ہیں کہ حالات آپ کی لاعلمی کی وجہ سے کشیدہ ہوئے ہیں۔ بلکہ جسطرح مجھے صورت حالات سے پوری آگاہی ہے اسی طرح آپ پر بھی ہر چیز عیاں ہے اور عدم واقفیت کا عذر آپ پیش نہیں کر سکتے۔ پس آپ اس کہنہ سالی اور سال خوردگی کے عالم میں مروان کے ہاتھ کٹھ پتلی نہ بن جایئے۔ بلکہ ملی حالات کو سدھارنے کی کوشش کیجئے اور عوام کا مطالبہ تسلیم کر لیجئے۔ اس عبارت سے نہ ہی حضرت عثمان کی سیادت عملی وعرفی ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی حقیقت بلکہ تنقیص ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا صیاد نہیں شکار ہی دام میں آیا ہے۔

سوال:۔ اگر آپ اس کا یہ جواب دیں کہ سیدنا علی کو حضور علیہ الصلوٰۃ السلام نے الگ جا کر ایسے عوام (علوم) کی تعلیم دی تھی جس سے وہ سیدنا عثمان سے سبقت لے گئے تو سوال یہ ہے کہ سیدنا علی مرتضےٰ کے اس ارشاد کا کیا جواب؟

انک لتعلم مانعلم ما سبقناک الی شیء فنخبرک عنه ولا خلونا للنبی فنبلغه

(نهج البلاغه ج ۲ ص ۸۴)

بلاشبہ آپ وہی جانتے ہیں جو میں جانتا ہوں ہم سے آپ سے کسی چیز کی طرف سبقت نہیں لے گئے جس کی ہم آپکو خبر دیں اور نہ علیحدگی میں حضور علیہ السلام سے ہم نے کوئی ایسی چیز حاصل کی ہے کہ ہم آپ تک پہنچائیں۔

جواب:۔ اس عبارت کا ترجمہ معترض نے قطعا غلط کیا ہے ہماری گذارش ہے ہمیں وہ عربی

عبارت نشان دہی کروائی جائے جس کا ترجمہ معترض نے یوں کیا ہے اور نہ علیحدگی میں حضور سے ہم نے کوئی ایسی چیز حاصل کی ہے کہ ہم آپ تک پہنچائیں" عبارت کا صحیح مطلب اس طرح ہے"۔ جو آپ جانتے ہیں بلاشبہ وہی ہم جانتے ہیں کوئی بات ایسی ہے جسے ہم پہلے سے جانتے ہوں کہ اس سے آپکو باخبر کریں (یعنی آپ صورت حالات سے پوری طرح واقف ہیں) کسی بات میں ہم آپ سے جُدا ہوئے کہ اب وہ آپ کو بتا دیں (جس طرح ہم نے دیکھا) (وقد رایت کما رائنا کا جملہ معترض نے نہیں لکھا ہے)۔ پس اس عبارت سے بھی مطلب وہی ہے جو گزشتہ بیان میں عرض کیا مراد درپیش سیاسی صورت حال ہے نہ کہ علم و معرفت۔

سوال:۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ سیدنا علی کی نظر اور تھی اور حضرت عثمانؓ کی اور ان دونوں کے درمیان تو زمین و آسمان کا فرق ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ سیدنا علی کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے؟

وقد رائت کما رائنیا و سمعت کما سمعنا و صحبت رسول اللہ کما صحبنا۔ (نہج البلاغتہ ص ۸۴)

بے شک آپ نے ویسا دیکھا ہے جیسا کہ ہم نے دیکھا اور ویسا سنا ہے جیسا کہ ہم نے سنا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ویسی صحبت حاصل کی ہے جیسی کہ ہم نے کی ہے۔

جواب:۔ ایک جماعت طلبہ کے تمام طالب علم ایک ہی اُستاد سے ویسا ہی سنتے ہیں جس طرح

سب، ویسا ہی دیکھتے ہیں جیسے تمام ان کی صحبت بھی ایک ہوتی ہے لیکن ہر طالب علم کا ظرف حسب استطاعت ہوتا ہے فراست، لیاقت، ذہانت اور قابلیت میں سب برابر نہیں ہوا کرتے ہیں۔

سوال:۔ کیا اس سے زیادہ فضیلت کی کوئی بات بھی ہو سکتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے سیدنا عثمان کے نکاح میں عنایت فرمائیں۔

جواب:۔ اسلام میں رشتہ داری معیار فضیلت نہیں ہو سکتی مگر تقویٰ ساتھ۔ جبکہ رشتہ داری فضیلت ہی نہیں تو عثمان افضل کیونکر ہوئے۔ دوم یہ کہ جب بیٹیوں کی فضیلت ثابت نہ ہو تو داماد کی فضیلت کس طرح قائم ہوگی۔

سوال:۔ اگر آپ اس کے منکر ہیں تو فرمایئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سے زیادہ صاحبزادیوں کے منکر ہیں، یا تزویج سیدنا عثمان کے۔

جواب:۔ ہم جناب سیدہ فاطمہ الزہراء صلوٰۃ اللہ علیہا کو پیغمبر کی اکلوتی دختر مانتے ہیں۔

سوال:۔ اگر بنات اربعہ کا انکار ہے تو قرآن مجید کی اس آیت کا کیا جواب ہے جبکہ اس میں بنات بصیغہ جمع وارد ہے۔

قل لازواجک وبناتک ونساء المومنین

یدنین علیھن من جلابیبھن پ ۲۲ ص۔

اے محمد مصطفےٰ ﷺ اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مومنین کی بیویوں سے فرما دیجئے کہ اپنے دوپٹے اوڑھ لیں۔

جواب:۔ قرآن مجید میں اکثر واحد کے لئے جمع کے صیغے اور جمع کے لیئے واحد کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ عربی میں صوبجمع تین سے کم استعمال نہیں ہوتا ہے جبکہ حضرت لوط علیہ السلام کی دو بیٹیوں کے لیئے بھی اللہ نے صیغہ جمع مونث استعمال کیا ہے پھر یہ کہ ربیعہ بٹیاں بھی رواج عرب کے مطابق بنات ہی کہلواتی ہیں۔

سوال:۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہاں تو ایمان داروں کی بیویوں پر بنات کا اطلاق کیا گیا ہے ورنہ بنات سے حضور علیہ السلام کی بنات نہیں تو یہ تفسیہ بالسان حبیب کبریا اہل سُنت یا اہل تشیع کی کسی معتبر کتاب سے ثابت کیجئے اور منہ مانگا انعام حاصل کیجئے۔

جواب:۔ مکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے حضورؐ روحانی باپ ہیں لہذا ازواج محترمات کے علاوہ تمام عورتیں حضورؐ کی روحانی بیٹیاں ہیں۔ اور یہ وضاحت ہم زکا الافہام اور چودہ مسئلے میں کر چکے ہیں۔ یہاں ایک اضافی بات یہ کرتے ہیں کہ متفقہ امر ہے کہ آیت سورہ احراب کی ہے جو مدنی ہے اگر وقت نزول آپؐ کے زعم کے مطابق حضورؐ کی صاحبزادیاں اتنی تعداد میں تھیں کہ جن پر جمع کے صیغے کا اطلاق ہو جاتا ہے تو آپ تاریخ سے یہ ثابت کر دیجئے جبکہ رقیہ کا انتقال جنگ بدر کے روز ہوا اور جس وقت فتح بدر کی خوشخبری مدینہ پہنچی تو اس وقت بی بی رقیہ کی تدفین ہو رہی تھی۔ (تاریخ الخلفاء) اسی طرح بی بی زینب کا مدینہ آنا ہی ثابت نہیں ہے جیسا کہ ہشام کی روایت ہے

کہ ان کا دیور اُن کو مدینہ لا رہا تھا کہ راستہ میں ان پر حملہ ہوا اور حمل ساقط ہو گیا لہذا واپس مکہ چلی گئیں۔ پس وقت نزول صرف بی بی ام کلثوم اور جناب سیدہ طاہرہؑ کی موجودگی مدینہ میں ثابت ہوتی ہے جبکہ دو پر جمع کا صیغہ استعمال نہیں ہو سکتا ہے۔ سردار دو عالم ﷺ کی زبان وحی بیان سے ایسی تفسیر یوں ثابت ہوتی ہے کہ مشہور حدیث رسولؐ ہے کہ۔

عن ابی الحمرا اُن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لعلی ایت ثلثالم یو تهن احدولا انا اوتیت صهومثلی ولماوت انا مثلی اوتیت زوجته صدیقته مثلا انبتی ولم اوت مثلها زوجته واوتیت الحسن و الحسین هن صلبک ولم اوت من صلبی مثلها ولکن کم منی وانا منکم۔ (اخرجه ابو سعیدفی شرف النبوة والدیلمی فی فردوس الاخبار والا مام علی الرضانی مسنده)

ابوالحمرا سے روایت ہے کہ حضورؐ نے علیؑ سے فرمایا کہ تجھے تین ایسی باتیں دی گئی ہیں کہ کسی ایک کو بھی نہیں دی گئی اور مجھے بھی نہیں دی گئی ہیں۔

(۱) تجھے مجھ سا خسر دیا گیا ہے اور مجھے مجھ سا خسر نہیں دیا گیا۔

(۲) تجھے میری بیٹی جیسی صدیقہ زوجہ ملی ہے اور مجھے ویسی زوجہ نہیں ملی۔

(۳) اور حسنؑ و حسینؑ جیسے بیٹے تجھے دیئے گئے ہیں کہ میری پشت سے مجھے ویسے نہیں دیئے گئے لیکن تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔ (ارجح المطالب ص ۸۵۳)

حضورؐ کی فرمودہ حضرت امیرؑ کی اول خصوصیت سے ثابت ہوا کہ آنحضرتؐ سوائے حضرت علی

علیہ السلام کے کسی دوسرے کے خسر نہ تھے۔ اب جبکہ کتب سُنیہ ہی سے بالسان نبیؐ ایسی تفسیر دستیاب ہوگئی کہ جو ثابت کرتی ہے حضور کی دختر صرف سیدۂ طاہرہ ہی تھیں تو معترض سے بصد ادب ہم اس انعام کا مطالبہ کرتے ہیں وہ نصیحت رسولؐ کے مطابق متمسک بالثقلین ہونے کا اعلان فرما دیں۔

سوال:۔ اگر بزعم شما بنات سے مراد اُمت کی بیویاں تھیں تو نساء المومنین لانے کا فائدہ جب کہ از یاد عزت و توقیر جملہ مومنات کے لیئے حضرت کی طرف نسبت سے حاصل ہو چکی تھی۔

جواب:۔ اگر آپ کو باب مدینۃ العلم سے کچھ علم کی بھیک مل جائے تو ایسا اعتراض نہ کریں۔ پردہ کا حکم صرف بیویوں کے لئے نہیں ہے بلکہ تمام عورتوں کے لئے ہے۔ اسی لئے حضور پر ازواج و بنات کے الفاظ مجد اجد استعمال کئے اور اسی صورت میں چند آیات قبل حضور کو مزید شادی فرمانے سے بھی روک دیا گیا۔ اور آپؐ کی ازواج کے علاوہ امت کی تمام عورتیں آپؐ کی روحانی بنات قرار دیں۔ اور ان بنات میں نساء المومنین کو جدا کیا اور باقی عورتیں جو امت کی رشتہ میں مائیں بہنیں بیٹیاں تھیں ان کو شامل کر لیا۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو پردہ صرف بیویوں تک محدود رہ جاتا اور بیٹیوں و بہنوں اور ماؤں کے رشتہ سے منسلک عورتیں خارج ہو جاتیں پس حکم عام کی خاطر یہ انداز کلام استعمال کیا گیا۔

اعتراض:۔ حضور علیہ السلام کے فرمان کا کیا جواب ہے کہ آپ نے فرمایا۔

خدیجۃ را خدا رحمت کند از من طاہر و مطہر

بہم رسانیہ کہ او۔ عبداللہ بود و قاسم را آدر و

درقیہ و فاطمہ و زینب وام کلثوم ازاں بهم رسید نه۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۸۲)

خدیجہؓ پر خدا تعالیٰ رحمت کرے کہ مجھ سے اس نے طاہر و مطہر بچے ہیں کہ وہ عبداللہ و قاسم میں اور رقیہ اور فاطمہ اور زینب اور اُم کلثوم اس سے پیدا ہوئیں۔

جواب:۔ یہ روایت ضعیف و موضوع ہے اس کے قطعی ثبوت ہم نے چودہ مسئلے "میں تحریر کر دیئے ہیں ملاحظہ کرلیں"۔

سوال:۔ خدا اور اقول خدا اور قول رسول علیہ السلام کا یا تو اقرار کیجئے اور یا ان کے مقابلے میں آیت اور حدیث صحیح پیش کیجئے اور اگر تزویج عثمان رضی اللہ عنہ کا انکار ہے تو سیدنا علی مرتضےٰ علیہ السلام کے اس اعلان کا کیا مطلب ہے جبکہ جناب امیر نے جناب عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سامنے ان کی فوقیت اور برتری جتلاتے ہوئے یوں مدح سرائی فرمائی۔

انت اقرب الی رسول اللہ و شیجۃ رحم منہما و قدنلت من صہرہ مالم نیالا (نہج البلاغتہ ج ص ۸۵)

آپ حضور علیہ السلام کے ساتھ رحمی حیثیت کے پیش نظر ابوبکر و عمر سے زیادہ قریب ہیں۔ آپ کو حضور علیہ السلام کی دامادی کا وہ شرف حاصل ہوا کہ ان دونوں کو نہیں ہوا۔

جواب:۔ چونکہ رواج عرب کے مطابق ربیبہ بٹیاں بھی بنات ہی ہوا کرتی ہیں لہذا اس لحاظ سے حضرت علیؑ نے حضرت عثمان کی اس قرابتداری کا تذکرہ فرمایا ہے کیونکہ دونوں ربیبہ بٹیاں حضرت عثمان کے نکاح میں آئی ہیں۔ اور یہ اعزاز عتبہ و عتیبہ اور ابوالعاص کو بھی حاصل تھا جن کا ایمانی مرتبہ تھا ہی نہیں۔

سوال:۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ جن دو صاحبزادیوں سے سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح ہوا تھا وہ حضور ﷺ کی صاحبزادیاں نہیں تھیں تو نہج البلاغۃ کی مذکورہ عبارت کے حاشیہ ذیل کی تصریح کا جواب دیجئے۔

فلانہ تزوج بنتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رقیتہ وام ملثوم توفیت الاولی فزوجہ النبی بالثانیتہ (حاشیہ نہج البلاغہ ۲ ص۸۵)۔

پس اس لئے سیدنا عثمانؓ نے حضور علیہ السلام کی دونوں صاحبزادیوں رقیہ اور اُم کلثوم کیساتھ نکاح کیا جب پہلی وفات پاگئی تو حضور علیہ السلام نے ان کے ساتھ دوسری صاحبزادی کا نکاح کردیا۔

جواب:۔ حاشیہ نہج البلاغہ کی منقولہ بالا عبارت سے مراد مطلب ہے کہ چونکہ بی بی رقیہ اور بی بی اُم کلثوم حضور علیہ السلام کی پروردہ تھیں لہذا مروجہ زبان کیمطابق اُن کو بنات الرسول ہی کہا گیا ہے اہم نے نہ ہی ان نکاحوں سے انکار کرتے ہیں۔ اور نہ ہی ربیبہ بیٹیاں ہونے کا۔

سوال:۔ اگر سیدنا علی مرتضےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر اعتبار نہیں ہے تو سیدنا جعفر صادق کے فرمان کو یا تسلیم کیجئے اور یا جواب دیجئے۔

بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ از برائے رسول خدا از خدیجہ متولد ند طاہر و قاسم و طامہ و ام کلثوم و رقیہ و زینب۔

(حیات الغلوب ج ۲ ص ۷۱۸ مطبوعہ نولکشور لکھنو)۔

سند معتبر کے ساتھ امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طاہر و قاسم فاطمہ اور ام کلثوم اور رقیہ اور زینب پیدا ہوئیں۔

جواب:۔ ہم نے اپنی کتاب "چودہ مسئلے" کے سوال ۱۳ کے جواب میں ثابت کر دیا ہے کہ علامہ مجلسی نے جو حیات القلوب میں بیٹیوں کا ذکر کیا ہے اس کی بنیاد ایک راوی کی عایت پر ہے وہ راوی زبیر بن بکار ہے جو مشہور دشمن اہل بیتؑ ہوا ہے اور اسی روایت کی تردید میں علماء شیعہ کافی اثبات فراہم کر چکے ہیں۔

سوال:۔ فرمایئے سید مرتضےٰ اور شیخ طوسی کی تصریحات کا کیا جواب ہے۔

چار ورقہ دختر از برائے حضرت آ درو زینب و رقیہ و ام کلثوم و فاطمہ

(بحوالہ حیات القلوب ج ۲ ص ۷۲۸)

اور چار صاحبزادیاں حضور علیہ السلام کے خدیجہ سے اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائیں زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ۔

جواب:۔ محولہ عبارت ہم حیات القلوب جلد۲ ص۴۲۸ یا اس کے قریب ڈھونڈنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں تاہم جناب سید مرتضےٰ طاب ثراہ اور شیخ ابو جعفر طوسی علیہ الرحمہ کا قول صرف اس قدر ہے کہ حضور نے جب خدیجہ الکبریٰ سے عقد فرمایا تو وہ معظمہ عذرا تھیں جیسا کہ علامہ شہر آشوب نے لمناقب میں لکھا ہے۔ روی احمد الباذری وابولقاسم الکوفی فی کتابیھی والمرتضیٰ فی الشافی وابو جعفر فی التعلخیض ان النبی علیه السلام تزوجبھا و کانت عذرا یعنی احمد بلاذری اور ابوالقاسم الکوفی نے اپنی کتابوں میں اور سید مرتضے نے شافی اور ابو جعفر نے تلخیص میں لکھا ہے کہ حضورؐ نے جب جناب خدیجہ سے شادی کی تو وہ عذرا تھیں پس اس کے علاوہ کوئی امر سید مرتضےٰ اور شیخ طوسی کے کلام سے ثابت نہیں ہے لہذا پہلے حوالہ صحیح تحریر کیا جاوے پھر جواب طلب کریں۔

سوال:۔ ابی علی طبرسی کی اس تصریح کا جواب دیجئے

امارقیه بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم تفزوجھا عتبه ابی ابی لھب فطلقھا قبل ان یدخل بھا ولحتھا منه اذی فقال النبی صلی الله علیه وسلم الھم سلط علی عتبته کلبامن کلابک فقتنا وله الاسدمن اصحابه وه تزوجھا بعده بالمدیته عثمان ابن عفان فولدت له عهد الله ومات صگیر اواما کلثو فتزوجھا رقیه توفیت

عنده (اعلام الوری ص ۱۴۸)

بہر حال رقیہ حضور علیہ السلام کی صاحبزادی پس اس کے ساتھ
شادی کی بعد ابو لہب کے بیٹے نے پس اس نے دخول سے پہلے طلاق
دیدی اور عتبہ سے حضرت رقیہ کو کچھ تکلیف بھی پہنچی جس بنا پر
حضور علیہ السلام نے ان کے حق میں بد عا کی کہ یا اللہ! عتبہ پر
اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کر دے پس اسکو شیر کھا گیا
اسکے بعد سیدنا عثمانؓ سے انکا عقد ہوا ان سے عبداللہ پیدا ہوا جو
طفولیت کے وقت وفات پا گیا بہر حال ام کلثوم ان کے ساتھ سید
نا عثمان کا عقد ہوا
جنہوں نے سیدنا عثمان کے ہاں وفات پائی۔

جواب:۔ یہ قول دراصل مشہور سنی مورخ علامہ واقدی کا ہے جسے نقل کیا گیا ہے تاہم اس میں بھی صرف لفظ "بنت" جواب کے قابل ہے اور ہم یہ تکرار کرتے آرہے ہیں کہ رواج عرب کے مطابق ربیبہ "پر بنت" کا لفظ بلا جھجک مستعمل ہوسکتا ہے۔ کیونکہ بیبیاں آنحضرتؐ کے گھر پلی تھیں لہذا انہیں بنات کہا گیا ہے۔ واضح ہو کر عثمان کی شادی کے سلسلہ میں روایات میں سنگین اختلافات کتب فریقین میں پائے جاتے ہیں۔ اسی لئے علما کے نزدیک یہ مسئلہ متنازعہ فیہ ہے اور اسے کسی بھی طرف سے محبت قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک اختلافات دور نہ ہو جائیں۔ اس موضوع پر ہم نے تفصیلی بحث اپنی کتاب "چودہ مسئلے" کے تیرھویں سوال میں ہدیہ ناظرین کی ہے مطالعہ فرما لیا جاوے۔

سوال:۔ ملا خلیل قزوینی شاع اصول کافی کی عبارت کا جواب دیجئے؟

پس زادہ شد برائے اوازخدیجہ پیش از رسالت اوقام ورقیہ وزینب وام کلثوم وزادہ شُد برائے اور بعداز رسالت طیب و طاہر و فاطمہ (صافی شرح اصول کافی ص ۱۴۷ کتاب الحجۃ جز ۳ حصہ ۲ باب مولد النبی ووفاتہ)

پس دعویٰ رسالت سے پہلے حضور علیہ السلام کو سیدہ خدیجہ سے قسم رقیہ زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئے اور دعویٰ رسالت کے بعد طیب طاہر اور فاطمہ پیدا ہوئے۔

جواب:۔ اس عبارت کی اساس بھی زبیر بن بکار کی موضوع روایت پر ہے جسے ہم غیر معتبر کاذب اور دشمن آل محمد ثابت کر چکے ہیں۔ ملا خلیل نے خود اس روایت کو قبول نہیں کیا ہے ملاحظہ کیجئے (رجال کشی)

سوال:۔ صحاح اربعہ کی معتبر کتاب تہذیب الاحکام ج ا ص ۱۵۴ کی عبارت کا جواب دیجئے!

اللھم صلی علی القاسم والطاھرا بنی بنیک اللھم صلی علی رقیۃ بنت بنیک اللھم صلی علی ام کلثوم بنت بنیک

اے اللہ قاسم اور طاہر پر رحمت کر جو کہ تیرے نبی کے بیٹے ہیں۔

اے اللہ اپنی نبی کی بیٹی رقیہ اور اپنے نبی کی بیٹی ام کلثوم پر رحمت فرما۔

جواب:۔ چونکہ مذکورہ بیبیاں پروردہ رسولؐ ہیں۔ لہذا ہماری کتب میں ایسی عبارات موجود ہیں جیسے حسنینؑ کو فرزندان رسولؐ کہا جاتا تھا یا زید کو ابن محمد کہا گیا یا حضرت ابراہیم کو فرزند آزر فرمایا گیا۔ ایسی طرح بی بی رقیہ اور ام کلثوم کو بنت نبی کہا گیا جس طرح صلبی لحاظ سے حضور حسنینؑ کے باپ نہ تھے اور نہ ہی زید کے اور آزر ابراہیم کا باپ نہ تھا اسی طرح موضوعہ بیٹیوں کے بھی حضور حقیقی والد نہ تھے بلکہ سرپرست دپالنہار تھے۔

سوال:۔ فرمایئے صاحب اعلام الوریٰ کے محشی علی اکبر غفاری شیعہ نے اعلام الوریٰ کے حاشیہ ص ۱۴۷ میں جو تصریح کی ہے آپ کے پاس اس کا جواب ہے۔

زنیب اکبر بناتہ فلما اکرام اللہ رسولہ بنبوتہ۔ امنت خدیجۃ و بناتہ

سیدہ زینب حضورؐ علیہ السلام کی صاحبزادیوں میں سے بڑی صاحبزادی ہے

پس جب حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے شرف نبوت سے نوازا تو خدیجہ بھی ایمان لائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں بھی۔

جواب:۔ محشی کی تصریح قطعاً تاریخ کے خلاف ہے کیونکہ فریقین اس بات پر متفق ہیں کہ سیدہ خدیجہ کے ساتھ کوئی دوسری بی بی ایمان نہ لائیں روایات کے متناقص و متہافت ہونے باعث مکمل ہے

غفاری نے ازراہ کثرت خلط وقلت ضبط ایسا لکھا ہے کیونکہ مورخین کے اقوال اس باب خاص میں بہت مختلف ہیں اور ناقلین کو اقوال مذکورہ کی نقل مین اکثر وہاں واقع ہوتے ہیں بہر حال یہاں بھی مغالطہ لفظ ہی سے پیدا ہوتا ہے جس پر معروضات ہم اُوپر بیان کر چکے ہیں۔

سوال:۔ نیز یہ بھی بتایئے کہ حضور علیہ السلام (بناپر تصریح علی اکبر غفاری شیعہ) چالیس برس کی عمر کے بعد شرف نبوت سے نوازے گئے یا حضرت کریم روز اول سے نبی تھے؟

جواب:۔ حضورؐ روز اول ہی سے نبی تھے جس کی تصریح قرآن واحادیث سے ملتی ہے۔

سوال:۔ اگر روز اول سے نبی تھے اللہ بنوتہ کا کیا مطلب ہے۔ ذرا سوچکر جواب دیجئے؟

جواب:۔ اکرم اللہ بنوتہ کے معنی ہیں خدا نے اپنی نبوت کو عزت یا قوت بخشی۔ کسکو؟ رسولہ یعنی اپنے رسول کو معلوم ہوا کیا اس سے مراد اظہار نبوت ورسالت ہے۔ ورنہ حضورؐ رسولؐ و نبیؐ اس حکم اظہار سے قبل بھی تھے۔

سوال:۔ اگر پہلے سے نبی نہیں تھے تو کیا تھے ان کا مقام متعین کرکے دلائل مرحمت فرمایئے؟

جواب:۔ رسولؐ تھے اور ہیں جیسا کہ لکھا ہے فلما اکرم اللہ رسولہ کہ اللہ نے اپنے رسول کو نبوت کا

اعزاز بخشا یعنی بعث کا حکم کیا قرآن مجید میں ہے کہ تمام انبیاء سے رسالت محمدؐیہ کا میثاق لیا گیا۔ کتب سماویہ میں آنحضرتؐ کی نبوت کے بارہ میں بشارات و پشگوئیاں کی گئی ہیں اور خود حضورؐ کے ارشادات ہیں کہ آپؐ اس وقت بھی نبی تھے جبکہ آدمؑ پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ یعنی آدم ابھی خلق بھی نہ ہوئے تھے۔

سوال:۔ سیدہ خدیجہ کے متعلق آپ حضرات کا کیا خیال ہے کہ حضرت علیہ السلام کا جب ان کیساتھ عقد ہوا تو وہ بیوہ تھیں یا کنواری؟

جواب:۔ تاریخی روایات کے مطابق سنی شیعہ مکاتب فکر میں سے اکثر کا یہ خیال ہے ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ کا جب حضورؐ سے عقد ہوا تو آپ بیوہ تھیں لیکن مجیب کو اس سے اختلاف ہے میری تحقیق کے مطابق بی بی صاحبہ کنواری تھیں۔

سوال:۔ اگر کنواری تھیں جیسا کہ آپ کے بعض جہلا کا خیال ہے تو اس پر کوئی صریح دلیل از آئمہ کرام پیش کیجئے؟

جواب:۔ تاریخ کی روشن حقیقت پر بددیانت مورخین نے کچھ اس طرح مجاز کا دبیز پردہ ڈال رکھا ہے جس سے اچھے اچھے سمجھدار بھی فریب میں مبتلا ہو گئے۔ مورخین کی متفقہ یلغار نے صاحبان عقل و شعور کو بھی بے درست دپا کر دیا ہے اور پوری ملت اسلامیہ نے باور کر لیا کہ محسنہ اسلام خدیجہ طاہرہؑ حضورؐ کے عقد میں آنے سے پہلے بیوہ تھیں۔ چونکہ تاریخ کی تدوین اور کُتب کی تالیف آئمہ کے بعد ہوئی اور زمانہ آئمہؑ میں اس مسئلہ میں کوئی نمایاں اختلاف نہیں تھا اس لئے کسی ایسے امر پر جس پر نہ عقائد و ارکان کا انحصار ہے اور نہ ہی اس وقت موجود ہیں اس میں کوئی نزاع تھی آئمہ کا کوئی واضح ارشاد اس سلسلہ میں ملنا مشکل نظر آتا ہے لیکن بعد مسلمان سلاطین اور شاہان زمانہ کے متشدانہ طرز اور

بربریت نوازیوں کی وجہ سے آزادی تحقیق وتبصرہ پر پہرے بٹھا دیئے گئے۔ اس کے نتیجے میں تاریخی کذب وافترا کے پلندوں کو حقائق ومعاف کا ذخیرہ سمجھا جانے لگا لیکن پھر بھی حقیقت چھپ نہیں سکتی تھوڑی محبت اور غور وتامل سے جھوٹ کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ یہ موضوع نہ ہی اصول میں ہے نہ ہی فروع میں لہذا اس کی کوئی شرعی اہمیت نہیں ہے کہ دلیل صریح از آئمہ کرام پیش کی جائے چونکہ تاریخی اختلاف ہے لہذا اس کا جواب تاریخ ہی سے دیا جانا چاہیے اور تاریخ میں ورزہ بن نوفل کا یہ جملہ اب بھی محفوظ ہے کہ "اتحمدون ان نکوبلابعل" کیا تم یہ پسند کردے کہ وہ (خدیجہ) بغیر شوہر کے زندگی بسر کرے یہ فقرہ از خود بتاتا ہے کہ حضرت خدیجہ کی پہلے کوئی شادی نہ ہوئی تھی ورنہ صاحب اولاد دفعہ کی بیوہ عورت کے لئے ایسا کلام نہ کیا جاتا۔

سوال:۔ نیز اعلام الوری ص ۱۴۶ کی اس عبارت کا بھی جواب عنایت فرمایئے۔

کانت قبله عندعتیق بن عائد المخروصی
فولدت له جاریه ثم تزوجها ابوهالة الاسدی
فولدت له هندابن ابی هالة

خدیجہ حضور علیہ السلام سے پہلے تعیق بن عائد مخزومی کے پاس تھیں وہیں سے ان کو لڑکی پیدا ہوئی پھر ان کے بعد ان کا نکاح ابوہالہ اسدی سے ہوا اس سے ہند ابن ہالہ پیدا ہوا۔

جواب:۔ شیخ طبرسی نے یہ عبارت اپنی طرف سے نہیں لکھی ہے بلکہ ابن سعد واقدی جو کہ مشہور علماء اہل سنت میں سے ہیں کا قول نقل کیا ہے۔

سوال:۔ اور اگر بیوہ تھیں جیسا کے مطابق تحقیق ہے تو کیا ایسی بیوی سے آپ کے نزدیک ایسی صاحبزادی پیدا ہو سکتی ہے جو انبیاء کی طرح معصوم ہو یا نہ؟

جواب:۔ ہماری تحقیق کے مطابق بی بی خدیجہ بیوہ نہ تھیں باقی معصوم یا معصومہ کے والدین کا پاک ہونا ضروری ہے اور روایات کے مطابق کے جو کہ حضرت خدیجہ کی شادیاں منسوب کی گئی ہیں اس لحاظ سے سیدہ جیسی معصومہؑ کی ولادت مجروح ہوگی صرف بیوگی تو کوئی عیب نہیں ہے لیکن روایات کی ستم ظریفیاں اور بھی بہت کچھ چھپائے ہوئے ہیں۔ جنکا اظہار مناسب نہیں ہے۔

سوال:۔ اگر پیدا ہو سکتی ہے جیسا کہ سیدہ کا ظہور ان سے ہوا ہے جس کا کوئی فریق بھی انکار کرنے کی جرات نہیں کر سکتا تو کیوں کیا غیر معصوم سے معصوم ظہور جائز ہے۔

جواب:۔ غیر معصوم سے معصوم کا ظہور جائز ہے اور اسی طرح معصوم سے غیر معصوم کا ظہور بھی جائز ہے۔ جس طرح والد سید المرسلین جناب عبداللہ معصوم نہ تھے اور ابو طالب علیہ السلام بھی معصوم نہ تھے نیز یہ کہ بی بی زینب و ام کلثوم دختران سیدہ طاہرہؑ بھی معصوم نہ تھیں۔ لیکن ہمارے ہاں شرط ایمان و پاکیزہ ہونے کی ہے نہ کہ عصمت کی۔

سوال:۔ اگر جائز نہیں تو مسئلہ نسب انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے سلسلے میں اس قدر تعویق کیوں؟

جواب:۔ دستور اسلامیہ یہ ہے کہ ہر ذمہ داری صاحب ایمان کو سونپی جائے پس حجت خدا کی حفاظت کی ذمہ داری بھی صاحب ایمان پر ہی ہوگی کہ خدا کی سنت یہی ہے لہذا ہمارا اعتقار ہے کہ معصوم کے لئے ارحام بھی پاک ہی مقرر کئے جاتے ہیں۔

سوال:۔ اور اگر جائز نہیں تو یہ کیوں تسلیم ہے۔

جواب:۔ جواب دیا جا چکا ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ معصوم کے والدین بھی معصوم ہی ہوں البتہ پاکیزہ اور صاحب ایمان ہونا ضروری ہے۔

سوال:۔ پھر تصریح فرمایئے معصوم کے دونوں والدین کا ایمان آپ کے نزدیک ضروری ہے اور ساتھ ساتھ معصومیت بھی یا کسی ایک کا اگر دونوں کا ہے تو یہاں اس شرط کا فقدان ہے جواب درکار ہے؟

جواب:۔ معصوم کے دونوں والدین کا ایمان نزدیک ضروری ہے لیکن عصمت دونوں کے لئے ہی ضروری نہیں ہے اور ہماری شرط پوری ہو جاتی ہے کہ حضورؐ اور ام المومنینؓ کا ایمان بمطابق شرط مطلوب ہے اور عصمت شرط ہی نہیں ہے۔

سوال:۔ اور اگر دونوں میں سے ایک فرد کا ایمان دار ہونا ضروری ہے تو ترجیح بلا مرجح کیوں؟

جواب:۔ دونوں کا ایماندار ہونا ضروری ہے لیکن معصوم ہونا کسی کے لئے بھی ضروری نہیں ہے۔

سوال:۔ پھر یہ بھی تصریح کیجئے کہ مولود کی معصومیت کیلئے والد کا معصوم ہونا ضروری ہے یا والدہ کیا؟

جواب:۔ کسی کا معصوم ہونا ضروری نہیں ہے۔

سوال:۔ اگر والد کا معصوم ہونا ضروری ہے تو ابو طالب کا ایمان از ابتدا نیز معصومیت ثابت کیجئے۔

جواب:۔ والد کا معصوم ہونا ضروری نہیں ہے اور ایمان ابو طالب ہمارے ہاں ثابت ہے۔ کفر ابو طالب پر کوئی صحیح دلیل نہیں ہے۔

سوال:۔ اور اگر والدہ کا معصوم ہونا ضروری ہے تو پھر سید زین العابدین کی والدہ حضرت شہر بانو کا معصوم ہونا نیز ابتدا سے ایماندار ہونا ثابت کیجئے۔

جواب:۔ والدہ کا معصوم ہونا بھی ضروری نہیں ہے البتہ بی بی شہر بانو کا ایماندار ہونا متفقہ امر ہے۔ اسلام قبول کرنے سے قبل بھی بی بی صاحبہ مروجہ دین الٰہی پر تھیں آپکا کفر و شرک ثابت نہیں ہے نیز یہ کہ پیدائشی طور پر کسی غیر معصوم کا مومن ہونا شرط بھی نہیں ہے۔

سوال:۔ سیدہ کا معصوم ہونا آپ کے نزدیک لغوی معنی کے ساتھ ہے یا اصطلاحی شرعی کے لحاظ سے؟

جواب:۔ دونوں معنی کے اعتبار سے ہم سیدہ طاہرہؑ کو معصومہ اعتقاد کرتے ہیں۔

سوال:۔ اگر لغوی طور پر ہے تو دلائل سے فیضیاب فرمایئے۔

جواب:۔ سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپؑ سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوا آپ بتول ہیں۔ اور صدیقہ طاہرہ ہیں۔ جنت کی سب عورتوں کی سردار ہیں۔

سوال:۔ اور اگر اصطلاحی شرعی لحاظ سے ہے تو پھر بتایئے کہ آپ کے نزدیک معصومین کی تعداد کیا رہے گی اور نیز غیر امام پر تو آپ معصومیت کا لقب استعمال نہیں کر رہے۔

جواب:۔ اصطلاحی معنی لینے کی صورت میں معصومین کی تعداد ۱۴ ہی رہی اور غیر امام پر بھی لقب معصومیت استعمال ہوسکتا ہے مثلاً ملائکہ آئمہ نہیں ہیں مگر معصوم ہیں۔ سیدہ طاہرا امام نہیں مگر معصوم ہیں ۱۴ کی تخصیص بھی اصطلاحی معنوں کے تحت ہے کہ مراد از خاتم الانبیاء تا مہدیؑ مراد ہیں۔ ورنہ حضورؐ سے قبل انبیاءؑ بھی معصوم ہیں۔

سوال:۔ اگر آپ یہ مکر کریں کہ اگر حضور علیہ السلام کی چار صاحبزادیاں ہوتیں تو مباہلہ کے دن ضرور ان کے ساتھ لاتے تو پھر ذیل عبارت کا جواب دیجئے؟

زینب درسال ہفتم ہجرت وبردایتے ورسال ہشتم برحمت ایزدی واصل شد دوم رقیہ درمدینہ برحمت ایزدی واصل شدد رہنگامے کہ جنگ بدر ردعاد سوم ام کلثوم کہ درسال ہفتم ہجرت برحمت ایزدی واصل شدہ (حیات القلوب ج ۲ ص ۷۱۹)

حضرت زینب ہجرت کے ساتویں سال ایک روایت میں ہے۔ آٹھویں سال فوت ہوئیں اور دوسری حضرت رقیہ مدینہ میں جنگ بدر کے موقعہ پر فوت ہوگئیں تیسرے ام کلثوم کہ ہجرت

کے ساتویں سال فوت ہوئیں۔

کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ مباہلہ سے پہلے باقی تین صاحبزادیاں وفات پا چکی تھیں؟

جواب:۔ ہماری طرف سے یہ اعتراض نہیں کیا جاتا ہے یہ درست ہے کہ بوقت مباہلہ تینوں بیبیاں وفات پا چکی تھیں۔

سوال:۔ کیا غزوات حیدری ترجمہ حملہ حیدری مطبوعہ لکھنو میں تصریح موجود نہیں کہ مباہلہ ۱۰ھ میں ہونے لگا تھا۔

جواب:۔ جی ہاں موجود ہے

سوال:۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ بنات رسول مقبول تو سادات میں سے تھیں اور حضرت عثمان اُمت میں سے تھے تو یہ نکاح کیسے ہو سکتا ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا سید القوم قریش میں سیدنا عثمان جب شامل ہیں تو مکر کیسا؟

جواب:۔ ہم یہ اعتراض بھی نہیں کر سکتے اس لئے کہ سرچشمہ سیادت ذات حضورؐ ہے جسے وہ سید بنا دیں ہمیں منظور ہے آپؐ نے حسنؑ اور حسینؑ کو سید الشباب اہل الجنۃ فرمایا ہم نے مان لیا۔ ان کے باپ علیؑ ابن ابی طالب کو اُن سے افضل قرار دیا۔ ہم نے تسلیم کیا۔ سیدۃ خاتون جنتؑ کو تمام جنت کی عورتوں کی سردار ارشاد فرمایا ہم نے مان لیا لوگوں نے بڈھے سردار بنانے چاہیے ہم نے نہ مانے کہ بڑھاپا نقص و مرض ہے اور پھر جنت میں کوئی بوڑھا جائیگا ہی نہیں پس چونکہ حضورؐ

نے نہ ہی عثمان کو اور نہ ہی ان کی ازواج و اولاد کو سید فرمایا ہے لہذا ہم بھی ان کو سید نہیں مانتے خواہ وہ سید القوم القریش ہوں یا اس بھی بڑے۔

سوال:۔ نیز بنات رسولؐ نے جب اپنے والد مکرم کا کلمہ پڑھ لیا تو بتائے آپ کے نزدیک وہ اُمت میں داخل ہوئیں یا نہ۔

جواب:۔ اُمت میں داخل ہوئیں۔

سوال:۔ اگر نہیں ہوئیں تو نفی میں دلائل دیجیے۔

جواب:۔ جواب اثبات میں ہے۔

سوال:۔ اگر ہو گئیں تو کیا یہ ٹھیک ہے کہ اُمتی کا نکاح اُمتی سے ہوا۔

جواب:۔ جی ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ کیونکہ ربیبہ تھیں۔

سوال:۔ فرمایئے میدان کربلا میں جو مستورات مقدسات بیوہ ہوئی تھیں ان کا نکاح کن حضرات سے ہوا؟

جواب:۔ اس اعتراض کا جواب بھی ہم نے ذکاوالا افہام میں دیدیا ہے کہ سیدانیوں کے نکاح سیدوں سے ہی ہوئے۔

سوال:۔ اگر آپ کے پاس حضور علیہ السلام کی کوئی ایسی حدیث ہو جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ آپ کی صاحبزادی ایک تھی تو پیش کیجئے۔

جواب:۔ رسول خداؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا "تجھے تین چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو کسی کو نہیں دی گئیں اور نہ ہی مجھے دی گئی ہیں (۱) تجھے مجھ ایسا خسر دیا گیا اور مجھے ایسا نہیں دیا گیا (۲) تجھے صدیقہ زوجہ دی گئی میری بیٹی جیسی اور مجھے ویسی زوجہ نہیں دی گئی۔ (۳) تجھے حسن و حسین دیئے گئے تیرے صلب سے اور مجھے ان دونوں جیسے میرے صلب سے نہیں دیئے گئے ہاں مگر تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہو (**کتاب اہل سنۃ والجماعت "ریاض النضر ہ فی مناقب العشر ہ مصنفہ محب طبری مطبوعہ مصر جلد نمبر ۲ ص ۲۰۲"**) فرمان رسولؐ سے ثابت ہوا کہ علی کو تین چیزیں دی گئیں وہ کسی کو بھی نہیں دی گئیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت علی کو رسولؐ جیسا خسر ملا یعنی سوائے حضرت علیؑ کے رسولؐ مقبول کسی اور کے خسر نہیں لہذا حضرت فاطمہ الزہراؑ کے سوا رسولؐ کی کوئی دختر نہ تھی اور یہ بھی ثابت ہوا کہ "صدیقہ" حضرت فاطمہؑ ہیں۔۔

سوال:۔ ازیں قسم سیدنا علی مرتضٰے سے تصریح دکھایئے اور منہ مانگا انعام لیجئے۔

جواب:۔ گذشتہ اعتراض کے جواب میں جو حدیث رسولؐ پیش کی گئی اس کے مخاطب جناب امیر المومنین علی علیہ السلام ہیں۔ صراحت خود بخود ثابت ہے انعام یہی مانگتے ہیں۔ کہ آپ بھی اس فرمان رسول کو تسلیم کر لیجیے۔

سوال:۔ ازیں قسم کوئی ارشاد سیدہ فاطمہ زہرا سے ثابت کیجئے ان کا فرمان ہو کہ میں اپنے والد مکرم کی اکلوتی بیٹی ہوں میری نسبی بہن کوئی نہیں ہے۔

جواب:۔ یہ تنازعہ زمانہ قرن اول میں وجود نہ رکھتا تھا بلکہ تیسری صدی ہجری میں اس مسئلہ کو پیدا کیا گیا اور جھوٹی روایات سے یہ افسانہ بنایا گیا جب سیدہؑ کے زمانہ میں ایسا کوئی جھگڑا ہی پیدا نہ ہوا لہٰذا ایسی صراحت کیوں طلب ہو رہی ہے مگر پھر بھی ایسے اثبات مل جاتے ہیں جو سیدہ کو اکلوتی بیٹی ثابت کرنے کیلئے کافی ہیں مثلاً جب دعویٰ فدک پیش کیا گیا خود حضرت ابوبکر نے سیدہ کو اکلوتی بیٹی قرار دیا۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر نے سیدہؑ طاہرہ سے کہا "پس اگر ہم ان (رسول اللہؐ) کا ذکر کریں تو تمام دنیا کی عورتوں میں ان کو صرف آپ کا باپ اور مردوں میں صرف آپ کے شوہر کا بھائی پائیں گے" (بلاغات النساء ابن طاہر بغدادی) حضرت ابوبکر کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور جناب سیدہؑ کے علاوہ دنیا کی کسی دوسری عورت کے حقیقی والد نہ تھے لہٰذا حضرت فاطمہ اکلوتی بیٹی تھی۔ یہ کلام براہ راست بی بی پاک کے ساتھ کی گئی سیدہؑ نے اعتراض نہ فرمایا جس سے دلیل قائم ہوئی آپ بھی اس کلام کی تائید میں تھیں۔ اگر کوئی اور نسبی بہن ہوتی تو سیدہؑ طاہرہ فوراً حضرت ابوبکر کو ٹوک دیتیں کہ میرے علاوہ فلاں بی بی ایسی ہیں جن کا باپ میرا باپ ہے۔ اسی گفتگو میں حضرت ابوبکر نے کہا ہے کہ "اے سب عورتوں میں سے بہترین مخدرہ اور نبیوں میں سے بہترین نبی کی لخت جگر تم اپنے قول میں سچی اور اپنی زیادتی عقل میں سب سے آگے ہو تم نہ حق سے روکی جاؤ گی اور نہ سچ بولنے سے باز رکھی جاؤ گی" پس اگر بات جھوٹی ہوتی تو سیدہؑ فوراً تردید کر دیتیں۔

سوال:۔ اگر آپ اس قسم کی تصریحات سے عاجز ہیں تو اپنی کتب معتبرہ سے کسی امام کی تصریح اپنے حق میں دکھا دیجیے۔

جواب:۔ ہم نے حضورؐ جناب امیر سیدہؑ کی تصریحات دکھا دی ہیں اب آپ مسند امام رضا علیہ السلام میں امام کی تصریح بھی اسی حدیث میں دیکھ لیجیے جو ہم نے اعتراض کے جواب میں نقل کی ہے۔

سوال:۔ کیا ہمارا یہ اندازہ صحیح نہیں کہ آپ محض عداوت عثمان کے سلسلے میں بنات النبی کا انکار کر رہے ہیں۔

جواب:۔ آپ کا یہ اندازہ بالکل غلط ہے بلکہ خاص تعصب اور گہری چال کی عکاسی کرتا ہے ہمیں کسی سے عداوت کے سلسلے میں اس کے تعلقات و رشتہ داری تبدیل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہے کیونکہ ہم رشتہ داری کو معیار فضلیت ہی قرار نہیں دیتے ہیں بلکہ ہمارے ہاں فضل کا انحصار نص اور تقوئی پر ہوتا ہے اگر ہم انکار بر بنائے عداوت کرنے کی روہ غیر معقول اختیار کرتے تو پھر سب سے پہلے حضرت ابوبکر اور حضرعمر کے خسران ہونے کا انکار کرتے۔ ابوسفیان کو سسر نبی نہ کہتے۔ معاویہ کو سالا نہ کہتے۔ محمد بن ابوبکر کو فرزند ابوبکر ہونے کی وجہ سے واجب الاحترام نہ سمجھتے یزید کے بیٹے معاویہ ثانی کو قدر کی نگاہ سے نہ دیکھتے اور زبیر بن عوام پر تنقید نہ کرتے ہمیں کسی کی رشتہ داری سے کوئی عداوت نہیں ہے بلکہ ہماری عداوت ومحبت کا مرکز مودت اہل بیتؑ ہے۔

سوال:۔ کیا آپ میں یہ جرات ہے کہ آپ شیعی کتب سے سیدہ خدیجہ الکبری کا یہ قول ثابت کردیں کہ یہ دونوں میری بٹیاں حضور علیہ السلام سے نہیں ہیں بلکہ حضور علیہ السلام سے پہلے خاوندوں سے ہوئی ہیں۔

جواب:۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی سالوں میں یہ جھگڑا ہی پیدا نہ ہوا تھا۔لہذا جب نزاع وقوع پذیر نہ ہوتو ایسی تصریحات کا مطالبہ خلاف دستور ہے۔ باقی بی بی خدیجہ تو بیوہ ہی نہ تھیں۔لہذ بیٹیوں کاذکر کیسا؟

سوال:۔ آخر وجہ کیا ہے کہ موجودہ دور کے اہل تشیع تعدد بنات کے انکار پر

مصریں اور سابق شیعی مجتہدین محققین وموثقین اقرار پر کمالاخفی علی ارباب البصیرہ التامتہ

جواب:۔ یہ تاریخی تحقیق ہے جس میں رائے کا اختلاف ہو ہی جاتا ہے تاہم جدید تحقیق کے مطابق علمائے اہل تشیع کا اتفاق ہے کہ مرحومہ بیٹیاں دراصل ربیبہ بٹیاں تھیں۔ شیعہ تو رہے ایک طرف خود سنی علماء بھی اسی تحقیق کے دعویدار ہیں جیسا کہ ابن ہشام نے سیرۃ میں، ابن حجر عسقلانی نے صابہ میں احمد طاہر فتنی نے سجار میں اور حسین دیار بکری نے تاریخ خمیس میں ان بیبیوں کو ربیبہ بٹیاں تسلیم کیا ہے۔

سوال:۔ کیا یہ صحیح ہے کہ سیدنا عثمان جب محصور تھے تو دروازے پر تبصرح حاشیہ نہج البلاغتہ پہرہ سیدنا حسنؑ اور سیدنا حسینؑ نے دیا تھا۔

جواب:۔ جی ہاں یہ صحیح ہے۔

سوال:۔ اگر یہ بات مطابق واقع ہے تو فرمایئے حسنین مکرمین پہرہ داری کے لئے خود بخود گئے تھے یا اپنے والد مکرمؑ کے امر سے۔

جواب:۔ اپنے والد کے حکم سے۔

سوال:۔ اگر خود بخود تشریف لے گئے تو امر الحسن والحسین ان یزبا الناس منہ کا کیا جواب ہے؟

جواب:۔ حضرت علی علیہ السلام کے حکم ہی سے حسنینؑ نے عثمان کی حفاظت کے لئے پہرہ دیا۔

سوال: سیدنا علی مرتضیٰ کا ان کو اتنا بڑی قربانی کے لئے بھیجنا کیا اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ سیدنا عثمان کا وجود ان کو اپنی اس اولاد سے بھی زیادہ تھا جو باتفاق مسلمین حضرت علی علیہ السلام کے بعد جسمانی طور پر شبیہ رسول مقبول تھے۔

جواب:۔ حضرت علی علیہ السلام کو حضرت عثمان سے اصولی اختلافات ضرور تھے لیکن وہ قطعاً اس رائے کے حق میں نہ تھے کہ عثمان کو بے دردی سے قتل کر دیا جائے لہٰذا انہوں نے وہ تمام طریقے استعمال کئے کہ مخالفین اور حضرت عثمان میں سمجھوتہ ہو جائے لیکن حضرت عثمان اپنی بات پر اڑے رہے۔ جب انکا محاصرہ ہوا تو خود حضرت عثمان نے جناب امیر علیہ السلام کو امداد و مشکل کشائی کے لئے پکارا بس امداد مانگنے پر جناب امیر علیہ السلام نے بسلسلہ پیاس حضرت عثمان کی امداد فرمائی اور حسنینؑ کو ان کی حفاظت پر مامور فرما دیا۔ یہ اس گھر کی خاص نشانی ہے کہ دشمن کو بھی مدد کرتے ہیں۔ معاویہ کے لشکر کو پانی لینے کی اجازت دی حُر کے پورے دستے کو سیراب فرمایا۔ حتیٰ کہ خود اپنے قاتل عبدالرحمٰن کو آب شیریں پلانے کا بندوبست کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اخلاقیات اپنی جگہ پر ہیں لیکن اصولی اختلافات اپنی جگہ پر قاتل کو شربت پلانے پر اگر کوئی یہ کہہ دے کہ حضرت علیؑ ابن ملجم پر خوش تھے اور حسنینؑ بھی راضی تھے کہ انہوں نے شربت پلا کر اس کی پیاس بجھائی تو یہ دلیل مبنی بر جہل ہوگی۔ اسی طرح جناب امیرؑ کا مصیبت میں حضرت عثمان کی مدد کرنا یہ دلیل نہیں ہے کہ حضرت عثمان کی پالیسیوں سے اتفاق تھا یا اُن کو بر سر حق سمجھتے تھے۔

سوال: کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ سیدنا حسن اور سیدنا حسین اپنے والد سمیت دین کے بقاو احیاء کے لئے اپنے نورانی وجودوں سے سیدنا عثمان کا وجود ضروری سمجھتے تھے۔

جواب:۔ جی نہیں ایسا سوچنا محض خوش عقیدگی ہوگا۔ دراصل اس واقعہ سے اسلامی تعلیمات اجاگر

ہوتی اگر مخالف بھی عالم بے کسی میں امداد کے لئے پکارے تو اس کی مدد کرنا چاہئے۔ اور انسان کا خون قیمتی ہے اس کو فضول نہیں بہانا چاہئے یہی عمل رسولؐ تھا کہ جانی دشمنوں تک سے اخلاق سے پیش آتے تھے۔

سوال:۔ اگر ارتکاب معصیت ہے تو معصومیت نہ رہی معصومیت کے فقدان سے امامت کا فقدان لازم آئے گا اور یہ سراسر آپ کے مسلمات کیخلاف ہے سوچکر جواب دیجئے۔

جواب:۔ کوئی بھی عقلمند شخص اس فعل کو گناہ نہیں کہہ سکتا ہے لہذا فقدان عصمت و امامت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔

سوال:۔ اور اگر یہ فعل حسن ہے تو حسن بعینہ ہے یا بغیرہ؟ ہر دو شقوں کو مفصل بیان فرما کر دلائیل سے بہرہ در فرمائیے۔

جواب:۔ "ڈوبتے ہوئے کو بچانا" یا کسی کی جان بچانے میں کوشش کرنا فعل حسن نفسہ ہے خواہ وہ دشمن ہو یا دوست حضرت عثمان کچھ بھی تھے لیکن انسان تھے اُن کے حقوق انسانیہ کا لحاظ کرتے ہوئے طلب امداد پر جناب امیرؑ نے ان کی جان بچانے کی کوشش فرمائی"

سوال:۔ سنا ہے کہ آپ حضرات سیدنا عثمان کے جنازے متعلق بھی طرح طرح کی بہتان تراشیاں کرتے ہیں کہ ان کا جنازہ نہ پڑھا گیا۔ کیا اہل سنت کی معتبر مشہور تاریخوں میں یہ سطور نہیں کہ ان کا جنازہ عبداللہ ابن زبیرؓ نے پڑھایا؟ جیسا کہ تاریخ اسلام مصنفہ معین الدین ندوی میں موجود ہے۔

جواب:۔ معین الدین ندوی کی تاریخ اسلام کا شمار اہل سنت کی معتبر د مشہور کتابوں میں ہرگز نہیں ہوتا ہے کسی پرانی تاریخ سے بروایت صحیحہ ثابت کیا جائے یا پھر سند معتبر اور توثیق مورخ سے آگاہ کیا جائے نیز یہ کہ سینکڑوں اصحاف رسولؐ کی موجودگی کے باوجود آخر عبداللہ ابن زبیر نے یہ کام کیوں کیا اور اکابر اصحاب نبیؐ سعادت سے کیوں محروم رہ گئے۔ عبداللہ ابن زبیر صحابی بھی نہ تھے اور نہ ہی ان کا اقتدار اس وقت مسلمہ ہے پھر بھی ہم مان لیں گے مگر تاریخ سے صحیح ثبوت دیا جائے معین الدین ندوی کی تاریخ ایک عام کتاب ہے اس سے استدلال لینا قلت دلیل کی دلیل ہے کسی ماخذ تاریخ کا نام لیجئے اور واقعہ کی صحت بھی ثابت کیجئے۔

سوال:۔ فرمایئے انسان کا بس اپنی زندگی تک چلتا ہے یا موت کے بعد بھی اگر موت کے بعد کی ذمہ داری بھی پڑتی ہے تو کیا معاذ اللہ کسی ایماندار کی زبان سیدنا حسینؑ کے متعلق کچھ کہہ سکتی ہے کہ شہادت کے بعد ان کے اور ان کے عزیزوں کیساتھ ظالموں نے کیا کیا اور سر مبارک کو کہاں کہاں تک لے جایا گیا؟

جواب:۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واقعہ اور حضرت عثمان کے واقعہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے حضرت امامؑ کی شہادت وطن سے دور عالم غربت میں جنگ کے میدان میں فوج سرکار کے ہاتھوں ہوئی اور شہادت کے بعد کوئی والی وارث موجود نہ رہا اور لواحقین کو قیدی بنالیا گیا۔ مگر حضرت عثمان کا قتل بحیثیت بادشاہ وقت حامل اقتدار و قوت ہوا اور یہ واقعہ عین مدینہ میں پیش آیا جبکہ تمام قریش اقارب و احباب موجود تھے حسینؑ کا کوئی دوست نہ تھا جبکہ عثمان کے دوستوں کی تعداد بہت کثیر تھی یا تو ان سب صحابہ کو مخالف عثمان مان لیجئے جو موجود تھے یا پھر تسلیم کیجئے کہ انہوں نے جان بوجھ کر جنازہ میں شرکت کی۔ اگر حسینؑ سے مثال دیں گے تو جس طرح سارے موجود افراد دشمن تھے

اسی طرح ماننا پڑیگا کہ سارے موجود اصحاب دشمن ابن عفان تھے جو آپ قبول نہ کریں گے۔

سوال:۔ اگر کہ ہے تو کیا ایمان کے تقاضے کے مطابق ہے؟

جواب:۔ پس جس طرح ہم کہتے ہیں کہ مخالفین حسینؑ نے تدفین نہ کر کے بے دینی کی آپ بھی مان جائیے کہ اصحاب نے اپنے مانے ہوئے امام سے بے وفائی کی۔

سوال:۔ اور اگر نہیں تو پھر سیدنا عثمان کے جنازہ اور ان کے وجود کے حصص کے متعلق بے جا کلمات کا استعمال کیوں؟

جواب:۔ اس لیے کہ حسینؑ کی نعش مبارک کا حشر باوجود میدان جنگ نرغہ اعدائے دیسانہ ہوا جیسا کہ تاریخ میں حضرت عثمان کی لاش کا منظر راوی مدینہ میں نظر آتا ہے تاریخی حقائق ہیں ہم اپنی طرف سے کوئی بے جا کلمہ نہیں کہتے ہیں سوائے حامیان کے کردار پر تنقید کرنے کے۔

مروان کو کیوں بلایا؟

سوال:۔ فرمایئے مدینہ سے اخراج کا حکم حضور علیہ السلام نے مروان کے لئے کیا تھا یا حکم کے لئے جو کہ مروان کا باپ تھا؟

جواب:۔ اخراج کا حکم تو حکم ہی کے لئے تھا مگر مروان اللہ کی لعنت میں اپنے باپ کیساتھ برابر کا حصہ دار تھا جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے امام نسائی کی ایک حدیث بی بی عائشہ سے نقل کی ہے" بلکہ رسول علیہ وسلم نے مروان کے باپ پر اس حالت میں لعنت فرمائی جبکہ مروان باپ کے صلبمیں تھا پس

مروان لعنت خدا میں حصہ دار ہے" (تفسیر ابن کثیر)

سوال:۔ اگر مروان کے لئے حکم اخراج فرمایا تھا تو بتایئے مروان سے کون سا جرم سرزد ہوا تھا اور مروان کی عمر اس وقت کیا تھی؟

جواب:۔ دجال پر جو کتب احادیث میں لعنت و مذمت کی احادیث ہیں بتایئے۔ اس نے بوقت ارشاد کیا جرم کیا تھا۔ جو جواب ہوگا۔ وہی مروان دجال کے بارے میں دھرا لیا جائے مروان ملعون کی عمر عہد نبوی میں تقریباً پانچ سال تھی۔ بعض لوگوں نے اُسے صحابی مانا ہے اور بعض نے تابعی مروان کے متعلق شاہ عبدالعزیز دہلوی لکھتے ہیں کہ "اہلبیت کی محبت فرائض ایمان سے ہے نہ کہ لوازم سنّت سے ہے۔ کہ مروان کو لعنت کرنا چاہیے" اور اس سے دل سے بے زار رہنا چاہیے علی الخصوص اس نے نہایت بدسلوکی کی حضرت امام حسین اور ان کے اہلبیت کیساتھ اور کامل عداوت ان حضرات سے رکھتا تھا اس خیال سے اس شیطان سے نہایت بیزار رہنا چاہیے (فتاوی عزیزی ص ۲۲۵)

سوال:۔ اہل السنۃ والجماعت کی کس معتبر کتاب میں یہ لکھا ہے کہ مروان کو صدیق و فاروق نے اپنے عہد خلافت میں پہلے سے کئی میل آگے دھکیل دیا تھا۔

جواب:۔ یہ بات مروان کے باپ حکم کے لئے لکھی گئی ہے اور عموماً واعظین اسے بیان کرتے ہیں گویا کہ کسی پُرانی تاریخ سے یہ بات نہیں ملتی ہے کہ شیخین نے مروان کو آگے دھکیل دیا لیکن ہندو پاکستان کی غیر معتبر کتابوں میں یہ بات مرقوم ہے تاہم مجھے خود ذاتی طور پر اس بات سے اتفاق نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر نے حکم و مروان کے لئے ایسا احکام جاری کئے ہوں البتہ یہ بات مسلمہ ہے کہ حضور نے باپ و بیٹے کو طائف کی طرف جلاوطن کیا۔ ملعون قرار دیا۔ حتیٰ کہ عثمان نے واپس بلایا۔ اور ایک

لاکھ روپیہ بھی ادا کیا۔اور مروان کو مشیر خاص و وزیر مقرر کیا۔

سوال:۔ اہل السنۃ کی اس معتبر کتاب کی نشاندہی فرمایئے جس میں علےٰ سبیل التصریح حضور کا فرمان مسطور ہو کر مروان کو مدینہ میں قدم رکھنے نہ دیا جائے

جواب:۔ امام ذہبی لکھتے ہیں کہ اس سال مروان کا والد حکم بن ابی العاص فوت ہوا۔ وہ فتح مکہ کے روز مسلمان ہوا تھا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے راز فاش کر دیا کرتا تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آنحضور کی رفتار مبارک کی نقلیں اُتارتا تھا۔ پس آپؐ نے اُسے طائف میں جلاوطن کر دیا۔ اور اس پر لعنت بھیجی۔ وہ جلاوطن ہی رہا حتیٰ کہ حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو اُسے مدینہ میں داخل کیا اور ایک لاکھ عطیہ اُسے دیا (العبر فی خبر من غبر جز اول ص ۳۲) جب جلاوطن کا حکم ثابت ہے تو جب تک حضورؐ سے معافی ثابت نہ ہو جائے اور واپسی کا حکم بزبان رسولؐ صادر نہ ہو جلاوطن کو مدینہ میں قدم رکھنے کی اجازت نہ ہوگی بصورت دیگر حکم رسول کی خلاف ورزی ہوگی۔

اب رہا یہ سوال کہ حکم مروان کے باپ کے لئے تھا تو اسکا جواب یہ ہے کہ حضورؐ نے لعنت میں اور جلاوطنی میں دونوں باپ بیٹوں کو شریک کیا جیسا کہ حضرت عائشہ نے کہا ہے کہ "**ولکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن ابا مروان و مروان فی صلبه فمروان فضض من لعنة الله** " (تاریخ الخلفا سیوطی) اسی طرح حضورؐ نے فرمائی "**وزغ ابن وزغ و ملعون ابن ملعون** " (چھپکلی کی اولاد چھپکلی اور ملعون باپ کا ملعون بیٹا) (ابن ماجہ ترمذی۔نسائی۔ ناصیہ عن ذم معاویہ) پس جب تک حضورؐ اپنا حکم واپس نہ لیں اخراج و لعنت برقرار رہے گی لہذا عدم معافی کی بنا پر بصراحت یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسولؐ کا حکم مروان اور اس کے باپ کے

لئے یہی تھا کہ وہ مدینہ نہ آئے پائیں اور ملعون رہیں۔

سوال:۔ جب سید عثمان مروان کو بلایا تو صحابہ کرامؓ اور عترت رسول مقبول میں سے کس نے انکار و اعتراض کیا؟

جواب:۔ حضرت عثمان کا حاکم اسلام بن جانا تاریخ اسلامی کا وہ حیرت ناک واقعہ ہے جس کی کوئی معقول توجیہہ آج تک کوئی نہ موافق کر سکا انہوں نے تمام عہدوں پر اپنے خاندان کے افراد کو فائز کیا اور جی بھر کہ کنبہ پروری کی۔ معمولی تنقید پر مقتدر اور جلیل الشان صحابہ کرام کو اذیت ناک سزائیں دیں۔ مروان کو بلانے پر عبداللہ ابن مسعود، عمار یاسر اور ابوذر غفاری وغیرہ کے شدید مخالفت کی مگر ان کا کوئی زور نہ چلا مسعوری کے مطابق طلحہ زبیر اور عبدالرحمان بن عوف وسعد وغیرہ بھی اس رائے کے مخالف تھے۔ مولوی کرم الدین دبیر نے خود ساختہ توضیح گھڑی ہے کہ جب صحابہ نے اعتراض کیا کہ مروان اور اس کے باپ کو کیوں واپس بلایا گیا ہے تو حضرت عثمان نے اُن سے کہا کہ میں نے حیات رسول میں ان کو حضورؐ سے معافی دلوادی تھی جس کا علم ابوبکر و عمر کو بھی نہ تھا۔ کچھ لوگوں نے عثمان کی اس بات پر اعتبار کر لیا۔ مگر اکثر صحابہ اس بات پر خفا رہے بنی ہاشم جن کو امور سلطنت سے بہت دور رکھا جاتا تھا اس حرکت کے خلاف تھے اس موضوع پر مفصل بحث مولانا مودودی نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں بھی کی ہے۔

سوال:۔ کیا یہ سچ ہے کہ مروان نے آتے ہی سیدنا علی کے ہاتھ پر بیعت ارشاد کر لی تھی؟

جواب:۔ جی نہیں یہ غلط ہے۔

سوال:۔ اگر مطابق واقع ہے تو بیعت کی وجہ سے آگاہ فرمایئے کہ آپ نے ایسے شخص کو ایسے حلقہ ارادت میں کیوں داخل فرمایا جو حضور کی نگاہ میں مطعون تھا؟

جواب:۔ یہ بات بالکل واقع کے خلاف ہے۔

سوال:۔ اور اگر سیدنا علی علیہ السلام نے مروان کو اپنے سلسلہ طریقت میں داخل نہیں فرمایا تو نہج البلاغہ کی عبارت ذیل کا کیا جواب ہے؟

جواب:۔ پہلے عبارت سے مطلع کیجئے پھر جواب طلب فرمایئے۔

سوال:۔ مروان جنگ جمل کے بعد جب سیدہ عائشہ کے لشکر سے گرفتار ہو کر سیدنا علی مرتضٰے کے پاس لایا گیا تو مروان نے رہائی کے لئے سیدنا حسن اور سیدنا حسین کی سفارش کے لیئے کن توقعات کی بنا پر عرض کیا تھا؟

جواب:۔ جنگ جمل میں جب مروان بن حکم گرفتار ہوا تو اس نے حضرت حسنین علیہما السلام کو امیر المومنین کے پاس سفارشی بنا کر بھیجا چنانچہ ان دونوں نے اس کی سفارش کی اور اسے امیر علیہ السلام نے مان لیا اسے رہا کر دیا۔ پھر دونوں شہزادوں نے عرض کیا کہ یہ آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہے۔ مگر حضرت امیرؑ نے اسے نامنظور کر دیا خاندان نبوت وارث رحمت ہے۔ ان کا کردار یہ ہے کہ ان کو کسی سے کوئی ذاتی عداوت نہیں ہے بلکہ ان کی دشمنی اسلام کی دشمنی پر ہے۔ ان کی مخالفت محض اصول کی بنا پر ہوتی ہے لہذا دستور شریعت ہے کہ جب کوئی تائب ہو تو اس کو معاف کر دیا جائے جس طرح حضور نے ابوسفیان جیسے دشمن کو معاف کر دیا تھا۔ اسی طرح جب مروان نے بظاہر معافی مانگ لی تو امامین نے اس کی سفارش کی۔ یہ عمل شرعاً جائز و مباح تھا۔ اس میں کوئی خطا نہ کی گئی۔ نہ ہی اس میں کوئی خصوصی

تعلقات کارفرما تھے۔ بلکہ ایک شکست خوردہ دشمن نے راہ راست پر آنے کا وعدہ کرتے ہوئے طلب کی تھی۔ اگر اس وقت اس کی یہ پیش کش ٹھکرا دی جاتی تو یقیناً غلطی ہوتی۔ کیوں کہ رسولؐ نے عمر بن خطاب اور ہندہ جیسے افراد کو معاف کر دیا تھا۔

سوال:۔ تعلقات کی تفصیل کے بعد یہ بھی واضح فرمایئے کہ حسنین مکرمین نے ایسے مطعون شخص کی سفارش اپنے والد بزرگوار کے دربار میں کیوں فرمائی؟

جواب:۔ حُجت خدا فطری طور پر حریص ہوتے ہیں اور ان کا یہ منشا ہوتا ہے کہ ہر کوئی ہدایت پا جائے چنانچہ اسی بات پر اللہ نے قرآن میں حضورؐ اکرم کو حریص فرمایا ہے۔ لہذا ایک گمراہ کو ہدایت کی راہ پر لانے کی خاطر امامین نے ایسا کیا کیونکہ امام کی بنیادی ڈیوٹی یہی ہوتی ہے۔ اسی لئے خود سُنی کتب میں ابوجہل جیسے مطعون شخص کیلئے حضورؐ کا بارگاہ الٰہی میں یہ سفارش و دعا فرمانا مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے مسلمان بنا دے۔ جب مروان نے راہ راست پر آنے کا وعدہ کر لیا تو پھر ایسی سفارش قابل اعتراض کیونکر ہوسکتی ہے؟

سوال:۔ اگر وہ مطعون اور قابل سزا تھا تو سفارش کنندگان کی معصومیت کے متعلق کیا رائے ہے؟

جواب:۔ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے جب نادام اعتراف گناہ کرے اور آئندہ محتاط ہونے کا عہد کرے تو اس کو معاف کرنا ہرگز معصومیت کیخلاف نہیں ہے ورنہ شرعی فتویٰ پیش فرمایئے۔

سوال:۔ اگر آپ کو ان باتوں سے انکار ہے تو نہج البلاغۃ ج اص ۱۲۰ الاستقامہ مصریہ کی عبارت ذیل کا کیا جواب ہے؟

قالوا اخذ مروان ابن الحکم اسیر یوم الجمل فاستشفع الحسن والحسین (علیہما اسلام) الی امیر المومنین (علیہ السلام) فکلماہ فیہ سبیلہ فقالا لہ یبالعیک یا امیر المومنین فقال علی (علیہ السلام) ولم یبایعنی قبل قتل عثمان (رضی اللہ عنہ)

معتبر راویوں نے کہا کہ جمل کے دن مروان ابن الحکم گرفتار کر کے سیدنا علی کے سامنے لایا گیا تو مروان نے حسنین کو رہائی کے لیئے سفارش پر آمادہ کیا کہ وہ اپنے باپ کو یہ کہہ کر اس کو چھڑا لیں۔ پس انہوں نے سفارش کی اور حضرت علیؑ نے مروان کو چھوڑ دیا پس حسنینؑ نے حضرت علیؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ اے امیر المومنین آپ کے ہاتھ پر مروان بیعت کریگا تو آپ نے فرمایا کیا اس نے قتل عثمان سے پہلے میری بیعت نہ کی تھی۔

جواب:۔ اگر کوئی شخص مندرجہ بالا عبادت نہج البلاغۃ میں بایں الفاظ دکھا دے تو ہم اس کو منہ مانگا انعام دیں گے ہمیں سخت افسوس ہے کہ لدھیانوی صاحب نے حسب عادت یہاں بھی خیانت سے کام لیا ہے اور ایک غلط محرف عبارت کو امام کے نام سے منسوب کر کے اپنا اُلو سیدھا کرنے کی کوشش کی ہے اصل عبارت مع ترجمہ درج ہے۔

قالوا اخذ مروان ابن الحکم اسیر یوم الجمل فاستشفع الحسن والحسین (علیہما السلام) الی امیر المومنین (علیہ السلام) فکلماہ فیہ فخلی سبیلہ فقالہ لہ یبالیک یا امیر المومنین فقال (علیہ السلام) ولم یبالعنی بعد قتل عثمان؟ لا

حاجة لی فی بیعته انها کف یهودیة لو بایعنی بیده لغدر بسبته ان له امرة کلعقة الکلب انفه وهو الا کبش الاربعة وستلقی الامة منه ومن ولده یوما احمر۔ (نہج البلاغہ ارشاد ۷۳)

کہا گیا ہے کہ جب مروان بن حکم گرفتار ہوا تو اس نے حضرات حسنینؑ کو امیر المومنینؑ کے پاس شفیع حدا بنا کر بھیجا چنانچہ ان دونوں نے اس کی سفارش فرمائی آپؑ نے اس سفارش کو مان لیا۔ اور اُسے رہا کر دیا۔ پھر دونوں (حسنینؑ) نے امیر المومنینؑ سے عرض کیا یہ (مروان) آپؑ کی بیعت کرنا چاہتا ہے! اس پر جناب علیؑ نے فرمایا کیا اس نے قتل عثمان کے بعد میری نہیں کی تھی؟ (نہیں اب) مجھے اس کی بیعت کی (ضروری نہیں ہے یہ ہاتھ بہت بڑے عہد شکن کا ہاتھ ہے ص ۱۲ اگر آج بیعت کریگا تو کل اسے توڑ بھی دیگا۔ خبردار یہ حکومت حاصل تو کرے گا مگر اتنی ہی دیر کے لئے جتنی دیر کتا اپنی ناک کو چاٹتا ہے۔ یہ چار سرداروں کا باپ ہے اور وہ دن بہت جلد آنے والا ہے جب مروان اور اس کے فرزندوں سے مسلمانوں کو روزِ سرخ دیکھنا پڑے گا۔

اب آپ خود اندازہ لگالیں اصل معاملہ کیا ہے؟ اور کس طرح لدھیانوی صاحب نے بعد قتل عثمان کو قبل قتل عثمان میں تبدیل کیا ہے۔ حضور شفیع المذنبین ہیں۔ اگر شفاعت گنہگاران خلاف عصمت ہے تو آنحضرتؐ کے بارے میں کیا رائے ہوگی! ص ۴۲ عربی مثال کف یہودیتہ، الی غادرۃ ساکرۃ یعنی یہودی اپنی بدعہدی میں مشہور ہے۔

فضائل سیدنا معاویہؓ

سوال:۔ آپ کے نزدیک حضرت معاویہ صحابہ رسول مقبولؐ میں داخل ہیں یا نہ؟

جواب:۔ ہمارے نزدیک معاویہ اصحاب میں داخل ہے۔

سوال:۔ اگر داخل نہیں تو کیوں؟ کیا انہوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں کفر سے توبہ اور ایمان کا اظہار نہیں کیا؟

جواب:۔ معاویہ اصحاب میں ضرور داخل ہے اور بظاہر اس نے حضورؐ کی خدمت میں کفر چھوڑ کر مسلمان ہونے کا اظہار کیا ہے۔ توبہ اور ایمان ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہے۔

سوال:۔ اگر آپ یہ کہیں کہ نہیں کیا تو سراسر خلاف واقع ہے کیونکہ سیدنا علی علیہ السلام نے ان سے مطالبہ بیعت ایمان وار سمجھ کر ہی تو کیا تھا سیدنا حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عالم اسلام کی پوری باگ دوڑ ایمان وار جان کر ہی تو سپرد کی تھی۔

جواب:۔ حضرت علیؑ نے اس سے مطالبہ بیعت ایمان وار سمجھ کر ہرگز نہیں کیا ہے اور نہ ہی امام حسنؑ نے اُسے کبھی کامل الایمان فرمایا ہے۔ ورنہ دونوں اماموں کی زبان سے بصراحت معاویہ کا کامل الایمان ہونا ثابت کیا جائے۔

سوال:۔ اور اگر آپ کو اقرار ہے تو ان کے سالم الایمان ہونے پر بھی ایمان ہے یا نہ؟

جواب:۔ ہم ہرگز معاویہ کو سالم الایمان نہیں سمجھتے ہیں۔

سوال:۔ اگر نہیں ہے تو اعتراض سابق پورے کا پورا عائد ہوگا سوچ سمجھ کر جواب دیجئے۔

جواب:۔ بیعت کا مطالبہ منجانب امام عادل بُرائے اطاعت ہوتا ہے اس میں مومن وغیر مومن یا مسلم وغیر مسلم کی شرط کا لحاظ نہیں رکھا جاتا ہے اسی لئے ذمیوں سے بھی عہد وفا لیا جاتا ہے اور امام عادل کی موجودگی میں بے ایمان کا بادشاہ بن جانا ممکن ہے ایسی صورت میں نہ ہی بادشاہ صاحب ایمان مانا جاتا ہے اور نہ ہی خلیفہ برحق کے استحقاق کو ضعف آتا ہے جیسا کہ فرعون بادشاہ تھا اور موسیٰؑ خلیفہ خدا تھے یا نمرود حاکم وقت تھا اور جناب خلیلؑ امام برحق تھے پس حکومت اور تخت وتاج دلیل ایمان نہیں ہوسکتی۔ حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ معاویہ مجبوراً (کرہا) اسلام میں داخل ہوا تھا۔ لیکن اپنی خوشی سے اسلام سے نکل گیا۔ کیا کُل ایمان کی یہ شہادت معاویہ کی بے ایمانی کے لئے کافی نہیں ہے۔

سوال:۔ اور اگر اقرار ہے تو وجوہ اعتراض کیا ہیں حوالہ کے لئے اہل السنت کی معتبر کتابیں تسلیم ہوں گی۔

جواب:۔ ہمیں سب سے بڑا بلکہ صرف ایک اعتراض ہے کہ معاویہ متمسک بالثقلین نہ تھا۔ متفق بین الفریقین احادیث ہیں کہ جس نے علیؑ پر سب کیا اس نے رسولؐ پر سب کیا علی سے لڑائی رسولؐ سے لڑائی ہے چونکہ معاویہ نے ساری عمر اہلبیتؑ رسول سے تخلف کیا لہذا وہ ہرگز مومن نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ ہمارے نزدیک اہل بیتؑ کی دشمنی ایمان کو کھا جاتی ہے۔ یہ ایسی مسلمہ بات ہے کہ کسی حوالہ کی ضرورت نہیں ہے۔

سوال:۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ حضرت معاویہ حضرت علیؑ کی طرح کاتب وحی تھے؟

جواب:۔ جی نہیں یہ بالکل جھوٹ ہے اور علمائے سُنیہ نے اس روایت کو تسلیم نہیں کیا ہے سوائے نواصب کے چنانچہ مولوی شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں صاف اقرار کیا ہے کہ معاویہ کا کاتب وحی ثابت نہیں ہے صحاح ستہ میں کوئی ایک بھی مرفوع حدیث جس کے راوی ثقہ ہوں نہیں ملتی ہے جو معاویہ کو کاتب الوحی ثابت کر سکے۔

سوال:۔ اگر حضرت رسُول مقبول ﷺ کے نزدیک معاذ اللہ کامل الایمان نہیں تھے تو آپ نے قرآن مجید کے لکھنے والوں کی صف میں انہیں بیٹھنے کا موقعہ کیوں دیا۔ اور معاذ اللہ نص قرآن دیمسہ الا المطہرون کیخلاف کیوں فرمایا؟

جواب:۔ اولاً معاویہ بن ابوسفیان کا کاتب الوحی ہونا ہی ثابت نہیں ہے۔ دوم قرآن مجید کی کتاب ایمان کی دلیل نہیں بن سکتا ہے کیونکہ کتابت کی ذمہ داری ایسے افراد پر بھی ڈالی گئی جو نقص الایمان تھے مثلاً حکم بن العاص اور عبداللہ ابن ابی سراح۔ ابومروان حکم طرید رسُول قرار پایا اور ابن ابی سراح مرتد ہو گیا جیسا کہ علامہ حافظ جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر در منثور میں بصراحت لکھا ہے **لائیمسہ الا المطہرون** سے یہ مراد نہیں ہے کہ ناپاک قرآن کو چھو نہیں سکتا ہے کیونکہ یہ بات خلاف واقع ہے لاکھوں کی تعداد میں غیر مسلم کفار قرآن کو چھاپ رہے ہیں۔ پڑھ رہے ہیں اور چھو رہے ہیں نص سے مراد ہے کہ مفاہیم ومضامین کی حقیقت سے آشنائی حاصل کرنا اور یہ شرف سوائے محمدؐ وآل محمد علیہم السلام اور اُن کے متمسکین کسی مسلمان کو بھی حاصل نہیں ہو سکتا خواہ وہ لاکھ مرتبہ قرآن کو پڑھ لے بلکہ حفظ بھی کر لے تب بھی کورا ہی رہے گا۔ نولکشور کے چھاپہ خانے میں ہندو کاتب بھی قرآن کی کتابت کیا کرتے تھے۔ اور آجکل دیگر غیر مسلم بھی پریسوں وغیرہ میں قرآن کی طباعت واشاعت میں کام کرتے ہیں۔ پس محض قرآن لکھ دینا کسی کے ایماندار ہونے کی دلیل ہو سکتا ہے۔

سوال:۔ اگر خاکم بدہن بر تقدیر مذہب شما تسلیم کرلیا جائے کہ حضور علیہ السلام نے قرآن مجید برائے کتابت ایک ایسے شخص کے سپرد کیا جو کامل الایمان نہیں تھا اور قرآنی نص کے خلاف کیا تو کیا اس سے حضور علیہ السلام کے مقام پر حرف نہیں آتا؟

جواب:۔ جب کتابت قرآن کے لئے صاحب الایمان ہونے کی شرط بھی منصوص نہیں ہوئی ہے تو پھر حضورؐ پر حرف کس طرح آسکتا ہے قرآن ایک تبلیغی کتاب ہے جب آپ اس پر ایسی پابندی لگا دیں گے کہ اُسے کوئی غیر مسلم چھوئے ہی نہیں تو پھر ہدایت کس طرح ہوسکتی ہے حضورؐ تو کفار کے نوٹس بورڈ پر آیات چیلنج کے طور پر تحریر کروادیا کرتے تھے جس کے مطالعہ کے بعد ان کو اعتراف کرنا پڑتا تھا کہ یہ کلام انسانی نہیں ہے۔فرمائیے جب سورہ کوثر کے آگے **وماھذا کلام البشر** کفار نے لکھا تھا تو سورۃ سے مس ہوئے تھے یا نہیں کیا کسی صحابی نے اعتراض کیا تھا کہ یا رسول اللہ قرآن کو تو غیر مطہر چھو نہیں سکتا اس نے قرآن کے آگے اپنی عبارت کیوں کر لکھ دی چونکہ کتابت قرآن کے لئے ایسا کوئی حکم ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ غیر مومن اس کو پڑھ یا لکھ نہ سکے لہذا حضورؐ نے ایسا کوئی فعل نہ کیا جو خلاف قرآن ہو۔شریعت کا حکم ظاہر پر ہوتا ہے تو جب کوئی شخص زبانی مسلمان ہونے کا دعویٰ کریگا تو اُسے اسلام میں دیگر مسلمانوں جیسے تمام مراعات حاصل ہوں گے تاوقتیکہ اس کا نفاق عیاں نہ ہوجائے حجت خدا اپنے علم خاص کا استعمال بلا مصلحت وضرورت نہیں کیا کرتے ہیں۔

سوال:۔ جب تاریخ الخلفاء میں مصرح ہے کہ حضرت معاویہ حضورؐ علیہ السلام کے کاتب تھے تو کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ کو کامل الایمان ہونے کے علاوہ حضور علیہ السلام دیانتدار متقی سمجھتے تھے ورنہ آپ نے غیر ذمہ دار انسان کو قرآن پاک کی کتابت کیوں سپرد فرمائی؟

جواب:۔ اگر کوئی شخص تاریخ الخلفاء علامہ جلال الدین سیوطی میں سیوطی کی عبارت سے ثابت کردے کہ معاویہ کاتب الوحی تھایا حضورؐ نے اُس سے قرآن مجید کی کتابت کروائی تو میں اُسے منہ مانگا انعام دوں گا۔ علامہ سیوطی نے بلاسند صرف یہ کلمہ لکھا ہے "وکان احد الکتاب الرسول اللہ" گو کہ مترجمین نے بغلی سُرخی "کتاب وحی کی خدمت" جمادی ہے لیکن متن میں اصل عبارت سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاویہ ایک میر منشی رہا تھا۔ چنانچہ شمس بریلوی مترجم تاریخ الخلفاء ص ۲۸۷ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں حضرت علامہ سیوطی کے الفاظ ہیں "**وکان احد الکتاب الرسول اللہ**" عام طور پر آپ کو کاتب وحی کہا جاتا ہے علامہ سیوطیؒ نے اس امر کی کوئی صراحت نہیں فرمائی صرف "**احد الکتاب**" تحریر فرمایا ہے اسی کا میں نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے کاتبوں محرروں میں سے تھے (جو رسول اللہ ﷺ) کے ان خطوط و فرامین کو تحریر کرتے تھے جو حسب ضرورت آنحضرت ﷺ ارسال فرمایا کرتے تھے۔ (شمس)

علامہ سیوطی اسی جگہ لکھتے ہیں کہ آپ (معاویہ) کی فضیلت میں بہت سی احادیث وارد ہیں لیکن ان میں سے بہ پایہ ثبوت کو پہنچنے والی بہت کم ہیں۔ امام ترمذی نے ایک حدیث حسن عبدالرحمان ابن ابی عمر کے حوالہ سے بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امیر معاویہؓ کے بارے میں دعا فرمائی کہ الٰہی معاویہ کو ہدایت یاب اور ہدات کرنیوالا بنادیجئے نیز امام احمدؒ نے اپنی مُسند میں عرباضؓ بن ساریہؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ الٰہی! تو معاویہ کو حساب کتاب لکھادے اور اس کو عذاب سے محفوظ رکھ (تاریخ الخلفاء ص ۲۸۷) ان من گھڑت روایات سے ثابت ہوا کہ معاویہ حساب کتاب کا کام کیا کرتا تھا۔ نہ کہ کاتب الوحی تھا۔ اور جس طرح حضورؐ نے ابوجہل کے لئے ہدایت پانے کی دعا کی تھی اسی طرح معاویہ کے لئے کی۔ اگر معاویہ دیانتدار اور متقی ہوتا تو حضورؐ اُس کی ہدایت یاب ہونے کی دعا نہ کرتے (بزعم شما) اور حساب کتاب سکھانے کی استدعا بارگاہ الٰہی میں نہ کرتے (بقول شما)۔

حضرت مالک ابن نویرہ رضی اللہ عنہ کو خود رسول مقبول ﷺ نے صدقات کی وصولی پر عامل مقرر فرمایا تھا حضرت ابوبکر نے انہیں مُرتد قرار دیکر قتل کروادیا۔ کیا حضورؐ نے غیر زمہ دار منافق کو اتنی بڑی ذمہ داری سونپی تھی تو حضرت ابوبکر کو ایک متقی و دیانت دار صحابیِ رسُول کا قاتل و ظالم تسلیم کر لیجیئے۔ یا پھر مان جایئے کہ زمانہ رسُول میں حضورؐ کی عطا کردہ ذمہ داری دلیلِ ایمان نہیں ہوسکتی جبکہ آنحضرتؐ کا حُسنِ سلوک سب کلمہ گو مسلمانوں کے لیئے مساوی ہوتا تھا اور تمام مراعات ان لوگوں کے ظاہری اسلام کے مطابق یکساں حاصل ہوتے تھے۔ پس اولاً تو معاویہ کا کاتب الوحی ہونا ہی بصراحت ثابت نہیں ہے اور اگر ہو بھی تو یہ بات اس کے ایمان کامل کی دلیل نہیں ہوسکتی ہے۔ کیونکہ بعد از رسُولؐ اس نے وہ احداث کیئے جن پر تاریخ اسلام شرماجاتی ہے۔

سوال:۔ جب قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری پروردگار عالم نے لے لی ہے تو بتایئے بر تقدیر نا اہلیت خدا تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی وساطت سے امر کتاب سید نا معاویہؓ کے سپرد کیوں ہونے دیا کیا یہ خلافِ حفاظت نہیں؟

جواب:۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حضورؐ نے امر کتابت معاویہ کے سپرد ہی نہ فرمایا۔ پھر یہ کہ حفاظت اور کتابت کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے قرآن کی حفاظت آج بھی خدا کر رہا ہے۔ لیکن کتابت آپ کسی بھی عربی محرر سے کرواسکتے ہیں اور غیر مسلم ممالک میں جہاں قرآن چھپتے ہیں۔ عموماً سارا عملہ غیر مومنین ہی کا ہوتا ہے پہلے آپ وہ توضیحات بتائیں جن کی بناء پر کتابت غیر مومن مانع حفاظت خداوندی ہوتی ہے۔ خدائی حفاظت کی شان تو تب ہی بلند ہوسکتی ہے کہ مخالفین اپنی کوششوں کے باوجود ان حفاظتی اقدامات کو نقصان نہ پہنچا سکیں اور اگر مخالفین اُدھر نگاہ ہی نہ اٹھائیں تو پھر حفاظت کا مزاہ کیا رہ گیا بلکہ اہمیت ہی جاتی رہی۔

سوال:۔ اگر آپ لوگوں کا زیادہ اعتراض اس پر ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے سیدنا علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کیوں نہ کی تو فرمایئے یہ مسئلہ سیدنا حسن کے سامنے بھی واضح تھا یا نہ؟

جواب:۔ مجھے معاویہ کی ہر حرکت بلکہ اس کے وجود پر ہی اعتراض ہے صرف بیعت نہ کرنا اعتراضوں میں سے ایک اعتراض ہے مگر میں اسے بنیادی مسئلہ نزاع نہیں سمجھتا کیونکہ دوسرے بھی کئی لوگ تھے انہوں نے بیعت نہ کی یا پھر بیعت کر کے توڑ ڈالی۔ امام حسنؑ اس امر سے خوب واقف تھے اور یہ مسئلہ اُن کے سامنے پوری طرح واضح تھا۔

سوال:۔ اگر نہیں تھا تو معاذ اللہ امامت اپنے پورے معنی میں سیدنا حسن پر صادق نہ آئی جبکہ شیعی مسلمات سے ہے کہ امام عالم ماکان وما یکون ہوتا ہے۔

جواب:۔ امام حسن علیہ السلام حقیقت سے بخوبی عالم تھے۔

سوال:۔ اور اگر واضح تھا تو آپ نے سیدنا علیؑ کی وفات کے بعد عالم اسلام کی تفویض فرما کر سیدنا معاویہؓ کے ساتھ مصالحت اور بیعت کیوں فرمائی! دیکھئے رجال کشی ص ۷۲ مطبوعہ بمبئی۔

جواب:۔ معاہدہ جنگ بندی سے امام حسن السلام نے معاویہ کو خلافت سپرد نہیں کی اور نہ ہی اس کی خلافت کو تسلیم کیا امام حسنؑ کے خط سے جو انہوں نے معاویہ کو لکھا ہے ظاہر ہے آپؑ نے اس خط میں واشگاف الفاظ میں تحریر فرمایا ہے۔ "اے معاویہ خلافت میرا اور میرے اہل بیت کا حق ہے تجھ پر اور تیرے اہل بیت پر حرام ہے جیسا کہ میں نے اپنے جد پاکؐ سے سنا ہے" (تاریخ حسن مجتبیٰ) اب مقام غور یہ ہے کہ جس چیز کو امام پاک حرام سمجھتے ہیں اور بقول رسولؐ حرام سمجھتے تھے تو اُسے کس طرح تسلیم کر سکتے تھے۔ شیعہ تو رہے ایک

طرف سُنی نکتہ نگاہ سے بھی معاویہ خلیفہ نہ تھا جیسا کہ مستند احادیث سُنیہ سے معلوم ہوتا ہے اور جن کے متعلق ابو الکلام آزاد نے اپنے مقالہ مسئلہ خلافت میں لکھا ہے کہ "اس بارے میں جو احادیث موجود ہیں وہ کثرت طرق شہرت متن قبول طبقات کی بنا پر حد تواتر تک پہنچ چکی ہیں" (مسئلہ خلافت ص ۱۰) علامہ سیوطی نے واضح لکھا ہے کہ معاویہ نے حضرت علی پر خروج کیا اور اسی طرح امام حسن پر خروج کیا نیز سیوطی نے یہ بھی قرار کیا ہے کہ معاویہ خلیفہ نہیں بلکہ بادشاہ تھا (تاریخ الخلفا ص ۲۹۳)۔

امام حسنؑ نے حکومت چھوڑ کر معاویہ کے ایمان کی ہرگز گواہی نہیں دی ہے امامؑ نے مجبور و مضطر ہو کر حکومت چھوڑی ہے تاکہ مسلمانوں میں خونریزی نہ برقرار رہے دو بظاہر نقصانوں میں سے ایک آسان نقصان کو پسند کیا۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ معاویہ جنگ کرنے اور خون بہانے پر مصر ہے اور اس سے باز نہیں آئے گا۔ پس امامؑ نے حکومت ظاہری چھوڑ کر اُمت کو مزید خون کی ہولی سے بچالیا اور اپنے نانا کا یہ قول سچ کر دکھایا کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے جو مسلمانوں کے دو گروہ عظیم میں صلح کا موجب ہوگا۔ "پس حسنؑ بلاشبہ اس صلح میں داخل ثواب ہیں اور اس فعل میں درستی اور نیکی پر ہیں اور معاویہ اس معاملہ میں خطا کار اور مستحق عذاب ہے اور اس معاملہ میں کوئی بزرگی اور کرامت نہیں (نصائح کافیہ ص ۱۵۲)۔

امام حسن علیہ السلام نے اپنی صلح سے حضور کی اس حدیث کی تصدیق فرمائی تھی کہ میرا یہ فرزند مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کا موجب ہوگا اس حدیث میں لفظ مسلمین خصوصی توجہ کا حامل ہے اور یہ لفظ تواتر کیساتھ کتب احادیث و تواریخ میں درج ہے مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم استیعاب جلد ا ص ۱۳۹۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۹۰، تاریخ ابوالفدا ا ص ۱۹۳، تاریخ خمیس ص ۳۲۳ وغیرہ)۔ لفظ "مسلم" کا اطلاق زمانہ رسول میں مومن و منافق دونوں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا پس اس حدیث سے گروہ نبی اُمیہ کے لئے جو بظاہر اسلام کا چولا پہنے ہوتے تھے مگر حقیقت میں مسلمان اور مومن کامل نہ تھے کوئی بزرگی اور

فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور معاویہ اور اس کے بہی خواہوں کے برحق ہونے اور سچے مسلمان کہلانے کی دلیل نہیں بن سکتی۔ اور نہ اس کی اطاعت کا اقرار فرمایا اور نہ ہی بیعت کی بلکہ محض خونریزی روکنے کی خاطر دیکھتے ہوئے کہ معاویہ کی سازشیں کارفرما ہیں اور مسلمان نصرتِ حق سے منہ موڑ رہے ہیں مجبوراً آپ نے اپنی بیعت کو ان کی گردنوں سے نکال لیا اور حکومت سے علیحدگی کی اختیار فرمالی۔ علامہ عقیلی۔ مشہور سنی عالم اس صلح کے متعلق لکھتے ہیں۔

"رسول اللہ نے روز حدیبیہ کفار سے اس امر پر صلح فرمائی کہ حضرت مع اپنے اصحاب کے مدینہ کو لوٹ جائیں۔ اور نہ حج کریں نہ عمرہ اور کفار قریش میں سے جو مسلمان ہو گئے وہ اہل مکہ کو واپس دے دیئے جائیں اور آئندہ سال بھی مکہ میں داخل نہ ہوں مگر صرف تین دن کے لئے اور وہ بھی صرف مسافروں کی طرح اور پھر باوجود ان سب باتوں کو قبول فرما لینے کے کفار مکہ صلحنامہ میں لفظ محمدؐ رسول اللہ لکھے جانے پر راضی نہ ہوئے اور حضرتؐ نے خود اس لفظ کو اپنے دست مبارک سے مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھوایا کیا یہ صلح رسول کی طرف سے حق اور کفار کی جانب سے باطل نہ تھی۔ اور ایسا ہی رسول اللہ نے عینیہ اور اقرع یہودیوں کے دو قبیلوں سے اس امر پر صلح فرمائی کے باغات مدینہ کے پھولوں کا ایک ثلث حصہ (۱/۳) ان کو دیا جائیگا۔

اور اگر وہ مع اپنے ساتھیوں کے ابوسفیان اور اس کے گروہ کی امداد سے ہٹ جائیں۔ سعد نے اشارۃً عرض کیا۔ اگر وحی اس کے خلاف نہ ہو تو اس کو ہرگز نہ چھوڑنا چاہیئے۔ حضرت نے اس رائے کو پسند کیا اور اس تجویز کو نہ چھوڑا۔ پس کیا یہ صلح اور یہ تجویز رسول اللہ کی برحق نہ تھی۔ فریق دوم کی طرف سے کذب بطلان پس اسی طرح امام حسن علیہ السلام کی صلح ان کی طرف سے حق ہے اور معاویہ کی جانب سے باطل ہے بے شک معاویہ زبردستی غلبہ کرنے والا۔ گنہگار تھا اس نے باوجود سینہ زوری سے حکومت

لینے کے جو عہد کیا تھا اس کو توڑ دیا کسی ایک شرط پر وفا نہ کی اس قضیہ صلح کا یہ سب حال فتح الباری شرح صحیح بخاری اور ابو جعفر طبری کی تاریخ طبری اور کامل ابن اثیر وغیرہ سے لکھا گیا ہے تا کہ معلوم ہو کہ امام حسن اس صلح کے لئے کس قدر مجبور ہو گئے تھے اور معاویہ نے اپنے عہدوں کو کس طرح توڑا۔" (نصائح کافیہ ص ۲۵۲) پس جس طرح حضورؐ کا کفار سے مصالحت کر لینا بیعت نہیں بلکہ معاہدہ امن ہے اسی طرح حسنؑ نے بڑے عمدہ شرائط کے ساتھ معاویہ سے پیمان امن فرمایا جس طرح حضورؐ نے خیبر و فدک وغیرہ کی اراضیات کے متصرف و مالک و فاتح و حاکم نہ ہونے کے باوجود کچھ شرائط کے تحت وہ علاقے یہودیوں کے قبضے میں دیدیئے اسی طرح امام حسنؑ نے مطلوبہ شرائط کا پابند بنا کر معاویہ کو امور سلطنت دیدئے امام حسنؑ کا یہ عمل عین بمطابق سنت رسولؐ ہے اور اگر امام پر اس فعل کی وجہ سے اعتراض ہو گا۔ تو یہ اعتراض حضورؐ پر ہو گا۔ اور جو جواب حضور کے لئے ہو گا۔ وہی نواسہ رسول کے لئے بھی ہو گا۔

سوال:۔ اور اگر آپ کو بیعت سے انکار ہے تو ذیل کی عبارت کا جواب خوش ہو کر دیجئے۔

قال سمعت ابا عبدالله ان معاويه كتب ابى الحسن بن على ان اقدم انت والحسين واصحاب على فخرج معهم قيس بن مسور بن عباده الانصارى فقدمو الشام فاذن لهم معاويه واعدلهم الخطبا فقال يا حسن قم فبايع فقام فبايع۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام سے سنا ہے

فرمایا کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت حسنؑ کو خط لکھا کہ آپ بمع حسینؑ اور حضرت علیؑ کے ساتھیوں کے تشریف لائیے پس ان کے ساتھ قیس بن مسور بھی چلے گئے اور ملک شام میں پہنچ گئے پس حضرت معاویہؓ نے ان کو آنے کی اجازت دی اور ان کے تعارف نیز مدح و توصیف کے لئے خطیب مقرر فرمائے پس امیر معاویہ نے فرمایا اُٹھیے اے حسنؑ بیعت کیجئے پس اُٹھے اور بیعت کی اسی طرح حسینؑ نے بھی بیعت کی۔

جواب:۔ اس روایت میں جو لفظ بیعت استعمال ہوا ہے اس سے یہ معنی مراد نہیں کہ خلیفہ یا پیشوائے دین سے اقرار و وفاداری کیونکہ معاویہ نہ ہی خلیفہ تھا اور نہ ہی دین کا امام کیونکہ جب کسی امام کی بیعت کی جاتی ہے تو اس کی اطاعت پر بیعت ہوتی ہے۔ نہ کہ اس کو اپنی شرائط کا پابند بنا کر بیعت کی جاتی ہے اور اسے کٹھ پتلی حاکم بنانے کی کوشش کی جاتی ہے چونکہ یہ مصالحت کا ایک عہد نامہ کے تحت ہوئی تھی لہذا یہاں بیعت کے اصل معنی یعنی "عہد و پیمان و معاہدہ" لئے جائیں گے۔ امامؑ نے تو یہاں تک شرط باندھ دی تھی کہ معاویہ خود کو امیر المومنین نہیں کہلوا سکتا۔ نیز یہ کہ گواہ اس کے دربار میں گواہی نہ دیں گے (تاریخ حسن مجتبیٰ) واضح ہو کہ منقولہ عربی عبارت میں امام حسینؑ کے بیعت کرنے کا ذکر موجود نہیں ہے معترض نے ترجمہ میں اضافہ کیا ہے۔

سوال:۔ اگر اس عبارت اور کتاب کے ثبوت پر اعتراض ہے تو اس کی تردید اسی کتاب یا اس سے معتبر کتابوں میں دکھایئے۔ اور جواب مرحمت فرمایئے۔

جواب:۔ اس عبارت کا ترجمہ صحیح کر دیجئے تو خود بخود تردید ثابت ہو جائے گی۔ باقی ثقہ

الاسلام محمد یعقوب کلینیؒ کی روایت کے یہ الفاظ اس کی تردید کے لیئے کافی ہیں۔ ان الحسن اشترط علی معاویۃ ان لا یسمیہ امیر المومنین یعنی امام حسن علیہ السلام نے بلاشبہ یہ شرط عائد فرمائی تھی کہ معاویہ اپنے آپ کو امیر المومنین نہ کہلائے کیا یہ شرط اس کی امارت کی تکذیب کے لئے کافی نہیں ہے۔

سوال:۔ نیز سیدنا حسنین مکرمین نے امیر معایہ کے اس حکم کی تعمیل فرمائی جبکہ ان کے لئے بحیثیت امامت ایسے حکم کا ماننا ضروری نہ تھا۔

جواب:۔ پہلے ہمیں اس حکم سے مطلع فرمایئے جو معاویہ نے دیا۔ روایت میں کوئی حکم موجود نہیں ہے بلکہ تحریراً درخواست کی گئی ہے کہ امامین تشریف لائیں۔ ان کا شاہانہ استقبال کیا لکھا جائے اور عہد نامہ پیش کرنے کی التماس کی گئی ہے اگر معاہدہ کے شرائط کو پیش کرنا حکم کی تعمیل سمجھا جائے تو یہ جلی جہالت وضلالت ہوگی۔

سوال:۔ اگر تشریف بھی لے گئے تو وہاں جائز انکار کیوں نہ کردیا تاکہ حق و باطل واضح ہوجاتا اور لوگ قیامت تک اس مغالطے سے بچ جاتے؟

جواب:۔ ہر ایک شرط جو امامٔ پاک نے رکھی معاویہ کی امارت کو ناجائز ثابت کرتی ہے اور امام برحق نے حق و باطل کا واضح فیصلہ فرمادیا ہے تمام شرائط کو معاویہ کا قبول کرلینا یہ دلیل ہے کہ وہ پہلے ان باتوں پر کاربند نہ تھا۔ مگر افسوس کہ اس نے ایک بھی وعدہ پورا نہ کیا۔

سوال:۔ اگر ان کے ایمان میں اس لیئے آپ حضرات کو شبہ ہے کہ انہوں

نے سیدنا علیؓ سے جنگ کی تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ پہلا حملہ سیدنا علیؓ نے امیر معاویہؓ پر کیا یا سیدنا معاویہؓ نے سیدنا علیؓ پر؟

جواب:۔ اوّلاً تو معاویہ امام عادل کا باغی تھا اور ایک سرکش گورنر تھا لہذا خلیفہ برحق کا فرض منصبی یہ ہے کہ بغاوت کو کچل کر باغی کو کیفر کردار تک پہنچادے اس لئے معاویہ اور امیر المومنین کو ایک سطح پر رکھ کر حملہ میں تقدم کا سوال کرنا خلیفہ راشد کی خلافت سے منکر ہو جانے کی دلیل ہے جو کہ عقیدہ سُنیہ کیخلاف ہے چنانچہ اہل سُنت کے آئمہ اربعہ میں کے امام اعظم جناب ابوحنیفہ کے نزدیک معاویہ ایسا باغی تھا جس سے قتال واجب تھا۔ امام ابوحنیفہ نے لوگوں سے سوال کیا کہ جانتے ہو کہ اہل شام ہمیں کیوں دشمن رکھتے ہیں۔ لوگوں نے نفی میں جواب دیا تو اس پر انہوں نے فرمایا اس وجہ سے کہ ہمارا یقین واعتماد ہے کہ ہم لوگ حضرت علیؑ کے لشکر میں ہوتے تو معاویہ کے خلاف حضرت علیؑ کی مدد کرتے اور علیؑ کی وجہ سے ان سے جنگ کرتے اسی وجہ سے شام والے ہمیں محبوب نہیں رکھتے (نصائح کافیہ۔ کتاب التمہید فی بیان التوحید) لیکن بہر حال جنگ کی پہل معاویہ نے کی اور فرات کا پانی بند کر دیا۔ بعد میں لشکر علیؑ نے گھاٹ پر قبضہ کیا۔ اگر حضرت علیؑ علیہ السلام نے معاویہ کے خلاف جنگ میں پہل بھی کی ہوتب بھی انہوں نے اپنا فرض پورا کیا ہے۔

سوال:۔ اگر سیدنا معاویہؓ نے آکر کوفہ پر چڑھائی کر دی تو یقیناً زیادتی حضرت معاویہؓ سے متصور ہوگی مگر اس کا ثبوت آپ پر ہوگا؟

جواب:۔ معاویہ نے کوفہ پر چڑھائی کر دی یا وہ شام میں امام عادل کیخلاف لڑا۔ دونوں صورتوں میں قصور وار ہے کیونکہ خلیفہ برحق کا باغی تھا۔ خلیفہ راشد نے اس کو معزول کرنے کے احکام صادر فرمائے تھے اور اس نے نامزد گورنر سہل ابن حنیف کی بے عزتی کی اور گفت وشنید اور

افہام و تفہیم کی تمام راہیں بند کر دیں۔ شام پر غاصبانہ قبضہ جما لیا مرکز کے خلاف شورش بر پا کر دی۔ قصاص عثمان کو وسیلہ بنا کر اہل شام کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔ اور جنگی ساز و سامان کی تکمیل کی گئی اور یلغار کرنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جب امیر المومنین کو شام کے باغیوں کے اس اقدام کا علم ہوا تو آپ نے اس پیش قدمی کو روکنے کے لئے شام کی جانب لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ خطبہ دیا کہ اے لوگو قرآن و سنّت کے دشمنوں کیطرف چل دو۔ مہاجرین و انصار کے قاتلوں کی طرف نکل کھڑے ہو ان درشت خو اور کمینہ فطرت لوگوں کی طرف جنہوں نے ڈر کے مارے بادل ناخواستہ اسلام قبول کیا تھا اور جنہیں محض دلجوئی کے لئے مسلمانوں کی صف میں شامل کیا گیا تھا۔ اُٹھ کھڑے ہوتا کہ وہ مسلمانوں کی ہلاکت و بربادی سے باز آئیں (**اخبار الطوال ص ۱۶۴**)

امیر المومنین کی فوج وادی نخیلہ میں اکٹھی ہو رہی تھی۔ کہ ایک شخص کے ذریعہ اطلاع موصول ہوئی کہ شامی فوجوں نے عراق سرحدوں کی طرف پیش قدمی شروع کر دی ہے حضرت علیؑ نے آٹھ ہزار کا ایک ہراول دستہ زیاد ابن نضر حارثی کی زیر سرکردگی اور چار ہزار کا ایک دستہ شریح ابن حارث کی زیر قیادت سرحدوں کی حفاظت اور فوج مخالف کی قوت و طاقت کا اندازہ لگانے کے لئے روانہ کیا اور انہیں ہدایت فرمائی کہ جب تک میرا حکم نہ پہنچے یا دشمن ابتدا نہ کرے تم جنگ نہ کرنا (**سیرت امیر المومنین ص ۵۷۳**) پس ثابت ہوا کہ پہلی پیش قدمی شامی فوجوں نے کی اور اس کی سرکوبی کے لئے امیر علیہ السلام نے اپنا لشکر روانہ کیا۔ اس لحاظ سے بھی معاویہ باغی، مفسد، دشمن قرآن و سنت، قاتل مہاجرین و انصار درشت خو کمینہ فطرت اور منافق ثابت ہے۔

سوال:۔ اور اگر سیدنا علیؑ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر چڑھائی

فرمائی تو کیا یہ صحیح ہے کہ وہ ان کو کامل الایمان نہیں سمجھتے تھے؟

جواب:۔ جی ہاں یہ صحیح ہے کہ حضرت علیؑ معاویہ کو قرآن وسنت کا دشمن، مہاجرین وانصار کا قاتل، درشت خواور کمینہ فطرت اور منافق سمجھتے تھے حوالہ بالائی جواب میں دیکھ لیجئے۔

سوال:۔ اگر یہی بات آپ کے نزدیک واقع کیمطابق ہے تو ذیل کے خطبے کا جواب دیجئے۔

وکان بداء امرنا انا التقینا والقوم من اهل الشام والظاهر ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدة ولا نستزیدهم فی الایمان بالله والتصدیق برسوله ولا یستزیدوننا

بلاشبہ ہماری جنگ ہوئی اور مقابلے میں قوم شامی تھی اور ظاہر یہ ہے کہ ہمارا رب ایک ہے ہمارا نبی ایک ہے اور اسلام کی طرف دعوت بھی ایک ہے ہم ایمان باللہ اور تصدیق بالرسول میں ان سے زیادہ نہیں اور وہ ہم سے زیادہ نہیں۔

کیا اس سے سیدنا علی علیہ السلام اور ان کی فوج سیدنا معاویہ اور ان کی فوج کے ایمان میں برابر معلوم نہیں ہوتی؟

جواب:۔ منقولہ بالا ارشاد امیرؑ میں لفظ "الظاہر" قابل غور ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ بظاہر شامی قوم اور علوی لشکر میں اس لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ کہ وہ بھی دعویدار اسلام ہیں اور خدا اور

رسول کو ماننے کا اعلان کرتے ہیں۔ (مگر باطن میں فرق ہے) اس ظاہری نمائش و اظہار اسلام سے ایمان کا کمال ہرگز ثابت نہیں ہوتا ہے موجودہ دور ہی کی مثال لے لیجئے۔ کہ فرقہ احمدیہ یعنی مرزائی بظاہر خُدا ایک رسولؐ ایک دین اسلام ایک کلمہ ایک ہے لیکن باطن اعتبار سے درحقیقت وہ کافر ہیں پس ایک خُدا کی توحید کا ظاہری اقرار اور ایک رسول کی رسالت کا نمائشی اعلان بظاہر مسلمان کہلوانے کے لئے تو کافی ہوسکتا ہے لیکن ایمان کے لئے کافی نہیں ہے۔ اسی لئے جناب امیرؑ نے اسی کلام کو مندرجہ ذیل الفاظ پر ختم کرکے شامیوں کے گروہ کو ناقص الایمان اور بدترین انجام پانے والے قرار دیا ہے۔

فهو الذی انقذه الله من الهلکة ومن لج و تمادی فهو الراکس الذی ران لله علیٰ قلبه و صارت السوء علیٰ رأسه

یعنی اب ان میں سے جو لوگ اپنے عہد میں پورے اتریں گے خدا نہیں ہلاکت سے بچالے گا۔ اور جو لوگ ضلالت میں دھنسے چلے جائیں گے وہ عہد شکن قرار پائیں گے خدا ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیگا اور انہیں بدترین انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔

پس ثابت ہوا اگر دونوں گروہوں کا ایمانی پلہ برابر ہوتا ہے تو ہرگز حضرت یہ کلمات ارشاد فرما کر ان کی ہلاکت، ضلالت عہد شکنی دلون کے پردہ اور بدترین انجام کا تذکرہ نہ فرماتے۔

سوال: اگر یہ شبہ کیا جائے کہ معاذ اللہ سیدنا علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے یہ بیان تقیۃً دیا تھا تو فرمایئے اظہار حق کے طور پر جو بیان دیا ہے اس کی نشان دہی کیجئے۔

جواب:۔شبہ کی یہاں گنجائش ہی نہیں اور نہ ہی تقیہ کی ضرورت ہے لفظ ظاہر سے مولا نے ظاہر کر دیا ہے کہ اہل معاویہ ظاہری مسلمان میں ورنہ ایمان وہدایت کے قریب بھی نہیں بھٹکتے ہیں۔اسی طرح جنگ صفین کے موقع پر مولا نے ارشاد فرمایا ہے کہ "خبردار! معاویہ گمراہوں اور نادانوں کی ایک جماعت میدان کارزار میں گھیسٹ لایا ہے اور حقیقت امر کو اس سے پنہاں رکھتا ہے تا آنکہ (اس جماعت نے) اپنے حلقوم وگلو کو ہدف مرگ قرار دیدیا ہے (**نہج البلاغۃ خطبہ ۵۱**)"مولائے کائنات پھر ارشاد فرماتے ہیں "اور مجھے تو یہ تامل اس لئے زیادہ پسند ہے کہ ان کی (لشکر معاویہ کی) گمراہی وضلالت کی حالت میں مجھے جنگ آزما ہونا پڑا ہے اور انہیں قتل کر دوں اگر چہ یہ) بہر حال اپنے گناہوں ہی سے (میرے ہاتھوں قتل ہونے کے بعد) لپٹے ہوں گے" **خطبہ ۵۴**

مولا علیؑ اعلان فرماتے ہیں "خدا کی راہ میں جان دینے سے خوش ہو اور سکون کے ساتھ موت کی طرف قدم بڑھاؤ تمہارے لئے ضروری ہے کہ اس انبوہ (لشکر معاویہ) اور طنابوں والے سراپردے (خیمہ معاویہ) اور رداق (سراپردہ) پر حملہ کرو۔کیونکہ شیطان اسی کے گوشہ میں پنہاں ہے اور اس نے جست کرنے کے لئے ایک ہاتھ آگے اور (جلد بھاگ جانے کے لئے) ایک پاؤں پیچھے کر رکھا ہے بس ثبات قدم اور استقامت کو ہاتھ سے نہ جانے دو تا کہ حق کا منارہ تم پر ظاہر ہو جائے۔تم برتر و بالا ہو خدا تمہارے ساتھ ہے وہ ہرگز تمہارے اعمال کو جزا دینے میں کمی روا نہ رکھے گا۔خطبہ ۶۵" جناب امیر علیہ السلام متنبہ فرماتے ہیں کہ "**واقرب بقوم من الجهل بالله قائدهم معاويه و موربهم ابن النابغة** "اس قوم میں خدا سے ناآشناؤں میں سب سے قریب ان کا رہنما معاویہ اور ان کا مشیر ابن نابغہ (عمرو بن العاص) ہے پس حضرت امیر المومنینؑ نے حتمی فیصلہ دیدیا ہے کہ معاویہ اور اسکا دست راست ابن العاص دونوں ذات خدا سے جاہل تھے یعنی کافر غیر مومن تھے۔اب اس سے زیادہ اور اظہار حق کس طرح ہو سکتا ہے۔

سوال:۔ اگر تقیہ تسلیم کرلیا جائے تو کیا ایسے صاحب کے متعلق بھی تقیہ کا شبہ برحق جس کے ہاتھ میں پورے اسلامی ممالک کی باگ ڈور ہو اور ممبر امامت پر فائز ہو؟

جواب:۔ یہاں تقیہ تسلیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے باقی ہر جگہ بوقت ضرورت تقیہ کیا جاسکتا ہے کہ امر جائز ہے۔ امام علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے متعدد مرتبہ معاویہ کو ناقص الایمان فرمایا ہے لہذا اس قدر اعلان عام کی موجودگی میں توضیح تقیہ کی کیا ضرورت ہے۔ امامؑ نے معاویہ کو لکھا کہ "تم (معاویہ) ان لوگوں میں سے تھے جو دین میں طمع یا خوف سے داخل ہوئے تھے" مکتوب ۱۷ اسی طرح مولا تحریر فرماتے ہیں کہ "ہم ایمان لائے تھے مگر تم نے کفر اختیار کیا تھا آج بھی ہم حق پر استوار ہیں اور تم فتنے کی راہ پر دوڑے چلے جارہے ہو" (مکتوب ۶۴)

سوال:۔ کیا آپ کے علم میں نہیں ہے کہ اسی خطبے کی ابتدا میں مسطور ہے۔

كتبه الى اهل الامصار يقص فيه ماجرى بينه وبين اهل صفين (نہج البلاغہ ج ۳ ص ۱۲۵)

سیدنا علیؑ نے متعدد شہریوں کی طرف یہ خط لکھ کر بھیجا تھا کہ اور اس خطبے میں وہ حالات بیان فرمائے جو ان کے اور حضرت معاویہ کے درمیان واقع ہوئے تھے۔

جواب:۔ جی نہیں یہ بات ہمارے علم میں نہیں جو نسخہ ہمارے پاس ہے اس میں یہ تحریر ایک عام خط کے عنوان سے ہے۔ اور یہ مضمون کسی خطبہ میں نہیں ہے۔

سوال:۔ اگر آپ حضرات کی بات کو تسلیم کرلیا جائے تو اس سے رفع فساد اور ازالہ غیض متصور ہوگا یا اخفا فساد۔

جواب:۔ رفع فساد اور ازالہ غیض متصور ہوگا کیونکہ ہم شجرہ ملعونہ کی فتنہ پرور جڑ ہی پر کاری ضربات لگا کر اس کا ستیاناس کردیں گے اور ابتر سے ایسی آسان راہ پیدا کردیں گے کہ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔

سوال:۔ اور اگر اہل السنت والجماعت کے مسلک کو تسلیم کرلیا جائے تو فرمایئے اس میں کیا حرج ہے رحماء بینھم کے بھی خلاف نہ ہو اور بات بھی اپنے موقع پر ٹھیک بیٹھ جائے؟

جواب:۔ اہل سنت کے مسلک کو تسلیم کرلینے سے اول اخفاء فساد ہوگا اور فساد پر پردہ پوشی کرنا گھناؤنا جرم ہے دوم عقلاً اور نقلاً یہ ثابت کرنا محال ہوگا کہ معاویہ اور علیؑ کی محاذ آرائی رحماء بینھم کے مطابق تھی اسے صرف ظن تک محمول کیا جاسکتا ہے سوم بات بھی ٹھیک نہ بیٹھے گی کہ ظالم و مظلوم، باغی و امام عادل، حق و باطل، مومن و منافق، کل ایمان اور تمام کفر سب کے سب برابر نظر آئیں گے جو عدل و انصاف کے سریحاً خلاف ہے۔ اور سب سے سنگین جرم مسلک سنیہ مان لینے میں یہ ہے کہ ثقل دوم کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے جو کہ سفینہ نوح کی مانند ہے اور اس سے تخلف یقینی ہلاکت کا سبب ہے۔ معاویہ کے چھوڑ دینے سے کفر لازم نہیں آتا اور نہ ہی رتی بھر گناہ ہوتا ہے جبکہ اہل بیت کو چھوڑ دینے سے ایمان ہی سلامت نہیں رہ سکتا اور دو کشتیوں میں پیر رکھنا ویسے دانشمندانہ فعل نہیں بلکہ ناعاقبت اندیشی کا ثبوت ہے۔

سوال:۔ سیدنا علیؑ کے اسی خطبے سے اس کا کیا جواب ہے۔

الامر واحد الا ما اختلفنا فی دم عثمان

ونحن منه براء (نہج البلاغہ ص ۱۲۶)

معاملہ ایک ہی ہے صرف سیدنا عثمان کے قصاص کیمتعلق تھا

اور ہم اس سے بری ہیں!

کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اختلاف محض سیدنا عثمان ے قصاص کے جلدی لینے اور تاخیر کے سلسلے میں تھا جس پر آپ نے قتل سے برائت کا اظہار فرمادیا ہے۔

جواب:۔ اس بات سے بھی اہل معاویہ کی گمراہی ثابت ہے کہ اس نے ایک امام عادل پر قتل عثمان کا الزام عائد کیا اور صدیق اکبر اور ولی برحق کی برأت کلی کے باجود فتنہ برپا کیا۔ حالانکہ وارثان عثمان کی موجودگی میں نہ ہی معاویہ کے قصاص کا مطالبہ جائز تھا اور نہ ہی یہ مقدمہ بقاعدہ خلیفہ وقت کے سامنے پیش کیا بلکہ محض شورش و ہنگامہ آرائی کی خاطر اس واقعہ کو سیاسی چال بنالیا گیا۔ حالانکہ خود معاویہ نے اپنے زمانہ حکومت میں اس کے بارے میں قطعی کوئی قدم نہ اٹھایا۔ جو شخص حکم قرآن کے خلاف مباہلہ میں شامل صادق ہستی کی تکذیب کرے فرمان رسول کے اس فرمان کو جھٹلادے کہ "علی حق کے ساتھ ہے" اور خلیفہ راشد کیخلاف علانیہ بغاوت کرے اور مرکزیت کو کمزور کرنے کی ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو اور ہر جائز و ناجائز طریقہ پر اقتدار پر قبضہ کرلینا چاہے۔ ہم اُسے صاحب ایمان نہیں مان سکتے ہیں جبکہ تاریخ میں مکمل طور پر ثابت ہے کہ معاویہ کی ابتداہی سے نگاہ تخت پر لگی تھی۔ اور ایسی کوششیں اُس نے دور عثمان میں شروع کررکھی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ طویل محاصرہ عثمان کے باوجود اس بے مروت و حریص دوست نے حضرت عثمان کی کوئی مدد نہ کی۔

سوال:۔ اگر خدانخواستہ آپ حضرات کو اس پر اعتبار نہیں ہے تو اہل السنت کی کسی

معتبر کتاب سے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تصریحی بیان ثابت کیجئے کہ قتل میں ان کا ہاتھ تھا۔

جواب:۔ ہم تو یہ بات کرتے ہی نہیں ہیں کہ حضرت کا قتل عثمان میں ہاتھ تھا پھر ثبوت کس بات کا دیں۔

سوال:۔ فرمایئے سیدنا علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا حسین نے سیدنا معاویہؓ کے ساتھ بیعت کیوں کی اور مملکت اسلامیہ کو ان کے سپرد کیوں فرمایا؟

جواب:۔ امام حسن مجتبےٰ علیہ السلام نے معاویہ کی بیعت ہرگز نہ کی البتہ صرف مسلمانوں میں امن دامان کی بحالی کے لیئے مندرجہ ذیل شرائط پر صلح کا معاہدہ کیا اور مملکت کا انتظام عارضی طور پر بلکہ ٹھیکے پر اسے دیدیا۔

۱) معاویہ کتاب سُنت اور خلفاء و برحق کے طریقہ پر عمل کرے گا۔

۲) معاویہ کو اپنے بعد کسی کو امیر نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔

۳) شام وعراق وحجاز و یمن سب جگہ کے لوگوں کی امان ہوگی۔

۴) شیعان علیؑ جہاں بھی رہیں ان کے جان و مال و ناموس محفوظ ہوں گے۔

۵) معاویہ حسنؑ بن علیؑ اور حسینؑ بن علیؑ اور خاندانِ رسُول میں سے کسی کو نقصان پہنچانے یا ہلاک کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ نہ خفیہ اور نہ علانیہ۔

۶) علیؑ و آل علیؑ پر سب و شتم نہیں ہوگا۔

۷) معاویہ خود کو امیر المومنین نہیں کہلائے گا۔

۸) کوئی گواہ معاویہ کے حضور گواہی نہ دے گا، وغیرہ وغیرہ۔

امام حسن علیہ السلام کے ظاہری حالات سے صلح کے مندرجہ ذیل اسباب نظر آتے ہیں۔

۱) اقلت انصار معاویہ نے خفیہ پروپیگنڈہ اور غلط افواہوں سے اہل عراق میں پھوٹ ڈلوائی۔ اور امام کی نصرت کے لئے بیس افراد سے زائد لوگ تیار نہ ہوئے لہٰذا مجبوراً آپ کو صلح کرنا پڑی اور آپؑ نے ارشاد فرمایا کہ میرے جد پاکؐ کے پاس جب انصار کی کمی تھی۔ تو انہوں نے خاموشی سے مکہ چھوڑ دیا۔ اس طرح میرے والد بزرگوار نے اور میں نے خاموشی اختیار کی جبکہ لوگوں نے اغیار کی بیعت کر کے ہمیں چھوڑ دیا۔

۲) امام حسنؑ علیہ السلام کی فوج میں معاویہ کے مقرر کردہ اور ضمیر فروش منافق بھی آ ملے تھے کچھ خوارج بھی شامل تھے۔ ان کے علاوہ امارت و دولت کے حریص بھی تھے جن کے عزائم مذموم تھے اور امام کی ذاتی دشمنی لوگوں کے دلوں میں یہاں تک تھی کہ آپ نماز کے لئے بھی زرہ پہن کر تشریف لائے تھے۔ ایسے حالات میں معاویہ سے جنگ جاری رکھنا قتل گری اور اسیری کے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوتا۔ اگر امام صلح نہ فرماتے تو بہت سے خطرات مول لینے پڑتے اور نتیجہ مخلصوں کی مختصر جماعت بھی ختم ہو جاتی۔

۳) صلح نہ کرنے کی صورت میں معاویہ کے رویہ استبدادی میں اور اضافہ ہو جاتا اس کی غلط کاریوں پر کسی کو اعتراض کرنے کا حوصلہ ہی نہ ہوتا۔

۴) امام حسنؑ کو خود ہی قتل کروا کر مشہور کر دیا جاتا کہ امامؑ کو ان کے شیعوں نے قتل کر دیا اور صورت حالات ایسی خطرناک تھی کہ قیامت تک اس کا فیصلہ مشکل تھا ایسی صورت میں واقعہ قتل پر پردے پڑ جاتے اور حق و باطل میں تمیز نہ رہتی۔

۵) ہر صورت میں شیعوں کا قتل عام ہوتا اور بہانہ قصاص قتل امام بنالیا جاتا لہٰذا دنیا سے گروہ

مولائی کا خاتمہ ہو جاتا۔

۶) امام حسن علیہ السلام کو اس صلح میں اُمت اسلامیہ کی فلاح و بہبود ملحوظ تھی چنانچہ خود امام فرماتے ہیں۔

"گو معاویہ مجھ سے حق چھیننا چاہتا ہے مگر میں نے امت کی اصلاح اور فتنہ و فساد کی بیخ کنی کے لئے صلح ہی کو مناسب سمجھا اور میں نے امن عامہ کو خونریزی پر ترجیح دی ہے"۔ حضرت سلیمان بن صرد خزاعی رضی اللہ عنہ نے جب اس صلح کے اسباب دریافت کیے تو اس کے جواب میں امام نے فرمایا اگر میری کوششیں دنیاوی اغراض، ذاتی خواہشات اور سلطنت ظاہری کے لئے ہوتیں تو یہ معاویہ نہ مجھ سے زیادہ دانا ہے اور نہ زیادہ چالاک ہے بلکہ جو مصالح و مفاسد میرے پیش نظر ہیں ان کو تم نہیں دیکھتے۔ میں نے اُمت اسلامیہ کو خونریزی سے بچانے کے لئے یہ اقدام کیا ہے چنانچہ امن عامہ کی بحالی کی بھی شرائط صلح میں داخل کر دیا ہے۔ (تاریخ حسن مجتبیٰ)

صلح کی پیش کش معاویہ کی طرف سے تھی لہذا بظاہر اس نے دوستی و امن کا ہاتھ بڑھا دیا تھا تو امامؑ اگر اسکو ٹھکرا دیتے تو یہ تاریخی غلطی ہوتا۔ اس لئے امام نے مضبوط شرائط کا پابند بنا کر اس حریص اقتدار کو حکومت کا اختیار عطا کر دیا اور تاریخ الخلفا علامہ سیوطی کے مطابق امام نے یہ بھی عہد لیا کہ معاویہ کے مرنے کے بعد حکومت ہمیں واپس کر دی جائے گی۔ پس صلح کر کے جنگ بندی کرنا اور سلطنت معاویہ کو دیدینا امام علیہ السلام کا وہ راست اقدام ہے جس کی بشارت رسول اللہ عہد رسالت میں فرما چکے تھے اور پھر معاہدہ صلح میں شرائط پر پابندی کا عہد لینا ثابت کرتا ہے۔ کہ معاویہ کا عمل اُن امور کیخلاف تھا جو مرقوم ہوئے ورنہ معاویہ دستخط کرنے سے قبل اعتراض کر دیتا کہ میں تو یہ سب باتیں پہلے ہی کرتا ہوں لہذا معاہدہ کیا اور شرائط کیسے؟ یہ صلح اور صلح حدیبیہ

بالکل ایک ہی طرح کے ہیں۔ تفصیل صرف ایک راستہ میں ملاحظہ کریں۔

سوال:۔ اگر انکار ہے تو حسب ذیل عبارت کا جواب دیجئے۔

لما صالح الحسن ابن علی ابن ابی طالب ابن ابی سفیان دخل علیه الناس فلامه بعضهم علی بیعته فقال یحکم ما تدرون ما عملت خیر شیعتی مما طلعت علیه الشمس۔ (احتجاج طبرسی ص ۱۶۳)

جب سیدنا حسنؓ نے سیدنا معاویہ سے صلح کی لوگ ان کے پاس آئے اور بعض نے ان کو بیعت معاویہؓ پر ملامت کی تو آپ نے فرمایا تم پر مجھے سخت افسوس ہے تمہیں خبر ہی نہیں جو کچھ میں نے کیا ہے۔

جواب:۔ ہم نے پہلے عرض کر دیا ہے بیعت سے مراد عہد نامہ و پیمان ہے نہ کہ معاویہ کی امامت واطاعت کی قبولیت کیونکہ بیعت کے اصلی معنی معاہدہ کے ہیں۔ اور پھر جب یہ ذکر ہوا اس وقت صلح پر آمادگی کا اظہار ہوا تھا ابھی شرائط صلح مرتب نہ ہوئے تھے اور نہ ہی نام نہاد بیعت وجود میں آئی تھی۔ لوگوں نے محض افواہ کی بنا پر امامؑ پر ایسا الزام لگایا اور معاہدہ صلح کو بیعت سمجھ لیا اس لئے امام نے جواباً فرمایا ہے کہ تم لوگوں کو حقیقت کی خبر نہیں ہے جو کچھ میں نے کیا ہے۔ اور جملہ نام نہاد بیعت کر تردید کرتا ہے۔ اور قول امامؑ سے ثابت ہے جو لوگ سمجھ رہے ہیں کہ میں نے بیعت کر لی ہے وہ امر واقعی حقیقی سے بے خبر و جاہل ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ میں نے کیا کیا ہے یعنی میں نے بیعت نہیں کی ہے بلکہ ایک معاہدہ صلح کیا ہے۔

سوال:۔ اگر سیدنا حسن کی مصالحت اور اسلامی مملکت کی تفویض نیز بیعت بقول شما خلافِ عقل و نقل ہے تو یا اس کی وجہ بیان کیجئے جو کہ مستند الی السند، صحیح ہو اور کسی امام کے قول سے ثابت ہو اور امام معصوم کی تغلیط و مذہب کر کے اپنے مسلک کو خیر باد کہہ دیجئے۔

جواب:۔ امام حسنؑ کی مصالحت اور مملکت اسلامیہ کی تفویض نہ خلاف عقل ہے اور نہ ہی خلاف نقل البتہ بیعت عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی برعکس ہے عقل کے خلاف اسطرح ہے کہ کسی خلیفہ کی بیعت اس کی اطاعت کرنے کے لئے کی جاتی ہے نہ کہ اس سے اطاعت کروانے کے لئے امام حسنؑ نے شرائط صلح میں معاویہ کو اپنی اطاعت پر مجبور و پابند بنایا ہے نقل کے خلاف اس لئے ہے کہ معاویہ کو کسی بھی مسلک نے خلیفہ برحق یا خلیفہ راشد تسلیم نہیں کیا ہے اور سب اسے بادشاہ مانتے ہیں پس جب وہ خلیفہ ہی نہیں تو بیعت کیسی؟

علاوہ ازیں خود امام حسن علیہ السلام نے حکومت معاویہ کے حوالے کرنے کے بعد اس کی خلافت کی نفی کی ہے امامؑ نے کوفہ میں اہل شام و اہل کوفی کے اجتماع میں تقریر فرمائی۔ "معاویہ کا خیال ہے کہ میں نے انہیں خلافت کا اہل اور اپنے آپ کو نااہل سمجھا معاویہ جھوٹا ہے ہم تمام لوگوں سے زیادہ سزاوار و اولیٰ ہیں یہ مرتبہ ہمیں کتاب خدا و کلام رسول اللہ سے حاصل ہے"۔ (تاریخ حسن مجتبیٰ) دوسری تقریر میں امام نے ارشاد فرمایا معاویہ خلیفہ نہیں ہے جو ظلم کے ساتھ حکومت کرتا ہے اور سنتوں کو معطل بناتا ہے۔ دنیا کو اپنا ماں اور باپ قرار دیتا ہے یہ شخص بادشاہ ہے جس نے ملک ہتھا لیا اور اس سے بہرہ اندوز ہوا"۔ (المحاسن والمساوی بیہقی جلد نمبر ۲ ص ۶۳)

پس خود جناب سرکار امن حضرت امام حسن مجتبےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے ارشادات سے معاویہ کی خلافت و بیعت کی نفی ثابت ہوئی۔ لہٰذا امام کی نہ ہی کوئی تغلیط ہوئی اور نہ ہی کتاب لہٰذا اہمار

مسلک مقتدر قرار پایا اور زندہ ٹھہرا جس طرح ہمارے امامؑ نے جو ریحان رسول کریمؐ ہیں معاویہ کو جھوٹا۔ ظالم۔ بدعتی، دنیا پرست اور غاصب بادشاہ فرمایا ہے ہم بھی اس کو ایسا ہی سمجھتے ہیں اور سنت رسول کے مطابق بدعا کرتے ہیں کہ "اللہ اس کا پیٹ کبھی نہ بھرے"۔

سوال:۔ اگر شہادت حسینؓ کے سلسلے میں آپ کا یہ کہنا بجا ہے کہ اگر یزید تخت پر نہ بیٹھتا تو شہادت حسینؓ معرض وجود میں نہ آتی اسی طرح اگر معاویہؓ ان کو تخت پر نہ بٹھاتے تو یزید حاکم نہ بنتا تو کیا یہ کہنا بھی بجا ہے یا نہ کہ اگر سیدنا حسنؓ حضرت معاویہؓ کو مملک اسلامیہ سپرد نہ فرماتے تو یہ نہ ہوتا اگر علی رضی اللہ عنہ حضرت حسن کو تفویض نہ فرماتے تو حضرت حسینؓ سپرد نہ کرتے ایجابی سلبی میں جو بھی اختیار کیا جائے اُسے مدلل اور مبرہن بیان کیا جائے۔

جواب:۔ شہادت امام حسینؑ کے سلسلے میں ہمارا یہ کہنا کہ اگر معاویہ یزید کو حاکم نہ بناتا تو یہ شہادت معرض وجود میں آتی اس لئے بجا ہے کہ معاویہ نے معاہدہ صلح کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے یزید کو نامزد کیا اور عہد شکنی شریعت میں سنگین جرم ہے جبکہ امام حسنؑ نے معاویہ کو حکومت سپرد کر کے کسی عہد کو نہیں توڑا ہے۔ اور نہ ہی حضرت علیؑ نے امام حسنؑ کو حکومت تفویض فرما کر کوئی وعدہ خلافی فرمائی ہے۔ پس یہ معاہدہ کی عہد شکنی بھی جو اسباب شہادت حسینؑ میں سبب قرار پائی اور یہ ایسی برہان دلیل ہے جسے رد کرنا ممکن نہیں ہے۔ حالانکہ ایک بالغ نظر ہاشمی نے کہا تھا کہ حسینؑ روز سقیفہ شہید ہوئے ہیں۔

سوال:۔ احتجاج طبرسی ص ۱۶۳ میں ہے۔

عن زید بن وھب الجھنی قال لما طعن

الحسن بالمدأن اتيته وهو متوجع فقلت ما ترى يا ابن رسول الله فان الناس متحيرون فقال ارى والله ان معويه خير لي من هولاء يزعمون انهم لي شيعة۔

زید بن وہب سے روایت ہے فرمایا کہ جب حضرت حسنؑ کو مدائن میں نیزہ مارا گیا تو میں آپ کے پاس ایسے وقت میں آیا کہ آپ وردرسیدہ تھے میں نے عرض کیا اے بیٹے رسولؐ کے لوگ حیران ہیں جو کہ آپ نے کیا ہے پس فرمایا مجھے خبر ہے خدا کی قسم بلاشبہ حضرت معاویہؓ میرے لئے ان لوگوں سے بہتر ہے جو کہ میرے شیعہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

فرمایئے یہ روایت آپ کے نزدیک قابل قبول ہے یا نہ؟

جواب۔ نقل روایت صحیح ہے۔

سوال:۔ اگر قابل قبول نہیں تو عدم قبولیت پر دلائل پیش کیجئے؟

جواب:۔ مجھے اس روایت کو قبول کر لینے کوئی عذر نہیں ہے۔

سوال:۔ اگر قابل قبولیت نہیں تو احتجاج طبرسی کے مقدمہ ص ۳ میں صاحب احتجاج کی اس عبارت کا کیا جواب ہے؟

اما لو جود الا علیه او مافقه لما ولت العقول الیه اولا شتهار فی البیر

یعنی صاحب احتجاج نے یہ تصریح کی ہے کہ میں نے اس کتاب میں وہ روائتیں پیش کی ہیں جن پر اجماع معہ عقول واذہان کے موافق ہیں اور کتب سیر میں مشہور ہیں۔

جواب:۔ روایت کو تو ہم نے قبول کرلیا ہے مگر مقدمہ علامہ طبرسی کے مندرجہ بالا اقتباس کے بارے میں یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ احتجاج میں شیعہ وسنی دونوں طرح کی روایات مشہورہ درج ہیں اور علامہ نے سب کو درست تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ نقلاً اور احتجاجاً تحریر فرمایا ہے۔ اس عبارت سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ احتجاج کی تمام باتیں مسلمہ ہیں۔

سوال:۔ اگر قابل قبول ہے تو فرمایئے سدنا حسینؑ کو نیزے مارنے والے کون تھے؟ ان کی نشاندہی کیجئے۔

جواب:۔ حضرت امام حسنؑ پر مدائن میں حملہ کرنے والا خارجی تھا اور اس نے حملہ کے وقت کافرانہ جملہ کہا تھا۔ "**یا حسن اشوک ابوک و اشرکت انت**" "اے حسنؑ (معاذ اللہ) تیرا باپ مشرک تھا تھا پھر تو بھی مشرک ہے۔ اس ملعون کا نام جراح بن سنان اسدی لعین تھا۔ جو آج بھی اشد عذاب میں مبتلا ہے۔

سوال:۔ زید بن وہب کا کیا مذہب تھا اور طبع پرسی کرنے کے لئے فی الواقع آیا تھا یا ملمع سازی کے طور پر۔

جواب:۔ زید بن وہب بھی معاویہ کا جاسوس تھا اور ملمع سازی کے طور پر آیا تھا۔

سوال:۔ فرمایئے وہ حیران ہونے والے لوگ کون تھے۔

جواب:۔ حقیقت یہ ہے کہ امام حسنؑ کے ساتھیوں میں کافی تعداد منافقین وخوارج کی تھی اور لوگوں کی کثیر تعداد کو افواہوں۔ اور حرص لالچ کی وجہ سے بدظن کیا جا چکا تھا۔ جو مخلص ساتھی تھے وہ بھی اسے صلح کی حکمت عملی کی تہہ تک پہنچ نہ سکے تھے اور جس طرح صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حضرت عمر اور دیگر اصحاب قلت علم کے سبب شرائط صلح کی مصلحت سمجھنے سے قاصر رہے تھے اسی طرح امام حسنؑ کے ساتھی بھی اس پالیسی کے مقاصد سے ناآشنا تھے لہٰذا ان کی ذاتی رائے اس کے خلاف تھی اور لوگ اس بات پر حیران تھے کہ امامؑ نے معاویہ سے صلح کیوں کر لی۔ اور ان حیران لوگوں میں تقریباً مخلص و غیر مخلص سب قسم کے افراد تھے مگر جو کامل الایمان لوگ تھے انہوں نے امامؑ کی مصلحت کو قبول کر لیا لیکن ناقص الایمان افراد نے مخالفت کی۔

سوال:۔ سیدنا حسنؓ نے جواب میں سیدنا معاویہؓ کے ساتھ مصالحت اور بیعت کی تحسین تقیۃً کی یا اظہار حقیقت کے طور پر؟

جواب:۔ عبارت زیر بحث کی روشنی میں یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ اس میں مصالحت اور بیعت کی تحسین کا ذکر نہیں جبکہ بلاشبہ امام حسنؑ کا یہ اقدام قابل تحسین تھا۔ اس عبارت میں معاویہ کا جو ذکر کیا گیا ہے اس سے معاویہ کی نہ ہی کوئی تعریف نظر آتی ہے اور نہ ہی کوئی تحسین کا پہلو دکھائی دیتا ہے روزمرہ کی گفتگو میں لوگوں کا عموماً تکیہ کلام ہوتا ہے اور محاورۃً ایسی تشبیہات مستعمل رہتی ہیں جن سے تنقص کرنا مقصود ہوتا ہے مثلاً لوگ کہتے ہیں کہ بے وقوف دوست سے عاقل دشمن اچھا ہوتا ہے حالانکہ یہاں دشمن کا تعریف کرنا مقصود نہیں ہوتا ہے بلکہ دوست کی بے وقوفی پر طعن کیا جاتا ہے اسی طرح اظہار ناراضگی کے لئے لوگ اپنے دوستوں کو عموماً یہ طعنہ دیتے ہیں کہ اپنے سے تو غیر اچھا ہے جبکہ حقیقت میں

اپنا اپنا اور غیر غیر ہی ہوتا ہے اسی طرح امام حسنؑ نے اپنے مخالفین کو جو بظاہر کو دوست ظاہر کیئے تھے فرمایا ہے کہ ان لوگوں سے جو میرے دوست بنے پھرتے ہیں میرے لئے معاویہ ہی اچھا ہے۔ ایسے موقعہ پر معاویہ کی مثالی دینا بالصراحت ثابت کرتا ہے کہ معاویہ حقیقت میں امام علیہ السلام کا دوست نہ تھا بلکہ دشمن تھا اور چونکہ معاویہ کی دشمنی ظاہر و علانیہ تھی اور مشار الیہ لوگوں کی دوستی منافقانہ تھی لہذا اُسے بہتر کہا گیا۔ "من ھؤن یزعمون انھم شیعۃ" کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے مراد حضرت کی مخصوص افراد تھے جو اپنے زعم میں شیعہ بنے ہوئے تھے اور اندر سے نیک نیت نہ تھے مخصوص منافق تھے۔ اور جس طرح منافق مشرک و کافر سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے اسی لئے ان سے معاویہ کو بہتر کہا گیا کہ وہ ظاہر دشمن ہے اور یہ آستین کے سانپ ہیں۔ حقیقت میں سانپ دونوں ہی ہیں لیکن معاویہ چونکہ اس وقت مار استین نہیں ہے اس لئے سانپ ضرور ہے مگر مار آستین سے بہتر ہے اور میرے لئے کم خطرناک ہے امام کا یہ ارشاد بلاشبہ اظہار حقیقت پر مبنی تھا۔

اعتراض:۔ اگر اظہار حقیقت کے طور پر کی تو آپ اپنی رائے سے مطلع فرمایئے اور نیز یہ بھی فرمایئے کہ تم لوگوں کو عظمت سیدنا معاویہ سے انکار کیوں ہے؟

جواب:۔ جس حقیقت کا اظہار امامؑ نے فرمایا ہم اس سے متفق ہیں اور اس سے معاویہ کی کوئی عظمت ثابت نہیں ہوتی ہے بلکہ ظاہری دشمن اور مخالف امام حسنؑ ہونا معلوم ہوتا ہے کسی دشمن فرزند رسول کی ہمارے نزدیک کوئی عظمت نہیں ہے جبکہ معاویہ نے سازش کر کے امام حسنؑ کو زہر دلوایا اور آپ کی شہادت پر خوشیاں مناتے ہوئے کہا کہ معاذ اللہ ایک انگارہ تھا جسے خدا نے بجھا دیا۔ ریحان رسول کو انگارہ کہنے والا ابد بخت شقی کبھی قابل عظمت نہیں ہوسکتا ہے (سنن ابو دوؤد)۔

سوال:۔ اور اگر تقیۃً کی تو آپ کی قسم کس مقصد پر محمول ہے؟

جواب:۔ یہاں کوئی تقیہ کی بات نہیں حضرت نے بالکل کھلے الفاظ میں معاویہ کو اپنا دشمن قرار دیا ہے۔ اور چھپے دشمنوں کے مقابل اسکا نام لاکر دشمنی پر مہر ثبت کر دی ہے کہ یہ میرا کھلا ہوا دشمن ہے اور میرے پوشیدہ دشمنوں سے بہتر ہے امامؑ کی اس عبارت سے معاویہ کی شان ثابت کرنا بالکل ویسا ہی ہے جس طرح ابلیس کے انکار سجدہ آدم کو دلیل بنا کر توحید ثابت کر دی جائے۔

سوال:۔ جب مملکت اسلامیہ نیز ممبر اور مصلے بھی حضرت حسنؑ نے حضرت معاویہؓ کے سپرد کر دیا تو جو نمازیں لوگوں نے حضرت معاویہ کے پیچھے ادا کیں یا کرتے رہے نزدشما وہ نمازیں صحیح رہیں یا نا جائز۔

جواب:۔ جب معاویہ نے تحریراً پابند کتاب وسنت بقول شما سیرۃ خلفا برحق رہنے کا عہد سند اً دیدیا تو امام نے اسے سلطنت سونپ دی یعنی توحید رسالت وامامت کا اقرار لے لیا گیا) اگر اس نے اپنے عہد کو پورا کیا تو اس کے پیچھے پڑھی گئی نماز درست ہوگی مگر افسوس کہ وہ مرتبہ ہوگیا۔ پس عہد شکنی کے علم کے ساتھ جس کسی نے اُسے امام بنا کر اس کی اقتدار کی نیت سے نماز پڑھی وہ نماز نا قابل قبول ہوگی۔ اپنی نیت فرادی اور بغیر اقتدار کے اس کے پیچھے پڑھ لی گئی نماز صحیح رہی۔ معاویہ کے نماز پڑھنے کا عالم نہ تھا کہ اس نے نماز جمعہ بدھ وار کو پڑھادی (تاریخ الخلفاء عربی ص ۱۰۸) تذکرہ الخواص سبط ابن جوزی۔

امام حسن علیہ السلام نے جب امارت معاویہ کے ہاتھ تفویض فرمائی تو اس نے جو عہد کیا وہ سابقہ اعمال سے بمنزلہ توبہ کے تھا اور معاویہ نے عہد کیا تھا کہ وہ شرائط کی پابندی کریگا۔ یہ اقراری و

تحریری وعدہ معاویہ کی پچھلی زندگی وجد و جہد کو بر سر خطا ثابت کرتا ہے اور آئندہ کی وعدہ خلافی اُسے قصور وار ٹھہراتی ہے اور مشہور مقولہ اسی کے لائق ہے کہ "معاویہ اس پر راضی نہیں ہوا کہ نجات پا جائے"۔

سوال:۔ اگر صحیح ہیں تو کیوں اور کیسے؟

جواب:۔ اگر معاویہ اپنے وعدوں کی پابندی کرتا تو نمازیں بھی صحیح ہوتیں مگر معاملہ اس کے برعکس ہے۔

سوال:۔ اگر ناجائز ہیں تو ان کا سبب کون ٹھہرا۔ سوچکر جواب دیجئے؟

جواب:۔ یہ وہم کی راہ ہے کہ معاویہ کے پیچھے پڑھی گئی۔ ناجائز نمازوں کا سبب امام حسنؑ کو ٹھہرالیا جائے کیوں کہ سلطنت کی تفویض ایسے شخص کے ہاتھ میں کرنے سے جو پیشتر باغی ہو اور پھر تائب ہو کر کتاب وسنت اور سیرت آئمہ کے اتباع کا عہد کرتا ہو کوئی جواز اعتراض نہیں ہوسکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ ایک گاؤں کے مالک نے غلہ کا انبار مساکین پر خیرات کرنے کے لئے جمع کیا ہو۔ ایک راہزنوں کا سردار اُسے غارت کرنا چاہے۔ مالک اُس کی حفاظت کے لئے اس سے جنگ کرے پھر ایک مدت کے بعد مالک انتقال کر جائے۔ اور اُس کا بیٹا اُس کی حفاظت کرے مگر وہی رہزنوں کا سردار اس نئے مالک کو صُلح کی پیش کش کردے اور یہ بیٹا اُس ڈاکو سے یہ عہد لے کہ ہم تم سے صُلح کرتے ہیں بشرطیکہ تم اعتراف غلطی کر کے آئندہ کے لئے یہ عہد کرلو کہ امن دیہات کو نقصان نہ پہنچاؤ گے۔ یہ مال تو ہے دیہاتیوں کا ہم یہ تمہاری سپردگی میں اس شرط پر کرتے ہیں کہ تم مساکین پر صرف کیا کرو۔ اس میں خیانت نہ کرو۔ اس تفویض سے فتنہ فساد فرد ہو جائے گا۔ اور آئے دن کی مار دھاڑ اور لُوٹ مار وخونریزی مٹ جائے۔ اس پر وہ رہزن آمادہ ہو جائے اور توبہ کرلے اور آئندہ محتاط رہنے کا عہد کرے تو اس سے اس غلہ کے حقیقی مالک ونگران کی نسبت جو اس غارت گر سے حفاظت جان و

مال کے لئے جنگ کرتا تھا۔کوئی اعتراض وارد نہ ہوگا۔اور نہ ہی اس مالک کے بیٹے پر جس نے یہ عہد لے کر غلہ اُس رہزن کی سپردگی میں دے دیا۔اُس نے غلہ کی حفاظت سے نہ ہی اپنا پیچھا چھڑایا ہے بلکہ اس خلق خدا کو ناحق کشت وخون سے بچایا ہے اور یہ بھی کہ رہزنوں کا افسر جس زمانہ تک کہ غلہ اس کی تفویض نہیں ہوا تھا وہ اُس میں بے جا تصرف کرنا چاہتا تھا اعتراض سے بچ سکتا ہے البتہ اگر اس عہد کی قبولیت کے بعد وہ اپنے قول وفعل میں صادق نکلے اور غلہ کو عہد کو موافق مساکین پر صرف کرتا رہے تو یہ خیال کیا جائے گا۔کہ اس نے اپنے اعمال سابقہ سے توبہ حقیقی کر لی تھی اور اب اُس کو غلہ میں تصرف کرنا جائز ہو گیا ہے مگر جب وہ رہزن یا اُس کا جانشین عہد سے انحراف کر کے شرائط کو پورا نہ کرے پھر عاصی متصور ہوگا۔اور تمام جائز و ناجائز کا ذمہ دار اسی کو ٹھہرایا جائے گا پس اسی مثال کی روشنی میں کہتے ہیں امام حسنؑ نے جائز شرائط پر اُسے سلطنت کا انتظام سونپا تھا۔مگر وہ بدعہد قرار پایا۔اس لئے تمام تر ذمہ داری اُس پر بدستور عائد ہوگی۔

سوال:۔ امارتؓ معاویہ کے دور میں جو فتوحات ہوئیں اُن کو آپ کے نزدیک اسلامی فتوحات سے تعبیر کرنا جائز ہے یا نہ؟

جواب:۔فتوحات معاویہ غیر اسلامی ہیں۔

سوال:۔ اگر جائز ہے تو فساد نہ رھا؟

جواب:۔بالکل ناجائز ہیں۔

سوال:۔ اور اگر اسلامی فتوحات سے تعبیر کرنا ناجائز ہے تو معصومیت امام صاحب مقام کے متعلق اظہار خیال فرمایئے؟

جواب:۔ شریعت اسلامیہ ارضی فتوحات کی اجازت ہی نہیں دیتی۔ صرف دفاعی جہاد مشروط طور پر فرض ہے چونکہ امامؑ نے پابندی شریعت کے عہد پر مصالحت فرما کر سلطنت کی زمام معاویہ کے ہاتھ دی تھی اور اُس نے معاہدہ سے انحراف کر کے غاصبانہ قبضہ جمالیا تھا لہٰذا امام کی معصومیت قائم رہی اور معاویہ کی معصیت میں اضافہ ہوا۔

عقیدہ توحید نیز عظمت رسالت اور مقام عترت اور عقیدہ رجعت پر نظر ثانی کرنے کی دعوت

سوال:۔ جب قرآن مجید کے متعلق آپ حضرات کا عقیدہ واضح ہو چکا کہ اس میں تحریف بھی ہو چکی ہے اور تغیر و تبدل بھی۔ تو ذرا توحید کے متعلق بھی ارشاد فرمایئے کہ تاریخ الائمہ معتبر شیعی کتاب میں سیدنا علیؑ کے متعلق لکھا گیا ہے کہ

علیؑ کا معجزہ اک اک ہے نادر۔ علیؑ کی ذات ہے ہر شے پہ قادر کیا جناب کا اس سے اتفاق ہے یا نہ؟

جواب:۔ جس طرح نے مکمل طور پر ثابت کر دیا ہے کہ سُنی مذہب کے مطابق وجود قرآن ہی ثابت نہیں ہوتا انشاءاللہ اسی طرح سُنی توحید کے ڈھول کا پول بھی کھول دیں گے۔ شعر متذکرہ بالا سے ہمیں اتفاق ہے۔

سوال:۔ اگر اتفاق ہے تو کیا آیت "ان اللہ علی کل شیئٍ قدیرا" اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ یہ صفت خدا تعالیٰ کے لئے خاص ہے اور جو شخص

اس صفت میں کسی مخلوق کو شریک کرتا ہے وہ شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔

جواب:۔ خدا کی صفت کا مظہر اس کا مخلوق ہوسکتا ہے وہ خالق ہے مگر اس نے جناب عیسیٰؑ کو قدرت خلق عطا کی اور انہوں نے مٹی کے پرندے میں جان ڈال دی۔ وہ کریم ہے اس نے رسولؐ پر کرم کیا اور رسول کریم بنا دیا۔ جب یہ صفت عطائے پروردگار تسلیم ہوگی تو ہرگز شرک نہیں بلکہ اعتراف سخاوت وعظمت باری تعالیٰ ہے۔ خدا قادر مطلق ہے اس نے اپنی اس صفت کا مظہر اپنے مخلوق حضرت علیؑ کو بنایا۔ علیؑ کی قدرت ذاتی نہیں بلکہ خدا کی بخشندہ ہے۔ پس شرک نہ ہوا۔ بلکہ اس بخشش خدا کا انکار کرنا کفر ہوگا اگر علیؑ کو قادر کہنا یا ماننا شرک ہے تو پھر بتائے سچی ذات خدا کی ہے اس سے بڑا سچا کوئی نہیں پھر ابوبکر کو "صدیق اکبر" کہنے سے کیوں شرک کا ارتکاب نہیں ہے۔ حق وباطل میں امتیاز کرنا بھی خدائی صفت ہے پھر آپ ایک غیر معصوم صحابی کو "فاروق اعظم" کہہ کر ارتکاب شرک کیوں کرتے ہیں۔ غنی اللہ کے سوا کوئی نہیں پھر عثمان کو اس صفت خاص سے متصف کر کے "عثمان غنی" کیوں کہا جاتا ہے۔ اللہ نور ہے۔ حضرت عثمان کو "ذوالنورین" کہہ کر خدا سے کیوں بڑھاتے ہیں؟

سوال:۔ اور اگر اتفاق نہیں ہے تو ایسے عقیدہ رکھنے والے پر جناب کا کیا فتویٰ ہے۔ نیز یہ بھی فرمایئے کہ جناب سیدنا علیؑ کے متعلق ہر شے پر قادر ہونے کے منکر ٹھہرے تو کیا قضائے حاجات میں ان کو امداد کے لئے غائبانہ پکارنے اور ان کے حاجت روا ہونے کے بھی منکر ہیں یا نہ تفصیلی طور پر آگاہی بخشیئے۔

جواب:۔ ہمارا اس عقیدے سے اتفاق ہے اسی لئے ہم حضرت علی علیہ السلام کو مشکل کشا اور حاجت روا مانتے ہیں۔ اور اس کے اساس ہمارے عقیدہ ولایت پر ہے جو قرآن مجید سے ثابت ہے کہ "ولی" کہتے ہی اسے ہیں جو صاحب اختیار ہو اور ولایت کے معنی قرآن مجید میں سورہ کہف میں یہی

بیان ہوئے ہیں۔ اگر ساریہ کو حضرت عمر جو نہ معصوم ہیں نہ منصوص کی آواز جاسکتی ہے تو علیؑ جو معصوم و منصوص ہیں وہ غائبانہ پکارنے کو کیوں نہیں سُن سکتے۔ خود حضرت رسول اکرمؐ نے خیبر میں علیؑ کو پکار کر دنیا کو بتادیا ہے کہ یہ میرا خلیفہ مدینہ میں بیٹھا میری آواز سُن کر لبیک کہہ سکتا ہے۔ پس علیؑ کو امداد کے لئے غائبانہ پکارنا سنت رسولؐ سے ثابت ہے۔ عقیدہ استمداد غلویہ کو تو ہم سائنس وفن کی مروجہ تھیوریوں سے بھی ثابت کرسکتے ہیں۔ پروفیسر تصدق حسین بخاری صاحب کی کتاب "کیا یا علیؑ مدد کہنا شرک ہے" ملاحظہ فرمائیں۔

سوال:۔ قرآن وتوحید کے بعد حضور علیہ السلام سے متعلق اپنے عقیدے سے آگاہ فرمایئے کہ کیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رتبہ ساری مخلوقات سے افضل نہیں؟

جواب:۔ بیشک ہمارا ایمان ہے کہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رتبہ بعد از خدا تمام مخلوقات سے افضل ہے۔

سوال:۔ اگر افضل ہے اور یقیناً افضل ہے تو کیا مرید کا درجہ شیخ کے درجے سے کم نہیں ہوتا اگر نہیں ہوتا تو کیسے؟

جواب:۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ شیخ کا درجہ مرید سے بلند ہوتا ہے۔

سوال:۔ اور اگر کم ہوتا ہے تو مختصر بصائر الدجات کی ذیل کی روایت کا کیا جواب ہے جبکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام رجعت کے زمانہ میں حضرت علی مرتضی سمیت حضرت مہدی کے ہاتھ بیعت کریں گے۔

اول مایبایعه محمد رسول الله ولی صلوة الله (مختصر بصائر الدرجات ص ۲۱۳ مولفہ شیخ الجلیل حسن بن سلیمان تلمیذ شیخ الشہید الاول مطبوعہ نجف)

بیعت کرنے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہوں گے

جواب:۔ آپ کی جہالت رفع کرنے کی خاطر گزارش ہے کہ بیعتؑ تصدیق وشہادت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور بیعت صرف حاکم تسلیم کرنے کے لئے ہی نہیں ہوتی عہد کے لئے بھی کی جاسکتی ہے۔ جیسے بیعت رضوان ہوئی اور اس بیعت میں یدفوق خود خدا کا تھا۔ اب اگر شیخ ومرید کی افضلیت ومفضولیت کی بحث کرتے ہیں تو بتایئے خدا اور رسولؑ میں افضل کون تھا۔ کیا خدا نے رسول کو حاکم سمجھ کر اپنا ہاتھ سب سے اوپر رکھ دیا تھا۔ بلکہ اللہ بطور شاہد ہے اسی طرح حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام حضرت امام مہدی علیہ الصلوۃ والسلام کی تصدیق وشہادت بیان فرمائیں گے ورنہ امام پاک تو دراصل بیعت خدا اور رسولؑ لیں گے۔ کیونکہ وہ امام منصوص اور حجت اللہ ہیں اور بلاشبہ حضرت رسول خداؐ اور جناب امیرؑ امام مہدیؑ سے افضل ہیں۔ بس یہی بات تھی جس کا آپ بتنگڑ بنانا چاہتے تھے۔ اب کوئی اور وسواس تلاش کیجئے۔

سوال:۔ جب مفضولیت حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپ کا عقیدہ معلوم ہو چکا تو کیا یہ سچ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ حضرت مقداد حضرت سلمان حضرت ابوذر حضرت عمار ابن یاسر کے علاوہ باقی تمام حضرات کو آپ معاذ اللہ (۱) مرتد سمجھتے ہیں

(۲) ابوبکر و عمر کو فرعون و ہامان سمجھتے ہیں۔

(۳) عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے متعلق آپ کا عقیدہ ہے کہ زمانہ رجعت میں ان کی جان پر کوڑے لگیں گے۔

جواب:۔ اگر آپ کی وضع کی ہوئی کوئی دوسری بات صحیح ہوتی تو شاید ہم اس بات کو سچ مان لیتے لیکن حسب معمول یہ بات بھی غلط اور افتراء ہے ہم اُن تمام اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم کو کامل الایمان سمجھتے ہیں جو متمسک بالثقلین تھے۔ ہاں جو بھی دشمن اہل بیتؑ تھا ہم اس کے بارے میں اچھا گمان نہیں رکھتے ہیں اس لئے کہ ہم خلوص نیت سے عقیدت کا انحصار محبت اہل بیتؑ کے معیار کے مطابق رکھتے ہیں تو جس کو محبوب رکھتے ہیں تو صرف اس لئے اُس نے اہل بیتؑ کو محبوب رکھا جس سے عداوت رکھتے ہیں تو اس لئے کہ اس نے اہل بیتؑ سے دشمنی رکھی۔ اس جوشِ محبت میں اگر خدانخواستہ کوئی ایسا شخص بھی نکل آیا جو دراصل محب اہل بیتؑ تھا مگر غلطی سے اس سے ایسے کبائر منسوب کر دیئے گئے جس سے وہ دشمن اہل بیتؑ دکھائی دیتا ہے تو بھی ہم بوجہ خلوص نیت کے بری و محفوظ ہیں۔ کیونکہ صحابہ پر ایمان و اعتقاد رکھنا جزو دین نہیں ہے بلکہ سنی مسلک ہی کے مطابق خلفائے راشدین کے قاتل بھی نجات کا استحقاق محفوظ رکھتے ہیں (شرح فقہ اکبر ملا علی قادری) تو پھر ہم تو محض اہل بیت کی محبت کی خاطر ان کے دشمنوں سے بیزاری اختیار کئے ہوئے ہیں۔

سوال:۔ کیا یہ بھی سچ ہے کہ آپ کا یہ عقیدہ ہے حضرات ثلاثہ کے دور خلافت میں سیدنا علیؑ نے تقیہ پر عمل کیا اگر چہ قرآن معاذ اللہ بدلتا رہا۔ کفر پھلتا رہا اور حق والوں کو حق نہ دیا گیا۔

جواب:۔ اس میں بھی جھوٹ کی آمیزش ہے بلاشبہ حضرت علیؑ نے زمانہ ثلاثہ میں تقیہ اختیار

فرمایا اور اپنے پائمال حقوق کے لئے دستہ تلوار پر ہاتھ نہ رکھا مگر قرآن جو کلام خدا ہے محفوظ رہا گو کہ لوگوں نے ایسے مذموم کوشش ضرور کی مگر محافظ قرآن نے اس کی حفاظت کی باقی کفر کا پھیلاؤ تو آج تک بھی نہیں رک سکا ہے۔

سوال:۔ کیا اصول کافی میں یہ حدیث موجود ہے لا ایمان لمن تقیۃ لہ جو تقیہ نہ کرے اس کا ایمان نہیں رہتا۔

جواب:۔ جی ہاں یہ حدیث اصول کافی میں موجود ہے مگر اس کا ترجمہ اس طرح نہیں ہے جو آپ نے کیا ہے اس کا جواب بھی ہم ذکاء الافہام کے جواب ۱۶ میں دے چکے ہیں کہ اس کا مطلب ہے "جس کے لئے تقیہ نہیں اس کے لئے ایمان نہیں" یہی حدیث آپ کے ہاں کنز العمال میں بھی موجود ہے۔

سوال:۔ میدان کربلا میں امام العصر سیدنا حسینؑ کے متعلق جناب کا کیا خیال ہے کہ آپ نے یزید ابن زیاد اور شمر اور ان کی افواج کے مقابلہ میں تقیہ پر عمل فرمایا یا نہ؟

جواب:۔ اور ہم نے اس کا جواب اس کتاب میں بار بار دیا ہے کہ تقیہ کے معنی ایمان و دین کو فروخت کر دینے کے نہیں ہیں بلکہ حفاظت دین کے لئے تقیہ کیا جاتا ہے اور یزید لعین کے خلاف تقیہ کرنا دین کے لئے نقصان دہ تھا پس امامؑ نے جہاد فرمایا۔

سوال:۔ اگر عمل فرمایا تو لڑائی کیوں ظہور میں آئی اور اگر عمل نہیں فرمایا تو کیوں؟

جواب:۔ عرض کر دیا کہ امامؑ نے جہاد فرمایا کیونکہ محل تقیہ معدوم تھا۔

سوال:۔ کیا اس لئے کہ یہ خلیفہ ان کے نزدیک ناحق تھا یا تقیہ ان پر فرض نہ تھا۔ ہر دو جہتوں پر تفصیل سے روشنی ڈال کر ہمارے قلوب کو مطمئن فرمائیے۔

جواب:۔ تقیہ حفاظت دین و ناموس کے لئے روا ہوتا ہے اور یہ فرض یا واجب نہیں ہے۔ یزید نہ صرف ناحق خلیفہ تھا بلکہ اس نے منہیات شرعیہ کو اعلانیہ رواج دینے کی کوشش شروع کر دی تھی اس وقت تقیہ دین کے لئے مضرت بخش تھا لہذا امام علیہ السلام نے تقیہ نہ فرمایا اور جابر، غاصب، فاسق اور ظالم حکمران کے خلاف اعلان جہاد فرما دیا۔

سوال:۔ سیدنا حسنؑ کے متعلق جناب کا کیا خیال ہے جبکہ انہوں نے حضرت معاویہ کو پوری مملکت اسلامیہ جس کو سیدنا علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بامر اللہ ان کے سپرد فرمایا۔

جواب:۔ امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کو سلطنت انتہائی معقول شرائط کے تحت دی کیونکہ اس نے پابند شریعت رہنے کا عہد کیا اور اپنے گذشتہ اعمال قبیحہ سے باز رہنے کا وعدہ کیا تھا۔ امام علیہ السلام نے اتمام حجت کی خاطر اس کو انتظام سلطنت سونپ دیا تا کہ اس کا کردار پوری طرح واضح ہو جائے۔

سوال:۔ فرمائیے آپ کا اور اہل سنت والجماعت کا (کلمہ) ایک ہے یا مختلف؟

جواب:۔ کلمہ بظاہر لفظاً ایک ہی سا ہے مگر مفہوم و تشریح مختلف ہے۔

سوال:۔ فرمائیے آپ کا اور اہل سنت والجماعت کا درود ایک ہے یا مختلف؟

جواب:۔ درود بھی لفظی اعتبار سے تو ایک ہی ہے لیکن عملاً اور معناً مختلف ہے کہ اہل سنت

درود عموماً ادھورا پڑھتے ہیں۔

سوال:۔ فرمایئے آپ کا اہل سنت کی صحاح ستہ سے اتفاق ہے یا اختلاف؟

جواب:۔ اختلاف ہے۔

سوال:۔ اگر اتفاق ہے تو من کل الوجوہ یا من بعض الوجوہ۔

جواب:۔ ہمیں اتفاق ہی نہیں ہے۔

سوال:۔ کیا یہ صحیح ہے کہ آپ حضرات کا اس مذہب سے دور کا بھی تعلق نہیں جس مذہب کی ترویج زمانہ حال میں بیت اللہ اور مدینۃ الرسول میں ہے۔

جواب:۔ جی یہ صحیح ہے کہ ہمارا مذہب مکہ و مدینہ میں مروجہ مذہب سے مختلف ہے۔

سوال:۔ کیا آپ اپنی ذمہ داری پر یہ ثابت فرما سکتے ہیں کہ آپ کے مذہب اور اصول مذہب کا رواج فتح مکہ سے لے کر اس دور تک کیوں نہ ہو سکا؟

جواب:۔ جی ہاں میں پوری ذمہ داری سے کتب اہل سنۃ والجماعۃ سے پورا مذہب شیعہ ثابت کر سکتا ہوں کہ اصلی مذہب اسلام اور دین محمدؐ نے رائج فرمایا وہ صرف اور صرف مذہب آل محمد علیہم السلام مسلک شیعہ اثنا عشریہ ہے۔ نیز مذہب سنیہ کی پوری تکذیب عہد نبویؐ سے ثابت کر سکتا ہوں۔

سوال:۔ فرمایئے اس مذہب کو دنیا میں کس طرح پیش کر سکتے ہیں؟

۱۔ جس کا قرآن محرف، مغیر، مبدل اور ناقص ہو۔

۲۔ جس کا نبی دوسرے کے ہاتھ پر بیعت کرے۔

۳۔ جس میں علی کل شی قدیر خدا تعالیٰ کے بغیر کسی اور کو بھی تسلیم کیا جائے۔

۴۔ جس کا صحیح خلیفہ تقیہ کر کے دین کو چھپا جائے۔

۵۔ جس کے باطل خلفاء معاذ اللہ اپنی من مانی کاروائیاں کر کے دین میں فساد برپا کریں۔

۶۔ جس کے صحیح خلیفے کا معصوم بیٹا مملکت اسلامیہ کو ایسے شخص کے سپر کر دے جو اس کے باپ کا معاذ اللہ مخالف ہو اور بارہا اُن کے ساتھ لڑ چکا ہو۔

۷۔ جس کا نہ کلمہ طیبہ پر اتفاق ہو، نہ درود پر اور نہ مذہب رائج فی الکعبہ پر۔

جواب:۔ (۱) بیشک اس مذہب کو دنیا میں پیش نہیں کیا جا سکتا جس کی الہامی کتاب محرف ثابت ہو اور مذہب سنیہ کے قرآن کو ہم نے نہ صرف کتب سُنیہ سے محرف ہی ثابت کیا ہے بلکہ اس کا عدم وجود بھی ثابت کر دیا۔ لہٰذا سنیوں کو اپنے محرف مذہب کا پرچار بند کر دینا چاہیے۔ شیعوں کا قرآن بفضل خدا محفوظ غیر محرف، مکمل و غیر مبدل ہے اور اس قرآن کو اپنے محافظ اور وارث کا سایہ نصیب ہے۔ اس تک غیر مطہر ہاتھ کی رسائی ہی ممکن نہیں ہے۔

(۲) ہمارے مذہب کا نبی خدا کے بعد بزرگ ترین ہے۔ وہ معصوم اور مطہر ہے جب کہ سنی مذہب کا نبی عام بشر ہے۔ خطا کار ہے۔ معاذ اللہ وہ تمام برائیاں اس میں ہیں جس سے رکنے کی اس نے تعلیم دی ہے۔ وہ نبی ایسا ہے کہ بھٹک جاتا ہے اور ہذیان بھی کہہ دیتا ہے اکثر اللہ میاں کو اس کے جعلی مریدوں کی رائے پسند آتی ہے اور اللہ میاں رسول کی بجائے ان لوگوں کی بات کو صحیح سمجھ کر آیت

نازل کر کے رسولؐ کو شرمندہ کرتا ہے۔ ہمارا نبی کسی غیر کی بیعت نہیں کرتا ہے بلکہ اس کا مقرر کردہ ہادی اس کے لئے بیعت لیتا ہے جس کی وہ اور اس کا وصی تصدیق کرتے ہیں۔ جبکہ سُنی رسولؐ ایک غلط موقف پر بیعت کرتا ہے۔ اپنی شرط کے خلاف بیعت لیتا ہے۔ (بیعت شجرہ مراد ہے)۔

(۳) سُنی خدا بخیل ہے وہ ہاتھ بند رکھتا ہے اور اپنے انعامات و کرام اپنے پاس سمیٹے رکھتا ہے۔ جبکہ شعیہ کا خدا وہ ہے جس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں وہ اپنے بندوں پر کرم نوازی کرتا ہے۔ اپنے مصطفےٰ عباد کو اپنی صفات کا مظہر قرار دیتا ہے۔ اگر وہ قادر ہے تو اس نے انسان کو بھی صفت قدرت بخشی ہے لہذا جس مرتبہ کا انسان ہو اس کو اس مناسبت سے قدرت عطا کرتا ہے۔ تاکہ دنیا کو معرفت حقیقی بالمشاہدہ ہو سکے اگر مخلوق کی قدرت ایسی ہے تو پھر خالق کیسا قادر مطلق ہوگا۔

(۴) سُنی مذہب کے خلیفے یزید و ولید جیسے بدکار و بدمعاش لوگ ہیں جو احکام دین و شریعت میں تصرف کر کے اعلانیہ فسق و فجور کو رواج دیتے ہیں جبکہ شیعہ خلیفے ہر قدم پر دین کی حفاظت کرتے ہیں کہ تقیہ حفاظت دین کا ایک طریقہ جسے قرآن و حدیث کی تائید حاصل ہے۔

(۵) شیعہ وجود شیاطین کے قائل ہیں اور اُن لوگوں کو جنہوں نے اپنی من مانی کاروائیاں کر کے دین میں رخنہ اندازی کی ہے گروہ شیطان کے کارکن سمجھتے ہیں جبکہ سُنی ایسے ابلیس صفت لوگوں کو مذہبی پیشوا مانتے ہیں۔

(۶) جس طرح خدا نے ابلیس جیسے سرکش کو ڈھیل دے دی اور اغواء کی قوت و اقتدار بھی بخش دی تا کہ امتحان خلق ہو جائے اسی طرح شیعوں کے معصوم ابن معصوم خلیفہ نے ایک ابلیس ارض کو

سلطنت کا انتظام دیا تا کہ دیندار و بے دین کا امتحان ہو جائے۔ جبکہ سنیوں نے اس اختیار کو حقیقت سمجھ کر لیا ہے اور اس کو خلیفہ خدا کی کمزوری سمجھ رکھا ہے اور اس کے ہاتھوں ان کا اغواء ہو گیا ہے۔

(۷) شیعوں کا کلمہ طیبہ وہ ہے جو در جنت پر حروف ذہبیہ میں مرقوم ہے ان کا درود پورا ہے اور زمانہ رسولؐ میں ان کا ہی مذہب رائج ہوا اور آج بھی تمام دنیا میں ان کے مذہب کو برتری حاصل ہے کہ اس کے علاوہ دنیا کے کسی مذہب میں یہ صلاحیت موجود نہیں ہے کہ تقاضائے وقت کے مادی و روحانی مسائل کا حل پیش کر سکے۔ یہ خصوصیت صرف شیعہ مذہب کو ہی نصیب ہے کہ عقل و نقل اس کی تائید کرتے ہیں۔ رواج فی الکعبہ دلیل حق نہیں ہے کہ زمانہ گمراہی کے متعلقہ ایسے اخبار احادیث میں موجود ہیں کہ ظلمت حرمیت کی حدود میں وارد ہو گی۔ اگر کعبہ کے مذہب کو دلیل بنایا جائے تو پھر واقعہ حرہ میں جو احادیث پیش آئے ان کا کیا جواب ہو گا اور اب سے پہلے جو مذہب تھا اس کا کیا حشر ہو گا۔

پس شیعہ مذہب ہی کو یہ حق ہے کہ اُسے دنیا کے سامنے پیش کیا جائے کیونکہ:

(۱) اس کا خدا ذاتی طور پر صاحب اقتدار ہے۔

مگر سنی خدا میں صفات موجود نہیں وہ بے اختیار ہے۔

(۲) شیعوں کا اللہ عادل ہے اور منصف ہے۔

مگر سنی خدا ظالم ہے، شریر ہے، جہنمی ہے۔

(۳) شیعوں کا رسول معصوم ہے نمونہ اخلاق ہے۔

سنی رسول گنہگار، خاطی، غلط کار اور بد اخلاق ہے۔

(۴) شیعوں کا نائب رسول بھی معصوم ہے اور منصوص ہے۔

سنیوں کے خلیفے آثم، غاور، خائن، کاذب اور جمہوری ہے۔

(۵) شیعوں کا قرآن خشک و تر کا علم رکھتا ہے۔

سنیوں کے قرآن میں تاثیر ہی نہیں ہے کہ اس کا وجود مشکوک ہے۔

(۶) شیعوں کی احادیث کی اساس معصومین پر ہے۔

سنی روایات کی اساس خطا کاروں پر ہے۔

(۷) شیعہ کا مذہب خاندان رسول کا مذہب ہے۔

سنیوں کا مذہب دشمنان خاندان رسول کا مذہب ہے۔

(۸) شیعوں کا نام اور ہر کام کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

سنیوں کا نہ ہی کتاب وسنت میں نام ملتا ہے اور نہ ہی کسی کام کی تائید ثابت ہے۔

(۹) شیعوں کو حضورؐ سے نجات کی ضمانت حاصل ہے۔

سنی نام زبان رسولؐ سے ثابت نہیں ہے

الغرض سائنس اور فن کے موجودہ دور میں اور کسی بھی وقت استقبال یا ماضی میں تمام مادی و روحانی مسائل کا حل اور ہر سوال کا تسلی بخش جواب ہر مرض کا شافی علاج تمام گمراہیوں سے نجات پانے کا صحیح راستہ صرف مذہب شیعہ اثنا عشریہ ہے۔

بحث صبر ورد فزع

سوال:۔ جو لوگ جزع فزع کرتے ہیں آپ کے نزدیک صابرین کے گروہ میں داخل ہیں یا نہ۔ اگر داخل ہیں تو دلائل سے واضح کیجئے نیز والصبر منده الجزع مندرجہ

ص ۱۱۱ اصول کافی مطبوعہ ایران کا کیا جواب ہے جبکہ صاحب کتاب نے صبر کو جزع فزع کی ضد قرار دیا ہے۔

جواب:۔ جزع فزع کرنا منافی صبر نہیں ہے بشرطیکہ حدودِ شرعیہ سے تجاوز نہ کیا جائے۔

"جزع" "فزع" دو الفاظ کا مرکب ہے اور اس کے عام معنی عزاداری سمجھے جاتے ہیں مثلاً رونا، پیٹنا، آہ و بکا کرنا وغیرہ۔ صبر کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو ایسی چیز کے اظہار سے روکے جو اس کے مناسب نہیں ہے لیکن فطری و طبعی افعال سے روکنا صبر نہیں کہلاتا۔ کتاب "چودہ مسئلے" میں ثابت کیا ہے کہ غم و رنج کے مواقع پر گریہ و بکا کا سرزد ہونا ایک فطری امر ہے اور عام رواجِ زمانہ کے مطابق بھی مظلوم پر کئے گئے ظلم سے متاثر نہ ہونا، کسی دوست و محبوب کی مصیبت سے متالم نہ ہونا قساوتِ قلب اور سنگدلی کہلاتا ہے جو نہایت ہی مذموم ہے لہٰذا ایسا انسانیت سے گرا ہوا معیوب فعل "صبر" کی فہرست میں جگہ نہیں پا سکتا ہے چنانچہ قرآن مجید شاہد ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی فراقِ پسر میں آنکھیں سفید ہو گئیں اور اس کثرت سے گریہ کرنے کے باوجود حضرت یعقوبؑ کو اللہ تعالیٰ نے "صبر جمیل کرنے والا" فرمایا ہے پس معلوم ہوا کہ گریہ و زاری خلافِ صبر نہیں بلکہ عینِ صبر ہے۔

جزع اور فزع دونوں لفظوں کے معنی جُدا جُدا ہیں۔ "جزع" بے قراری و بے صبری کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے جبکہ فزع کے معنی ڈرنا، مدد کرنا، فریاد رسی کرنا، پناہ تلاش کرنا، بیدار ہونا، اٹھنا، جاگنا وغیرہ ہوتے ہیں۔ لفظی ترکیب کے لحاظ سے دونوں لفظوں میں ربط معلوم نہیں ہوتا ہے کہ لیکن جب یہ دونوں لفظ مل جاتے ہیں اور "جزع فزع" کی شکل اختیار کر لیتے ہیں تو ان کے انفرادی معنی کی صورت بھی قائم نہیں رہتی ہے بلکہ دونوں کے معنی محاورہ کے تحت استعمال میں لائے جاتے ہیں کہ عزاداری کرنا، رونا پیٹنا وغیرہ۔ جس طرح محاورہ ہے "پانی پھیرنا" پانی کے معنی آب ہیں اور پھرنا کا مطلب موڑنا ہے جبکہ دونوں کا مل کر معنی ضائع کر دینا ہے اب اگر میں جہالت سے کام لیتے ہوئے

کہہ دوں کہ جہاد میں پیٹھ پھیرنا عدم استقامت ہے لہذا پانی پینا بھی بے ثباتی ہے تو ہر عقلمند میری عقل کا ماتم کرنا شروع کردے گا۔ چنانچہ اسی مثال کی روشنی میں لدھیانوی صاحب کے استدلال کو لیجیے کہ جزع کے لفظی معنیٰ کو "جزع فزع" کے محاورہ میں لے کر اپنی جہالت کے کرشمے دکھا رہے ہیں۔ صرف "جزع" بلاشبہ "صبر" کی ضد ہے کہ اس کے معنی بے صبری ہیں لیکن "جزع فزع" کے مرکب کے معنی ہی اور ہیں۔ پس "جزع فزع" صبر کی ضد ہرگز اقرار نہیں پاسکتا۔

سوال:۔ اور اگر داخل نہیں تو بے صبر گروہ کی سزا کے متعلق تصریح فرمایئے۔

جواب:۔ عزادار کو بے صبر کہنا ہی معنوی لحاظ سے درست نہیں ہے اور ہم جزع فزع کرنے والوں کو گروہ صابرین میں جانتے ہیں۔ جیسے خدا نے یعقوبؑ جیسے عزادار نبی کو صبر جمیل کرنے والا فرمایا ہے۔

سوال:۔ اگر آپ جزع فزع کے قائل ہیں تو یقیناً صبر کے خلاف ہیں پس قرآن مجید کی اس آیت کا جواب عنایت فرمایئے "ان اللہ مع الصابرین" جبکہ خداتعالےٰ کی تائید وحمایت صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

جواب:۔ جزع فزع چونکہ منافی صبر ہی نہیں ہے بلکہ فاعل جزع فزع کو خود خدا نے صابر قرار دیا ہے تو پھر ہم صبر کے خلاف کیونکر ہوئے۔ جس طرح حضرت یعقوب علیہ اسلام نے جزع فزع کی اور صبر والے رہے اور خدا کی حمایت وتائید ان کو حاصل رہی اسی طرح اُن کی سنت پر عمل کرنے والوں کے ساتھ بھی اللہ کی تائید ونصرت وحمایت شامل ہے۔

سوال:۔ کیا جزع فزع کرنے والے تارکین صبر آیت ذیل میں درج شدہ

بشارت سے محروم نہیں:

و بشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اور خوشخبری دیجئے ان صبر کرنے والوں کو جبکہ ان کو مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جواب:۔ جی نہیں یہ بشارت دراصل ہے ہی ان صابرین کے لئے جو جزع وفزع کرتے ہیں کیونکہ آپ کے زعم کے مطابق مصیبت میں پکارنا منافی صبر ہے جبکہ یہ بشارت اُن صابرین کے لئے جو پکارتے ہیں کہ ہر شے اللہ ہی کی ہے اور اسی کی طرف لوٹ جانے والی ہے۔ یعنی جزع فزع کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر بوقت مصیبت چپ رہنے والے نہ ہی صابر ہیں اور نہ ہی مستحق بشارت۔

سوال:۔ قرآن مجید میں حضور علیہ السلام کو حکم دیا گیا ہے صبر کیجئے جس طرح پیغمبروں نے صبر کیا تھا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تمام پیغمبروں کا دستور العمل صبر ہے اور جو لوگ جزع فزع کرتے ہیں وہ پیغمبروں کے دستور کے خلاف کرتے ہیں۔

جواب:۔ جب جزع وفزع صبر کے خلاف ہی نہیں ہے تو پھر پیغمبروں کے دستور کی خلاف ورزی کیسے ہوئی۔ اگر عزاداری صبر کی ضد ہوتی تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گریہ وزاری وآہ و بکا کیوں کرتے جیسا کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ، کی شہادت پر کی یا قتل حسینؑ کی اطلاع پانے پر تمام اثبات از کتب اہل سنۃ میں نے اپنی کتاب چودہ مسئلے میں پیش کیے ہیں کہ عزاداری سنت رسولؐ ہے۔ سنت قولی بھی ہے اور فعلی بھی۔ عمل اصحاب وتابعین بھی ہے اور سنت آل رسول بھی ہے۔ اگر عزاداری منافی صبر ہوتی یا خلاف سنت انبیاء ہوتی تو حضورؐ اصحاب اور آل رسولؐ یہ فعل ہرگز نہ کرتے۔

سوال:۔ اصول کافی مطبوعہ ایران ص ۳۴۰ میں ہے۔

الصبر من الایمان بمنزلة الراس من الجسد فاذا ذهب الراس ذهب الجسد كذلك اذاذ هب الایمان۔

صبر ایمان سے بمنزلہ سر کے ہے جسم سے پس جب سر چلا جائے تو جسم نہیں رہتا اسی طرح جب صبر چلا گیا تو ایمان نہیں رہتا۔

براہ کرم جواب مرحمت فرمائیے۔

جواب:۔ عزاداری سے صبر کا جب ٹکراؤ نہیں ہے تو پھر عزاداری کے ذیل میں صبر کی بحث ہی بے محل ہے۔

سوال:۔ اصول کافی ص ۳۴۱ مطبوعہ ایران میں ہے۔

الصبرين من الایمان بمنزلة الراس من الجسد فاذا ذهب الراس ذهب الجسد كذلك اذا ذهب الصبر ذهب الایمان۔

حضرت زین العابدین سے روایت ہے فرمایا صبر ایمان سے بمنزلہ سر سے ہے جسم سے اس کا ایمان نہ رہا جس کا صبر نہ رہا۔

جواب:۔ صبر کی فضیلت میں وارد روایات کو عزاداری کے امتناع کی دلیل بنانا نامعقول ہے جبکہ عزاداری بے صبری نہیں۔

سوال:۔ جواب دیجئے کہ کیا ترک صبر ترک ایمان کو مستلزم ہے یا نہ۔ اگر ہے تو ادعاء ایمان کیسا اور اگر نہیں تو زین العابدین کے فرمان کا مطلب بیان کیجئے۔

جواب:۔ ترک صبر ترک ایمان کو مستلزم ضرور ہے مگر میرا ادعا یہ ہے کہ جزع فزع سبب ترک صبر ہرگز نہیں ہے۔ جب صبر محفوظ ہے تو دعوٰی ایمان غیر محفوظ کیوں کر ہو گیا۔ اصولی طور پر اولاً آپ کو عزاداری خلاف صبر ہونے کو پایہ ثبوت تک پہنچانا چاہیئے پھر صبر کے دلائل سے جزع فزع کی بحث ہو سکتی ہے۔

سوال:۔ اصول کافی ص ۳۴۲ مطبوعہ ایران میں ہے "صبر عند المصیبۃ" صبر مصیبت کے وقت بہت بہتر ہے۔ ان لوگوں کے متعلق جناب کا کیا خیال ہے جو صبر ترک کر کے جزع و فزع کو نہ صرف اپناتے ہیں بلکہ اتراتے ہیں۔

جواب:۔ اس کا جواب قرآن میں ہے کہ جزع فزع کرنے کے باوجود یعقوبؑ کے صبر کو جمیل کہا گیا۔ پس جزع و فزع کو اپنانا صبر کے خلاف نہیں بلکہ عین صبر ہے بلکہ صبر جمیل ہے شاید شیعہ اسی جمال پر اتراتے ہیں کہ حسن کے ساتھ نزاکت بھی آ ہی جاتی ہے۔

سوال:۔ اصول کافی ص ۳۴۲ مطبوعہ ایران میں ہے

فمن صبر علی المصیبته کتب اللہ ثلثمانة درجة ما بین الدرجنین الیٰ الدرجته کما بین السماء الیے الارض۔

پس جس نے مصیبت پر صبر کیا خدا تعالیٰ اس کے لئے تین سو

درجے ہوں گے درجوں کے درمیان اتنی مسافت ہوگی جتنا آسمان وزمین کے درمیان ہے۔

جواب:۔ اس روایت میں بھی صبر کے درجات مرقوم ہیں جبکہ ہم صبر اور عزاداری میں تصادم ہی نہیں مانتے ہیں۔

سوال:۔ جب واضح ہوگیا کہ جزع فزع خلاف صبر ہے تو فرمایئے موجودہ طرز اعزاداری حضور علیہ السلام سے ثابت ہے یعنی کیا آنحضور نے سابقہ انبیاء کے سوگ میں اس قسم کا عمل فرمایا؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو دلائل سے نوازیئے۔

جواب:۔ کس طرح واضح ہوگیا کہ جزع فزع صبر کے خلاف ہے گھر بیٹھے ہی ! کوئی ایک ہی ایسی روایت صحیح نقل تو کی ہوتی جو ثابت کرتی کہ جزع فزع صبر کے خلاف ہے۔ جبکہ ہم نے ابتدائی سوال ہی میں ثابت کردیا ہے کہ عزاداری صبر کی ضد ہرگز نہیں ہے۔ باقی حضور علیہ السلام سے عزاداری ثابت ہے۔ عزاداری امام حسینؑ سنت قولی اور سنت فعلی ہے۔ حضور کی گریہ زاری ملاحظہ کیجئے (۱) کنز العمال بر حاشیہ مسند احمد بن حنبل۔ (۲) مشکوۃ شریف میں تبرکات عزاداری کا استحباب ثابت ہے۔ صحیح مسلم میں صحابہ اور رسول کا حضرت آمنہ کی قبر پر گریہ زاری کرنا لکھا ہے۔ وفات ابراہیمؑ پر حضورؐ کا بین کرنا مشکوۃ شریف میں ہے۔ مسند احمد بن حنبل میں وفات رسولؐ پر بی بی عائشہ کا ماتم کرنا لکھا ہوا ہے۔

موجودہ طرز یا غیر موجودہ طرز کا سوال کرنا ٹیڑھی بحث ہے۔ جب اصولی طور پر عزاداری کا استحباب بمطابق رسول قول وفعل سے ثابت ہے تو پھر طرز یا انداز کی شرط لگانا خلاف قاعدہ ہے کیونکہ یہ سوال ویسا ہی ہے کہ اگر کوئی کہہ دے کہ بتایا جائے رسول اللہؐ نے کب پتلون پہن کر نماز پڑھی۔ یا حضورؐ

نے کب بادشاہی مسجد لاہور میں آ کر نماز پڑھائی۔ جب نفس فعل کا مستحب ہونا ثابت ہے تو اس کے طرز پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا کہ ہر قوم وطن کے مراسم و رسومات و رواج الگ الگ ہوسکتے ہیں۔ چونکہ شہادت امام حسین علیہ السلام کا واقعہ وہ ہے جس میں تمام نبیوں اور رسولوں کے مصائب کو یکجا کر دیا گیا ہے اس لئے حضور قبل از شہادت حسینؑ ہی عزادار رہتے تھے اور اس مصیبت کا سوگ جمیع سلسلہ انبیاءؑ کو محیط کر لینے کے لئے کافی ہے پھر بڑا سانحہ چھوٹے حادثہ کی اہمیت کو لازمی کم کرتا ہے اور شہادت حسینؑ کے سامنے انبیاء کرامؑ کی مصیبتیں ماند پڑ جاتی ہیں پس حضورؐ نے اسی یادگار واقعہ کی یاد قبل از وقوع گریہ زاری کرتے ہوئے مٹی سامنے رکھ کر منائی۔

سوال:۔ نیز حسب ذیل ارشاد نبویؐ کا بھی جواب عنایت فرمایئے جبکہ بروایت جعفر صادق حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے بحوالہ حیات القلوب ص ۵۲۸ ج ۲۔

حضرت فرمود کہ در مصیبت باطپانچہ بر روئی خود مزنید و روی خود را فخراشید و موی امکنید و گریبان خود را چاک مکنید و جامہ خود را سیاہ مکنید و وادیلاہ مکنید۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مصیبتوں میں طمانچہ منہ پر نہ مارو۔ اپنے منہ کو نہ نوچو اپنے بال نہ کھسوٹو اپنے گریبان چاک نہ کرو اپنے کپڑے کالے نہ رنگو اور ہائے ہائے نہ کرو۔

جواب:۔ یہ ارشاد عام مصیبت کے لئے ہے عزاداری اہل بیتؑ سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ دیکھئے تحفۃ العوام۔

سوال:۔ جب حضور علیہ السلام کی وفات ہوئی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

"حضرت فرمود صبر کنید" یعنی میری وفات کے بعد جزع فزع نہ کرنا۔ یہ امر کیا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ حضرت نے جزع فزع سے منع فرمایا اور صبر کا حکم فرمایا۔

جواب:۔ چونکہ صبر منافی جزع فزع نہیں ہے لہذا دلیل غلط ہے۔

سوال:۔ ترجمہ مقبول ص ۱۰۹۹ کے حاشیہ ا میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا وہ یہ ہے کہ تم اپنے رخساروں پر طمانچے نہ مارو۔ اپنے منہ نہ نوچو۔ اپنے بال نہ کھسوٹو۔ اپنے گریبان چاک نہ کرو اپنے کپڑے کالے نہ رنگو اور ہائے وائے کر کے نہ روو۔ پس یا تو اس فرمان کا جواب دیجئے اور یا ان افعال سے توبہ کیجئے۔

جواب:۔ یہ ہدایت بھی عام مصیبت کے لئے ہے عزاداری امام مظلوم اس سے مستثنیٰ ہے۔

اس سوال کے جواب کے طور پر ہم آیت قرآن کا مفہوم پیش کرتے ہیں کہ فتح الباری شرح بخاری شریف میں قرآن مجید کے چھٹے پارے کی آیت "**لا یحب اللہ الجھربا لسوء من القول الامن ظلم**......... **الخ**" کے ذیل میں شرح کی ہے جزع حرام ہے مگر مظلوم کے لئے نہیں۔ پس چونکہ اہل بیتؑ مظلوم ہیں لہذا ان کے مصائب پر اعزاداری کرنا جائز و مباح ہے۔

سوال:۔ نہج البلاغۃ ج ۳ ص ۱۸۵ مطبوعہ استقامہ میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے۔

ینزل الصبر علے قدر المصیبتہ ومن
ضرب یدہ علے فخدہ عند مھیبتہ حبط

عملہ۔

صبر مصیبت کے انداز پر ہوتی ہے جس نے اپنا ہاتھ ران پر مارا

مصیبت کے وقت، اس کے عمل ضائع ہو گئے۔

جب پیٹنا حبط اعمال کا باعث ہے تو اس فعل سے اظہار برأت.........کیوں نہیں کرتے؟

جواب:۔ یہ بھی عام مصیبت کے پیٹنے کے لئے ہے حالانکہ صحیح بخاری میں خود حضورؐ کا ران

پیٹنا مرقوم ہے۔

سوال:۔ اشعث بن قیس کا بیٹا فوت ہوا سیدنا علی مرتضٰی نے ان کو تعزیت میں فرمایا۔

ان صبرت جری علیک القدر وانت ماجور

وان جزعت جزی علیک القدر وانت ماذور

(نہج البلاغہ ص ۲۲۴)

اگر تو صبر کرے گا تقدیر تیرے اوپر جاری ہو چکی ہے اور تجھے

اجر دیا جائے گا اور اگر تو جزع فزع کرے گا تقدیر تیرے اوپر

جاری ہو چکی ہے اور تو عذاب دیا جائیگا

آپ حضرات کے نزدیک حضور علیہ السلام کے بعد یقیناً سیدنا علی المرتضیٰؑ کا درجہ

ہے۔ جب حضور علیہ السلام اور سیدنا علی دونوں جزع فزع کے خلاف ہیں تو آپ کا عمل ان

کے احکام کے برعکس کس مصلحت اور کون سی نص پر مبنی ہے؟

جواب:۔ اس ارشاد میں بھی جزع کا بیان ہے جو کہ صبر کی ضد ہے نہ کہ "جزع فزع" کا چونکہ

جزع کے معنی اور "جزع فزع" کے معنوں میں فرق ہے لہذا یہ روایت عزاداری کے لئے مانع قرار نہیں دی جاسکتی اور پھر یہ کہ اس کا حکم بھی عام مصیبت کے لئے ہے اور مخصوص ہے اشعث بن قیس سے جبکہ عام حالات مصائب سے ہم بحث نہیں کرتے ہیں بلکہ ہمارا موضوع "عزاداری سید الشہداء علیہ السلام" ہے اور امام مظلوم کی عزاداری کے سلسلے میں کثرت سے ایسی روایات موجود ہیں جو استحباب ثابت کرتی ہیں۔

سوال:۔ من لایحضرہ الفقیہ ص ۳۵۹ ج ۳ میں ہے

من ضرب یدہ علی فخذہ عند مصیبة حبط علمه

جس نے اپنا ہاتھ ران پر مصیبت کے وقت مارا اس کے عمل برباد ہو گئے۔

فرمایئے کیا جواب ہے؟

جواب:۔ یہ روایت بھی عام مصیبت سے متعلقہ ہے جب کہ ہم عزاداری پر اصرار نہیں کرتے ہیں ہمارا موضوع بیان ماتم شبیرؑ ہے۔

سوال:۔ من لایحضرہ الفقیہ ص ۸۱ ج ۱ میں ذیل کے الفاظ کے معنی بیان کیجئے:۔

"قال امیر المومنین فیما علم اصحابه لا تلبسوا السواد فانه لباس فرعون"

جواب:۔ اس کا مطلب ہے کہ کالا لباس نہ پہنو یہ فرعون کا لباس ہے ہم بھی غم معصوم کے علاوہ کالا لباس پہننا ضروری نہیں سمجھتے لیکن اتنا ضرور پوچھتے ہیں کہ کالی کملی والے کے بارے میں کیا خیال شریف ہے؟ کنز الدقائق میں لکھا ہے کہ خلفاء سیاہ لباس پہنتے تھے۔ غلاف کعبہ بھی سیاہ ہے نیز یہ تحقیق ہے کہ روایت بالا مجہول ہے دیکھئے مراۃ العقول جلد ۳ ص ۱۵۹۔

سوال:۔ جب مدینہ سے سیدنا حسین بعزم کوفہ تشریف لے جانے لگے تو یہ لفظ فرمائیے:

بخدا سوگندے دھم کہ صبر پیش آورید

دست ازجزع فزع وبے تابی رواریدٖ (جلاء العیون ص ۳۵۳)

تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ صبر کرنا اور جزع فزع بے تابی سے ہاتھ کو اٹھالینا

جواب:۔ جلاء العیون میں "جزع وفزع" کے الفاظ نہیں مل سکے صرف "جزع" ہے جو صبر کی ضد ہے اور عزاداری صبر کی ضد نہیں ہے۔

سوال:۔ جلاء العیون ص ۳۸۷ کی اس عبارت کا کیا جواب ہے:

چوں من ازتیغ اھل جفا بعالم بقا رحلت نما یم گریباں چاک مکنیدو رو مخراشید و واویلا مگوئید

جب میں اہل جفا کی تلوار سے شہید کیا جاؤں تو تم گریبان کو چاک نہ کرنا منہ نہ چھیلنا اور ہائے ہائے نہ کرنا

جواب:۔ روایت کے مطابق یہ نصیحت امام عالی مقام نے حضرت سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کو فرمائی کیونکہ شہادت کے بعد اہل بیتؑ کی نگہداشت بی بی ثانی زہراؑ کو سونپنا مقصود تھا لہذا آپ کو ایسی

تلقین کی گئی تا کہ کہیں بی بی عزاداری میں مصروف ہو کر نگرانی کی ذمہ داری سے غافل نہ رہ جائیں۔ نیز نسوانی حجاب کو مدنظر فرماتے ہوئے امامؑ نے خاتونؑ کو بلا کر ایسی ہدایت جاری فرمائیں یہ بھی حکم عام نہیں ہے بلکہ بی بی زینب صلوۃ اللہ علیہا سے مخصوص ہے ایک وقت خاص کے لئے۔

سوال:۔ بہیت کذائیہ طریقہ ماتم و سوگواری جب جملہ انبیاء و رسل اور آئمہ کرام سے ثابت نہیں تو اس کا موجد آپ کی تحقیق میں کون ہے؟

جواب:۔ ویسے تو یہ فطری امر ہے اور اس کا موجد فطرت ہے اسی لئے باوجود پابندی و ممانعت کے متوفی کے اہل و عیال کو رونے پیٹنے سے روکنے کی کوشش بار آور ثابت نہیں ہوتی ہیں۔ مشاہدہ گواہ ہے کہ جانور تک پر جب مصیبت پڑتی ہے تو وہ واویلا کئے بغیر نہیں رہتے ہیں۔ اسی لئے کسی بھی طریقہ و مسلک میں عزاداری مذموم نہیں ہے البتہ عدل کے لحاظ سے حدود متعین ہیں اور زمانہ جاہلیت کی رسومات عزاداری پر پابندی نافذ کرنے کا دراصل مقصد یہی تھا کہ اُن طریقوں میں بے صبری بے قراری اور ذات باری تعالیٰ سے گلے شکوے کئے جاتے تھے۔ لیکن جس حد تک آدمی پر جذبات کا اثر انداز ہونا ممکن ہے اور اس کو قابو پانا مشکل ہے شرع اسلام نے اس پر پابندی نہیں لگائی ہے کیونکہ اسلام مذہب فطرت ہے۔ اسی لئے انبیاء روتے پیٹتے رہے یا مروجہ ثقافت کے مطابق عزاداری کرتے رہے اور خدا نے ان کی عزاداری اور سوگواری کو منافی صبر قرار نہ دیا۔

آخر دین اسلام کے خاتم النبین رسولؐ نے بھی اپنی والدہ کی قبر پر گریہ زاری فرمائی۔ حمزہؑ کی شہادت پر مرثیہ و نوحہ کہا۔ انسانی بے صبری و طبع نزاعی پر بقول بخاری ران پیٹ کر ماتم کیا۔ زندہ حسینؑ کو گود میں لے کر گریہ فرمایا۔ اس کی مٹی قتل گاہ کو سونگھا اور دیکھا پھر متبرک خیال کر کے ام

المومنین بی بی اُم سلمہؓ نے محفوظ کر کے رکھا اور آپ نے روزانہ اس کی زیارت کرنا شروع کر دی۔ جب ابراہیمؑ فرزند رسولؐ کی وفات ہوئی تو حضور کی اشکباری پر صحابہ نے اعتراض بے صبری کیا جسے خود حضورؐ نے بیان کر کے تعلیم دی کہ سوگواری فطری امر ہے اور صبر کے خلاف نہیں ہے۔ اسی طرح تمام اہل بیتؑ کا عزادار ہونا کتب فریقین سے مکمل طور پر ثابت ہے جسے مع حوالہ جات معتبرہ ہم نے "چودہ مسئلے" میں پیش کر دیا ہے۔ سنت رسول مقبولؐ اور آئمہ طاہرینؑ کو رہنے دیجئے کہ وہ پوری طرح ہماری تائید کا ثبوت ہیں۔ ہم برائے خاتمہ بحث اور اتمام حجت ایک ایسی شہادت پیش کرتے ہیں جسے آپ صدیقہ مانتے ہیں۔ اب یا تو اپنی صدیقہ کی تکذیب کر دیجئے یا پھر ماتم کی موجدہ فی الحال اُن کو مان لیجئے۔ چنانچہ سُنی آئمہ اربعہ کے امام احمد حنبل تحریر کرتے ہیں کہ "بی بی عائشہ نے وفات رسولؐ پر ماتم کیا" مسند جلد ۶ ص ۲۷۴ مزید دیکھئے سیرۃ ابن ہشام جلد ۴ ص ۳۰۵، سیرہ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۷۶ پس ہم مسلمانوں کی صدیقہ ماں کو موجد ماتم قرار دیتے ہیں۔

سوال:۔ سیدنا حسینؑ کا تعزیہ بنانا اور باقی حضرات کا نہ بنانا، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بقول شہادت امام حسینؑ درحقیقت شہادت سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جس طرح سرکار رسالت مآبؐ کی نبوت و رسالت کی گواہی تمام سلسلہ انبیاء کے لئے کافی ہے اسی طرح تعزیت حسین مظلوم صفحہ ہستی پر وجود پذیر ہر ظلم کی تعزیت کے لئے کافی ہے۔ کافی مراسم عزاداری میں عزادار شہید کی یادگار بناتے ہیں اور ہر ناصر دین کو خراج عقیدت اظہار تعزیت سے دیتے ہیں۔ علم عباسؑ مشک سکینہؑ، گہوارہ اصغرؑ وغیرہ وغیرہ تمام نشانیاں حسب رسومات بنائی جاتی ہیں۔ اگر تعزیہ سے مراد شبیہ قبر لی جائے تو گذارش ہے کہ کربلائے معلی میں جناب عباسؑ اور حضرت حرؑ کے علاوہ باقی تمام شہدائے کرام ایک ہی حرم میں مدفون ہیں۔ ایک جالی گنج شہیداں کی ہے جس میں انصار حسینؑ مدفون ہیں اور ایک جالی میں امام پاک اپنے دو فرزندوں کے ساتھ دفن ہیں۔

سوال:۔ بحیثیت لا آئیہ مراسم عزاداری کے تارکین پر آپ کا کیا فتویٰ ہے؟

جواب:۔فطرت کے منحرف اور انتہائی سنگدل اور شقی القلب ہیں وہ لوگ جو مظلومیت حسینؑ یں سوگوار نہیں ہیں۔فطر و اخلاقی اقدار سے تو ان کی مذمت جتنی بھی کی جائے کم ہے مگر عزاداری کے اثبات میں تو آیات بھی موجود ہے۔

سوال:۔ مراسم عزاداری (عزاداری) کے درجہ کی تصریح کیجئے فرض ہے یا واجب؟

جواب:۔ مستحب ہے اور اگر نذر یا عہد کر لیا جائے تو فرض بن جاتے ہیں۔

سوال:۔ مسلم ممالک میں سے اس سلسلے میں آپ کے ساتھ کونسا مسلک متفق ہے؟

جواب:۔ چونکہ خوشی کے موقع پر خوش منانا اور غم و رنج کے مواقع پر متالم وسوگوار ہونا فطرت انسانی ہے لہذا دنیا کا ہر مسلک اس سے اتفاق کرتا ہے، انفرادی ضد سے بحث نہیں بلکہ جو لوگ مخالف عزاداری بھی بنتے ہیں وہ بھی زندگی میں کبھی کبھار روئے پیٹے بغیر نہیں رہ سکتے۔پس ساری دنیا متفق ہے۔خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کی توفیق و برکت سے معترض کے تمام اعتراضات کا جواب مکمل ہوا۔ہم نے کوشش کی ہے کہ کتاب کو بالکل روزمرہ کی عام زبان میں لکھا جائے اور جوابات میں دقیق ترکیبات اور ثقیل الفاظ استعمال نہ کیے جائیں تاکہ ہر خاص و عام قاری مطالب سے بخوبی واقف ہو جائے اور بوقت ضروری اپنے مذہب کی مدلل حفاظت اور مضبوط دفاع کر سکے۔غیر متعلقہ مباحث اور عمیق تشریحات سے بھی اجتناب کیا تا کہ ضخامت کتاب بار خاطر نہ گذرے۔حدامکان تک مختصر اگر

مکمل و جامع جوابات دینے کی سعی کی ہے اور ایک مضمون کو دوسرے مضمون سے خلط ملط نہیں ہونے دیا ہے حالانکہ بات میں سے بات نکلتی رہی ہے لیکن خدشہ طوالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اضافی تشریحات کو ترک کر دیا ہے تاہم جہاں ضروری سمجھا گیا ہے اشارۃً تحریر کر دیا ہے یوں تو اعتراضات کے مطالعہ سے قارئین پر ان کی حقیقت منکشف ہو چکی ہوگی لیکن ایک خاص امر کا ظاہر کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ معترض نے جن سوالات میں بعض حضرات کا ایمان ثابت کرنے کے لئے ہاتھ پیر مارے ہیں وہاں وہ تمام خواص و خصلتیں صاحبان ایمان کی بیان کر کے اپنے ممدوحین کے خصائل میں پیش کی ہیں حالانکہ اصولاً پہلے ایمان ثابت کرنا چاہیے۔

یہاں مجھے ایک مثال یاد آئی ہے کہ میرے میز پر ایک دودھ سے بھرا شیشے کا گلاس رکھا تھا۔ پاس ایک خالی گلاس پڑا تھا۔ میرے ایک دوست تشریف لائے۔ انہوں نے دریافت فرمایا کہ گلاس میں کیا ہے میں نے بتایا کہ دودھ ہے۔ دو منٹ وہ خاموشی سے بیٹھے پھر میز پر سے خالی گلاس اٹھایا اور کمرہ سے باہر چلے گئے کچھ دیر بعد وہ خالی گلاس بھرا ہوا واپس لائے اور میز پر دودھ کے گلاس کے ساتھ ٹکا دیا اور مجھ سے پوچھا یہ کیا ہے۔ میں ان کے اداکاری کو بھانپ چکا تھا۔ گلاس کو غور سے دیکھا اور انجان بن کر کہا آپ بتائیے یہ کیا ہے مجھے کیا معلوم؟ انہوں کہا یہ دودھ ہے۔ میں نے جواباً عرض کیا مجھے یہ دودھ معلوم نہیں ہوتا ہے گو بظاہر ایسا نظر آتا ہے انہوں نے تاڑ لیا کہ معاملہ فہم ہے مگر دل میں کہا ہوگا ذہین و مدبر ہم بھی ہیں۔ شیطان تک ہماری ذہنیت کا معترف ہے اور ہمارے سایہ سے بھاگتا ہے کہ استاد کے سامنے شاگردی نہیں چلے گی۔ مگر یہ کل کا بچہ کس طرح ہماری بات پر شک کر سکتا ہے چنانچہ بڑی محبت سے مجھے فرمانے لگے کہ برخوردار تم کیوں اس کو دودھ نہیں تسلیم کرتے۔ ہم نے کہا حضرت جی اس کے عنوان ہی کچھ ایسے دیکھتے ہیں۔ انہوں نے رعب جمایا اور فلسفیانہ دلائل شروع کیے۔ دیکھو تمہارے گلاس میں دودھ ہے وہ میز پر رکھا ہوا ہے۔ یہ گلاس بھی اسی میز پر رکھا گیا ہے اور میں جو تمہارا

دوست بھی ہوں میں نے رکھا ہے اور میں کہتا ہوں کہ یہ دودھ ہے۔ گلاس میں دودھ ہے وہ میز پر رکھا ہوا ہے۔ یہ گلاس بھی اُسی میز پر رکھا گیا ہے اور میں جو تمہارا دوست بھی ہوں میں نے رکھا ہے اور میں کہتا ہوں کہ یہ دودھ ہے۔

گلاس کا سائز ایک ہے برتن بھی تمہارے گھر کا ہے رکھا بھی اسی جگہ پر گیا ہے جہاں تمہارا دودھ ہے پھر یہ قدر مشترک کافی نہیں ہے کہ یہ بھی دودھ ہے جبکہ تصدیق بھی کر رہا ہوں اور گواہ بھی ہوں اور دوست بھی میں نے عرض کیا آپ کا فرمانا بجا ہے مگر مجھے اس پر شبہ ہے کہ پہلے خالی پڑا تھا آپ اس کو اٹھا کر گھر سے باہر لے گئے اور تھوڑی دیر بعد میری اطلاع کے بغیر اس کو میز پر رکھ دیا اور پھر اگر یہ دودھ ہے بھی تو آخر مجھے پوچھنے یا میری تائید حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ استفسار تشکیک کا سبب ہے۔ انہوں نے کہا دیکھو کسی پر شک کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ دوست کے خلوص پر اعتماد کرو اور مان لو کہ یہ دودھ ہے کیونکہ اس کا رنگ بھی سفید ہے اور دودھ کی خاصیت ہے کہ سفید ہوتا ہے۔ یہ مائع ہے اور دودھ بھی ٹھوس نہیں ہوتا ہے۔ یہ ظرف نوشہ میں رکھا ہوا۔ پھر تمہارے دودھ کے بالکل قریب ہے صحبت و تاثیر بھی حاصل ہے۔ جب یہ ساری علامتیں اور خواص جو دودھ کی ہوتی ہیں اس میں موجود اور ظاہر ہیں تو پھر تم حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے دودھ کو دودھ کیوں نہیں کہتے۔ ان کی یہ منطق بھری گفتگو جاری تھی اور مجھے قائل کرنے کی سر توڑ کوشش میں مصروف تھے اسی اثنا میں ان کے دودھ کا پانی ہونا شروع ہوا۔ آدھے گلاس کے نیچے سفیدہ سا بیٹھ گیا اور پانی اوپر نظر آنے لگا۔

آدمی وہ بھی منجھے ہوئے تھے میری نگاہ کو بھانپ گئے اور ترکیب سوجھی کہ مجھے کہا دودھ میں چمچہ چلاؤ۔ میں نے عمل کیا اور اسی عمل کو انہوں نے اپنے گلاس پر دہرایا تا کہ رنگت ایک سی ہو جائے۔ پس کہنے لگے دیکھو میاں ہلانے میں دونوں یکساں حالت پر ہیں۔ لہذا مان لو کہ دودھ ہے۔

ہم انکی اس بحث سے اکتاہٹ محسوس کرنے لگے اور چاہا کہ اس کو پایہ تکمیل تک پہنچادیں چنانچہ عرض کیا کہ صاحب آپ جو اس کو ظاہری علامات سے دودھ ثابت کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں وہ بار آور ثابت نہ ہوگی کیونکہ معاملہ مشکوک ہو چکا ہے یا تو دودھ والے اس کی تصدیق کروائے اور اگر وہ موجود نہ ہو تو ازراہ مہربانی اس کو چکھ لینے دیجئے۔ چنانچہ اس پر وہ کھسیانے ہوئے کہ اب تو پول کھل جائے گا۔ چنانچہ چکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ دودھ نہ تھا بلکہ چُونا تھا۔ اگر دودھ سمجھ کر نوش کرلیا جاتا تو جل جاتے۔ پس یہی طریقہ لدھیانوی صاحب نے ایمان ثابت کرنے کے لئے اختیار کیا ہے۔ مومن کی صفات سے ناقص الایمان کا ایمان ثابت کرنے کی کوشش کی حالانکہ وہ صفات اسی وقت متصور ہوسکتی ہے جب وجود ایمان ثابت ہو جائے اور ایمان کی شرط اول یہ ہے کہ کلی طور پر مطیع پیغمبرؐ ہو جبکہ ثقلین رسولؐ کا مخالف کبھی بھی مطیع رسولؐ نہیں ہوسکتا ہے۔ آخر میں ہم اظہار معذرت پیش کرتے ہیں کہ اگر دوران جوابات کسی مقام پر کسی مکتب فکر پر تنقیدی عبارت ناگوار گزری ہو تو اسے افہام و تفہیم اور تحقیق و تجسس کے جذبات پر محمول فرما کر درگذر کرلیا جائے اور صرف سہو اور قلت علم مجیب سمجھا جائے۔

10 لاکھ کے 10 سوال

ہزار سوالات کے جوابات دینے کے بعد اب ہم مذہب شیعہ کی طرف سے صرف دس سوالات دریافت کرتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ جو کوئی غیر شیعہ مسلمان بھائی ان سوالات کا تسلی بخش جواب دے گا اس کی خدمت میں مبلغ دس ہزار روپے صرف بطور انعام پیش کیا جائے گا۔ مجیب کے لئے ہماری یہ پیشکش غیر مشروع ہوگی مگر جوابات بمطابق سوالات ہونے چاہیئں اور غیر متعلقہ یا خارج الموضوع مباحث سے اجتناب کیا جائے۔ ظنی استدلات اور نامکمل جوابات ناقابل قبول ہونگے۔

سوال ۱:۔ آپ حضرت خود کو "سُنی" یا "اہل سنتہ والجماعت" کہلواتے ہیں براہ مہربانی کتب صحاح ستہ میں کوئی ایسی روایت دکھایئے جس میں حضرت ثلاثہ (ابوبکر، عمر، عثمان) میں سے کسی ایک نے بھی یہ کہا ہو کہ "میں سُنی ہوں" یا "یا میرا مذہب اہل سنتہ والجماعتہ" ہے۔ حوالہ مکمل دیجئے اور پیش کردہ روائیت کی توثیق بھی تحریر فرمایئے۔

سوال ۲:۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ "افعال قبائح کو قدرت تمکین بندے پر بخشنا اُسی (خدا) کا کام ہے" (تحفہ اثنا عشریہ) جب ہم اس جملے کا تجزیہ کرتے ہیں تو نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اہل سنتہ صدور برائیوں کا باری تعالیٰ سے تجویز کرتے ہیں اس تجویز سے ذات خداوندی کی بے ادبی ظاہر ہوتی ہے عقلاً جواب دیجئے کہ یہ عقیدہ کیونکر معقول ہے؟

سوال ۳:۔ "رنگیلا رسول" نامی ایک کتاب شان رسالت مآب کی گستاخی میں لکھی گئی۔ اس میں تمام روایات معتبر کتبِ سُنیہ سے نقل کی گئی ہیں۔ کیا کوئی سُنی المذہب صاحب یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ گُستاخی رسول مصنف نے کوئی ایک ہی بات کسی شیعہ کتاب سے نقل کی ہو؟ اگر جواب بن پڑے تو مکمل حوالہ درکار ہے۔

سوال ۴:۔ خلافت ثلاثہ کی تائید میں اکثر آپ کی طرف سے قرآن مجید کی آیت استخلاف سے استدلال پیش کیا جاتا ہے۔ کیا صحاستہ میں کوئی ایک بھی ایسی روایت ملتی ہے جو مرفوع و متواتر ہو اور اس کے تمام راوی ہوں جس میں اصحاب ثلاثہ میں کے کسی ایک نے دعویٰ کیا ہو کہ آیت استخلاف ہماری خلافت کی دلیل ہے اگر کوئی ایسی روایت ہے تو اس شرف کے ساتھ مکمل نشاندہی کرایئے کہ سلسلہ رواۃ میں سے کوئی ایک صاحب ضرور موجود ہے۔

سوال ۵:۔ حافظوا علی الصلوۃ والصلوٰۃ الوسطیٰ وقوم اللہ قانتین " (البقرہ ۲۳۸) یعنی تمام نمازوں کی عموماً اور درمیانی نماز کی خصوصاً حفاظت کرو اور اللہ کے آگے قنوت میں کھڑے رہو۔ یہ حکم قرآن مجید میں موجود ہے۔ لیکن جب ہم کسی سُنی المذہب کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ہمیں قنوت میں کھڑا نظر نہیں آتا ہے۔ بتائیے آپ کی نماز قرآن کے مطابق کیوں نہیں پڑھی جاتی؟

سوال ۶:۔ اتقان جلد اص ۲۰ پر علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان نے قرار کیا کہ اُن کے جمع کردہ قرآن میں غلطیاں ہیں مگر ان کی تصحیح عرب خود ہی کرلیں گے۔ جواب دیجئے اس قول کی موجودگی میں قرآن کو غلطیوں سے پاک ماننے کا عقیدہ آپ کے مذہب کے مطابق کس طرح درست ہوا؟

سوال ۷:۔ آپ حضرات کو امام مہدیؑ کی غیبت پر اعتراض ہے بتائیے شیطان غائب ہے یا ظاہر؟ اگر غائب ہے تو معلوم ہوا کہ وہ عالم غیبت میں گمراہی پھیلاتا ہے لہٰذا جواب دیجئے کہ جب عالم غیبت میں گمراہی پھیلائی جاسکتی ہے تو ہدایت کا سلسلہ کیوں جاری نہیں رہ سکتا ہے؟

سوال ۸:۔ کیا آپ کسی معتبر تاریخی حوالہ سے یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ جب حضرات شیخین نے جنازہ رسولؐ بلا دفن چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ روانہ ہونے کا ارادہ کیا تو انہوں نے حضرت علیؑ یا حضرت عباس بن عبدالمطلب کو اپنے عزائم سے آگاہ کیا؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو ثبوت فراہم کریں۔

سوال ۹:۔ قرآن مجید کے پانچوں پارے کی ابتدا میں آیت متعہ موجود ہے۔ آپ کا پرچار ہے کہ "متعہ" زنا ہے۔ مہربانی کرکے آیت میں مستعمل لفظ "متعہ" کا ترجمہ انہی معنوں میں کیجئے۔

سوال ۱۰۱۔ قرآن کی اُس آیت کا نشان بتائے جس میں حکم ہو کہ "ماتم شبیرؑ کرنا حرام ہے"۔

ق۔۱۷۶ وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَ
رْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ
عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ
يَتَفَكَّرُوْنَ ۝

اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا سو اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی وہ ہانپے یا اسکو چھوڑ دے تب بھی ہانپے یہی حالت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ سو آپ اس حال کو بیان کر دیجئے شاید وہ لوگ کچھ سوچیں۔ (سورۃ اعراف آیت ۱۷۶)

﴿قبول اسلام میں اول نماز پڑھنے میں اول﴾

۱۔ عن ابی حمزة رجل من انا انصار، سمعت زید بن ارقم یقول اول من اسلم علی روزه الترمذی (اخرجه التمذی فی الجامع الصحیح، ابواب المناقب، باب مناقب علی، ۶۴۲/۵، الحدیث رقم: ۳۷۳۵، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۲۰۲/۱۱، الحدیث رقم: ۱۲۱۵۱،

والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۹/۱۰۲)۔
وقال هذا حدیث حسن صحیح۔

"ایک انصاری شخص ابوحمزہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت زید بن ارقم کوفرماتے ہوئے سنا کہ سب سے پہلے حضرت علیؓ ایمان لائے۔ اس حدیث کوامام ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے"۔

۲۔ فی روایة عنه اول من اسلم مع رسول الله ﷺ علیؓ رواه احمد۔ (أخرجه احمد بن حنبل فی المسند، ۴/۳۶۷، والحکم فی المستدرک، ۳/۴۴۷، الحدیث رقم: ۴۶۶۳، وابن أبی شیبة فی المصنف، ۶/۳۷۱، الحدیث رقم: ۳۲۱۰۶، والطبرانی فی المعجم اکبیر، ۲۲/۴۰۲، الحدیث رقم: ۱۱۰۲)۔

حضرت زید بن ارقمؓ سے ہی مروی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ "حضور نبی اکرم ﷺ پر سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت علیؓ ہیں۔ اس حدیث کوامام احمد بن حنبل نے روایت کیا۔"

۳۔ عن انس بن مالک، قال بُعث النبی ﷺ الاثنین وصلی علی یوم الثلاثاء رواه الترمذی۔ (أخربه الترمذی فی الجامع الصحیح، ابواب المناقب، باب مناقب علی بن ابی طالب، ۵/۶۴۰، الحدیث رقوم: ۳۷۲۸، والحاکم فی المستدرک علی الصحیحن،

۱۲۱/۳، الحدیث رقم: ۲۵۸۷، و المناوی فی فیض القدیر، ۳۵۵/۴).

"حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ پیر کے دن حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی اور منگل کے دن حضرت علیؓ نے نماز پڑھی۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے"۔

۴۔ عن ابن عباس قال: اول من صلی علی. رواه الترمذی.
وقال قد اختلف اهل العلم فی هز بعضهم: اول من اسلم ابوبکر الصدیق، قال بعضهم: اول من اسلم علی وقال بعض اهل العم: اول من اسلم من الرجال ابوبکر، واسلم علی وهو غلام ابن ثمان سنین، واول من اسلم من النساء خدیجة (اخرجه الترمذی فی الجامع الصحیح، ابواب المناقب، باب مناقب علی، ۶۴۲/۵، الحدیث رقم: ۳۷۳۴)

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں سب سے پہلے حضرت علیؓ نے نماز پڑھی۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے بارے میں اہل علم کا اختلاف۔ بعض نے کہا: سب سے پہلے ابوبکر صدیق اسلام لائے اور بعض نے کہا: سب سے پہلے حضرت علی اسلام لائے جبکہ محدثین کا کہنا ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت ابوبکر ہیں اور بچوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت علیؓ ہیں کیونکہ وہ آٹھ برس کی عمر میں اسلام لائے اور عورتوں میں سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہونے والی حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔"

۵۔ عن عمرو بن میمون عن ابن عباس فی روایة طریلة منها

عـنـه قـال: وكـان اول مـن اسـلـم من الـنـاس بعد خديجة، رواه احمد.

(اخـرجه احمد بن حنبل فی المسند، ١/ ٣٣٠۔ الحديث رقم: ٣/ ٦٢، وابن ابی عاصم فی السنة، ٢/ ٦٠٣، والهيثمی فی مجمع الزوائد، ٩/ ١١٠، وابن سعد فی الطبقات الكبرى، ٣/ ٢١)

"حضرت عمرو بن میمونؓ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بعد حضرت علیؑ لوگوں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔"

٦۔عـن ابـن عـبـاس قـال: اول مـن صـلـى مـع النبی ﷺ بعد خديجه، علی، وقال مرة: اسلم، رواه احمد (أخرجه أحمد بن حنبل فی الـمسند ١/ ٣٧٣، الـحـديـث رقـم: ٣٥٤٢، والطالسی فی المسند ١/ ٣٦٠، الحديث رقم: ٢٧٥٣)

"حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد جس نے حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی وہ حضرت علیؑ ہیں اور ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے جو شخص اسلام لایا وہ حضرت علیؑ ہیں۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے"

٧۔عن اسماعيل بن اياس بن عفيف الكندی عن ابيه، عن جده قال: كنت امرء اتاجرا فقدمت الحج فاتيت العباس بن عبد المطلب لابتاع منه بعض التجارة و كان امرء اتاجرا، فوالله انی لعنده بمنی، ازخرج رجل من خباء قريب منه فنظر الى الشمس، فلما راها مالت،

یعنی قال یصلی قال: ثم خرجت امراۃ من ذلک الخباء الذی خرج منہ ذلک الرجل، فقامت خلفہ تصلی، ثم خرج علان حین راھق الحلم من ذلک الخباء، فقام معہ یصلی، قال: فقلت للعباس من ھذا یا عباس؟ قال: ھذا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ابن اخی قال: قالت: من ھذا الفتی؟ قال: ھذا علی بن ابی طالب ابن عمہ قال: فقلت: فما ھذا الذی یصنع؟ قال: یصلی و ھو یزعم انہ یسفتح علیہ کنوز کسری و قیصر قال: فکان عفیف وھو ابن عم الاشعب بن قیس یقول: واسلم بعد ذلک فحسن اسلامہ لو کان اللہ رزقنی الا سلام یومئذ، فاکون ثالثا مع علی بن ابی طالب، رواہ احمد۔ (اخرجہ احمد بن حنبل فی المسند ۱/۲۰۹ والھدیث رقم:۱۷۸۷ وابن عبدالبر فی الاستیعاب، ۳/۱۰۹۶، والمقدسی فی الا حادیث المخارۃ، ۸/ ۳۸۸، الحدیث رقم: ۳۴۸۹)

"حضرت اسماعیل بن ایاس بن عفیف کندیؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک تاجر تھا، میں حج کی غرض سے مکہ آیا تو حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ سے ملنے گیا تا کہ اپ سے کچھ مال تجارت خریدلوں اور آپؓ بھی ایک تاجر تھے۔ بخدا میں اپؓ کے پاس منی میں تھا کہ اچانک ایک آدمی اپنے قریبی خیمہ سے نکلا اس نے سورج کی طرف دیکھا، پس جب اس نے سورج کو ڈھلتے ہوئے دیکھا تو کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے لگا۔ راوی بیان کرتے ہیں: پھر اس خیمہ سے جس سے وہ آدمی نکلا تھا ایک عورت نکلی اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے کھڑی ہو گئی پھر اسی خیمہ میں سے ایک لڑکا جو قریب البلوغ تھا نکلا اور اس شخص کے ساتھ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ راوی بیان

کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عباسؓ سے کہا اے عباس! یہ کون ہے؟ تو انہوں نے کہا: یہ میرا بھتیجا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہے۔ میں نے پوچھا: یہ عورت کون ہے؟ انہوں نے کہا: یہ ان کی بیوی خدیجہ بنت خویلد ہے۔ میں نے پوچھا: یہ نوجوان کون ہے؟ تو انہوں نے کہا: یہ ان کے چچا کا بیٹا علی بن ابی طالب ہے۔ راوی کہتے ہیں: پھر میں نے پوچھا کہ یہ کیا کام کر رہے ہیں؟ تو انہوں نے کہا یہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ نبی ہیں حالانکہ ان کی اتباع سوائے ان کی بیوی اور چچازاد اس نوجوان کے کوئی نہیں کرتا اور وہ یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ عنقریب قیصر و کسریٰ کے خزانے ان کے لئے کھول دیئے جائیں گے۔ راوی بیان کرتے ہیں: عفیف جو کہ اشعث بن قیس کے بیٹے ہیں وہ کہتے ہیں کہ وہ اس کے بعد اسلام لائے پس ان کا اسلام لانا اچھا ہے مگر کاش اللہ تبارک وتعالیٰ اس دن مجھے اسلام کی دولت عطا فرما دیتا تو میں حضرت علیؑ کے ساتھ تیسرا اور اسلام قبول کرنے والا شخص ہو جاتا۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔"

۸۔عن حبة العرني قال: سمعت عليا يقول: انا اول رجل صلى مع رسول الله ﷺ رواه احمد۔ (أخرجه أحمد بن حنبل في المسند ۱۴۱/۱، الحديث رقم: ۱۱۹۱، وابن ابي شيبة في المصنف، ۳۶۸/۲، الحديث رقم: ۳۲۰۸۵، والشيباني في الآحاد والمثاني، ۱۴۹/۱، الحديث رقم: ۱۷۹)

"حضرت حبہ عرنیؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں میں نے حضرت علیؑ کو فرماتے ہوئے سنا: میں وہ پہلا شخص ہوں جس نے حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔"

۹۔ عن حبة العرنی قال: رایت علیا ضحک علی المنبر، لم اره ضحکا اکثرمنه حتی بدت نواجذه ثم قال: ذکرت قول ابی طالب ظهر علینا ابو طالب وانا مع رسول اللهﷺ ونحن نصلی ببطن نخلة، فقال: ماتصنعان یا بن اخی؟ فدعاه رسول اللهﷺ الی الاسلام فقال: ما لذی تصنعان باس او بالذی تقولان باس ولکن والله! لاتعلونی سنی ابدا! وضحک تعجبا لقول ابیه ثم قال: اللهم! لا اعترف ان عبدالک من هذه الامة عبدک قبلی، غیر نبیک ثلاث مرات لقد صلیت قبل ان یصلی الناس سبعا، رواه احمد۔ (أخرجه أحمد بن حنبل فی المسند، ۱/ ۹۹، الحدیث رقم: ۷۷۶، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۹/ ۱۰۲، والطیالسی فی المسند، ۱/ ۳۶ الحدیث رقم: ۱۸۸)

"حضرت حبہ عرنی علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی علیہ السلام کو منبر پر ہنستے ہوئے دیکھا اور میں نے کبھی بھی آپؑ کو اس سے زیادہ ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ آپؑ کے دانت نظر آنے لگے۔ پھر آپؑ نے فرمایا: مجھے اپنے والد ابوطالبؑ کا قول یاد آ گیا تھا۔ ایک دن وہ ہمارے پاس آئے جبکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ تھا اور ہم وادی نخلہ میں نماز ادا کر رہے تھے پس انہوں نے کہا: اے میرے بھتیجے! آپ کیا کر رہے ہیں؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے آپ کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا: جو کچھ آپ کر رہے ہیں یا کہہ رہے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں لیکن کبھی بھی (تجربہ میں) میری عمر سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ پس حضرت علیؑ اپنے والد کی اس بات پر ہنس دیئے پھر فرمایا: اے اللہ! میں نہیں جانتا کہ مجھ سے پہلے اس امت کے کسی اور فرد نے تیری عبادت کی ہو سوائے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کے۔ یہ تین مرتبہ دہرایا پھر فرمایا: تحقیق میں نے عامۃ الناس کے نماز پڑھنے سے سات سال پہلے نماز ادا کی۔

اس حدیث کو امام احمد بن حنبلؒ نے روایت کیا ہے"

۱۰۔عن اسلمان، قال اول هذه الامة ورودا علی نبيهاﷺ اولها اسلاماً علی بن ابی طالبؑ۔ رواه ابن ابی شيبه والطبرانی والهيثمی۔(أخرجه ابن أبی شيبه فی المصنف،۲۶۷/۷، الحديث رقم: ۳۵۹۵۴، والطبرانی فی المعجم الکبير،۲۶۵/۶، الحديث رقم: ۶۱۷۴، والهيثمی فی مجمع الزوائد،۱۰۲/۹، والشيبانی فی الآحاد المثانی، ۱۴۹/۱، الحديث رقم: ۱۷۹)

"حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے: وہ بیان کرتے ہیں کہ امت میں سے سب سے پہلے حوض کوثر پر حضور نبی اکرمﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والے اسلام لانے میں سب سے اول علی ابن ابی طالبؓ ہیں۔ اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ، امام طبرانی اور امام ہیثمی نے روایت کیا ہے"

۱۱۔عن مجاهد اول من صلی علی، وهو ابن عشر سنين و عن محمد بن عبدالرحمن بن زراة قال: اسلم علی وهو ابن تسع سنين وعن الحسن بن زيد بن الحسن بن علی بن ابی طالب، ان علی بن ابی طالب، حين دعاه النبیﷺ الاسلام کان ابن تسع سنين قال احسن بن زيد ويقال: دون تسع سنين ولم يعبد الاوثان قط لصغره رواه ابن سعد فی الطبقات الکبری (أخرجه ابن سعد فی الطبقات الکبری،۲۱/۳)

"حضرت مجاہدؒ سے روایت ہے کہ سب سے پہلے حضرت علیؑ نے نماز ادا کی اور وہ اس وقت دس سال کے تھے اور حضرت محمد بن عبدالرحمن بن زرارہؒ سے مروی ہے کہ آپؑ نے اسلام قبول کیا جب آپؑ کی عمر نو سال تھی اور حسن بن زید بن حسن بن علی ابی طالب سے روایت ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے آپؑ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اس وقت آپؑ کی عمر نو سال تھی اور حسن بن زید بیان کرتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ آپؑ نو سال سے بھی کم عمر میں اسلام لائے لیکن آپ نے اپنے بچپن میں کبھی بتوں کی پوجا نہیں کی تھی۔ اسے ابن سعد نے الطبقات الکبری" میں روایت کیا ہے۔"

سیدہ کائنات فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا سے شادی کا اعزاز پانے والا مولائے کائنات

۱۲۔ عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنهما، عن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ قال: ان الله امرني ان ازوج فاطمة من علي۔ رواه الطبراني في المعجم الكبير (أخرجه الطبراني في المعجم الكبير، ۱۰/ ۱۵۶، رقم ۱۰۳۰۵، والهيثمي في مجمع الزوائد ۹/ ۲۰۴، والمناوي في فيض القدير، ۲/ ۲۱۵، والحسيني في البيان و التعريف، ۱/ ۱۷۴)

"حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح علی سے کردوں۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے "المعجم الکبیر" میں روایت کیا ہے"

۱۳۔ عن سعيد بن المسيب عن أم ايمن قالت: زوج رسول الله ﷺ ابنته فاطمة من علی بن ابی طالب وامره ان يدخل علی فاطمة حتی يجيه. وكان اليهود يوخرون الرجل عن اهله. فجاء رسول الله ﷺ حتی وقف بالباب ولم، فاستاذن فاذن له، فقال: اثم أخي؟ فقالت أم ايمن: بابی انت وأمی يارسول الله! من أخوک؟ قال: علی بن أبی طالب، طالب قالت: وكيف يكون أخاک وقد زوجته ابنتک؟ قال: هو ذاک يا أم ايمن، اناء فغسل فيه يديه ثم دعا عليا فجلس بين يديه فنضح علی صدره من ذلک الماء وبين كتفيه، ثم دعا فاطمة فجاء بغير خمار تعثر فی ثوبها ثم نصخ عليها من ذلک الماء، ثم قال: والله ما ألوت أن زوجتک خير أهلی وقالت أم ايمن: وليت جهازها فكان فيما جهزتها به مرفقة به مرفقة من أدم حشوها ليف، وبطحاء مفروش فی بيتها. رواه ابن سعد فی الطبقات الكبریٰ

﴿أخرجه ابن سعد فی الطبقات الكبریٰ، ۲۲/۸﴾

"حضرت سعید بن مسیبؒ حضرت اُم ایمنؓ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؑ کی شادی حضرت علی بن ابی طالبؑ سے کی اور آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ فاطمہ کے پاس جائیں یہاں تک وہ حضرت فاطمہؑ کے پاس آگئے (یہ حکم اس لیے فرمایا گیا کہ یہودیوں کی مخالفت ہو کیونکہ یہودیوں کی یہ عادت تھی کہ وہ شوہر کی اپنی بیوی سے پہلی ملاقات کرانے میں تاخیر کرتے تھے) پس حضور نبی اکرم ﷺ تشریف لائے یہاں تک کہ آپ ﷺ دروازے پر کھڑے ہوگئے اور سلام کیا اور اندر آنے کی اجازت طلب فرمائی پس آپ ﷺ کو اجازت

دی گئی، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہاں میرا بھائی ہے؟ تو ام ایمن نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ اپ کا بھائی کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میرا بھائی علی بن ابی طالب ہے حالانکہ اپ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح ان کے ساتھ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ام ایمن! وہ اس طرح ہے۔ پھر آپ ﷺ نے پانی کا ایک برتن منگوایا اور اس میں ہاتھ مبارک دھوئے اور حضرت علیؑ کے سامنے بیٹھ گئے اور آپ ﷺ نے اس پانی میں سے کچھ آپؑ کے سینہ پر اور کچھ آپؑ کے کندھوں کے درمیان چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہؑ کو بلایا پس آپ اپنے کپڑوں میں لپٹی ہوئی آئیں، حضور نبی اکرم ﷺ نے وہ پانی آپؑ پر بھی چھڑکا پھر فرمایا: خدا کی قسم! اے فاطمہ! میں نے تمہاری شادی اپنے خاندان میں سے بہترین شخص کے ساتھ کر دی ہے اور تمہارے حق میں کوئی تقصیر نہیں کی۔ حضرت ام ایمن فرماتی ہیں کہ مجھے حضرت فاطمہؑ کے جہیز کی ذمہ داری سونپی گئی پس جو چیزیں آپؑ کی جہیز میں تیار کی گئیں ان میں ایک چمڑے کا تکیہ تھا جو کھجور کی چھال سے بھرا ہوا تھا اور ایک بچھونا تھا جو آپؑ کے گھر بچھایا گیا۔ اسے ابن سعد نے "الطبقات الکبری" میں روایت کیا ہے"

۱۴۔ عن أنسؓ، قال: بينما رسول الله ﷺ في المسجد، اذ قال ﷺ لعلي: هذا جبريل يخبرني أن الله زوجك فاطمة، و أشهد على تزويجك اربعين الف ملك، وأوحى الى شجرة طوبى أن انثرى عليهم الدر والياقوت، فنثرت عليهم الدر و الياقوت فابتدرت اليه الحور العين يلتقطن من أطباق الدر و الياقوت، فهم يتهادونه بينهم الى يوم القيامة. رواه محب الدين احمد الطبراى في الرياضالنضرة. (اخرجه محب الدين أحمد الطبرى في الرياض النضره في مناقب العشره، ۲۶/۳، والوفي ذخائر العقبى في مناقب ذوى القربى: ۷۲)

"حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ حضرت علیؓ سے فرمایا: یہ جبرئیل امین علیہ السلام ہیں جو مجھے خبر دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فاطمہ سے تمہاری شادی کردی ہے۔ اور تمہارے نکاح پر (ملاء اعلیٰ میں) چالیس ہزار فرشتوں کو گواہ کے طور پر مجلس نکاح میں شریک کیا، اور شجر ہائے طوبی سے فرمایا: ان پر موتی اور یاقوت نچھاور کرو، پھر دلکش آنکھوں والی حوریں اُن موتیوں اور یاقوتوں سے تھال بھرنے لگیں۔ جنہیں (تقریب نکاح میں شرکت کرنے والے) فرشتے قیامت تک ایک دوسرے کو بطور تحائف دیتے رہیں گے۔ اس کو امام محبّ الدین احمد الطبری نے روایت کیا ہے"

۱۵۔ عن علیؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: اتانی ملک، فقال: یا محمد! ان اللہ تعالیٰ یقرأ علیک السلام، ویقول لک: انی قد زوجت فاطمة ابنتک من علی بن أبی طالب فی الملا الا علی، فزوجھا منه فی الارض. رواہ محب الدین احمد الطبری فی ذخائر العقبی۔

"حضرت علی کرم اللہ وجھہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے پاس ایک فرشتے نے آ کر کہا ہے اے محمد! اللہ تعالیٰ نے آپ پر سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے: میں نے آپ کی صاحبزادی فاطمہ کا نکاح ملاء اعلیٰ میں علی بن ابی طلب سے کردیا ہے، پس آپ زمین پر بھی فاطمہ کا نکاح علی سے کردیں۔ اس کو امام محبّ الدین احمد الطبری نے روایت کیا۔"

اهل البیت علیہم السلام اسانید حدیث کساء

﴿علی المرتضیٰؑ اہل بیت میں سے ہیں﴾

١٦۔عن سعد بن أبی وقاصؓ قال: لما نزلت هذه الاية ﴿فقل تعالوا ندع أبناء کم﴾ آل عمران: ٦١، دعا رسول اللهﷺ علیا و فاطمة و حسنا وحسینا فقال: اللهم هؤلاء اهلي. رواه مسلم و الترمذی۔

وقال الترمذی: هذا حدیث حسن۔ (أخرجه مسلم فی الصحیحم کتاب فضائل الصحابة، باب: من فضائل علی ابی أبی طالبؓ، ٤/١٨٧١، الحدیث رقم: ٢٤٠٤ والترمذی فی الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللهﷺ، باب: ومن سورة آل عمران، ٥/٢٢٥، الحدیث رقم: ٢٩٩٩، وفی کتاب المناقب عن رسول اللهﷺ، باب: (٢١)، ٥/٦٣٨، الحدیث رقم: ٣٧٠٨، والبیهقی فی السنن الکبری، ٧/٦٣، الحدیث رقم: (١٣١٢٩، ١٣١٧)، والنسائی فی السنن الکبری، ٥/١٠٧، الحدیث رقم: ٨٣٩٩، والحاکم فی المستدرک، ٣/١٦٣، الحدیث رقم: ٤٧١٩)

"حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ جب آیت مباہلہ "آپ فرما دیں آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ" نازل ہوئی تو حضور نبی اکرمﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حسین علیھم السلام کو بلایا، پھر فرمایا: یا اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ اس حدیث کو

امام مسلم اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔"

۱۷۔ عن صفیه بنت شیبة، قالت: قالت عائشه رضی الله عنها: خرج النبی ﷺ غداة و علیه مرط مرحل، من شعر اسود۔ فجاء الحسن بن علی رضی الله عنهما فادخله، ثم جاء الحسینؓ فدخل معه، ثم جائت فاطمةؓ فاذخلها ثم جاء علیؓ فادخله، ثم قال: ﴿انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهر کم تطهیرا﴾ رواه مسلم۔
(أخرجه مسلم فی الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل أهل بیت النبی، ۱۸۸۳/۴، الحدیث رقم: ۲۴۲۴، وابن أبی شیبه فی المصنف، ۶/ ۳۷۰، الحدیث رقم: ۳۶۱۰۲، وأحمد بن حنبل فی فضائل الصحابه، ۶۷۲/۲، احدیث رقم: ۱۱۴۹، وابن راهویه فی المسند، ۶۷۸/۳، الحدیث رقم: ۱۱۴۹، والحاکم فی المستدرک، ۱۵۹/۳، الحدیث رقم: ۴۷۰۷، واولبیهقی فی السنن الکبری، ۱۴۹۲)

"حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ صبح کے وقت اس حال میں باہر تشریف لائے کہ آپ ﷺ نے ایک چادر اوڑھ رکھی تھی جس پر سیاہ اُون کے کجاووں کے نقش بنے ہوئے تھے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ آئے تو آپ ﷺ نے انہیں اس چادر میں داخل فرما لیا، پھر حضرت حسینؓ آئے اور ان کے ساتھ چادر میں داخل ہو گئے، پھر سیدہ فاطمہؓ آئیں تو آپ ﷺ نے انہیں بھی چادر میں داخل فرما لیا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت مبارکہ پڑھی: "اے اہل بیت! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح کی)

آلودگی دُور کردے اور تمہیں خوب پاک وصاف کردے "اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔"

۱۸۔ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ: ان رسول اللہ ﷺ کان یمر بباب فاطمۃ ستۃ اشھر اذا خرج الی صلاۃ الفجر، یقول: الصلاۃ! یا أھل البیت ﴿انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا﴾ رواہ الترمذی۔

وقال ھذا حدیث حسن۔ (أخرجہ الترمذی فی الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ الأحزاب، ۵/ ۳۵۲، الحدیث رقم: ۳۲۰۶، وأحمد بن حنبل المسند، ۳/ ۲۵۹، ۲۸۵، والحاکم فی المستدرک، ۳/ ۱۷۲، الحدیث رقم: ۴۷۴۸، وأحمد بن حنبل فی فضائل الصحابہ، ۲/ ۷۶۱، الحدیث رقم: ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، وابن أبی شیبہ فی المصنف، ۶/ ۳۸۸، الحدیث رقم: ۳۲۲۷۲، والشیبانی فی الآحاد والمثانی، ۵/ ۳۶۰، الحدیث رقم: ۲۹۵۳، وعبد بن حمید فی المسند: ۳۶۷ الحدیث رقم: ۱۲۲۳)

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چھ (۶) ماہ تک حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ معمول ر[ہا] کہ جب نماز فجر کے لئے نکلتے تو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے دروازہ کے پاس سے گزرتے ہوئے فرماتے: اے اہل بیت! نماز قائم کرو (اور پھر یہ آیت مبارک پڑھتے:)..... اے اہل بیت! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) آلودگی دور کردے اور تم کو خوب پاک وصاف کردے۔ اس حدیث کو اما[م] ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔"

۱۹۔عن بن ابی سلمة ربیب النبی ﷺ قال: لما نزلت هذه الآية
لى النبی ﷺ: ﴿انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت
يطهركم تطهيرا﴾ فی بيت أم سلمة، فدعا فاطمة وحسنا و حسينا
جللهم بكساء وعلیؑ خلف ظهره فجلله بكساء، ثم قال: اللهم اهولاء
يتی، فاذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا رواه الترمذی (أخرجه
ترمذی فی الجامع الصحيح، كتاب التفسير، باب ومن سورة الآ
زاب ۵/۳۵۱، الحديث رقم: ۳۲۰۵، وفی كتاب المناقاب، باب مناقب
ل بيت النبی، ۵/ ۶۶۳، الحديث رقم: ۳۷۸۷، وأحمد بن حنبل فی
مسند، ۶ /۲۹۲، والحكم فی المستدرك علی الصحيحين، ۲ /۴۵۱،
حديث رقم: ۳۵۵۸، وفيه أيضا، ۳ /۱۵۸، الحديث رقم: ۴۸۰۵،
لطبرانی فی المعجم الكبير، ۳/۵، الحديث رقم: ۲۶۶۸، وأحمد بن
نبل أيضا فی فضائل الصحابة، ۲/۵۸۷، الحديث رقم: ۹۹۴)

"پروردہ نبی حضرت عمر بن ابی سلمہؓ سے روایت ہے کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ پر حضرت اُم
ؓ کے گھر میں یہ آیت مبارکہ ...... اے اہل بیت! اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) آلودگی
ر کردے اور تم کو خوب پاک و صاف کردے ...... نازل ہوئی۔ تو آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ،
ضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ایک چادر میں ڈھانپ لیا۔ حضرت علیؑ حضور نبی
م ﷺ کے پیچھے تھے، آپ ﷺ نے اُنہیں بھی کملی میں ڈھانپ لیا، پھر فرمایا: الٰہی! یہ میرے اہل
ت ہیں، ان سے ہر آلودگی کو دور کردے اور انہیں خوب پاک و صاف فرمادے۔ اس حدیث کو امام
مذی نے روایت کیا ہے۔"

۲۰۔ عن ابی سعید الخدریؓ فی قوله تعالیٰ: ﴿انما یرید ال
لیذھب عنکم الرجس اھل البیت﴾ قال: فی خمسة: فی رسو
الله ﷺ، ولی، وفاطمة، والحسن، والحسینؓ رواه الطبرانی ف
المعجم الاوسط۔ (أخرجه الطبرانی فی المعجم الاوسط، ۳/۸۰
الحدیث رقم: ۳۴۵۶، والطبرانی فی المعجم الصغیر، ۱/۲۳۱، الحدی
رقم: ۳۷۵، وابن حیان فی طبقات المحدثین باصبھان، ۳/۸۴
وخطیب البغدادی فی تاریخ بغداد، ۱۰/۲۷۸)

"حضرت ابوسعید خدریؓ نے فرمانِ خداوندی: "اے اہلِ بیت! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم
(ہر طرح کی) آلودگی دُور کر دے" کے بارے میں کہا ہے کہ یہ آیت مبارکہ پانچ تن کے حق میں نا
ہوئی: حضور نبی اکرم ﷺ، حضرت علیؑ، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسینؑ کے حق میں۔
حدیث کو طبرانی نے "المعجم الاوسط" میں روایت کیا ہے۔"

۲۱۔ عن ابن عباس رضی الله عنھما۔ قال: لما نزلت ھذه الای
﴿قل لا اسئلکم علیه أجرا الا الموده فی القربی﴾ قالوا: یا رسول الله ﷺ
من قرابتک ھؤلاء الذین وجبت علینا مودتھم؟ قال: علی وفاطم
وابناھما۔ رواه الطبرانی فی المعجم الکبیر۔ (أخرجه الطبرانی ف
المعجم الکبیر، ۳/۴۷، الحدیث رقم: ۲۶۴۱، والھیثمی فی مجم
الزوائد ۹/۱۶۸)

"حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ "اے محبو

فرمادیجئے کہ میں تم سے صرف اپنی قرابت کے ساتھ کا سوال کرتا ہوں" تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کی قرابت والے کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب کی گئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: علی فاطمہ، اور ان کے دونوں بیٹے (حسن اور حسین)۔ اس حدیث کو طبرانی نے "المعجم الکبیر" میں روایت کیا ہے۔"

۲۲۔ عن ابی برزۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ: لا ینعقد قدما عبد حتی یسال عن اربعۃ عن جسدہ فیما ابلاہ، وعمرہ فیما افناہ، ومالہ من این اکتسبہ و فیما انفقہ، ون حب أھل البیت فقیل یا رسول اللہ ﷺ فما علامۃ حبکم فضرب بیدہ علی منکب علی. رواہ البطرانی فی الاوسط۔ (أخرجہ الطبرانی فی المعجم الأوسط، ۳۴۸/۲، الحدیث رقم: ۲۱۹۱، والھیثمی فی مجمع الزوائد، ۳۴۶/۱۰)

"حضرت ابو برزہؓ بیان کرتے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: آدمی کے دونوں قدم اس وقت تک اگلے جہان میں نہیں پڑتے جب تک کہ اس سے چار چیزوں کے بارے سوال نہ کرلیا جائے، اس کے جسم کے بارے میں کہ اس نے اسے کس طرح کے اعمال میں بوسیدہ کیا؟ اور اس کی عمر کے بارے میں کہ کس حال میں اسے ختم کیا؟ اور اس کے مال کے بارے میں کہ اس نے یہ کہاں سے کمایا اور کہاں کہاں خرچ کیا؟ اور اہل بیت کی محبت کے بارے میں؟ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! آپ کی (یعنی اہل بیت کی) محبت کی کیا علامت ہے؟ تو آپ ﷺ نے اپنا دست اقدس حضرت علیؑ کے شانے پر مارا (کہ یہ محبت کی علامت ہے) اس حدیث کو امام طبرانی نے "المعجم الاوسط" میں روایت کیا ہے۔"

(۴) باب فی قول النبی ﷺ: من کنت مولاہ فعلی مولاہ

فرمان مصطفیٰ ﷺ جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے

۲۳۔ عن شعبة، عن سلمة بنكهيل، قال: سمعت أبا الطفيل يحدج عن أبى سريحة...... أو زيد بن أوقم، (شك شعبة)...... عن النبى، قال: من كنت مولاه فعلى مولاه. رواه الترمذى۔

وقال هذا حدى حسن صحيح (قال:) وقد روى شعبة هذا الحديث عن ميمون ابى عبدالله عن زيد بن ارقم عن النبى ﷺ۔ (أخرجه الترمذى فى الجامع الصحيح، ابواب المناقب باب مناقب على ابن أبى طالبؓ، ۶۳۳/۵، الحديث رقم: ۳۷۱۳، والطبرانى فى المعجم الكبير، ۱۹۲/۵، ۲۰۴، الحديث رقم: ۵۰۷۱، ۵۰۹۶)

وقد روى هذاالحديث عن حبشى بن جنادة فى الكتب الآتية۔

(أخرجه الحاكم فى المستدرك، ۱۳۴/۳، الحديث رقم: ۴۶۵۲، والطبرانى فى المعجم الكبير، ۷۸/۱۲، الحديث رقم: ۱۲۰۹۳، ابن ابى عاصم فى السنه: ۶۰۲، الحديث رقم: ۱۳۰۹، وحسام الدين الهندى فى كنز العمال، ۶۰۸/۱۱، رقم: ۳۲۹۳۶، وابن عساكر فى تاريخ دمشق الكبير، ۷۷/۴۵، ۱۴۴، واخطيب البغدادى فى تاريخ بغداد، ۱۲ /۳۴۳، وابن كثير فى البدايه والنهايه، ۴۵۱/۵، والهيثمى فى مجمع الزوائد، ۱۰۸۹،

وقد روى هذا الحديث أيضا عن جابر بن عبدالله فى الكتب الآتية۔

أخرجه ابن ابى عاصم فى السنه: ۶۰۲، الهديث رقم: ۱۳۵۴،

والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۴/ ۱۷۳، الحدیث رقم: ۴۰۵۲، والطبرانی فی العجم الاوسط، ۲۲۹/۱، الحدیث رقم: ۳۴۸۔

قد روی ھذا الحدیث عن عن بریدۃ فی الکتب الآتیۃ

أخرجہ عبدالرزاق فی المصنف، ۱۱/ ۲۲۰، الحدیث رقم: ۲۰۳۸۸، و الطبرانی فی المعجم الصغیر، ۱: ۷۱، وابن عساکر فی تاریخ دمشق الکبیر، ۴۵/ ۱۴۳، وابن ابی عاصم فی السنہ: ۱: ۶۰۱، الحدیث رقم: ۱۳۵۴، وابن عساکر فی تاریخ دشمن الکبیر، ۴۰/ ۱۴۶، وابن کثیر فی البدایہ و النھایہ۔ ۵/ ۴۵۷، وحسام الدین ھندی فی کنز العمال، ۱۱/ ۶۰۲، رقم: ۳۲۹۰۴

وقد روی ھذا الحدیث عن مالک بن حویرت فی الکتب الآتیۃ۔

أخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۱۹/ ۲۵۲، والحدیث رقم: ۶۴۶، وابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ۴۵: ۱۷۷، والھیثمی فی مجمع الزوائد، ۹/ ۱۰۶)

"حضرت شعبہ، سلمہ بن کہیل سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابوطفیل سے سنا کہ ابوسریحہ...... یا زید بن ارقم...... سے مروی ہے (شعبہ کو راوی کے متعلق شک ہے) کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس کا میں مولا ہوں، اُس کا علی مولا ہے۔" اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ شعبہ نے اس حدیث کو میمون ابوعبداللہ سے، اُنہوں نے زید بن ارقم سے اور اُنہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے۔

۲۴۔ عن سعد بن أبی وقاص، قال فی روایة سمعت رسول الله ﷺ یقول: من کنت مولاه فعلی مولاه، وسمعته یقول: أنت منی بمنزلة هارون من موسی، الا انه لا نبی بعدی، وسمعته: لاعطین الرایة الیوم رجلا یحب الله ورسوله. رواه ابن ماجة والنسائی۔

(أخرجه ابن ماجة فی السنن، المقدمه، باب فی فضائل أصحاب رسول الله ﷺ، ۴۵/۱، الحدیث رقم: ۱۲۱، والنسائی فی الخصائص أمیر المؤمنین أبی طالب ص: ۳۲، ۳۳، الحدیث رقم: ۹۱)

"حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جس کا میں ولی ہوں اُس کا علی ولی ہے اور میں نے آپ ﷺ کو (حضرت علی رضی اللہ عنہ سے) یہ فرماتے ہوئے سنا: تم میرے لیے اسی طرح ہو جیسے ہارون علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھے، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور میں نے آپ ﷺ کو (غزوہ خیبر کے موقع پر) یہ بھی فرماتے ہوئے سنا: میں آج اس شخص کو جھنڈا عطا کروں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔"

اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔"

۲۵۔ عن البراء بن عازب، قال: اقبلنا مع رسول الله ﷺ فی حجته التی حج، فنزل فی بعض الطریق، فامر الصلاة جامعة، فاخذ بید علی رضی اللہ عنہ فقال: الست اولی بالمومنین من انفسهم؟ قالوا: بلی، قال: الست اولی بکل مومن من نفسه؟ بلی، قال: فهذا ولی من انا مولاه، اللهم! وال من والاه، اللهم! عاد من عاداه. رواه ابن ماجة (أخرجه ابن

ماجة فی السنن، المقدمه، باب فی فضائل أصحاب رسول اللهﷺ
۸۸/۱، الحدیث رقم:۱۱۶)

"حضرت براء بن عازبؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے حضور نبی اکرمﷺ کے ساتھ حج ادا کیا، آپﷺ نے راستے میں ایک جگہ قیام فرمایا اور نماز باجماعت (قائم کرنے) کا حکم دیا، اس کے بعد حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: کیا میں مومنوں کی جانوں سے قریب تر نہیں ہوں؟ انہوں نے جواب دیا: کیوں نہیں! آپﷺ نے فرمایا: کیا میں ہر مومن کی جان سے قریب تر نہیں ہوں؟ انہوں نے جواب دیا: کیوں نہیں! آپﷺ نے فرمایا: پس یہ (علی) ہر اس شخص کا ولی ہے جس کا میں مولا ہوں۔ اے اللہ! جو اسے دوست رکھے اسے تو بھی دوست رکھ (اور) جو اس سے عداوت رکھے اُس سے تو بھی عداوت رکھ" اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

۲۶۔عن بریدة، قال: زوت مع علی الیمن فرایت منه جفوة، فلما قدمت علی رسول اللهﷺ ذکرت علیا، فتنقصته، فرایت وجه رسول اللهﷺ یتغیر، فقال: یا بریدة! الست اولی بالمومنین فی انفسهم؟ قلت: بلی، یارسول الله! قال: من کنت مولاه فعلی مولاه. رواه احمد والنسائی فی السنن الکبری والحاکم وابن ابی شیبه۔ (أخرجه أحمد بن حنبل فی المسند،۳۴۷/۵، الحدیث رقم: ۲۲۹۹۵، والنسائی فی السنن الکبری،۱۳۰/۵، الحدیث رقم: ۷۴۲۵، والحاکم فی المستدرک، ۱۱۰/۳، الحدیث رقم:۴۵۷۸، وابن ابی شیبه فی المصنف،۸۴/۱۲، الحدیث رقم:۱۲۱۸۱)

"حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علیؓ کے ساتھ یمن کے غزوہ میں شرکت کی جس میں مجھے آپ سے کچھ شکوہ ہوا۔ جب میں حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں واپس آیا تو میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے حضرت علیؓ کا ذکر کرتے ہوئے ان کے بارے میں تنقید کی۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہوگیا اور آپ ﷺ نے فرمایا: "اے بریدہ! کیا میں مومنین کی جانوں سے قریب تر نہیں ہوں؟" اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں، امام نسائی نے "السنن الکبریٰ" میں اور امام حاکم اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور امام حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرائط پر صحیح ہے۔"

۲۷۔ عن میمون أبی عبدالله، قال: قال زید بن أرقمؓ وأنا أسمع: نزلنا مع رسول الله ﷺ بواد یقال له وادی خم، فامر بالصلاة، فصلاها بهجیر، قال: فخطبنا وظلل لرسول الله ﷺ بثوب علی شجرة سمرة من الشمس، فقال: ألستم تعلمون أولستم تشهدون أنی أولی بکل مومن من نفسه؟ قالو: بلی، قال: فمن کنت مولاه فان علیا مولاه، اللهم! عاد مین عاداه و وال من والاه. رواه أحمد والبیهقی فی السنن الکبری والطبرانی فی المعجم الکبیر۔ (أخرجه أحمد بن حنبل فی المسند، ۳۷۲/۴، والبیهقی فی السنن الکبریٰ، ۱۳۱/۵، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۱۹۵/۵، الحدیث رقم: ۵۰۶۸، بسنده)

"حضرت میمون ابوعبداللہؓ بیان کرتے ہیں میں نے زید بن ارقمؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ہم حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک وادی ...... جسے وادی خم کہا جاتا تھا ...... میں اُترے۔ پس آپ ﷺ نے نماز کا حکم دیا اور سخت گرمی میں جماعت کروائی۔ پھر ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا درآنحالیکہ حضور نبی اکرم ﷺ کو سورج کی گرمی

سے بچانے کے لئے درخت پر کپڑا لٹکا کر سایہ کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تم نہیں جانتے یا (اس بات کی) گواہی نہیں دیتے کہ میں ہر مومن کی جان سے قریب تر ہوں؟" لوگوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: "پس جس کا میں مولا ہوں اُس کا علی مولا ہے، اے اللہ! تو اُس سے عداوت رکھ جو اس سے عداوت رکھے اور اُسے دوست رکھ جو اسے دوست رکھے۔ اس حدیث کو امام احمد نے اپنی "مسند" میں بیہقی نے "السنن الکبریٰ" میں اور طبرانی نے "المعجم الکبیر" می روایت کیا ہے۔"

۲۸۔ عن علیؓ ان النبی ﷺ قال یوم غدیر خم: من کنت مولاہ فعلی مولاہ. رواہ احمد والطبرانی فی المعجم الاوسط۔(أخرجه أحمد بن حنبل فی المسند، ۱/۱۵۲، و الطبرانی فی المعجم الاوسط، ۷/۴۴۸، الحدیث رقم: ۶۸۷۸، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۹/۱۰۷، وأحمد بن حنبل فی فضائل الصحابه، ۲/۷۰۵، الحدیث رقم: ۱۲۰۶، وابن ابی عاصم فی کتاب السنه: ۱۰۴، الحدیث رقم: ۱۲۰۶، وابن عساکر فی تاریخ دمشق الکبیر، ۴۵، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، وابن کثیر فی البدیه و النهایه، ۴/۱۷۱، وحسام الدین الهندی فی کنز العمال، ۱۳/۷۷، ۱۲۸، الحدیث رقم: ۳۶۲۹۵، ۳۶۵۱۱)

"(خود) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے غدیر خم کے دن فرمایا: جس کا میں مولا ہوں اُس کا علی مولا ہے۔ اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے، اور طبرانی نے المعجم الاوسط میں روایت کیا ہے"

۲۹۔ عن عمار بن یاسرؓ یقول: وقف علی علی بن ابی طالبؓ

سائل وهو راكع في تطوع فنزع خاتمه فاعطه السائل، فاتي رسول الله ﷺ فاعلمه زلك، فنزلت على النبي ﷺ هذا الاية: ﴿انما وليكم الله ورسوله والذين امنوا الذين يقيمون الصلاة ويوتون الزكاة وهم راكعون﴾ فقراها رسول الله ﷺ ثم قال: من كنت مولاه فعلي مولاه، اللهم! وال من والاه وعاد من عاداه. رواه احمد والحاكم والطبراني في المعجم الاوسط۔/أخرجه أحمد بن حنبل في المسند، ۱۱۹:۱ وفيه أيضا، ۳۷۲/۴ والحاكم في المستدرك، ۱۱۹/۳، ۳۷۱، الحديث رقم: ۴۰۷۶، ۵۵۹۴، والطبراني في المعجم الاوسط، ۱۲۹/۷، ۱۳۰، الحديث رقم: ۱۲۲۸، والطبراني في المعجم الكبير، ۱۷۲/۷، الحديث رقم: ۴۰۵۳، وفي، ۱۹۵/۵، ۲۰۳، ۲۰۴، الحديث رقم: ۵۰۶۸، ۵۰۶۹، ۵۰۹۲، ۵۰۹۷، والطبراني في العجم الصغير، ۶۵/۱، والهيثمي في مجمع الزوائد، ۱۷/۷، والهيثمي في موارد الظعآن: ۵۴۴، الحديث رقم: ۲۲۰۵، وخطيب البغدادي في تاريخ بغداد، ۳۷۷/۷)

"حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ ایک سائل حضرت علیؑ کے پاس آ کر کھڑا ہوا۔ آپؑ نماز میں حالت رکوع میں تھے۔ اُس نے آپؑ کی انگوٹھی کھینچی۔ آپؑ نے انگوٹھی سائل کو عطا فرما دی۔ حضرت علیؑ رسول اکرم ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو اُس کی خبر دی۔ اس موقع پر آپ ﷺ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿بے شک تمہارا (مددگار) دوست اللہ اور اُس کا رسول ہی ہے اور (ساتھ) وہ ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ (اللہ کے حضور عاجزی سے) جھکنے والے ہیں﴾ آپ ﷺ نے اس آیت کو پڑھا اور فرمایا: "جس کا مولا ہوں اُس کا علی مولا ہے، اے اللہ! جو اسے دوست

رکھے تو اُسے دوست رکھ اور جو اس سے عداوت رکھے تو اُس سے عداوت رکھ۔ اس حدیث کو امام احمد بن حنبل، امام حاکم اور امام طبرانی نے المعجم الکبیر اور المعجم الاوسط میں روایت کیا ہے۔"

۳۰۔ عن عطية العوفي، قال: سالت زيد بن أرقم، فقلت له: ان ختنا لى حدثنى عنک بحديث فى شان علىؓ يوم غدير خم، فانا أحب ان اسمعه منک۔ فقال: انكم معشر أهل العراق فيكم مافيكم، فقلت له: ليس عليک من باس، فقال: نعم، نعم، كنا بالجحفة، فخرج رسول اللهﷺ الينا ظهرا وهو اخذ بعضد علىؓ فقال: ياايها الناس! الستم تعلمون انى اولى بالمومنين من انفسهم؟ قالو: بلى، قال: فمن كنت مولاه فعلى مولاه، قال: فقلت له: هل قال: اللهم! وال من والاه وعاد من عاداه؟ فقال: انما أخبرک كما سمعت. رواه احمد والطبرانى فى المعجم الكبير۔ (أخرجه احمد بن حنبل فى المسند ۳۶۸/۴، والطبرانى فى المعجم الكبير، ۱۹۵/۵، الحديث رقم: ۵۰۷۰)

"حضرت عطیہ عوفیؒ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے زید بن ارقم سے پوچھا: میرا ایک داماد ہے جو غدیر خم کے دن حضرت علیؑ کی شان میں آپ کی روایت سے حدیث بیان کرتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس حدیث کو آپ سے (براہ راست) سنوں۔ زید ابن ارقم نے کہا: تم اہل عراق ہو تمہاری عادتیں تمہیں مبارک ہوں۔ میں نے ان سے کہا کہ میری طرف سے انہیں کوئی اذیت نہیں پہنچے گی۔ (اس پر) انہوں نے کہا: ہم جحفہ کے مقام پر تھے کہ ظہر کے وقت حضور نبی اکرمﷺ حضرت علیؑ کا بازو تھامے ہوئے باہر تشریف لائے۔ آپﷺ نے فرمایا: "اے لوگو! کیا تمہیں علم نہیں کہ میں مومنوں کی

جانوں سے بھی قریب تر ہوں؟" انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: "جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے" عطیہ نے کہا: میں نے مزید پوچھا: کیا آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: اے اللہ! جو علی کو دوست رکھے اُسے تو بھی دوست رکھ اور جو اس سے عداوت رکھے اُس سے تو بھی عداوت رکھ؟" زید بن ارقم نے کہا: میں نے جو کچھ سنا تھا وہ تمہیں بیان کر دیا ہے۔ اس حدیث کو امام احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔"

۳۱۔ عن ابی الطفیل، قال: جمع علیؓ الناس فی الرحبة، ثم قال لهم، انشد الله کل امرئ مسلم سمع روسول الله ﷺ یقول یوم غدیر خم ما سمع الما قام، فقام ثلاثون من الناس، وقال ابونعیم: فقام ناس کثیر فشهدوا حین اخذه بیده، فقال للناس: اتعلمون انی اولی بالمومنین من انفسهم؟ قالو: نعم، یارسول الله! قال: من کنت مولاہ فهذا مولاه، اللهم! وال من واله وعاده من عاداه، قال فخرجت و کان فی نفسی، شیئا فلقیت زید بن ارقم فقلت له: انی سمعت علیاؓ یقول کذا و کزا، قال تنکر قد سمعت رسول الله ﷺ یقول ذلک له۔ راوه ابن حبان وأحمد والحاکم (أخرجه ابن حبان الصحیح، ۳۷۶/۱۵، الحدیث رقم: ۶۹۳۱ وأحمد بن فی المسند، ۳۷۰/۴، وأحمد بن حنبل، فضائل الصحابه، ۶۸۲:۲، رقم: ۱۱۶۷، والحاکم فی المستدرک، ۱۰۹/۳، الحدی رقم: ۴۵۷۶، والنبرار فی المسند، ۱۳۳/۲، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۱۰۴/۹، وابن ابی عاصم فی کتاب السنه: ۶۰۳، الحدیث رقم: ۱۳۶۶، والبیهقی فی السنن الکبریٰ، ۱۳۴/۵، ومحب الدین أحمد

الطبری فی الریاض النضرة فی مناقب العشرہ، ۱۲۷/۳، وابن عساکر فی تاریخ دمشق الکبیر، ۱۵۶/۴۵، وابن کثیر فی البدایہ والنہایہ، ۲۶۰/۵، ۲۶۱)

"ابو طفیل سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے لوگوں کو ایک کھلی جگہ (رحبہ) میں جمع کیا، پھر ان سے فرمایا: ہر مسلمان کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ جس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غدیر خم کے دن (میرے متعلق) کچھ فرماتے ہوئے سنا ہے وہ کھڑا ہو جائے۔ اس پر تیس (۳۰) افراد کھڑے ہوئے جبکہ ابو نعیم نے کہا کہ کثیر افراد کھڑے ہوئے اور انہوں نے گواہی دی کہ (ہمیں وہ وقت یاد ہے) جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر لوگوں سے فرمایا: "کیا تمہیں اس کا علم ہے کہ میں مومنین کی جانوں سے قریب تر ہوں؟" سب نے کہا: ہاں، یا رسول اللہ! تو اسے دوست رکھ جو اسے دوست رکھے اور تو اس سے عداوت رکھ جو اس سے عداوت رکھے۔" راوی کہتے ہیں کہ جب میں وہاں سے نکلا تو میرے دل میں کچھ شک تھا۔ اسی دوران میں زید ابن ارقمؓ سے ملا اور انہیں کہا کہ میں نے حضرت علیؓ کو اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے۔ (اس پر) زید بن ارقمؓ نے کہا: تو کیسے انکار کرتا ہے جبکہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علیؓ کے متعلق ایسا ہی فرماتے ہوئے سنا ہے؟ اس حدیث کو ابن حبان، احمد بن حنبل اور حاکم نے روایت کیا ہے۔"

۳۲۔ عن ریاح بن الحارث: قال جاء رہ الیٰ علیؓ بالرحبة فقالوا! السلام علیک یا مولانا! قال: کیف أکون مولاً کم وانتم قوم عرب؟ قالوا: سمعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم غدیر خم یقول: من کنت مولاہ فان ہذا مولاہ، قال ریاح: فلما مضوا تبعتهم فسالت من ہوالاء؟ قالوا: نفر

من الانصار فيهم ابو ايوب الانصاري. رواه أحمد والطبراني في المعجم الكبير. (أخرجه أحمد بن حنبل في المسند، ٥/ ٤١٩، و الطبراني في المعجم الكبير، ٤/ ١٧٣، ١٧٤، الحديث رقم: ٤٠٥٢، ٤٠٥٣، وابن ابي شيبه في المصنف، ١٢/ ٦٠، الحديث رقم: ١٢١٢٢. وأحمد بن حنبل في فضائل الصحابه، ٢/ ٥٧٢، الحديث رقم: ٩٦٧، والهيثمي في مجمع الزوائد، ٩/ ١٠٣، ١٠٤، ومحب طبري في الرياض النضره في مناقب العشرة، ٤/ ١٧٢، وابن كثير في البدايه والنهايه، ٥/ ٤٦٢)

"حضرت ریاح بن حارث سے روایت ہے کہ ایک وفد نے حضرت علیؓ سے ملاقات کی اور کہا: اے ہمارے مولا! آپ پر سلامتی ہو۔ حضرت علیؓ نے پوچھا: میں کیسے آپ کا مولا ہوں حالانکہ آپ تو قوم عرب ہیں (کسی کو جلدی قائد نہیں مانتے)۔ انہوں نے کہا: ہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے: "جس کا میں ہوں بے شک اس کا یہ (علی) مولا ہے۔" حضر ریاح نے کہا: جب وہ لوگ چلے گئے تو میں ان سے جا کر پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ انصار کا ایک وفد ہے، ان میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی ہیں۔ اس حدیث کو امام احمد حنبل نے اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایات کیا ہے۔"

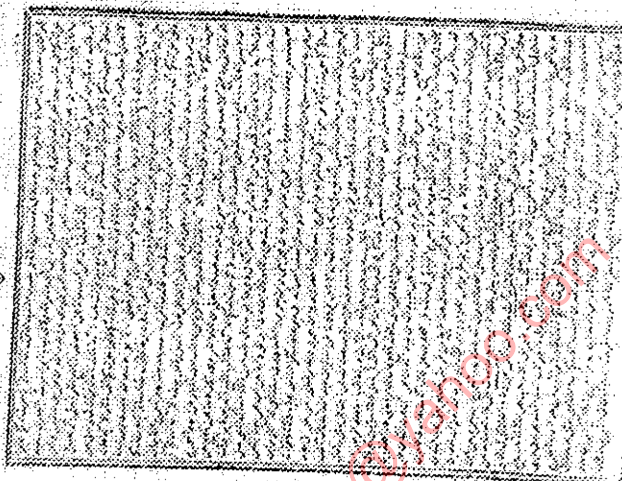
٣٣۔ عن رياح بن الحارث قال: بينا عليؓ جالس في الرحبة اذجاء رجل وعليه اثر السفر فقال: اسلام عليك يا مولى فقيل من هذا؟ ابو ايوب انصاري قال: ابو ايوب سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يقول: من كنت مولاه فعلي مولاه. رواه الطبراني في المعجم الكبير وابن ابي

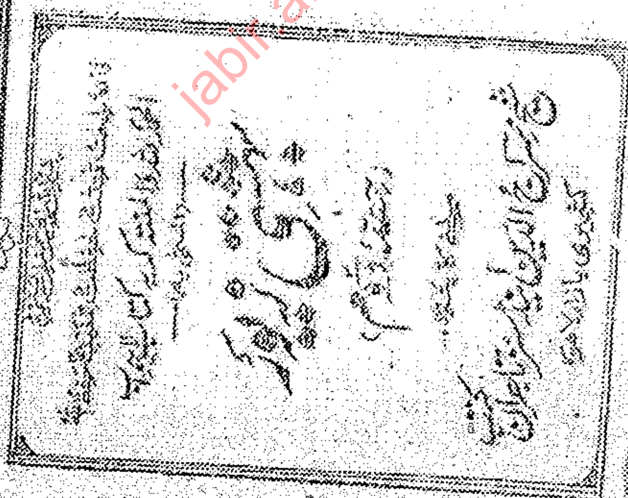
شيبة (أخرجه الطبراني في المعجم الكبير، ۴/ ۱۷۳، الحديث رقم: ۴۰۵۲، ۴۰۵۳، وابن ابی شيبة فی المصنف، ۶/ ۳۶۶، الحديث رقم: ۳۲۰۷۳، والنيسابوری فی شرف المصطفى، ۵: ۴۰۵)

"حضرت ریاح بن حارثؓ بیان کرتے ہیں کہ اس دوران جبکہ حضرت علیؓ صحن میں تشریف فرما تھے ایک آدمی آیا، اس پر سفر کے اثرات نمایاں تھے، اس نے کہا: السلام علیک اے میرے مولا! پوچھا کیا یہ کون ہے؟ آپؓ نے فرمایا: ابو ایوب انصاری ہیں۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ بیان کرتے ہیں میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے۔ اس حدیث کا امام طبرانی نے "المعجم الکبیر" میں اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔"

۳۴۔ عن زيد بن أرقم، قال استشهد علی الناس، فقال: أنشد الله رجلا سمع النبی ﷺ يقول: اللهم! من كنت مولاه، فعلی مولاه، اللهم! وال من والاه، وعاد من عاداه، قال: فقام ستة عشر رجلا، فشهدوا، رواه أحمد والطبرانی فی المعجم الكبير۔ (أخرجه أحمد بن حنبل فی المسند ۵/ ۳۷۰، والطبرانی فی المعجم الكبير، ۵/ ۱۷۱، الحديث رقم: ۴۹۸۵، والهيثمی فی مجمع الزوائد، ۹/ ۱۰۶، ومحب الدين أحمد الطبری فی ذخائر العقبى فی مناقب ذوی القربى: ۱۲۵، ۱۲۶، وايضا فی الرياض النضره فی مناقب العشره، ۳/ ۱۲۷، وابن كثير فی البدايه والنهايه، ۵/ ۲۱۶)

"حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے لوگوں سے گواہی طلب کرتے ہوئے کہا کہ میں تمہیں قسم دیتا ہوں جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اے اللہ! جس کا میں مولا ہوں، اُس کا علی مولا ہے، اے اللہ! تو اُسے دوست رکھ جو اسے دوست رکھے اور تو اُس سے عداوت رکھ جو اس سے عداوت رکھے۔" پس اس (موقع) پر سولہ (۱۶) آدمیوں نے کھڑے ہو کر گواہی دی۔ اس حدیث کو امام احمد بن حنبلؒ اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔





العقد الفريد

لأبي عمر أحمد بن محمد بن عبد ربه الأندلسي

الجزء الثالث

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

(الطبعة الثانية سنة ١٣٦٢ هـ ١٩٤٤ م)

[illegible]

إذ أنها حتى قال في رواية: تجوز الصلاة معها إذا كانت مثل الدرهم البغلي، وكذلك مثل الكف، وفي رواية، وهو اختيار أبي يوسف — إذا كان دون ربع الثوب كما تجوز الصلاة فيه، وهذا يناقض مقصود الشرع من الصلاة.

وكذلك تجوز الصلاة في جلد الكلب.

والكلب حيوان نجس شرعاً، نهى الشارع عن اقتناء الكلب إعجاباً به، وأمر الشارع بقتل الكلب ردعاً، وبالغ في التنزيه حتى اعتبر العدد في غسل ولوغه، وخلط بعض التراب إلى الماء الطهور، فطبعاً للتحقق عن اقتناء الكلب، واتخاذ جلده من الكلب فكيف يجوز التقرب إلى الله تعالى بلبس جلود من جلد حيوان حرم الشرع اقتناءه؟

هذا إلى السلام.

وإن الشافعي رضي الله عنه والأصل الذي انبنى عليه هذه الصلاة من الدلالات الشرعية...

[illegible]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

شخصیت اور کردار

جلد دوم

حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی

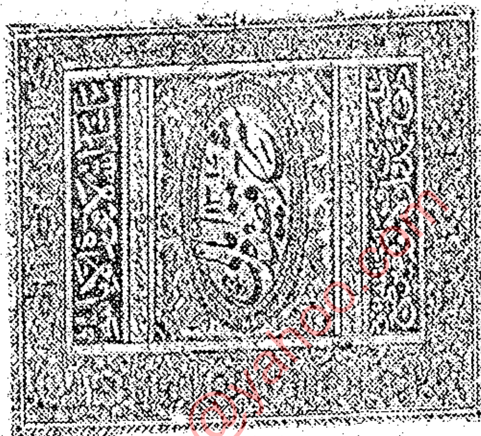
ناشر

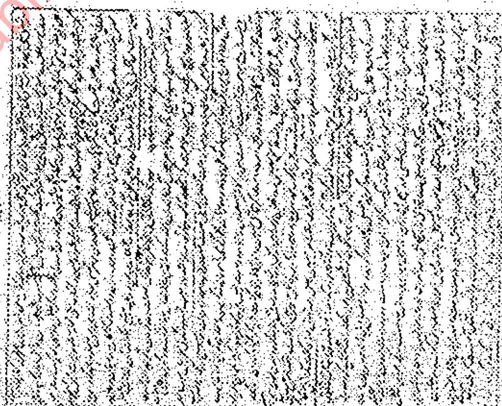
کتب خانہ مجیدیہ

بیرون بوہڑ گیٹ ملتان شہر

السلام علیک یا مہدی صاحب الزمان العجل العجل العجل

السلام علیک یا مہدی صاحب الزمان العجل العجل العجل





مسند

أبي داود الطيالسي

للحافظ الكبير سليمان بن داود بن الجارود
الفارسي البصري الشهير بأبي داود الطيالسي
المتوفى سنة ٢٠٤ هجرية

دار المعرفة
بيروت - لبنان

السلام علیک یا مهدی صاحب الزمان العجل العجل العجل

